301-2C
ت خ 3ا ۱

خطباتِ عبدالحق

ذخیرہ
2326

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ۔ کراچی

Marfat.com

خطباتِ عبدالحق

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کے خطبات اور تقاریر
کا مجموعہ

مُرتبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۲۵۶/۳۱۱

60452

اشاعت اوّل	۱۹۵۲ء
اشاعت ثانی	۱۹۶۴ء
تعداد	ایک ہزار
طابع	انجمن پریس کراچی
کتابت	فیض الکتابت
قیمت	گیارہ روپے

Marfat.com

فہرست

شمار		صفحہ
	حرفے چند — جمیل الدین عالی	۱-ب
	پیش لفظ — ڈاکٹر عبادت بریلوی	۵
۱	خطبۂ صدارت انڈین اورنٹیل کانفرنس	۱۷
۲	خطبۂ صدارت شعبۂ اردو ہندستانی اکیڈمی	۴۴
۳	خطبۂ صدارت انجمن حمایتِ اسلام لاہور	۵۹
۴	خطبۂ صدارت انجمن ترقی پسند مصنفین ہند	۸۷
۵	خطبۂ صدارت بہار اردو کانفرنس	۹۱
۶	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس علی گڑھ	۱۰۸
۷	خطبۂ صدارت سندھ پراونشل اردو کانفرنس کراچی	۱۴۳
۸	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس صوبہ متوسط ناگ پور	۱۶۱
۹	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس ناگ پور	۱۷۰
۱۰	خطبۂ صدارت شعبۂ صحافت آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس تروپتی (جنوبی ہند)	۱۹۱
۱۱	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس لاہور	۲۲۱
۱۲	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس گوالیار	۲۳۵
۱۳	خطبۂ صدارت کل پنجاب اردو کانفرنس لائل پور	۲۴۵
۱۴	خطبۂ صدارت یوم اردو انجمن حمایتِ اسلام لاہور	۲۵۴
۱۵	خطبۂ صدارت شعبۂ اردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ	۲۶۷
۱۶	خطبۂ صدارت شمالی بنگال اردو کانفرنس دیناج پور (بنگال)	۲۹۵
۱۷	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس کالی کٹ (ملیبار)	۳۱۸
۱۸	خطبۂ صدارت اردو کانفرنس بمبئی	۳۳۳

Marfat.com

فہرست

۱۹	خطبۂ صدارت پنجاب یونی ورسٹی اُردو کانفرنس لاہور	۳۵۰
۲۰	خطبۂ صدارت کُل گجرات اُردو کانفرنس احمد آباد	۳۷۷
۲۱	خطبۂ صدارت سالانہ جلسہ بلوچستان ٹیچرز ایسوسی ایشن	۴۰۱
۲۲	خطبۂ صدارت مجلسِ ادب لاہور	۴۲۰
۲۳	خطبۂ صدارت خیرپور اُردو کانفرنس	۴۳۸
۲۴	خطبۂ صدارت انجمن ترقی پسند مصنفین کراچی	۴۴۹
۲۵	تقریر مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ	۴۵۶
۲۶	ہندُستانی کیا ہے؟	۴۷۳
۲۷	مخلوط زبان	۴۸۱
۲۸	ہندی اُردو کا جھگڑا	۴۹۳
۲۹	حامیانِ اُردو	۵۰۲
۳۰	تقریر سندھ پراونشل اُردو کانفرنس	۵۰۹
۳۱	تقریر اُردو کانفرنس کراچی	۵۱۴
۳۲	آسان اُردو	۵۳۹
۳۳	ملک کے نئے دَور میں اُردو کا مقام	۵۴۸
۳۴	حالی اور انسانیت	۵۵۶
۳۵	خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس بنگلور	۵۷۰
۳۶	خطبۂ صدارت مغربی پاکستان اردو کانفرنس۔لاہور	۵۸۲
۳۷	خطبۂ صدارت مرکز علم وادب۔ میرپور خاص	۵۹۹
۳۸	خطبۂ صدارت ۔ پاکستان رائٹرز کنونشن۔ کراچی	۶۱۱
۳۹	اشاریہ	۶۲۱

Marfat.com

حرفِ چند

بابائے اردو مرحوم کے علمی کارناموں میں ان کے خطبات کو نمایاں مقام مل چکا ہے۔ ان کا ہر خطبہ اپنے موضوع پر ایک مستقل مقالے کی حیثیت رکھتا ہے اور اردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے والے ان خطبات کا مطالعہ ناگزیر سمجھتے ہیں۔

یہ خطبات آزادی سے پہلے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے تھے۔ دوسری مرتبہ انہیں محترم ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مرتب کیا اور انجمن کے اشاعت گھر نے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا۔

اب موجودہ اشاعت میں مندرجہ ذیل خطبوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ خطبہ صدارت اردو کانفرنس بنگلور ۱۹۴۷ء
۲۔ خطبہ صدارت مغربی پاکستان اردو کانفرنس ۱۹۵۹ء
۳۔ خطبہ صدارت مرکز علم و ادب۔ میرپور خاص ۱۹۵۹ء
۴۔ خطبہ صدارت پاکستان رائٹرز گلڈ کراچی ۱۹۵۹ء

تقریباً یہ تمام خطبات بابائے اردو نے انجمن کے معتمد اور صدر کی حیثیت سے ارشاد فرمائے تھے اس وجہ سے ان خطبات میں مختلف مسائل پر انجمن کا موقف اور گاہ بہ گاہ اس کی تاریخ بھی آمیز ہے۔ اس پر بابائے اردو کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور ان کا انداز بیان مستزاد۔

"باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنئے گا"

جمیل الدین عالی
معتمد اعزازی

۱۹۶۳ء

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب قبلہ کے خطبات اور تقاریر کا یہ مکمّل مجموعہ ہے۔

ان خطبات اور تقاریر کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ایک عظیم شخصیت بے نقاب نظر آتی ہے ــــــــــــــ ایک ایسی عظیم شخصیت جس نے ماضی کو سمجھا ہے، حال کو دیکھا ہے اور مستقبل پر غور کیا ہے جس میں تہذیبی اور ثقافتی مسائل کا ایسا گہرا شعور ہے جو موجودہ دور میں کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتا جس میں ادب و شعر کا ایسا رچا ہوا مذاق ہے جس کی مثال کہیں اور مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ جس نے زبان اور کلچر کے مختلف پہلوؤں پر اس طرح غور کیا ہے جس کا پتہ کہیں اور نہیں چلتا۔ جس میں علم و ادب کو ترقی دینے اور پروان چڑھانے کی ایسی لگن ہے۔ جو کسی دُوسرے کے یہاں دکھائی نہیں دیتی جس نے ادبی تحقیق و تنقید کا وہ اعلا معیار پیش کیا ہے جو کوئی اور پیش نہ کرسکا۔ اور اس شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رفعت اور بلندی ہے، ایک مضبوطی اور استواری، ایک وسعت اور کشادہ دلی ہے۔ ایک عقلیت اور روشن دماغی ہے۔ ایک گہرائی اور گیرائی ہے۔ ایک حلم اور بردباری ہے۔ ایک ملتے دیئے رہنے والا انداز ہے۔ اس شخصیت

Marfat.com

کی یہ بنیادی خصوصیات ان خطبات اور تقاریر میں بھی بے نقاب ہیں۔ اور اس اعتبار سے ان کی اہمیت مسلّم ہے۔

یہ خطبات زیادہ تر زبان اور لسان کے موضوعات سے متعلق ہیں۔ ان میں اُردو زبان کی تاریخ، اس کی ابتدا کے متعلق نظریات، اس کی تہذیبی و ثقافتی اہمیت، اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی کیفیت، برّ عظیم کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اس کی برتری اور عظمت ——— یہ اور اُردو زبان سے متعلق اسی طرح کے اور ان گنت مسائل پر ان میں مفصّل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے ——— ان موضوعات پر بحث کرتے ہوئے بابائے اُردو کا زاویۂ نظر تحقیقی اور تنقیدی رہا ہے۔ اُردو زبان سے انھیں والہانہ وابستگی اور بے پایاں محبت ہے۔ وہ اسے دوسری زبانوں کے مقابلے میں بلند و برتر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اُردو زبان کے بارے میں ان خطبات اور تقاریر میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جس کی بنیادیں عقل و شعور پر استوار نہ ہوں۔ برخلاف اس کے اس سلسلے میں جو خیال بھی انہوں نے پیش کیا ہے، جس نظریے کی وضاحت بھی کی ہے، ان سب میں ایک منطقی انداز پایا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان میں پیش کی ہوئی ہر بات، ہر خیال اور ہر نظریے میں ایک وزن ہوتا ہے۔ پھر چوں کہ ان میں خلوص کی فراوانی ہوتی ہے، اس لئے ان کے پیش کئے ہوئے تمام خیالات و نظریات دل میں اُتر جاتے ہیں۔ ان کا اثر عالم گیر ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں زبان و لسان کے موضوعات سے

Marfat.com

دلچسپی لینے کی ایک فضا عام ہوجاتی ہے۔

ان خطبات اور تقاریر کی یہ سب سے نمایاں خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعے اپنی زبان سے دلچسپی لینے کی فضا قائم ہوئی ہے۔ ہماری قوم میں اپنی زبان سے دلچسپی لینے اس کو ترقی دینے اور پروان چڑھانے کا کوئی شعور نہیں تھا۔ اور اب بھی اس بات کا جیسا شعور ہونا چاہیئے نہیں ہے۔ لیکن جو بھی تھوڑا بہت شعور ہماری قوم کے افراد میں اپنی زبان کے "منت پذیرِ شانہ، گیسوؤں" کے سنوارنے کا آج نظر آتا ہے، وہ سب بابائے اردو کی ذات اور ان کے خطبات و تقاریر کا نتیجہ ہے۔ سرسید ہمارے پہلے رہنما تھے جنھوں نے زبان کی سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی، ملکی اور ملی اہمیت کو محسوس کیا تھا۔ اس کے بعد ان کے بعض رفقا نے اس کی طرف توجہ کی۔ لیکن ان کے سامنے کام کرنے کے لئے دوسرے میدان بھی تھے۔ اس لئے وہ اس کام کی طرف پوری توجہ نہ کرسکے البتہ آگے چل کر مولوی عبدالحق صاحب نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا، اور اس کام کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کردی۔ اس کے ہر پہلو پر غور کیا۔ ہر مسئلے کو سلجھایا۔ اس کو ترقی دینے کے منصوبے بنائے۔ اس کی صحیح اہمیت کو متعین کرنے کا لائحہ عمل تیار کیا۔ چناں چہ اس کی اہمیت اور ضرورت کا صحیح احساس قوم کے افراد میں بڑی حد تک عام ہوا۔ اور اس طرح زبان کے مسائل سے دلچسپی لینے کی ایک فضا قائم ہوئی۔ اس فضا نے قومی زندگی اور اس کے مدوجزر پر گہرا اثر ڈالا۔

زبان کے بارے میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ کسی قوم

Marfat.com

زبان کا دورِ دورہ تھا۔ اور فارسی کے مقابلے میں اس نئی زبان کو بھلا
کوئی کس طرح خاطر میں لاتا۔ لیکن زبان ایک ایسا جادو ہے جو سر پر
چڑھ کر بولتا ہے۔ اُردو زبان کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی لیکن
چوں کہ وہ عوام کی زبان تھی، اور تاریخی تقاضوں نے اس کو جنم دیا تھا،
اس لئے وقت کے ساتھ ساتھ وہ دلوں میں گھر کرنے لگی۔ اور ایک
زمانہ ایسا بھی آیا جب عوام و خواص دونوں اس کے دل دادہ ہو گئے
لیکن سیاسی اور سماجی، تہذیبی اور ثقافتی انحطاط و زوال نے اسے
تیزی سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ وہ محض شعر و شاعری کی زبان ٹھیری۔
اور شعر و شاعری بھی ایسی جس کا مقصد دل بہلانا اور وقت گزارنا
تھا۔ انگریزوں کی توجہ سے اُسے کسی قدر فائدہ ضرور ہوا، لیکن
انگریزوں کو اس زبان سے زیادہ اپنی حکومت کی استواری عزیز
تھی۔ بلکہ انہوں نے اسی بنیادی خیال کے زیرِ اثر اُردو کی ترقی وارتقا
میں حصہ لیا تھا۔ چناں چہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انگریزوں نے فورٹ
ولیم کالج قائم کر کے اُردو کی بڑی خدمت انجام دی، لیکن اس کے
ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُردو ہندی کے جھگڑے کو بھی
انگریزوں ہی نے کھڑا کیا۔ اور وہ برابر اس کو ہوا دیتے رہے۔
سر سیّد اور اُن کے رفقا نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش کی
لیکن اس معاملے میں انھیں بھی کام یابی نہیں ہوئی۔ یہ جھگڑا ایک بڑی
سازش کا نتیجہ تھا۔ موجودہ دَور میں اس نے بڑی پیچیدہ صورت اختیار
کر لی تھی۔ کیوں کہ زبان کے مسئلے کو سیاست کا مسئلہ بنا دیا گیا تھا۔ اس
سے اُردو کو بڑا نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر

Marfat.com

مولوی عبدالحق صاحب کی ذات اس مسئلے کی اہمیت کو محسوس نہ کرتی اور ان سیاسی بازی گروں کا پول نہ کھولتی جو ہندی اور ہندستانی کی تحریک چلا کر اُردو کو کُند چھری سے ذبح کر دینا چاہتے تھے تو خدا جانے آج اس زبان کا کیا حشر ہوتا۔

مولوی صاحب نے اس موضوع کی طرف خاص طور پر توجہ کی۔ اُنھوں نے اس ساری سازش کا پول کھول دیا جو اُردو کے خلاف کی جا رہی تھی۔ انھوں نے صرف اس خیال سے ہندی کے مقابلے میں اُردو کی حمایت نہیں کی کہ وہ ان کی زبان تھی بلکہ اس وجہ سے اس کا ساتھ دیا کہ وہ ہندستان کے اس کلچر کا سرمایہ تھا جو ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے پیدا ہوا تھا۔ مولوی صاحب اپنی تحریر و تقریر سے اس بنیادی خیال کو پھیلانے اور رجعت پسندوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ان پر اثر نہیں ہوا۔ البتہ اس صورتِ حال نے ایک خاصے بڑے طبقے میں زبان کی حفاظت کا شعور پیدا کیا۔ اور آج جو ہم ہندی کے مقابلے میں اُردو سے اتنی دل چسپی دیکھتے ہیں، یہ سب مولوی صاحب قبلہ ہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ خطبات اور تقاریر میں جگہ جگہ اس موضوع پر مباحث کا سلسلہ ملتا ہے۔ لیکن اس بحث میں خلوص اور صداقت کے عناصر سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ عصبیت نام کو نظر نہیں آتی۔ جذباتیت کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ لیے دیے رہنے والا انداز کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔ منطقی استدلال کی خصوصیت کسی جگہ بھی نظر انداز نہیں ہوتی۔ خطبات اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اُردو زبان

Marfat.com

کی تاریخ میں اس کو سنوارنے کا جو شعور کام کرتا ہوا کہیں کہیں نظر آتا ہے وہ شعور موجودہ دَور میں ان خطبات و تقاریر نے پیدا کیا ہے۔ اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اس زبان سے دلچسپی کی ایک فضا بڑی حد تک عام ہوئی ہے۔ اس کے بولنے والے چاہے عملی طور پر اس کے لیئے کچھ نہ کریں لیکن کم از کم یہ چاہتے ضرور ہیں کہ یہ زبان زیادہ سے زیادہ ترقی کرے۔

خطبات میں اُردُو زبان کو ترقی کے راستوں پر گام زن کرنے کا ایک مکمل اور واضح لائحہ عمل بھی موجود ہے۔ اس کا ذکر جگہ جگہ ان خطبات میں آتا ہے۔ مولوی صاحب بار بار اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ زبان بغیر ایک شعوری کوشش کے خاطر خواہ ترقی نہیں کرسکتی۔ علمی اور عملی دونوں طرح کے کام زبان کو آگے بڑھانے میں مدد کرتے ہیں۔ اَدبی سرمائے میں اضافہ بھی اس کی رفتارِ ارتقا کو تیز سے تیز تر کرتا ہے۔ تحقیق و تفتیش بھی اُس کے لئے ضروری ہے۔ مولوی صاحب نے ان تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اب یہ باتیں اُردُو دانوں کے لئے نئی نہیں ہیں۔ ان کے سامنے اپنی زبان کو ترقی دینے کے لائحہ عمل کا ایک مکمل نقشہ موجود ہے۔ مولوی صاحب کے خطبات اور تقاریر نے اس سلسلے میں بھی بڑا کام کیا ہے۔

یہ خطبات اگرچہ عام جلسوں میں دیے گئے ہیں اور یہ تقریریں عوام کے سامنے کی گئی ہیں لیکن ان میں ایک عالمانہ انداز ہر جگہ موجود ہے۔ تحقیق اور چھان بین کا رجحان ان میں قدم قدم پر ملتا ہے۔ مختلف

Marfat.com

علوم کے اثرات ان میں جگہ جگہ کارفرما نظر آتے ہیں۔ وسیع مطالعے نے ان میں پیش کئے ہوئے خیالات میں ایک ہمہ گیری اور وسعت پیدا کردی ہے۔ زندگی اور اس کے مسائل کے گہرے شعور نے ان کو گہرائی اور گیرائی سے آشنا کردیا ہے۔ حالات کی صحیح نباضی نے ان میں تجزیاتی انداز کی تمام خصوصیات پیدا کردی ہیں — ان کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے لسانیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لسانی حقائق کو وہ بڑی خوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی ذہن نشین ہوتی ہے کہ ہندستان کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ پر ان کی نظر بڑی گہری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں تہذیبی و ثقافتی مسائل کا تجزیہ بڑی گہرائی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ ادب اور تنقید کے مسائل کو وہ بڑے عالمانہ زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ادبی اور تنقیدی مسائل کے بیان میں بڑی وسعت اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ گویا مجموعی اعتبار سے ان میں عالمانہ شان ہر جگہ نمایاں ہے۔ لیکن اس عالمانہ شان کے باوجود وہ خصوصیت بھی ہے جو ان کو عوام سے قریب کرتی ہے۔ جس کے باعث عام افراد کے لئے بھی وہ دلچسپی اور افادے کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ خصوصیت نظریاتی صفائی سے پیدا ہونے والی آسان پسندی کے ہاتھوں ظہور میں آتی ہے۔ اسی خصوصیت نے ان خطبات اور تقاریر میں بڑی عالمانہ باتوں کو عام فہم بنادیا ہے۔

اسلوب اور اندازِ نگارش کے اعتبار سے بھی یہ خطبات بڑی

Marfat.com

اہمیت رکھتے ہیں۔ اُردو نثر کے اسالیب میں بھی ان کا ایک مخصوص مرتبہ ہے سادگی ان کا نمایاں ترین وصف ہے لیکن ان کی اس سادگی میں بھی ایک پُرکاری ہے۔ الفاظ کا دروبست اور محاوروں کا استعمال اس صورتِ حال کے پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان میں عبارت آرائی نہیں ہے لیکن ایک تسلسل اور روانی ہے جو ان کے افکار و خیالات کے تسلسل اور روانی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ ان میں ایک بے ساختگی اور برجستگی ہے جو نظریات کی بے باکی کی پیدا کردہ ہے۔ ان میں مشکل پسندی نام کو نہیں۔ برخلاف اس کے سلاست ہے جو معنوی آسان پسندی کے ہاتھوں وجود میں آئی ہے۔ اس میں زور ہے! جس کو خیال کی قطعیت نے پیدا کیا ہے۔ اس میں جوش ہے جو جذبے کی فراوانی اور احساس کی شدت کا بنیادی نتیجہ ہے۔ اس میں ولولہ انگیزی ہے جو نظریاتی خلوص اور صداقت کے نتیجے میں اپنے آپ کو نمایاں کرتی ہے —— اور ان تمام باتوں نے مل کر اس اسلوب اور اندازِ نگارش کے ہیولے کو تیار کیا ہے جو اپنے اچھوتے پن کے باعث ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں دل موہ لینے والی کیفیت ہے۔ جس کا اثر وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ جس میں تاثر کا جادو ہے —— مولوی صاحب کے ہر خطبے اور ہر تقریر میں یہ خصوصیات نماں ہیں اور ان خصوصیات نے انھیں چار چاند لگا دیے ہیں۔

یہ خطبات معنوی و صوری دونوں اعتبار سے ان گنت خصوصیات کے حامل ہیں، اور ان میں اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہماری تہذیبی

Marfat.com

اور ثقافتی زندگی کی کش مکش کے آئینہ دار ہیں۔ ہماری تہذیب و معاشرت کا قافلہ جن راہوں سے گزرا اُس نے جو منزلیں بھی طے کی ہیں ان کا بیان کسی نہ کسی طرح ان خطبات میں ضرور ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی قومی زندگی کے ارتقا اور تہذیبی و ثقافتی مدوجزر کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے ——— خصوصاً اس دَور میں جب کہ ہم "جگرِ لخت لخت" کو ایک بار پھر جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی خیال ان خطبات کی ازسرِ نو ترتیب کا باعث بنا ہے۔ اس سے قبل انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نے انھیں دو حصّوں میں شایع کیا تھا۔ لیکن وہ نامکمّل تھے۔ اب انھیں مکمّل صورت میں تاریخی ترتیب کے ساتھ مرتّب کیا گیا ہے اور آخر میں تقریریں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

شعبۂ اُردو
پنجاب یونی ورسٹی لاہور
۳۰ / جون سنہ ۱۹۵۲ء

عبادت

Marfat.com

خطباتِ عبدالحق

Marfat.com

Marfat.com

خطبۂ صدارت انڈین اورینٹل کانفرنس

دسمبر ۱۹۳۳ء (بڑودہ)

حضرات!

سارے ہندستان میں زبانوں کا ایک سا جال پھیلا ہوا ہی۔ دنیا کے کسی ملک میں اتنی زبانیں نہیں بولی جاتیں جتنی ہمارے دیس میں۔ اُتر والا دکھن میں اور دکھن والا پورب اور پچھم میں ایسا ہی اجنبی ہے جیسا کوئی ہندستانی افریقہ کے کسی خطے میں۔ ندرت کے خیال سے اگر کوئی اس پر فخر کرے تو شاید بے جا نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہی کہ موجودہ حالات میں یہ بھی ملک کی ایک بڑی بدنصیبی ہی۔ قومی اتحاد کے مستحکم کرنے اور قوموں کے بنانے میں زبان کا بھی حصہ ہی۔ جہاں زبانیں اس کثرت سے ہوں جتنی یہاں ہیں، وہاں خیالات کی اشاعت اور باہمی اتحاد میں ضرور مشکل پیش آتی ہی اور یہ مشکل اس وقت ہمارے سامنے بھی ہی۔ لیکن اس افراتفری میں امید کی ایک جھلک اس میں نظر آتی ہی کہ انھی زبانوں میں ایک ایسی بھی ہی جو ملک کے مختلف حصوں میں بولی جاتی اور اکثر حصوں میں سمجھی جاتی ہی اور اس کے بولنے والوں کی تعداد بھی اس قدر کثیر ہی

Marfat.com

کہ ہندوستان کی کسی اور زبان کو نصیب نہیں۔ اِسے اب آپ اُردو کہیے یا ہندستانی۔ زبان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی قوم اور ذات ہوتی ہے۔ اُردو کی سرشت اور ساخت اس قسم کی ہے اور اس کی نشوونما اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ وہ بلا لحاظ قوم و ملّت تقریباً سارے ہندستان کی زبان ہے یا ہو سکتی ہے۔

یوں تو دُنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں غیر زبانوں کے لفظ نہ پائے جاتے ہوں۔ کیوں کہ کوئی قوم دُنیا میں بالکل الگ تھلگ نہیں رہ سکتی؛ دوسری قوموں کے میل جول سے لامحالہ کچھ نہ کچھ لفظ ان کی زبان کے آ ہی جاتے ہیں؛ لیکن قطع نظر اس کے بعض زبانیں ایسی ہیں جو دوسری زبانوں کے اثر اور میل سے کھچڑی بن گئی ہیں۔ یہ مخلوط زبانیں کہلاتی ہیں۔ ایک زمانے تک علمائے لسانیات کو مخلوط زبانوں کے وجود سے انکار رہا لیکن مابعد کی تحقیقات نے قطعی طور سے ثابت کر دیا ہے کہ ایسی زبانیں موجود ہیں۔ انھیں میں ہماری زبان اُردو کا شمار ہے۔ خود ریختہ کا لفظ جو پہلے اُردو کا معروف نام تھا اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

مخلوط زبان کے وجود میں آنے کے متعدد اسباب ہوتے ہیں منجملہ ان کے ایک کشورکشائی ہے۔ یعنی ایک مُلک یا قوم کا دوسرے مُلک یا قوم کو فتح کرنا۔ ہماری مخلوط زبان کا ابتدائی تعلق اسی سے ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو جیسے آریاؤں کا ہندستان میں آنا کہ وہ بالکل یہاں منتقل ہو گئے یا اُن کے مختلف قبائل فاتح کی حیثیت سے آگے پیچھے مسلسل طور پر یہاں آکر بس گئے۔ دیسیوں کو یا تو مار بھگایا، غلام بنا لیا یا اپنے میں جذب کر لیا۔ مُلک کے بڑے حصّے پر انھیں کی زبان چھا گئی اور بعد میں اس سے بگڑ بگڑا کر یا خلط ملط ہو کر دُوسری پراکرتیں پیدا ہو گئیں۔ یا جیسے اہل [illegible]

Marfat.com

مریکہ یا آسٹریلیا پر مسلط ہو جانا، جہاں انھیں کی زبان کا بول بالا ہے اور
سب اسی زبان بولتے اور پڑھتے لکھتے ہیں۔ دوسری صورت مسلمانوں کی
ملی ہے، وہ بھی آریاؤں کی طرح فاتح کی حیثیت سے آئے۔ ان کی تعداد اہلِ ملک
کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ وہ فارسی بولتے تھے اور اہلِ ملک ہندی۔ ان
حالات میں جیسا کہ دستور ہے کاروباری، ملکی اور معاشرتی ضرورت سے مسلمان
بول چال میں ہندی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ہندو فارسی الفاظ
عرصے تک تو مسلمانوں کا تعلق اپنے اصلی مُلک سے رہا لیکن رفتہ رفتہ یہ تعلق کم ہوتا
یا اور وہ یہیں کے ہو گئے۔ اس تعلق کے استقلال کے ساتھ اس زبان کو بھی
ستقلال ہو گیا۔ اگرچہ سرکاری درباری زبان فارسی تھی اور مسلمانوں کی تعلیمی
بان بھی یہی تھی لیکن نوکر چاکروں، بیوی بچّوں اور ملک کے دُوسرے لوگوں
ے جو اس زبان سے واقف نہ تھے انھیں ٹوٹی پھوٹی ہندی ہی میں باتیں کرنی
ڑتی تھیں۔ ادھر اہلِ ملک کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جس کا تعلق دفاتر اور
ربار اور امرا وغیرہ سے تھا اور بہت سے ایسے تھے جو حلقۂ اسلام میں آ گئے
وہ سب فارسی جانتے اور بولتے تھے لیکن اصل زبان ان سب کی ہندی ہی تھی۔
سلئے اس مخلوط زبان کو بہت زیادہ تقویت پہنچی اور دن بہ دن فروغ
گیا۔ ایک عالم لسانیات[1] کا قول ہے اور بہت صحیح ہے کہ "غیر زبان
قوم کو سیکھنی پڑتی ہے مخلوط نہیں بنتی بلکہ اس کی اپنی زبان غیر زبان کے
مخلوط بن جاتی ہے"۔ بعینہٖ یہی حال مسلمانوں کے آنے کے بعد اس ملک
ا۔ فارسی مخلوط نہیں ہوئی۔ بلکہ ہندی فارسی سے مخلوط ہو کر ایک نئی
...ہندی میں فارسی مخلوط کرنے والے اہل ہند تھے۔

---

[1] PROF. WIND...

Marfat.com

جب کبھی ہم غیر زبان کے سیکھنے یا بولنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ہماری اپنی زبان کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ ہماری کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہم اس زبان (یعنی غیر زبان) کو صحیح اور فصیح بولیں اور اس بات کی سخت احتیاط کرتے ہیں کہ ہماری گفتگو میں ہماری زبان کے الفاظ یا طرز ادا کا شائبہ نہ پایا جائے۔ مگر غیر زبان کے بولنے میں ہم جس بات سے اس قدر پرہیز کرتے ہیں، اس کا ہم اپنی زبان میں خیال نہیں کرتے۔ مثلاً انگریزی کا آج کل ہمارے ہاں عام رواج ہے۔ جب کوئی ہندستانی انگریزی بولتا ہے تو اپنی گفتگو میں حتی الامکان کبھی اپنی زبان کا لفظ نہیں آنے دیتا اور جہاں تک ہو سکتا ہے اہلِ زبان کی تقلید کرتا ہے اور یہی نہیں بلکہ انگریزی لب و لہجہ کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اپنی زبان میں گفتگو کرتے وقت بیسیوں انگریزی لفظ بلا تکلف استعمال کر جاتا ہے۔ یا تو اس سے اپنی مشیخت اور علمی فضیلت جتانی مقصود ہوتی ہے یا پھر وہ اپنی ناواقفیت یا کاہلی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ کاہلی ان معنوں میں کہ اسے اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی زبان میں ان کے مترادف الفاظ تلاش کرے۔ اس میں وہ کسی قدر مجبور بھی ہے۔ فاتح قوم کی زبان کے مطالعہ، لکھنے بولنے اور سننے سے معمولی اور عام ضرورت کے لفظ بھی اس کی زبان پر اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ بلا ارادہ بھی اپنی زبان میں انھیں بول جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ بعض حالات میں غیر زبان (یعنی فاتح قوم کی زبان) کے خاص خاص الفاظ اس لئے بھی استعمال کرتا ہے کہ اس کے خیال میں (اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے) ان لفظوں کے استعمال سے وہ اپنا مفہوم زیادہ خوبی اور قوت کے ساتھ سامعین کے دل نشین کر سکتا ہے، حالانکہ اسے علم ہے کہ

Marfat.com

الفاظ کے مترادف اس کی زبان میں موجود ہیں مگر وہ انھیں استعمال نہیں کرتا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ ان سے کلام میں وہ زور پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تیس چالیس برس پہلے سویلزیشن، ریفارم، پولٹیکل، سیلف ریسپکٹ وغیرہ وغیرہ الفاظ ہماری زبان میں عام تھے، ان کے استعمال کرنے والے سب کے سب ان کے مترادف الفاظ سے ناواقف نہ تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ اپنے الفاظ سے پورا مفہوم جو وہ چاہتے ہیں اور جو ان انگریزی الفاظ میں موجود ہے، ادا نہ ہوگا۔ اب جو ہم ان کی جگہ اپنے لفظ استعمال کرنے لگے تو رفتہ رفتہ ان میں بھی وہی کس بل پیدا ہو گیا۔ ان سب باتوں سے غیر زبان (یا فاتح قوم کی زبان) کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ فضیلت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے لیکن طوالت کے خوف سے میں اس موضوع پر یہاں بحث نہیں کروں گا۔

جو عام اصول میں نے ابھی بیان کیا ہے وہ ہندستان کے اسلامی عہد میں حرف بحرف عمل میں آیا۔ ملکی تسلط کے وقت فاتح قوم کی زبان فارسی تھی۔ اُمرا اور بادشاہ، دربار اور دفتر میں رسائی کا ایک بڑا ذریعہ یہ زبان بھی تھی۔ جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا اور ہوتا آیا ہے، ہندوؤں نے فارسی سیکھنی شروع کی۔ اور ایسی سیکھی کہ اُستاد ہو گئے اور ان میں سے بعض کا کلام یہاں تک مقبول ہوا کہ درس میں داخل ہو گیا۔ فارسی میں ہندو تعلیم یافتہ طبقہ کی ترقی نہایت حیرت انگیز اور قابلِ تعریف ہے۔ فارسی کا جاننا حصولِ علم اور ضروریاتِ زمانہ ہی کی خاطر نہ تھا بلکہ فارسی تہذیب و شائستگی کی علامت سمجھی جانے لگی تھی اور جیسا کہ دستور ہے، فیشن میں داخل ہو گئی تھی۔ متواتر مطالعہ، انشا و شعر و سخن کی مشق، سرکاری اور دفتری نوشت و خواند کی وجہ سے اہلِ ملک کی طبائع میں ایسی رچ گئی تھی کہ انھوں نے فارسی لفظ ملکی زبان

Marfat.com

میں دھڑا دھڑ داخل کرنے شروع کر دیے۔ ایسے الفاظ کا داخل ہونا جو ہمارے
کے لئے نئے تھے یا مُلکی زبانوں میں ان کے ہم معنی دستیاب نہیں ہو سکتے
تھے، کچھ بیجا نہ تھا۔ لیکن جب غیر زبان کے الفاظ کا استعمال عادت اور
فیشن میں داخل ہو جاتا ہی تو پھر اس کی روک تھام مشکل ہو جاتی ہی اور
نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ روز مرّہ کی ضروریات کے ایسے لفظ بھی جن کے ہم معنی
زبان میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں یا اُن کے مفہوم اپنی زبان کے ذرا
ذرا سے ردّ و بدل یا کسی اور طریقے سے بآسانی ادا ہو سکتے ہیں، زبان
میں داخل ہو جاتے ہیں۔ گو یہ سلسلہ ایک لحاظ سے نامناسب ہو ا
اس سے زبان میں وسعت اور شوکت پیدا ہو جاتی ہی اور ادیب کے
لیے ایک وسیع اور زرخیز میدان نکل آتا ہی جس میں اسے گوناگوں خیالات
کے اظہار اور تخیل کی جولانی کا موقع ملتا ہی۔ مترادفات میں نئے موقع و
محل کے لحاظ سے ٹھیک لفظ کا انتخاب ادیب کا معمولی کام نہیں اور
اسی وقت ممکن ہی جب کہ خیالات کی مختلف باریکیوں اور معانی کی نزاکتوں
کے لیے ایک ہی مفہوم کے مختلف پہلوؤں کے واسطے متعدد الفاظ موجود
ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اہلِ مُلک کی بدولت فارسی عربی الفاظ
بے ضرورت بھی داخل ہو گئے مگر اس سے ہماری زبان کے سرمایے میں
بہت بڑا اضافہ ہو گیا اور اس اختلاط نے اُردو میں وسعت، شوکت
اور قوّت پیدا کر دی ہی ہندی الفاظ دل نشینی اور اثر کے لیے اور
فارسی عربی الفاظ شان و شوکت اور خاص خاص مضامین اور خیالات
کے اظہار کے لیے اپنے موقع پر بڑا کام دیتے ہیں۔

(۱) انگریز بھی اس مُلک کے فاتح ہیں اور ان کی زبان کا اثر

 60452

Marfat.com

ہماری زبانوں پر بہت ہوا ہے اور ہو رہا ہے لیکن وہ ہمیشہ ہم سے الگ رہے اور آخر تک وہ فاتح اور ہم مفتوح بنے رہے۔ مسلمان بھی فاتح تھے لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ یہیں کے ہو گئے اور ان کے بے تکلف میل جول اور معاشرت، ادب اور حکومت کی باہمی شرکت کی وجہ سے ان کی زبان نے ملکی زبان پر یہ اثر ڈالا کہ دونوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان پیدا ہو گئی جو ان دونوں قوموں کے اتحاد و تہذیب کی بے نظیر یادگار ہے۔

(۲) جب اُردو نے اپنی جگہ بنائی اور بول چال سے نکل کر ادب میں قدم رکھا تو ابتدا، جیسا کہ اکثر زبانوں کی ہوتی ہے، شعر و سخن سے ہوئی اور اس وقت الفاظ ہی نہیں بلکہ فارسی ترکیبیں، اندازِ بیان، تشبیہات و استعارات اور تلمیحات یہاں تک کہ بعض صرفی نحوی صورتیں بھی خود بخود اس میں منتقل ہو گئیں۔ اس زمانے میں ہمارے اکثر شعرا فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، اس میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے رفتہ رفتہ فارسی کا زور کم ہوتا گیا اور اُردو کو فروغ ہونا شروع ہوا۔ مگر اس کی ساخت ہیئت وہی رہی جو قائم ہو چکی تھی جس طرح ہندوؤں نے فارسی میں امتیاز حاصل کیا تھا اسی طرح انھوں نے اُردو میں بھی نام پیدا کیا جس کی شہادتوں سے ہمارا علم ادب بھرا پڑا ہے۔

غرض یہ کہ یہ زبان اسی ملک میں بنی اور اسی ملک والوں نے بنائی اور انھیں کی [illegible] ہوئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان بھی ان کے ساتھی ہیں لیکن شریک غالب ہندو ہی ہیں۔ اگر اس میں فارسی عربی [illegible] اور فارسی ترکیبوں کی کثرت پائی جاتی ہے تو اس بدعت کے مرتکب بھی زیادہ [illegible] ہی ہوئے ہیں۔ اور اب جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ

Marfat.com

اُردو میں عربی فارسی الفاظ اور ترکیبیں بکثرت داخل کی جا رہی ہیں تو (گستاخی معاف!) اس کا الزام بھی ہندی والوں ہی کے سر ہے۔ وہ اگر بہ حیثیت جماعت اس سے کنارہ کشی نہ کرتے تو یہ نوبت نہ آتی اور ان کی شرکت روک تھام کا کام دیتی اور وہی توازن قائم رہتا جو اس سے پہلے تھا۔

ایک وجہ اور بھی معلوم ہوتی ہے۔ جب تک دِلّی اُردو کا مرکز رہی ہندی کے دِل کش الفاظ اس میں برابر داخل ہوتے رہے اور اب تک دِلّی کے ادیبوں نے اس کی پابندی کی ہے۔ چنانچہ زمانۂ حال کے مصنفین خصوصاً آزادؔ، حالیؔ، ذکاءاللہ، نذیرؔ احمد، نیز مرزا داغؔ نے سیکڑوں ہزاروں ہندی لفظ جو صرف زبانوں پر تھے اور مبتذل سمجھے جاتے تھے اور جنھیں ادب میں بار نہیں مِلا تھا، اس خوبی سے اپنے کلام میں استعمال کیے ہیں کہ خاصے متین اور سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ جب یہ زبان دُوسرے صوبوں اور علاقوں میں پہنچی تو وہ اس سے محروم ہو گئی اور خصوصاً انگریزی تعلیم کے اثر سے زبان میں جب نئے نئے خیالات آنے شروع ہوئے تو انھوں نے مجبوراً فارسی عربی الفاظ سے کام لینا شروع کیا۔ پھر اکثر مترجموں نے جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے اور اپنی زبان پر پوری قدرت نہ رکھتے تھے، فارسی عربی الفاظ کے سوا انگریزی الفاظ کا بھی اضافہ کیا۔ (میں اس میں مسلمانوں کو بھی بری الذمہ نہیں سمجھتا) لیکن اگر ہندی والے پہلے کی طرح شریک رہتے تو یہ افراط تفریط نہ ہونے پاتی۔ ان کی کنارہ کشی نے درحقیقت اُردو زبان کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہندو برابر کے دعویدار ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر۔ یہ بھی ان کا فرض ہے کہ اس کی ترقی و اشاعت ان پر ایسی ہی لازم ہے جیسی [illegible]

Marfat.com

اپنی زبان خیال کرتے ہیں۔ اب صرف ایک صورت ہو سکتی ہے کہ ایک ایسی جامع اور مبسوط لغات مرتب کی جائے جس میں ہر قسم کے الفاظ جو اُردو ادب اور اُردو زبان میں رائج ہیں، خاص اصول کے تحت جمع کئے جائیں اور ان کے استعمال مثالوں کے ساتھ بتائے جائیں تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ اس خزانے میں کیسے کیسے انمول موتی موجود ہیں جو ہماری غفلت سے بے کار پڑے ہوئے ہیں اور جن کو کام میں لانے سے زبان کی رونق ہی نہیں بلکہ قوت و وقعت بھی بڑھے گی۔ اور اسی پر بس نہ کیا جائے بلکہ اس نوعیت کی متعدد اور بہ کثرت کتابیں تالیف کی جائیں تاکہ زبان ملک کے ہر کونے میں پہنچ جائے اور ہر شخص اس کے صحیح استعمال پر قادر ہو جائے۔

حضرات! آج کل اخباروں، تقریروں اور تحریروں میں یہ جملہ عام طور پر سننے اور پڑھنے میں آتا ہے کہ ہندی اُردو دونوں ایک ہیں صرف رسم الخط کا فرق ہے۔ اس کے کہنے والے معمولی لوگ نہیں بلکہ بڑے بڑے قابل، ذمہ دار اور واجب الاحترام بزرگوں نے بھی اس کا اعادہ فرمایا ہے۔ کیا یہ قول حقیقت پر مبنی ہے؟ حقیقت پر پردہ ڈالنا یا جانتے ہوئے خاموش رہنا بھی اخلاقی جرم ہے۔ اس لئے اگر میں اظہارِ حقیقت پر مجبور ہوں تو مجھے معاف فرمایا جائے گا۔ مَیں اس قول کے قائلین کو الزام نہیں دیتا، ممکن ہے کہ ان کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہو جس کی بنا پر وہ اسے حقیقت سمجھتے ہوں جس کا ہمیں علم نہیں، لیکن موجودہ حالت میں مَیں اس کا قائل نہیں۔ یہ قول یا تو سیاسی مصالح پر مبنی ہے یا ناواقفیت پر۔ جو دونوں زبانوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک نہیں۔ اُردو کا اخبار یا رسالہ کسی ہندی داں کے سامنے رکھیے یا ہندی کا اخبار یا رسالہ کسی اُردو داں کو سنائیے اور پھر

Marfat.com

دیکھیے کہ یہ دو زبانیں ایک ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ دونوں ایک سمجھی جاتی تھیں لیکن اب روز بروز ان میں اس قدر بُعد پیدا ہوتا جاتا ہے کہ ان کا ایک جگہ لانا اور ایک کر دینا اختیار سے باہر ہو گیا ہے۔ اس بُعد کو کم کرنے کے لئے بارہا یہ کہا جاتا ہے کہ اُردو والے عربی فارسی کے ثقیل الفاظ سے اور ہندی والے اسی قسم کے سنسکرت کے الفاظ سے احتراز کریں۔ یہ مشورہ بہت معقول ہے لیکن عمل کرنا دشوار ہے۔ خود مشورہ دینے والے ہی عامل نہیں تو اوروں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ انصاف سے دیکھیے تو ہم نہ اُردو والوں کو الزام دے سکتے ہیں نہ ہندی والوں کو۔ مغربی تعلیم اور جدید حالات و تغیرات کی رَو میں ہر آن نئے نئے خیالات اور اسلوب بیان بہتے چلے آرہے ہیں آخر ہم ان کو اپنی زبان میں کیوں کر ادا کریں۔ ہندی والا مجبور ہے کہ سنسکرت کے کوش اُلٹے پلٹے اور اُردو والا عربی فارسی لغات۔ اس میں دونوں مجبور ہیں اور کوئی چارہ نہیں۔ الزام تو اس وقت دیا جاتا کہ ہم نے ان کے لیے کوئی سہولت پیدا کی ہوتی اور وہ اس پر عمل نہ کرتے۔ دونوں ایک حمام میں ننگے نہا رہے ہیں، ایک کو دوسرے پر ہنسنے کا کوئی موقع نہیں۔ رہی "ہندستانی" جس کا آج کل بہت غلغلہ ہے اور جس کا ذکرِ خیر سیاسی اور معاشرتی تقریروں اور لیڈروں کی تحریروں میں کیا جاتا ہے، وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ اس کے لکھنے والے کون ہیں؟ اس کا تعین کبھی کسی نے کیا ہے؟ اس کا وجود سوائے معمولی بول چال اور کاروبار کے کہیں نہیں پایا جاتا۔ جب ہم ادبیات اور علم و فن کی سرحد میں قدم رکھتے ہیں تو یہ نہ ہندی میں نظر آتی ہے نہ اُردو میں۔ معمولی بات چیت اور سودا سلف کی بولی ادبی اور علمی زبان نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

خصوصاً جب وہ تحریر میں آکر جھٹ اپنا روپ بدل دیتی ہو۔ ایک فریق کے ہاتھ پڑکر یہ ہندی ہوجاتی ہو اور دوسرے کے ہاں اردو۔ اصل یہ ہو کہ اس مسئلہ پر اس نظر سے کسی نے غور ہی نہیں کیا اور نہ اب تک کوئی باقاعدہ اور متحدہ کوشش کی گئی ہو کہ کیوں کر اس فرق کو مٹایا جائے اور اس زبان کو جسے ہم ہندستانی کہتے ہیں کیوں کر علم و ادب کے دربار میں پہنچایا جائے۔ میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہو اور میں نے اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہو اور وہ یہ ہو کہ ہندی ادب میں اب تک جتنے عربی فارسی (یا اردو) لفظ آئے ہیں یا ہندی بولنے والوں کی زبان پر ہیں وہ سب جمع کئے جائیں اور اسی طرح اردو ادب میں جس قدر ہندی الفاظ استعمال ہوئے ہیں یا اردو بولنے والوں کی زبان پر ہیں وہ بھی اکٹھے کئے جائیں اور ان سب کو ملاکر ایک لغات مرتب کی جائے۔ گویا یہ اردو ہندی زبانوں کے مشترکہ الفاظ اور محاورے ہوں گے۔ یہ کتاب ایک ایسی جماعت کی خدمت میں پیش کی جائے جس میں دونوں فریقوں کے نمائندے ہوں وہ اس پر غور و بحث کریں اور اگر وہ اسے مستند قرار دیں تو کتاب شائع کردی جائے۔ نیز یہ جماعت یا اس کی مقرر کی ہوئی کوئی مجلس اس امر کی مجاز کی جائے کہ ہندی اردو زبانوں میں سے جن الفاظ کی ضرورت سمجھے اس میں اضافہ کردے اور نئے خیال یا مفہوم کے لئے باہمی مشورے سے جدید الفاظ تجویز کرے اور ان کا اعلان مناسب طریقے پر ملک میں کردیا جائے۔ اگرچہ اس طرح سے اب تک کوئی زبان نہیں بنی لیکن ہمارے ملک اور ہماری زبانوں کی حالت بالکل مختلف ہو۔ علاوہ اس کے یہ کیا ضرور ہو کہ جو بات اب تک نہیں ہوئی وہ آیندہ بھی نہ ہو۔ یہ نمائ

Marfat.com

بدعت و جدت کا ہے اور اس میں اس قسم کی بدعتیں بالکل جائز اور مستحسن ہیں۔ اگر یہ صورت عمل میں آجائے تو کچھ تعجب نہیں کہ اہلِ علم اور ادیبوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو اس مشترکہ زبان کو رواج دینے پہ آمادہ ہو جائے اور اپنے قلم کے زور سے اس کی حیثیت منوالے. اگرچہ ادیب یا شاعر پر کسی کا بس نہیں چلتا اور کسی کا کیا وہ خود اپنے بس میں نہیں ہوتا، تاہم یہ کوشش اُس کی بہت کچھ رہنمائی کرے گی، اور کچھ نہیں تو کم سے کم اس فرق کے کم کرنے میں بہت کام دے گی جو روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر چند اخبار اور رسالے اس زبان میں نکلنے شروع کر دیے جائیں تو ممکن ہے کہ اس کے رائج ہونے میں آسانی پیدا ہو جائے. اگر یہ صورت قابلِ عمل خیال نہ کی جائے تو پھر ان دونوں زبانوں کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے. باہمی رقابت اور مخالفت کی کوئی وجہ نہیں. ہندی کی اشاعت سے ہندی سیکھنے والے اُردو سے اور اُردو سیکھنے والے ہندی سے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ کیوں کہ ہندستان کی کوئی دو زبانیں باہم اتنی قریب نہیں جتنی ہندی اُردو۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص اُردو زبان کا اعلیٰ ادیب اور محقق نہیں ہو سکتا جب تک ہندی نہ جانے اور اس طرح ہندی کا ادیب اور محقق ہونے کے لئے اُردو کا جاننا لازم ہے۔ ان دو زبانوں کا بلا مبالغہ اور اصلی معنوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور اس لیے ایک دوسرے کی مخالفت لاحاصل ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔

رہا رسم الخط کا مسئلہ، تو اس کا حل بھی اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ صورت قابلِ عمل ہو جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ کچھ ہندی اُردو ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہندستان کی تمام زبانوں سے متعلق ہے۔ اگر یہ

Marfat.com

جھگڑا چُک جائے اور ہماری زبانوں کے حروف ایک ہو جائیں خواہ وہ رومن ہی کیوں نہ ہوں، تو ہمیں ایک دوسرے کی زبان سیکھنے میں بے حد سہولت ہو جائے گی اور وہ ابتدائی دشواری جو آخر تک قائم رہتی ہے خود بخود اُٹھ جائے گی اور ہم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ دوسرے کی زبان سیکھنے سے خود ہماری زبان پر نیز ہمارے دلوں پر اثر پڑتا ہے اور زبان کے ساتھ زبان والوں کی طرف سے دِلوں میں اُنس اور ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ مسئلہ اس قدر دشوار نہیں رہے گا جیسا کہ اب معلوم ہوتا ہے۔

ماضی سے گزر کر ہمیں حال کی طرف دیکھنا چاہیے کہ اس پچیس تیس سال میں ہماری زبان کا رُخ کس جانب ہے۔ دور کے ڈھول سُہانے معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات دور کی بھونڈی چیزیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ انسان کسی قدر قدامت پسند واقع ہوا ہے، گزشتہ میں اُسے وہ خوبیاں نظر آتی ہیں جو قریب ہونے کی وجہ سے حال میں نہیں دکھائی دیتیں۔ لیکن حال سے غفلت کرنا اپنے مستقبل سے غفلت کرنا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم میں اس وقت سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی اور شبلی جیسے انقلاب انگیز مصنف نہیں ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انھیں غریب مزدوروں میں سے جو قصرِ ادب کے لیے اینٹ چونا تیار کر رہے ہیں ویسے ہی یا اُن سے بڑھ کر معمار پیدا نہیں ہوں گے۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ حال کی رفتار اسی کینڈے کی ہو جو پہلے تھی۔ ادب صناعی ہے، صناعی میں (برخلاف فطرت) اعادہ محال ہے۔ کسی شاعر میں کتنا ہی سوز و گداز کیوں نہ ہو، میر نہیں ہو سکتا۔ کوئی کیسا ہی بلند فکر کیوں نہ ہو، دوسرا غالب ہونا ممکن نہیں۔ بعد کے ادیب کے لئے

Marfat.com

اس کے سوا چارہ نہیں کہ یا تو اگلوں کی راہ پر پڑے جس میں سے بیزار ہو چکا ہے یا اپنے لیے نئی راہ نکالے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کی راہ ہمیشہ صاف اور سیدھی نہیں ہوتی، اس میں بہت سے پیچ وخم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کے جانچنے کے لئے ہر کونے کھدرے پر نظر دوڑانی چاہیے۔ چنانچہ اس زمانے میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں اور تھیں تو بہت کم۔ مثلاً چھوٹے فسانے لکھنے کا آج کل عام رواج پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس وقت سوائے منشی پریم چند کے جن کے بعض فسانے درحقیقت بے نظیر ہیں، کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں وہ جدت ہو۔ لیکن ان لکھنے والوں میں بعض بہت ہونہار ہیں جن سے توقع ہے کہ آگے چل کر نام پیدا کریں گے۔ دوسری چیز ادبی تنقید ہے جس کی ابتدا مولوی حالی نے کی اور اب اس فن پر متعدد لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں جن میں سے بعض اپنی زبان کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ زیادہ تر مغربی تعلیم کا اثر ہے اور کم وبیش مغربی اصول پر کام ہو رہا ہے۔ شاید اسی کانفرنس میں بعض تنقیدی مقالے پیش کئے جائیں۔ اس وقت بھی ہم میں ایسے قابل نقاد موجود ہیں جیسے پروفیسر شیرانی یا اور لوگ جنھیں ابھی شہرت حاصل نہیں ہوئی یا جو فی الحال اپنے کام میں مصروف ہیں جو حال کے ادب میں اپنی قابلِ قدر یادگار چھوڑ جائیں گے۔ تنقید صحیح ذوق کے لئے لازم ہے لیکن ایک نقاد کے لئے جو اس کٹھن اور صبر آزما کام میں ہاتھ ڈالتا ہے وسیع معلومات، گہری نظر اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔ صحیح تنقید مصنف اور پڑھنے والے دونوں کے لئے مفید ہے۔ ہمارے دو چار رسالے اس منصب کو انجام دے رہے ہیں، اکثر بے پروائی کے ساتھ اور کبھی کبھی مستعدی اور قابلیت سے۔ حال کے انقلابات اور تغیرات سے ہمارا ادب بھی متاثر ہوا۔

Marfat.com

ہر اصناف میں طرح طرح کی جدتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کے جانچنے کے لیے پُرانے اُصول کام میں نہیں آسکتے۔ ان نئی چیزوں کے پرکھنے کے لیے ہمیں نئے اُصولوں سے کام لینا پڑے گا۔

اِس زمانے میں اُردو زبان و ادب کے متعلق ہمارے معلومات میں ایک جدید اضافہ ہوا ہے۔ بعض محققین نے بڑی محنت اور تلاش سے قدیم اُردو ادب کا پتا لگایا ہے اور بہت سی ایسی بے بہا اور نایاب کتابیں ڈھونڈ نکالی ہیں جو اب تک گم نامی میں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی بدولت اُردو زبان کی زندگی میں تقریباً تین سو سال کا اضافہ ہو گیا ہے اور اُردو زبان و ادب کی تاریخ کے لئے ایک نیا باب کُھل گیا ہے۔ یہ جستجو جاری رہی تو بہت سی نئی چیزیں ایسی دریافت ہوں گی جن کی امداد سے تاریخ ادب کے سلسلے کی بعض کڑیاں جو اب تک نہیں ملیں، ہاتھ آجائیں گی۔

شعر و سخن میں بھی اُردو زبان کسی سے پیچھے نہیں، اگرچہ اس وقت حالی سا کوئی انقلابی شاعر پیدا نہیں ہُوا، سوائے ایک شخص کے جس نے حقیقت میں اُردو شاعری میں جان ڈال دی تھی اور جس نے اپنی قوتِ کلام اور زورِ بیان سے زبان میں ایک نئی تازگی اور نیا جوش پیدا کر دیا تھا، لیکن اس بدنصیبی کا کیا علاج کہ اقبال اُردو سے رُوٹھ گئے ہیں، تاہم ایسے نئے شاعر پیدا ہو رہے ہیں جن کا قدم آگے ہے اور اُردو شاعری میں نیا رنگ پیدا کر کے صناعی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ زندگی کے عام حالات اور قدرت کے عجائبات سے ہماری شاعری کو جو ایک گونہ بے تعلقی سی تھی وہ اب رفع ہو رہی ہے۔ عنقریب زمانے میں انھیں میں سے بعض ایسے خوش گو شاعر نکلیں گے جن پر اُردو زبان فخر کرے گی۔ میں چاہتا تھا کہ چند نام

Marfat.com

پیش کروں لیکن ابھی ان کے متعلق صحیح رائے دینے کا وقت نہیں آیا بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ابھی اُبھر رہے ہیں، اگر انھیں چھوڑ دوں تو ناانصافی ہوگی اور اگر نام لوں تو قبل از وقت ہوگا۔ لیکن وہ وقت دُور نہیں جب ان کے نام پیش کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

تالیف و ترجمہ میں بھی ترقی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ بعض صاحبِ ذوق ذی علم محض اپنے شوق سے اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ ان میں خاص کر اہلِ پنجاب اور عثمانیہ یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوان قابلِ تعریف ہیں جو ادب اور علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں تالیف و ترجمہ کر رہے ہیں۔ تالیف و تصنیف کا پایہ ابھی ہماری زبان میں بلند نہیں ہے۔ ہم اس عہد کی رجو نوجوانوں کا عہد ہی کوئی ایسی بلند پایہ تالیف یا تصنیف نہیں پاتے جسے دوسری زبانوں کے مقابلے میں دعوے سے پیش کرسکیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ شوق بڑھ رہا ہے اور تعداد بھی بڑھ رہی ہے اور یہ بہت اچھے آثار ہیں۔ ترجمے کو بعض اوقات حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ترجمہ کوئی معمولی کام نہیں ہے، اس میں اُسی قدر جان کاہی اور سر دردی کرنی پڑتی ہے جتنی نئی تالیف یا تصنیف میں۔ ترجمے میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جو مضمون پر حاوی ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں میں کامل دسترس رکھتا ہو، ادب کی نزاکتوں سے واقف ہو اور اصل مصنف کے صحیح مفہوم کو اپنی زبان میں اسی قوت سے بیان کرسکے۔ یہ آسان کام نہیں اور ہر ایک کا کام نہیں۔ ترجموں سے زبانوں کو بہت فائدہ پہنچا یہی نہیں کہ ہمارے علم اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ خود زبان بھی اس سے متمتع ہوتی ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی تصنیف کا عمدہ ترجمہ بہت سی

Marfat.com

معمولی تصنیفوں سے کہیں بڑھ کر مفید ہوتا ہے۔ وہ ادب کا جز ہو جاتا ہے۔ ہمارے ادب میں عمدہ ناولوں اور ڈراموں کی بہت کمی ہے۔ اگرچہ ان کا رواج پہلے سے زیادہ ہے لیکن ہماری زبان میں اب تک ایک بھی ایسا ناول یا ڈراما نہیں جسے ہم اعلیٰ پایہ کا کہہ سکیں۔ تصنیف تو درکنار کسی اعلیٰ پائے کے ناول یا ڈرامے کا عمدہ ترجمہ بھی اب تک نہیں ہوا۔ یہ امر نہایت قابلِ افسوس ہے۔

اس سلسلے میں چند ایسے اداروں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو تالیف و ترجمے کے کام میں مشغول ہیں۔ ان میں ایک انجمن ترقی اُردو ہے جس نے ادب اور علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے اور تالیف کے علاوہ اپنے رسالہ "اُردو" اور مطبوعات کے ذریعے سے سب سے پہلے دسویں گیارھویں صدی ہجری کے قدیم ادب کو روشناس کرایا۔ جس سے ادب اُردو کی تاریخ میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ انجمن نے قدیم ادب کا بے بہا ذخیرہ فراہم کیا ہے اور یہ کام برابر جاری ہے۔ نیز قدما کا کلام اور اساتذہ کے نایاب تذکرے جو اب تک گم نامی میں تھے، شایع کیے جن کی بدولت اُردو کی تاریخ اور اساتذہ کے حالات کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو گئیں۔ یہ کام اب بھی ہو رہا ہے۔ انگریزی اُردو کی کوئی اچھی ڈکشنری ہی نہ تھی۔ جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور انھیں لکھے بہت مدت ہوئی، سب ناقص، نامکمل اور موجودہ ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ انجمن نے ایک جامع اور مکمل ڈکشنری بصرفِ کثیر کئی سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار کرائی جو زیرِ طبع ہے۔ اس کی اشاعت سے سیکڑوں نئے یا بھولے بسرے لفظ ہماری زبان میں رائج ہو جائیں گے۔ علاوہ اس کے قدیم اُردو کی لغات، قدیم کتابوں کے

Marfat.com

ایک مُدّت کے مطالعہ کے بعد تیار کی جارہی ہے جو اُردو زبان وادب کے مطالعہ اور تحقیق میں بہت مدد دے گی۔ ایک ضخیم لغات پیشہ وروں کی اصطلاحات کے متعلق مرتب ہو رہی ہے جس میں بڑی محنت اور کھکھیڑ اور بہت سی پریشانیوں کے بعد ایک سو سے زائد پیشوں کے ہزارہا لفظ جمع کیے گئے ہیں۔ انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہماری زبان میں اس کثرت سے اور ایسے اچھے اچھے لفظ موجود ہیں جنھیں افسوس ہم بھولتے جاتے ہیں۔ انجمن نے کئی سال سے ایک رسالہ "سائنس" کے نام سے جاری کر رکھا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اُردو میں سائنس کے مضامین اور خیالات ادا کرنے کی کوشش کی جائے اور اُردو داں طبقے میں سائنس کا ذوق پیدا کیا جائے۔ اگرچہ انجمن کو اس میں خسارہ ہے لیکن خوشی کی بات ہے کہ لوگوں میں اس کا شوق پیدا ہو چلا ہے۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی سرگرم جماعت اور جامعہ ملّیہ کے پُرخلوص ارکان بڑی مستعدی سے اُردو ادب میں ترجمہ اور تالیف کے ذریعے سے بہت اچھا اضافہ کر رہے ہیں اور ان اداروں سے مختلف علوم و فنون اور ادب کے متعلق قابلِ قدر کتابیں شایع ہو رہی ہیں۔ الہ آباد کی ہندُستانی اکاڈیمی کی مساعی بھی اس بارے میں لایقِ شکرگزاری ہیں۔ وہاں سے متعدد علمی اور ادبی تالیفات اور ترجمے شایع ہو چکے ہیں۔

سب سے آخر میں اس ادارے کا ذکر کرتا ہوں جو اپنی اہمیت اور حیثیت کے لحاظ سے سب سے مقدّم ہے یعنی عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد دکن کا سررشتۂ تالیف و ترجمہ جو عام طور پر دارالترجمہ کے نام سے مشہور ہے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی اور خاص کر اس سررشتے کے قیام سے اُردو زبان کو بڑی تقویت پہنچی ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اس کی جڑیں مضبوط ہو گئی ہیں۔

Marfat.com

شاید ہی کوئی فن ہو کہ دارالترجمہ میں اس کی کسی کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ تاریخ ہند کی چند کتابوں کے علاوہ باقی سب ترجمے ہیں، لیکن اب تالیف کا بھی انتظام ہو رہا ہے۔ غرض تاریخ دستور اساسی، قانون، نفسیات، فلسفہ، طبیعات، کیمیا، اعلیٰ ریاضی اور ان کی مختلف شاخوں نیز ڈاکٹری انجینری وغیرہ وغیرہ پر کئی سو کتابیں شایع اور تیار ہو چکی ہیں گویا اس ادارے نے علم کا دریا بہا دیا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی میں دبی زبان سے اتنا کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ جو کچھ ہوا ہے بہت خوب ہے لیکن ہمیں اس سے زیادہ کی توقع تھی، کمیت اور کیفیت دونوں میں ؛

ایک اور بڑا کام اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی منظوری سے نظام گورنمنٹ کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ یہ اُردو کی جامع اور محققانہ لغات ہے جو خاص اہتمام سے جدید اصول پر مرتب ہو رہی ہے۔ بہ خوفِ طوالت میں طریقۂ کار اور ان اصولوں کو اس وقت تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا جو اس کام کے لیے اختیار کیے گئے ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس پیمانے پر اس قدر صحت و تحقیق کے ساتھ ہمارے ملک کی کسی زبان کی لغات اب تک نہیں لکھی گئی ہے۔ اس کی منظوری بھی انجمن ترقیٔ اردو ہی کی تحریک پر ہوئی تھی۔ ایک انسائکلوپیڈیا کی ضرورت اور رہ جاتی ہے مجھے قوی امید ہے کہ دیر سویر اس کی بھی کوئی صورت ضرور نکل آئے گی ؛

کس قدر خوشی کی بات ہے کہ آج کل جس قدر اخبار اور رسالے جاری ہیں پہلے اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ اس میں پنجاب کا نمبر سب سے اول ہے اُن میں بُرے بھلے سب ہی قسم کے ہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا معیار پہلے کی نسبت بہتر اور بلند ہے۔ بعض اُردو رسالوں میں ادبی علمی

Marfat.com

تنقیدی اور تاریخی مضامین بہت تحقیق اور متانت سے لکھے جاتے ہیں اور کبھی معاملاتِ حاضرہ پر بھی معقول بحث ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اخبار اور رسالے علم اور معلومات کی اشاعت کا بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ اپنے دوسرے مقاصد کے ساتھ اپنی زبان کی بہت بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ مَیں کیا کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے اخبار ایسے ہی ہیں جیسے ہونے چاہییں۔ یا جیسے دوسرے ممالک یا ہمارے ہی ملک کی دوسری زبانوں میں ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ان کی حالت رُو بہ ترقی ہے، ان کی تحریر میں جان ہے اور معلومات اور نظر میں پہلے سے زیادہ وسعت ہے، ظاہری صورت اور چھپائی لکھائی بھی (خاص کر روزانہ اخباروں کی) بہت بہتر ہے۔ لیکن ان صاحبوں کی (اور خاص کر پنجاب کے اڈیٹر صاحبوں کی) خدمت میں دو ایک باتیں مختصر طور پر عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائیں گے۔ اوّل یہ کہ بعض نامور روزانہ اخباروں میں مقالہ افتتاحیہ (لیڈنگ آرٹیکل) میں غیر ضروری بلند آہنگی اور طوالت کے ساتھ اس قدر پیچیدہ، مغلق اور ثقیل الفاظ اور جملوں کی بھرمار ہوتی ہے کہ اصل مفہوم اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ الفاظ زیادہ اور معنی کم۔ دوسرے آپس کی تو تو مَیں مَیں اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنی بالکل ترک کردی جائے۔ یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔ تیسرے مُلکی معاملات میں ذاتی عناد اور بغض و عداوت کا اظہار یا کسی کی ذات پر عامیانہ اور سوقیانہ حملے بالکل ناجائز ہیں۔ چوتھے اُن کی رائے کچھ ہی ہو مخالف کے بیان کو کبھی مسخ کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو صداقت اور ایمانداری سے ظاہر کیا جائے۔ پانچویں پراپیگنڈے کی رَو میں صداقت اور متانت

Marfat.com

کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

ہمیں ایک یا کئی ایسے ہفتہ وار اخباروں کی بھی ضرورت ہے جو روزانہ اخبار کی خبروں کو صحیح معلومات کے ساتھ اس طرح بیان کریں کہ ان میں کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے اور پڑھنے والا کامل طور پر انھیں سمجھ لے۔ معاملاتِ حاضرہ مثلاً مسائلِ سیاسیات و معاشیات پر نہایت محنت اور غور کے ساتھ ایسے مضامین لکھیں یا ماہرین سے لکھوائیں کہ پڑھنے والا مسئلے کے ہر پہلو کو پورے طور پر سمجھ جائے اور سمجھنے کے بعد اسے غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔ خبروں کو سلیقے کے ساتھ درج کریں اور ان کے متعلق جن ضروری معلومات کی ضرورت ہو انھیں بیان کر دیں۔ جتھے بندی سے بالا ہوں۔ مختلف ملتوں یا فریقوں کے لڑانے کی کوشش نہ کریں بلکہ ان کے نقطۂ نظر کو صفائی اور سچائی سے بیان کریں اور اپنی رائے کو کسی پر حملہ کیے بغیر آزادانہ اور بے باکانہ ظاہر کرنے میں دریغ نہ کریں۔ بے لاگ رہیں مگر ناگواری پیدا نہ ہونے دیں۔ کبھی کبھی اپنی زبان اور ادب کے متعلق ملک میں جو کام ہو رہا ہے اس پر بھی بحث کرتے رہیں۔ طرزِ تحریر میں متانت، سلاست اور شگفتگی ہمیشہ مدِ نظر رہے۔ ایسے اخبارات سے اردو داں طبقے کو خبروں کی بہم رسانی کے علاوہ تعلیمی فائدہ بھی پہنچے گا، اور ان کے علم اور معلومات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے کہ شروع میں ایسے اخبار کی بکری کم ہو لیکن کچھ مدت کے بعد اسے ضرور فروغ ہوگا۔

یہ بھی کچھ کم مسرت کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان کی متعدد یونی ورسٹیوں میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے اور ہماری یہ توقع کچھ بے جا نہ ہوگی کہ ان یونی ورسٹیوں سے جو نوجوان تعلیم پا کر نکلیں گے وہ یونی ورسٹیوں کے

Marfat.com

معلمین کی حیثیت سے یا بہ حیثیت انشا پرداز اور ادیب کے اپنی زبان کی خدمت بجا طور پر انجام دیں گے۔ اس ضمن میں میں ایک اور بات بیان کرنا چاہتا ہوں جسے بیان کرتے ہوئے مجھے کسی قدر حجاب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آج کل یورپ کی ڈگریوں کو وہ غیر معمولی عظمت حاصل ہو گئی ہے کہ ہماری زبانوں کی اعلیٰ ڈگریاں بھی وہیں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ میں عربی فارسی سنسکرت کے متعلق کچھ نہیں کہتا غالباً ان کا سامان وہاں یہاں سے زیادہ ہوگا لیکن اردو کی ڈگری وہاں سے حاصل کرنا اور ایسے فضلا سے سند لینا جو خود ہماری زبان و ادب سے بے بہرہ ہیں، مجھے مضحکہ معلوم ہوتا ہے میں ان حضرات کو کیٹلاگی محقق کہتا ہوں۔ ان کا علم زیادہ تر ان کیٹلاگوں (فہرستوں) پر مبنی ہوتا ہے جو یورپ کے علما نے مرتب کر دی ہیں وہ سوائے کتاب کے کتاب کے متعلق ہر قسم کا علم رکھتے ہیں۔ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کتاب کا مصنف کون ہے، کس زمانے میں ہوا ہے، سنہ وفات کیا ہے، اس کے معاصر کون تھے، اس کی تصانیف کون کون سی تھیں، اس کے ماخذ کیا کیا ہیں، اس کے مختلف نسخے کس کس کتب خانے میں ہیں، ان کے سنین کتابت کیا ہیں اور ان نسخوں میں کیا کیا اختلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب وہی کتابیں کھول کر ان کے سامنے رکھی جاتی ہیں تو ان کے سمجھنے اور بعض اوقات صحیح پڑھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تحقیق کا ڈھنگ وہیں آتا ہے۔ ہم نے وہ مقالے (تھیسس) بھی دیکھے ہیں جو وہاں سے لکھے ہوئے آئے ہیں، ہمارے بعض مستعد طلبہ، معلمین اور پروفیسروں نے گھر بیٹھے ان سے کہیں بہتر اور زیادہ محققانہ مقالے لکھے ہیں۔ اس کا دوش میں ان کو نہیں دیتا

Marfat.com

یورپ جاکر یہ ڈگریاں لائے ہیں، بلکہ اس میں سراسر قصور ان یونی ورسٹیوں کا ہے جو ڈگری دیکھتی ہیں اور کام نہیں دیکھتیں اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے بلا امتیاز ہر ڈگری کے کاغذ کو سندِ فضیلت خیال کرتی ہیں۔ اُردو کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا انتظام یہاں کہیں بہتر ہو سکتا ہے اور یہاں اس کے لیے کہیں زیادہ سامان موجود ہے۔ کیا مسلم یونی ورسٹی یا جامعۂ عثمانیہ اس کا انتظام نہیں کرسکتی ؟ بجائے اس کے کہ ہم وہاں جاکر اپنی زبانوں کی نمائشی سندیں حاصل کریں ہمیں خود یہاں کام کرکے حقیقی سند حاصل کرنی چاہیے اور اس کا انتظام ایسا مکمل اور بہتر ہونا چاہیے کہ اہلِ یورپ بھی اس کا لوہا مان جائیں اور ضرورت ہو تو وہ یہاں آکر ہماری زبانوں کی سند حاصل کریں۔ یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

حضرات ! افسوس ہے کہ مجھے آپ کے سامنے کئی ناگوار باتیں کہنی پڑیں لیکن ایک بات اور کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ انھیں چند دنوں میں مجھے بعض ایسی تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوا جنھیں دیکھ کر ملال ہوتا ہے۔ پنجاب کے ایک رسالے کے قابل اڈیٹر کو کسی غیر معروف شخص نے یو۔پی کے کسی مقام سے شاید رسالے کی بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس پر اڈیٹر صاحب نے نہایت تلخ و ترش لہجے میں غم و غصہ کا اظہار فرمایا ہے اور سارے صُوبے اور اس کے اہلِ زبان کی خبر لے ڈالی اور اس پر بس نہیں کی بلکہ دکن کی بعض علمی تحریکوں اور کارناموں کے حال پر بھی نوازش فرمائی ہے۔ اس کے بعد ہی مجھے ایک لائق تعلیم یافتہ کا لکچر ملا جو انھوں نے جنوبی ہند کی ایک کانفرنس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے پڑھا تھا اس کی ابتدا بھی اسی الاپ سے کی ہے۔ چند ہی روز ہوئے میرے پاس دو کتابیں

Marfat.com

پہنچیں جن میں ایک قابل ادیب اور شاعر نقاد نے بے ضرورت اور بلا وجہ اس مضمون کو چھیڑ کر جلی کٹی سنائی ہیں۔ یہ حالت قابل افسوس ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یو۔پی کے کسی معقول پسند اور مستند شخص نے کبھی پنجاب یا دکن کے علمی کاموں کی تحقیر نہیں کی بلکہ ایسے تمام صاحبوں نے ہمیشہ ان کے علمی اور ادبی کارناموں کی دل کھول کر داد دی ہے۔ اور اگر تنقید کرتے وقت کسی نے کچھ لکھ دیا یا بعض غلطیاں جتائیں تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ کیا خود ان کے ہم وطن ان کی تنقید کرتے وقت کچھ کمی کرتے ہیں۔ کیا یو۔پی کے اہلِ زبان نے اپنے ادیبوں اور شاعروں پر نکتہ چینی نہیں کی؟ کونسا ایسا ادیب اور شاعر ہے جو اس سے بچ رہا ہو۔ جب میرؔ اور سوداؔ اور غالبؔ تک نہیں بچے تو دوسرا کس منہ سے شکایت کرسکتا ہے۔ آزادؔ مرحوم بار بار مصحفی کے امروہہ پن پر طعن کرتے ہیں۔ یہ کب نہیں ہوا اور کہاں نہیں ہوا؟ پہلے مشاعروں میں رد در رد اعتراض ہوتے تھے۔ اب اخباروں اور رسالوں میں ہوتے ہیں۔ جب 'مسدسِ حالی' شائع ہوا تو کیا کچھ طوفان نہیں برپا ہوا۔ کئی مسدس اس کے جواب اور رد میں لکھے گئے۔ اور یہ تو آپ میں سے بعض صاحبوں کو یاد ہوگا کہ 'مقدمہ شعر و شاعری' کی اشاعت پر کس قدر اعتراضوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ایک اخبار نے تو مسلسل بیس تیس مضامین لکھے جن میں کتاب اور مصنف دونوں کا مضحکہ اڑایا تھا۔ مولانا حالیؔ نے نہ کبھی جواب دیا اور نہ برا مانا۔ یہ باتیں جواب دینے یا غم و غصہ کے اظہار کی نہیں، اس سے اپنی کم زوری کا اظہار ہوتا ہے اسے صوبہ واری رشک و حسد یا سیاست اور تجارت کی طرح رقابت و مخالفت کا اکھاڑا نہیں بنانا چاہیئے۔ اس میں سب کا نقصان ہے۔ ہم سب اپنی زبان کے خادم ہیں۔ ہمیں اتحادِ عمل

Marfat.com

کی ضرورت ہے۔ میں شروع ہی میں عرض کر چکا ہوں کہ زبان ذات پات، قومیت، وطنیت سے بری ہے۔ جو اسے بولتا ہے اسی کی زبان ہے جو زیادہ صحت اور فصاحت کے ساتھ لکھتا بولتا ہے وہی زیادہ تر زبان داں اور اہلِ زبان کہلانے کا مستحق ہے۔ اس میں نہ کسی صوبے کی تخصیص ہے اور نہ کسی قوم اور نسل کی۔ انجمن ترقی اُردو یہ تجویز کر رہی ہے کہ جو ادارے مختلف مقامات میں اُردو زبان کی خدمت انجام دے رہے ہیں ان کے نمایندے اور خاص خاص ایسے لوگ جنھیں زبان سے ہمدردی ہے اور علم و فضل اور تجربہ رکھتے ہیں ایک جگہ جمع ہوں، زبان کے مسائل پر غور کریں، اپنے کاموں کا جائزہ لیں، آیندہ کے لیے پروگرام بنائیں اور ان پیچیدگیوں اور خرابیوں کے رفع کرنے کی کوشش کریں جو اس کی ترقی میں حائل ہیں۔ اس طریق کا یہ سے عمل میں نیز آپس میں اتحاد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔ میں حال ہی میں مدراس گیا تھا۔ وہاں مجھے اُردو زبان کے متعلق بعض مقامی حالات ایسے معلوم ہوئے جن کا کبھی علم نہ تھا۔ مجھے اپنی بے خبری پر بہت افسوس ہوا، ممکن ہے کہ اسی طرح ہم میں سے اکثر اسی بے خبری میں مبتلا ہوں۔ یہ بے خبری ہماری زبان کے حق میں بہت مضر ہے۔ اس لیے مجھے خیال ہوا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو ہمیں ہر صوبے کی اصل حقیقت سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس خیال کے آتے ہی میں اس اُدھیڑ بُن میں لگ گیا اور ایک فہرست ایسے استفسارات کی مرتب کی جو تقریباً تمام حالات پر حاوی ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ یہ فہرست ایک مختصر کمیٹی کے سامنے پیش کی جائے اور ان کے مشورے اور منظوری کے بعد ہر صوبے اور علاقے کے بعض ایسے اصحاب کے پاس بھیجی جائے جو اس کام سے ہمدردی اور اپنے صوبے کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں تاکہ وہ غور

Marfat.com

کرنے کے بعد اس کے جواب تیار کریں۔ اس کے بعد کمیٹی کے چند ارکان یعنی کم سے کم تین شخص ہر صوبے اور علاقے میں جاکر مقامی حالات کا معائنہ کریں اور وہاں کے واقف کار حضرات سے مل کر ان مسائل پر گفتگو کریں۔ غرض اس طرح ہر مقام سے معلومات کا ذخیرہ جمع کریں اور آخر میں ایک مفصل رپوٹ تیار کریں۔ یہ رپوٹ اتحادِ عمل اور آیندہ مختلف مقامات میں کام کرنے کے لیے بنیاد کا کام دے گی۔ ابھی تک نہ ہم اصل حقیقت سے واقف ہیں اور نہ ضرورتوں سے۔ اس رپورٹ کے بعد ہم یہ طے کرسکیں گے کہ ہر صوبے میں کس نہج پر کام کیا جائے۔ یہ ایک بہت ہی سرسری سا خاکہ ہے۔ تفصیل کا یہ وقت نہیں۔ اس میں کئی امور ایسے ہیں جو قابلِ غور ہیں اور جن کے طے کیے بغیر کام شروع کرنا ممکن نہیں، مثلاً ایک مسئلہ اخراجات ہی کا ہے جو سب میں دشوار ہے۔ بہرحال ان سب مسائل پر غور کرنے کے بعد اس کام کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کام کی خاص اہمیت دیکھ کر ہمارے اہلِ علم اور اہلِ ثروت ہمیں ضرور اس میں مدد دیں گے۔

حضرات! ہمیں اس بات پر نہ بھولنا چاہیے کہ اُردو ہندستان کی عام زبان ہے، تقریباً ہر صوبے میں بولی یا سمجھی جاتی ہے اور ہر قوم و ملت کے لوگ اسے بولتے یا سمجھتے ہیں، بلکہ ہندستان سے باہر بھی اپنا تسلط جماتی جاتی ہے اور سواحلِ عرب، مکہ، مدینہ، بغداد و دمشق، افغانستان، افریقہ کے بعض علاقوں وغیرہ میں بھی اس کے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔ جب تک اس میں وسعت کے ساتھ گہرائی نہ ہو، جب تک اس کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں اور جب تک یہ علمی زبان نہ بنے، اس وقت تک یہ سب فخر بے جا ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس زبان میں

Marfat.com

وسعت ہے اور اس میں لوچ اور جذب کرنے کی قوت اور آگے بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن یہ خوبیاں اُسی وقت کام آسکتی ہیں کہ ہم ان سے کام لیں اور زبان کو مستحکم اور مکمل بنانے پر آمادہ ہو جائیں بعض اہلِ سائنس کا قول ہے کہ آیندہ انسان جیسا چاہے گا بن جائے گا۔ میں اس قول کی تصدیق یا تردید نہیں کر سکتا لیکن زبان کے متعلق یہ وثوق کہہ سکتا ہوں کہ جیسا ہم نے چاہا ویسی بنی اور جیسا ہم چاہیں گے ویسی بنے گی۔ اپنی زبان پر فخر کر کے دوسروں کو چنوتی (چیلنج) دینا اور اپنی فوقیت جتانا فعلِ عبث ہے۔ اسے ایسا مکمل اور کامل بناؤ کہ دوسرے خود اس کی طرف جُھک جائیں اور اس کی افضلیت مان جائیں۔ یہ ہماری ہمت پر موقوف ہے۔ اور اس کی صورت وہی ہے جو میں نے عرض کی کہ مختلف اداروں کے نمایندے اور اُردو کے ایسے بہی خواہ جن کے دل میں اپنی زبان کا درد ہے ایک جا جمع ہوں اور آیندہ دس سال کے کام کا پورا نقشہ بنالیں اور اس پر ثبات و استقلال کے ساتھ عمل کرنے کا تہیّہ کرلیں۔ اب رہی کامیابی سو اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ ہمت نہ ہاریئے۔ جس نے ہتیار ڈال دیئے وہ مغلوب اور غلام ہے۔ جو آخر تک مقابلے پر تُلا رہا جیت اسی کی ہے خواہ وہ ہار ہی کیوں نہ جائے:

کامیابی آسمان سے نہیں اُترتی، یہ سب محنت، صبر، استقلال کی کرامات ہے۔ جانیں کھپانی پڑتی ہیں تب کچھ ہاتھ آتا ہے ؎

ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

Marfat.com

خطبۂ صدارت شعبۂ اُردُو ہندُستانی اکیڈمی

(۱۲ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء)

جناب صدر! حضرات!!

اُردُو زبان و ادب کا جدید دوْر گزشتہ صدی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں چار بڑی باقاعدہ اور منظم تحریکیں عمل میں آئیں :۔

۱۔ فورٹ ولیم کالج، کلکتہ۔

۲۔ دہلی کالج۔

۳۔ سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ۔

۴۔ اورینٹل کالج، لاہور۔

پہلی تحریک جو انیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئی مُلکی ضرورت پر مبنی تھی۔ انگلستان سے رایٹر (محرّر) بالکل نوعمر آتے تھے، یعنی سولہ سے اٹھارہ برس کی عمر کے۔ ان میں سے اکثر کی تعلیم بہت محدود اور کم ہوتی تھی اور جو کسی کی تعلیم اچھی بھی ہوئی تو اسے مطالعہ اور تعلیمی ترقی کا موقع نہیں ملتا تھا۔ دوسرے جب یہ نوعمر پہلے پہل ہندستان میں آتے تو ان کی حالت لاوارثوں کی سی ہوتی تھی اور ابتدائے ملازمت میں کوئی ان کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا نگراں اور رہنما نہیں ہوتا تھا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ نااہل اور کاہل ہو جاتے تھے۔

Marfat.com

دوسری بڑی بات یہ تھی کہ ملازمین کمپنی کو مختلف السنہ و مذاہب اور اطوار و عادات کے لاکھوں آدمیوں کے عدالتی معاملات فیصلہ کرنے اور اضلاع کی مال گزاری کا انتظام کرنا اور ان کے جھگڑے چکانے پڑتے تھے۔ عدالتوں میں وکالت اور تمام ضروری کارروائی دیسی زبان کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ قانون انگریزی نہیں بلکہ یہاں کا قدیم قانون رائج تھا۔ اس لیے مجسٹریٹوں کے فرائض بہت پیچیدہ اور اہم ہو گئے تھے۔ معمولی فرائض کے علاوہ ججوں، مجسٹریٹوں کو وقتاً فوقتاً گورنر بہ اجلاس کونسل کے سامنے موجودہ قوانین کے متعلق ترمیمات وغیرہ پیش کرنی ہوتی تھیں جس کے لیے انھیں اہلِ ملک کی خواہشات اور ضروریات کا جاننا ضروری تھا۔

سب سے بڑی چیز تجارت تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا اصل منشا تھا۔ اس سے پہلے یہاں کوئی فرماں روا تاجر کے بھیس میں نہیں آیا تھا۔ اس لیے کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ اجنبی تاجر کوٹھیاں بناتے بناتے قلعے تعمیر کرنے لگیں گے۔ تجارت کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ تاجر ملک کی زبان اور حالات سے واقف ہو۔ اور جہاں تجارت کے ساتھ حکومت کا سایہ بھی ہو تو ملک کی زبان، اہلِ ملک کے عادات اور رسم و رواج اور ان کے آئین و قوانین کا جاننا لازم ہو جاتا ہے۔

اسی زمانے میں ایک آفت اور پیدا ہو گئی تھی اور اس کا انسداد ضروری تھا۔ انقلاب فرانس نے تمام یورپ میں ہلچل مچا دی تھی، مذہبی اور سیاسی خیالات میں ہیجان پیدا ہو گیا تھا اور وہ خطرناک اصول رفتہ رفتہ کمپنی کے فوجی اور ملکی ملازمین تک بھی پہنچ گئے تھے۔ اس لئے بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لوگ اس کا شکار نہ ہو جائیں۔ ایسے موقع پر دل و دماغ کو

Marfat.com

زیر کرنے کے لئے دو قوتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک حکومت، دوسری مذہب۔ اس لیے حکومت اور مذہب کے اصول سکھلانے ضروری تھے۔ تاکہ نو وارد جوان عام روش سے بھٹکنے نہ پائیں۔ اسی وجہ سے مذہبی تعلیم کالج کا جز تھی اور کوئی اعلیٰ عہدہ یا پروفیسری یا لکچراری کی خدمت کسی غیر عیسائی کو نہیں دی جاتی تھی اور ایسے عہدہ دار کو اقرار صالح کرنا پڑتا تھا کہ وہ نجی کے طور پر یا علانیہ ایسے عقائد اور آرا کی تعلیم نہ دے گا جو عیسائی مذہب یا چرچ آف انگلینڈ کی تعلیم دارکان کے خلاف ہو ؎

ان خیالات کو پیشِ نظر رکھ کر لارڈ ویلزلی نے ۴ر مئی سنہ ۱۸۰۰ء کو ایک مدرسہ بہ نام فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ ویلزلی بڑا اولوالعزم شخص تھا اور اس مدرسے کے متعلق اس کے بڑے بڑے خیالات تھے۔ وہ اس میں قدیم و جدید السنہ، ہندستان کی دیسی زبانوں، اصول، قانون، تاریخ عامہ و تاریخ ہندستان، نیچرل ہسٹری، کیمیا، معاشیات، ریاضی، نباتات وغیرہ سب کی تعلیم دینا چاہتا تھا، مگر "پیسے کے لوبھی" کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ اس لئے اس کی تعلیم زیادہ تر دیسی اور مشرقی زبانوں تک محدود رہ گئی۔ ڈائرکٹر سرے سے کالج کے مخالف تھے محض لارڈ ویلزلی کی سینہ زوری سے چند سال تک یہ مدرسہ قائم رہا ؎

یہ کچھ بھی سہی لیکن اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ کالج نے دیسی زبانوں اور خاص کر ہندستانی زبان کے لئے بہت مفید کام کیا۔ اُردو زبان میں سادہ اور روز مرہ کی زبان لکھنے کا ڈھنگ ڈالا اور مقفّٰی اور مسجع عبارت ترک کردی گئی۔ کوئی پچاس سے اوپر کتابیں تیار ہوئیں اور طبع کی گئیں۔ جن میں کچھ ترجمے تھے، کچھ تالیفات اور کچھ انتخابات جو قصص و حکایات، تاریخ و تذکرہ

Marfat.com

لغات و صرف و نحو اور مذہب وغیرہ کے مضامین پر مشتمل تھے۔ کالج نے اُردو زبان کے حق میں دو بڑے کام کئے۔ ایک تو روزمرہ کی زبان کو صفائی اور فصاحت کے ساتھ لکھنا سکھایا۔ دوسرے اس زمانے کے لحاظ سے لغت اور صرف و نحو پر جدید طرز پر کتابیں لکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کی بعض کتابیں اب بھی پڑھنے کے قابل ہیں اور اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ایک کام اس نے یہ کیا کہ نستعلیق ٹائپ کا مطبع قائم کیا اور کالج کی کتابیں اسی میں طبع ہونے لگیں۔ یہ مسئلہ اب تک زیر بحث ہے اور اس میں جیسی کہ چاہیے کامیابی نہیں ہوئی۔ اگر یہ کالج قائم رہتا اور حسب ضرورت اس کے مقاصد میں توسیع ہوتی رہتی تو بڑی قابلِ قدر خدمت انجام دیتا۔

دوسری تحریک دلی میں نمودار ہوئی۔ دہلی کالج کا ذکر ہندستان کے نظامِ تعلیم کے سلسلے میں نیز اُردو زبان کی تاریخ میں ہمیشہ کیا جائے گا اور تعریف کے ساتھ کیا جائے گا اگرچہ افسوس ہے کہ ہندستان کی تعلیمی تاریخ کے لکھنے والے اسے اکثر بھول جاتے ہیں۔ اس کی تین بڑی خصوصیتیں تھیں۔ ایک یہ کہ یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں مشرق و مغرب کا سنگم قائم ہوا اور ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔ اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے، معلومات میں اضافہ کرنے اور ذوق کی اصلاح میں بڑا کام دیا اور ایک نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی اور ایک نئی جماعت ایسی پیدا کر دی جس میں سے ایسے پختہ کار، روشن خیال اور بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور سوسائٹی پر ہمیشہ رہے گا۔ دوسری خصوصیت

Marfat.com

اس کی یہ تھی کہ ذریعۂ تعلیم اُردو زبان تھا۔ تمام مغربی علوم اُردو ہی کے ذریعے پڑھائے جاتے تھے اور باوجود ان موانعات کے جو معترضین ذریعۂ تعلیم کی بحث میں ہر موقع پر پیش کرتے تھے وہ نہایت کام یاب رہا۔ کالج کے پرنسپل اپنی ایک رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "مشرقی شعبے کا طالب علم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کہیں بڑھا ہوا ہے۔" علاوہ اس کے جن جن ماہرانِ تعلیم اور قابل اصحاب نے کالج کا معائنہ کیا انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن احاطۂ بنگال اپنے تبصرۂ تعلیمی بابت سنہ ۱۸۵۳ء میں لکھتے ہیں کہ :-

"ایک مدت سے دلی کالج کی ایک خصوصیت ایسی چلی آرہی ہے جو اسے بالائی اور زیرین صوبجات کے دوسرے کالجوں سے ممتاز کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہاں دیسی زبان (اُردو) کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے اور یہ امتیازی خصوصیت خاص طور پر ریاضیات کی تمام شاخوں اور کم و بیش تاریخ اور اخلاق و فلسفہ کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طریقۂ تعلیم پر مسٹر بترِوس نے اپنے زمانۂ پرنسپلی میں استقلال کے ساتھ عمل درآمد کیا، اور ان کے جانشین ڈاکٹر سپرنگر نے اسی جوش کے ساتھ اسے جاری رکھا۔ یہ اب دہلی کالج کے نظامِ تعلیم کا ایک جزو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اسے آزادی کے ساتھ بڑھنے اور پھولنے پھلنے دیا جائے۔ چند سال بعد ہمیں اس کے نتائج کا دُوسرے طریقے کے نتائج سے مقابلہ کرنے کا موقع ملے گا۔" افسوس یہ موقع کبھی نہ آیا۔

تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس سے متعلق ایک ٹرانسلیشن سوسائٹی (مجلس ترجمہ) تھی جو کالج کے طلبہ کے لئے انگریزی سے اُردو میں درسی

Marfat.com

کتابوں کے ترجمے کا کام انجام دیتی تھی۔ یہ ترجمے سب کے سب کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ہوئے ہیں۔ اس مجلس کے ترجموں اور تالیف کی تعداد قریب سوا سو کے ہے جو تاریخ، جغرافیہ، اصولِ قانون، ریاضیات اور اس کی مختلف شاخوں، کیمسٹری، میکانیات، فلسفہ، طب، جراحی، نباتیات، عضویات، معاشیات، وغیرہ علوم و فنون نیز ادبیات پر مشتمل ہیں۔ اس کالج نے صحیح طریقۂ تعلیم کو رواج دینے اور اُردو کو علمی زبان بنانے میں عظیم الشان خدمت انجام دی اور اس زمانے کے لحاظ سے اس کا یہ کام نہایت قابلِ قدر ہے۔ اگر سنہ ۵۷ کی شورش میں اس کا شیرازہ نہ بکھر جاتا اور یہ کالج اسی اصول پر قائم رہتا اور زمانے کی ضروریات کے مطابق اس میں اصلاح و ترقی جاری رہتی تو آج ہماری زبان کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔

اس کے بعد سنہ ۱۸۶۲ء میں سر سید احمد خاں مرحوم نے سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس کی غایت یہ تھی کہ علمی کتابیں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرا کے مغربی لٹریچر اور مغربی علوم کا مذاق اہلِ وطن میں پیدا کیا جائے۔ اس سوسائٹی نے تقریباً چالیس علمی اور تاریخی کتابیں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرائیں۔ دہلی کالج کے بعد یہ دوسرا ادارہ تھا جس نے اُردو زبان میں علومِ جدید کو منتقل کرنے اور اسے علمی زبان بنانے کی سعی کی۔ سر سید اسے انگریزی تعلیم پھیلانے سے بھی زیادہ ضروری اور مقدم سمجھتے تھے۔ 'انسٹی ٹیوٹ گزٹ' اور 'تہذیب الاخلاق' بھی اس کے بچے تھے جنھوں نے ملک میں علمی ذوق اور روشن خیالی پھیلانے میں بڑا کام کیا۔

سنہ ۵۷ کی شورش کے کچھ دنوں بعد جب علمی مرکز دہلی سے لاہور

Marfat.com

منتقل ہوا تو وہاں اوائل سنہ ۱۸۶۵ء میں ایک انجمن بہ نام "انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب" قائم ہوئی جو بعد میں "انجمن پنجاب" کے نام سے موسوم اور مشہور ہوئی اور اس کی سعی سے اورینٹل کالج کی بنا پڑی جو بعد میں پنجاب یونی ورسٹی کالج کے تفویض کر دیا گیا۔ یہ تعلیمی ادارہ بھی تھا اور تالیف و ترجمہ کی اکیڈمی بھی۔ مترجم زیادہ تر کالج کے معلمین اور اس کے رفقا تھے۔ ان صاحبوں نے مختلف علوم و فنون پر بہت سی انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے۔ چند کتابیں تالیف بھی کیں اور بعض سنسکرت، عربی، فارسی کتابوں کے بھی ترجمے کیے۔ اس میں ڈاکٹر لائیٹنر کی کوشش اور استقلال کو بڑا دخل تھا۔ وہ "انجمن پنجاب" کے پریزیڈنٹ اور اورینٹل کالج کے پہلے پرنسپل تھے اور سنہ ۱۸۸۶ء تک اس خدمت پر مامور رہے۔ ان کے جانے کے بعد تالیف اور ترجمے کا کام سست پڑ گیا۔ اگرچہ پہلا سا زور شور اور اہتمام نہیں رہا تاہم یہ کالج اردو اور مشرقی زبانوں کی خدمت تعلیم اور امتحانات کے ذریعے سے انجام دے رہا ہے اور گو اب وہاں کوئی شعبہ تالیف و ترجمہ کا نہیں مگر وہ سنت قدیم پروفیسر شفیع، پروفیسر اقبال اور پروفیسر شیرانی کے دم سے زندہ ہے۔

یہ چار تحریکیں جن کا سرسری ذکر میں نے آپ کی خدمت میں کیا ہے گزشتہ صدی کی ادبی اور علمی ترقی میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور اورینٹل کالج نے اردو زبان کے لیے جو جو کام کیا وہ خاص ضرورت سے تھا یعنی درسی کتب کا بہم پہنچانا مگر اس میں شک نہیں کہ اس میں بہت سی کتابیں ایسی بھی تھیں جو عام مطالعے کے لیے بھی مفید تھیں اور ان سے علم و ادب کے شائقین کو بہت فائدہ پہنچا۔

Marfat.com

علاوہ معلومات میں اضافہ کرنے اور خیالات میں انقلاب پیدا کرنے کے سنجیدہ مضامین کے لکھنے کا اسلوب بھی رائج ہوگیا۔ سائنٹفک سوسائٹی کا مقصد عام تھا لیکن اس کا کام بھی دہلی کالج ہی کے نہج پر ہوا۔ ان اداروں کے حالات پر غور کرنے سے البتہ ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ادارے نے از سرِ نو کام شروع کیا اور گزشتہ تحریکوں سے کوئی سلسلہ اور ربط قائم نہ ہو سکا۔ یعنے نہیں دیکھا کہ اس سے پہلے کیا کام ہوا، کون کون سی کتابیں لکھی اور ترجمہ کی گئیں، کون کون سے نئے الفاظ وضع کیے گئے اور کون سے ایسے پُرانے الفاظ تھے جو نئی اصطلاحات کے لئے استعمال کیے گئے۔ ان کی کون سی چیزیں اختیار کرنے کے قابل ہیں اور کون سی قابلِ ترک۔ اس سے بڑی بصیرت ہوتی ہے اور کام میں آسانی ہو جاتی ہے۔ جس طرح پچھلوں کے اچھے کام اگلوں کے حق میں مفید ہوتے ہیں اسی طرح ان کی غلطیاں کچھ کم مفید نہیں ہوتیں تاکہ آنے والے ان سے بچیں اور ان کا اعادہ نہ کریں۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں جو ادارے زبان و ادب کی ترقی و اشاعت کا کام کر رہے ہیں وہ بھی انھیں غلطیوں میں مبتلا ہیں۔ اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ ان کا کام کسی اصول پر نہیں ہو رہا ہے۔ کوئی کتاب اچھی سی ہاتھ لگ گئی اس کا ترجمہ کر لیا۔ کسی نے کوئی چیز لکھ کر بھیجی، کمیٹی نے پسند کی، چھپ گئی۔ کوئی تالیف شایع ہوئی، سفارش کے ساتھ پیش ہوئی، انعام دے دیا۔ کچھ لکچر دلوا دیے، کچھ جلسے کر لیے اور سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ مشاعرے کا اہتمام کر دیا۔ گویا ہم اندھیرے میں چاند ماری کر رہے ہیں، لگا تو تیر نہیں تو تکا۔ اس طرح سے کام نہیں ہوتے، ان حرکتوں سے زبان اور ادب نہیں بنتا، ان طریقوں سے آپ

Marfat.com

خیالات میں انقلاب اور طبائع میں جدّت نہیں پیدا کر سکتے۔ اس سے بھی بڑی کوتاہی بلکہ معصیت جس کا ارتکاب یہ ادارے کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ان اداروں میں باہمی اتحاد اور ارتباط نہیں ہے۔ ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رکھی ہے۔ جب مقصد ایک ہے، کام ایک ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم کبھی کبھی سر جوڑ کر نہ بیٹھیں، اپنے کاموں پر نظر نہ ڈالیں اور آیندہ کے لیے اپنے کام کا کوئی ایسا نقشہ تیار نہ کریں جو حقیقی طور پر ہمارے ادب کے حق میں مفید ہو۔ اس اتحادِ عمل، امدادِ باہمی اور تقسیمِ کار سے کام میں سہولت اور توسیع اور عمل میں قوت پیدا ہوگی نیز بہت سے ایسے مسائل حل ہو جائیں گے جو اس وقت ہماری توجہ کے محتاج ہیں۔ اس طرح سال میں ایک آدھ بار باہم مل بیٹھنے سے اور بہت سی کارآمد باتیں سوجھ جائیں گی جو فرداً فرداً غور کرنے سے خیال میں نہیں آتیں۔ لیکن یہ مجلسیں ہنگامے کی خاطر نہیں بلکہ کام کے لیے ہونی چاہییں اور ان میں صرف انھیں کو دعوت دی جائے جو اہلِ نظر اور صاحب رائے ہیں۔ بعد میں ان کی تجویزیں اور فیصلے اطلاعِ عام اور تنقید کے لیے شایع کیے جائیں تاکہ ضرورت ہو تو ان فیصلوں پر نظرِ ثانی کی جا سکے۔

حاشا وکلا میرا مقصد کسی ادارے کو الزام دینا نہیں، ہر ادارہ اپنی بساط اور فکر کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور مفید کام کر رہا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ موجودہ حالت میں جس طرح کام ہو رہا ہے اس میں بہت سا وقت محنت اور روپیہ رائیگاں جاتا ہے۔ اگر ہم متفقہ طور پر کام کی نوعیت، کام کی تقسیم اس کی ترقی و اشاعت اور جدید ضروریات کے متعلق غور کر کے کچھ امور طے کر لیں گے اور ان کے عمل میں لانے کی کچھ تدبیریں بھی سوچ لیں گے اور ان کے انجام دینے کے وقت کا بھی تعین کر لیں گے تو یقین

Marfat.com

ہو کہ ہم اتنے ہی وقت میں اسی قدر محنت اور روپے کے صرف سے بہت بڑا اور بہت بہتر کام کر سکیں گے۔ میں ذاتی تجربے کی بنا پر عرض کرتا ہوں۔ انجمن ترقیٔ اُردو ایک مدت تک اٹکل پچو، کا کام کرتی رہی۔ ایک عرصے کے بعد مجھے تجربہ ہوا کہ اس طرح بے اسلوبی سے کام کرنا کچھ زیادہ مفید نہیں، ایک منظم ادارے کا کام جس کا مقصد زبان و ادب کی ترقّی ہو اس سے بہتر و افضل ہونا چاہیے۔ چناں چہ اب ہم نے ایک خاص اصول پر کام کرنا شروع کیا ہو مثلاً ہم نے اُردو شعرا کے تذکرے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مرتب کیے اور اس وقت تک بہت سے کم یاب اور نادر تذکرے شایع ہو چکے ہیں اور بعض ابھی زیرِ ترتیب ہیں۔ ان تذکروں سے اردو ادب کا ارتقا اور اس زمانے کی معاشرت کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور بہت سی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں جو اب تک چلی آ رہی تھیں ان کی بہ دولت رفع ہو گئیں۔ چناں چہ ان تذکروں کی اشاعت کے بعد اُردو ادب کی تاریخ کے متعلق جو تحریریں اور کتابیں شایع ہوئی ہیں ان کے مؤلفوں نے ان سے استفادہ کیا ہو۔ اسی طرح انجمن نے قدیم اُردو ادب کے متعلق تحقیق و جستجو کا سلسلہ جاری رکھا ہو اور اُردو کی بعض قدیم کتب نظم و نثر شایع کی ہیں جن سے ابتدائے زبان کی کیفیت معلوم ہوتی ہو نیز انجمن نے ایک سلسلہ لغات کا بھی ترتیب دینا شروع کیا ہو۔ فی الحال انگریزی اُردو کی ایک مبسوط اور جامع لغات زیرِ طبع ہو اور جلد شایع ہو جائے گی۔ ہندی اُردو لغات بھی زیرِ ترتیب ہو۔ پیشہ وروں کی اصطلاحات بھی مکمل ہو چکی ہیں اور اب ان کی نظرِ ثانی کی جا رہی ہو۔ اس میں تقریباً بیس ہزار اصطلاحات مختلف پیشوں کی بڑی تلاش اور محنت سے جمع کی گئی

Marfat.com

ہیں۔ قدیم اُردو کی لغات بھی زیرِ ترتیب ہے۔ قدیم الفاظ موجودہ لغت کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ اس سے ادبی تحقیق میں بہت مدد ملے گی تقریباً ایک سال سے جائزۂ زبانِ اُردو (اُردو سروے) کا کام بھی جاری ہے۔ اکثر صوبوں اور علاقوں سے رپوٹیں وصول ہو چکی ہیں اور باقی مقامات پر کام ہو رہا ہے۔ اس وقت ایک اور تجویز میرے زیرِ غور ہے۔ یہ ارادہ ہے کہ دنیا کی اعلیٰ زبانوں میں جتنی مہاتصانیف (کلاسکس) ہیں ان سب کا ترجمہ اُردو میں کر دیا جائے۔ مَیں نے اس کی ایک فہرست تیار کی ہے جو خاص خاص اصحاب کی خدمت میں رائے کے لئے بھیجی جا رہی ہے۔ اگر یہ تجویز عمل میں آگئی تو ہماری زبان میں ایک ایسا عجیب و غریب سامان مہیا ہو جائے گا جو دنیا کا بہترین کارنامہ اور بنی نوع انسان کا افضل ترین ارث سمجھا جاتا ہے اور اس سے ہماری زبان کو جو بیش بہا فائدہ پہنچے گا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کے علاوہ ہم دُنیا کی موجودہ بڑی بڑی تحریکوں پر بعض کتابیں تالیف کرا رہے ہیں جو معلومات کی توسیع میں بڑا کام دیں گی۔ اس بیان سے میرا مطلب انجمن ترقیٔ اُردو کا اشتہار دینا نہیں بلکہ مثال کے طور پر وہ طریقۂ عمل بتانا ہے جس پر انجمن اس وقت کاربند ہے یا جو اس کے پیشِ نظر ہے ؛

ادبی اداروں کے اتحادِ عمل سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس وقت جو ہمارے ادب میں بے راہ روی پائی جاتی ہے اس کا بھی انسداد ممکن ہے۔ جب ہم متفقہ طور پر اس کے خلاف آواز بلند کریں گے تو ہماری آواز بے اثر نہیں رہے گی۔ آج کل ہمارے ادب میں خیالی یا اس وقت کے محاورے میں رومانی رنگ غالب ہوتا جاتا ہے۔ کچھ مدت ادبِ جدید کا ایک ایسا فرقہ تھا جس کا تعلق زیادہ تر علی گڑھ تحریک سے تھا، اس وقت کے اہلِ ادب مثلاً

Marfat.com

سر سید احمد خاں یا مولانا حالی زندگی کے واقعات اور اس کی مشکلات سے بحث کرتے تھے، قومی تنزل کے اسباب، آیندہ ترقی کی تدابیر، تعلیم کی ترغیب، دشواریوں سے مردانہ وار مقابلہ، رسم و رواج اور توہمات کی تنقید، ادب کی اصلاح وغیرہ وغیرہ۔ ایسے مضامین تھے جن پر بحث کرنے سے ان کا قلم نہیں تھکا۔ مولوی نذیر احمد جیسے عالم نے جتنے ناول لکھے وہ سب اس وقت کی زندگی اور معاشرت کا آئینہ ہیں، لیکن اس زمانے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "شعر" اور "آزاد" کی روح نئے جون میں نمودار ہوئی ہے۔ ہمارے ادیب اور شاعر عالم خیال میں پرواز کرتے پھرتے ہیں اور روز بہ روز حقیقت اور زندگی سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ یوں سمجھیے گویا وہ زندگی کی حقیقتوں اور دشواریوں اور ان پر غور و فکر کرنے سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن کیا وہ ان حیلوں سے بچ سکتے ہیں؟ ادب کی بنا زندگی پر قائم ہے اور اگر یہ نہیں تو وہ ایک لچر سی کہانی ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ ادب زندگی کا ایک آئینہ ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ مثلاً عرب جاہلیت کے شعرا کو لیجیے۔ شاعری ان کی رگ و پے میں بھری ہوئی تھی۔ معمولی سا معمولی اور جزوی سا جزوی معاملہ بھی ان کی نظر میں ایک بڑا واقعہ تھا اور تحریک شعر کے لیے کافی تھا۔ ان کی لڑائیاں، ان کی فتح و شکست عشق و محبت (خیالی نہیں)، خوف و خطر، انتقام، مہمان نوازی وغیرہ یہاں تک کہ ایک بچھیرے کی ولادت تک کا نقشہ ان کی نظموں میں زندہ موجود ہے۔ ان کے کلام میں تازگی، آزادی، مردانہ پن اور فطرتی زندگی پایا جاتا ہے۔ اگر ہم ان کے کلام کا مطالعہ کریں تو اس زمانے کی معاشرت، رسم و رواج اور خیالات و توہمات کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔ گزشتہ تیس سال میں ہماری

Marfat.com

زندگی میں بہت کچھ تغیر واقع ہوا ہے۔ اگر دو ایک شاعروں سے قطع نظر کیا جائے تو کیا ہمارے شعرا کے کلام میں کہیں بھی اس انقلاب کا پتا ہے۔ ہمارے شاعر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تلامیذ الرحمان ہیں۔ مشاہدہ، مطالعہ اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، ان کے دلوں پر آسمان سے ہر وقت الہام کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اگر انھیں اپنا اور دوسروں کا وقت ضایع کرنا منظور نہیں تو انھیں اپنی ہوائی پرواز سے اس ناپاک زمین پر اُترنا پڑے گا۔ ورنہ ان کی شاعری کو کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

ہمارے رسالے اور اخبار بھی بہت کچھ اسی رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ وہ دُنیا کی ان عظیم الشان تحریکوں پر جنھوں نے دنیا میں ہیجان پیدا کر رکھا ہے بہت کم سنجیدگی سے بحث کرتے ہیں۔ وہ زیادہ تر ادبِ لطیف، معمولی فسانوں اور نظم نما نثر کے شائق معلوم ہوتے ہیں۔ ایک بڑا عیب یہ ہے کہ جب کبھی وہ مُلکی معاملات پر بحث کرتے ہیں اس میں فرقہ بندی کی بساند آنے لگتی ہے یا خواہ مخواہ ایسے معاملات کو جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ عام طور پر ہندی اُردو اخباروں اور رسالوں کی حالت ہے۔ اس سے تنگ نظری اور تعصب پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ادب کے حق میں زہر ہے۔ اگر ہمارے ادبی ادارے اور کسی غرض سے نہ سہی، صرف ادب کی خاطر یہ تصفیہ کرلیں اور متفقہ طور پر ان باتوں سے اپنی بیزاری ظاہر کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا اثر نہ ہو لیکن صرف تجویزیں پیش کردینا اور قراردادیں منظور کرلینا کافی نہ ہوگا۔ ان اداروں کو خود بھی ان پر عمل کرکے دکھانا ہوگا۔

اس قسم کے اور بہت سے قضیے ہیں مثلاً ہندی اُردو یا رسم الخط

Marfat.com

کی بحث یا اور چھوٹے موٹے مسائل جن کا تعلق زبان اور ادب سے ہو ان جھگڑوں کے چکانے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہو جو میں نے عرض کیا۔ اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک اپنی رائے کو صائب اور قوی سمجھتا ہو لیکن باہم مل بیٹھنے اور مشاورت کی بڑی کرامات یہ ہو کہ جن رایوں کو ہم اٹل سمجھے بیٹھے تھے وہ باہم گفتگو کرنے کے بعد جھری جھری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ خلوص نیت شرط ہو۔

رسم الخط کا مسئلہ آج کل بہت زیر بحث ہو اور خاصا بھڑوں کا چھتا بن گیا ہو۔ اس میں مشکل یہ آپڑی ہو کہ جیسا ہمارے ہاں عام دستور ہو رسم الخط کو قومی تہذیب کا جز سمجھ لیا گیا ہو۔ اس لئے موجودہ حالات میں یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ لوگ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں گے۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم اس پر بحث کرنا ترک کر دیں۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس مسئلے کو جذبات اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اقتصادی مسئلہ ہو۔ جس رسم خط میں صرف کم ہو گا، وقت کم لگے گا جگہ کم گھرے گی اور جس کے پڑھنے میں آسانی ہوگی اور جو دیکھنے میں بھی خوش نما ہو گا وہی مقبول ہو کے رہے گا۔ عام طور پر لوگوں نے اسے ہندی اُردو سے متعلق کر کے جھگڑے کے لئے ایک نیا شاخسانہ کھڑا کر لیا ہو۔ اس کا حل آسان ہو لیکن اس کا رواج آسان نہیں۔ اس کے لئے ایک مدت درکار ہو۔ فی الحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہو کہ اُردو رسم الخط میں جو نقائص ہیں ان کی اصلاح کشادہ دلی سے کی جائے۔ ہندی سمیلن نے اس کی طرف قدم اُٹھایا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی کمیٹی قرار دی جائے جو اُردو رسم الخط پر غور کر کے اس میں مناسب اصلاح عمل میں لائے تو ایک مفید کام ہو گا۔

ہندوستانی اکیڈمی کا وجود اس معاملے میں بہت غنیمت ہو۔ وہ اس

Marfat.com

قسم کے مسائل حل کرنے اور اسی طرح کی اصلاحیں عمل میں لانے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ میں اس وقت اس کے کاموں پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا لیکن اکیڈمی کے کارفرماؤں کی خدمت میں اس قدر عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جب اکیڈمی نے ہندُستانی کا لقب اختیار کیا ہی اور ہندُستانی کے رواج کا بیڑا اٹھایا ہی تو کیوں اب تک ایسی کتابیں تالیف نہیں کرائی گئیں اور کوئی رسالہ ایسا شایع نہیں کیا گیا جو ہندُستانی زبان میں ہو اور بجنسہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے دونوں رسم الخط میں لکھا جا سکے۔ اگر یہ ممکن ہو اور اکیڈمی اس کی کوشش کرے تو زبان کی بڑی خدمت ہوگی۔ اور یہ جو اعتراض ہی کہ ہندُستانی کی دوڑ صرف معمولی بول چال اور کاروبار تک ہی اور ادب میں اس کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، بہت کچھ رفع ہو جائے گا۔ اور اس سے بھی زیادہ مفید کام جو اکیڈمی کر سکتی ہی وہ یہ ہی کہ اسی زبان میں ریڈریں تیار کر لے جو دونوں رسم الخط میں لکھی جائیں۔ اس سے وہ دورنگی جو اس وقت اس صوبے کے مدارس میں پائی جاتی ہی خود بہ خود اُٹھ جائے گی اور لڑکے ابتدا سے ایسی زبان لکھنے اور بولنے کے عادی ہو جائیں گے جو اس علاقے کا ہر شخص سمجھ سکتا ہی۔ ہندُستانی کے رواج کا سب سے بڑا ذریعہ یہ مدارس ہو سکتے ہیں ؛

حضرات! وقت گزرتا جاتا ہی اور بہت سے ایسے مسائل ادھورے پڑے ہیں۔ اگر ہم فوراً اور بہت جلد ان کو طے نہیں کر سکتے تو کم سے کم ہمیں ان کے جلد طے کرنے کا سامان فوراً مہیا کرنا چاہیے۔ جس وقت کوئی ایسی تجویز پیش ہو اور انشاء اللہ اس کا موقع بہت جلد آنے والا ہی تو مجھے امید ہی کہ وہ اصحاب جو اپنی زبان کے سچے بہی خواہ ہیں اپنے تجربے اور مشورے سے مدد دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے ؛

Marfat.com

خطبۂ صدارت انجمن حمایتِ اسلام لاہور

(۱۲ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء)

اے صاحبو!

مَیں نے لڑکپن میں انجمن حمایت اسلام کا بچپن دیکھا تھا اور اب بڑھاپے میں اُس کی جوانی کی بہار دیکھ رہا ہوں۔ مَیں جوں جوں بڑھتا جاتا ہوں، بُڈھا ہوتا جاتا ہوں! یہ جوں جوں بڑھتی جاتی ہے جوان ہوتی جاتی ہے۔ اور اے اہلِ پنجاب! جب تک آپ کی ہمت جوان ہے اس کی جوانی کبھی ڈھلنے نہ پائے گی۔ اس کی ابتدا کا خیال کیجیے تو ایک نازک پودے سے زیادہ نہ تھی جس کی فنا کے لیے ہوا کا ایک جھونکا کافی تھا مگر آج یہ ہری بھری لہلہاتی کھیتی نظر آتی ہے۔ یہ آپ کے استقلال اور ایثار کی بے نظیر مثال ہے۔ یہ انجمن آپ کی سرزمین پر ابرِ رحمت کی طرح چھائی ہوئی ہے۔ اس کے ادارے بڑھتے جاتے ہیں۔ اس کے کارخانے ترقی پر ہیں، اس کے مقاصد میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے اور اس کا اثر اور اس کی وقعت مسلّم ہے۔ اس کی جواں ہمتی کا یہ تازہ ثبوت ہے کہ اس نے عین وقت پر اپنی زبان کی بقا اور فروغ کی طرف توجہ کی ہے جس پر مَیں آپ کو دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔ لیکن یہ پہلی بار نہیں ہے جو پنجاب نے اُردو کی دست گیری کی۔ وہ ابتدا سے اس کی حمایت کے لیے کمر بستہ رہا ہے۔ اُردو کی اشاعت اور ترقی میں برابر کا شریک رہا ہے اور اب تو شریک غالب ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ پنجاب نے اسے اپنی زبان بنا لیا ہے بلکہ یہ

Marfat.com

کہنا درست ہو گا کہ وہ اسے "اپنی زبان" سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا اور عزیز رکھتا ہے۔ اس لیے انجمن حمایتِ اسلام کا اس سال اپنے سالانہ جلسے میں اُردو کا اجلاس رکھنا سنتِ قدیم کی پابندی اور موقع شناسی کی دلیل ہے۔

حضرات! زبان صرف اظہارِ خیال کا آلہ نہیں بلکہ ہماری زندگی کا جُز ہے ہر شخص جو اسے بولتا یا کام میں لاتا ہے وہ اپنی بساط کے موافق اس میں اپنی زندگی کا کچھ نہ کچھ نشان ضرور چھوڑتا جاتا ہے۔ اس میں ہمارے تمدن و شائستگی، خیالات و جذبات، تجربات اور مشاہدات کی تاریخ پنہاں ہے ہر لفظ ایک زندہ شے ہے جو اپنے منہ سے اپنی حکایت بیان کر رہا ہے۔ ہمارے اسلاف نے کیسی کیسی محنت و مشقت سے اسے پالا پوسا ہے اور اپنے خون سے سینچا ہے۔ یہ ایک مقدس میراث ہے جو نسلاً بعد نسل ہم تک پہنچی ہے۔ ہم ناخلف ہوں گے اگر ہم نے اسے قائم نہ رکھا اور اس کی ترقی و فروغ میں پوری کوشش نہ کی۔

اس وقت اُردو زبان کی ترقی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملک میں عام طور سے زبان کی اشاعت کے ذرائع اختیار کئے جائیں مثلاً اُردو مدارس اور کتب خانوں کا قیام، سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں اُردو کی شرکت موجودہ نصاب اُردو کی اصلاح، اُردو کی انجمنوں کا قائم کرنا اور ایسے اُردو اخباروں اور رسالوں کا اجرا، جو سلیس زبان میں زمانہ حال کے حالات اور واقعات کو اس طرح سنجیدگی اور صفائی سے پیش کریں کہ ہر پڑھا لکھا شخص سمجھ سکے اور مستفید ہو سکے۔ وہ اپنی رائے میں بے لاگ ہوں اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ان جرائد کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہو لیکن مخصوص طور پر وہ اپنی زبان کے نگراں ہوں یعنی وہ اچھی زبان

Marfat.com

کے متعلق ہر قسم کی خبریں مہیا کریں، مختلف علاقوں میں زبان کی جو حالت ہی اس سے آگاہ کریں اور ان مقامات میں جن اصلاحوں اور کوششوں کی ضرورت ہی اُن پر بحث کریں، اُردُو تالیفات کا جائزہ لیں، انصاف کے ساتھ تنقید و تبصرہ کر کے ان کے حُسن و قبح کو ظاہر کریں۔ ان تمام تجویزوں سے بڑھ کر ایک ضرورت اس بات کی ہی کہ اُن مؤلفین و مترجمین کی قدر افزائی کی جائے جو اپنی زبان میں قابلِ قدر کام کر رہے ہیں؛

دوسری صورت زبان کی ترقی کی یہ ہی کہ زبان کو مستحکم اور شایستہ بنایا جائے۔ استحکام سے میری مراد یہ ہی کہ مختلف قسم کی جامع لغات، مبسوط صرف و نحو، انسائیکلو پیڈیا کی تالیف اور ہر قسم کے علوم و فنون پر تالیفات مہیا کی جائیں۔ زبان کو شایستہ بنانے کے معنی یہ ہیں کہ زبان میں صفائی، شستگی اور پختگی پیدا ہو، وہ نازک سے نازک خیال ادا کرنے پر قادر ہو اور اس میں مختلف اسالیب بیان کے سانچے موجود ہوں۔ یہ اُسی وقت ممکن ہی جب کہ زبان میں اعلیٰ درجے کی تصانیف و تالیفات اور غیر زبانوں کی بہترین تصانیف کے ترجموں کا ذخیرہ فراہم ہو جو اہلِ قلم کی رہ نمائی کر سکے؛

پہلی شق یعنی اشاعتِ زبان کے متعلق انجمن ترقیٔ اُردُو نے ڈول ڈالا ہی سب سے اوّل یہ تجویز ہی کہ ہندستان کے تمام علاقوں اور صوبوں میں اُردُو زبان کا جائزہ لیا جائے جس کا یہ مطلب ہی کہ جہاں تک ممکن ہو تحقیقی طور سے یہ معلوم کیا جائے کہ اُن علاقوں میں اُردُو سمجھنے، بولنے والوں اور پڑھے لکھوں کی کیا تعداد ہی، کتنے سرکاری اور امدادی مدارس ہیں جن میں اُردُو کی تعلیم دی جاتی ہی، یہ تعلیم کس درجہ تک ہی اور طلبہ کی کیا تعداد ہی، اس کے درسی نصاب کی کیا حالت ہی، قدیم طرز مدارس کی تعداد جن میں اُردُو پڑھائی

Marfat.com

جاتی یا ذریعۂ تعلیم ہے کتنے ہیں اور ان میں طلبہ کی تعداد کیا ہے، سرکاری اور نجی اُردو کتب خانوں کی تعداد ایسی انجمنوں اور اداروں کی تعداد جو اُردو کی خدمت کرتے ہیں۔ اُردو کی مطابع اور جرائد کی تعداد اور حالت، سرکاری محکموں اور عدالتوں میں اُردو کی حیثیت۔ اِن شمار و اعداد کے علاوہ یہ بھی دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہاں اُردو زبان ترقی پر ہے یا انحطاط پر اور اس کے کیا اسباب ہیں، لوگوں کو اُردو سیکھنے اور پڑھنے کا شوق ہے یا نہیں، وہاں کی زبان کی مقامی خصوصیات، اُردو کا اثر قرب وجوار کی زبانوں پر، وہاں کی قدیم تصانیف اور مصنفین اور شعرا کے نام وغیرہ وغیرہ۔ نیز اس بات کے کھوج لگانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ہر علاقے میں اس کے حالات کی رو سے اُردو کی اشاعت و ترقی کے لیے کیا تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ یہ تجویز جب میں نے شروع میں ایک منتخب کمیٹی کے سامنے پیش کی تھی تو اس کی مشکلات دیکھ کر ارکانِ مجلس کو اس کی کامیابی کے متعلق بہت کچھ شبہ تھا اور بعض دوستوں نے مجھے لکھا بھی کہ تم کس خبط میں گرفتار ہو، یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے۔ لیکن میں کسی قدر خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ بعض صوبوں اور علاقوں سے مکمل رپورٹیں وصول ہوگئی ہیں اور بعض میں کام جاری ہے۔ ہر علاقے سے رپورٹیں وصول ہونے پر ایک مکمل رپورٹ شایع کی جائے گی۔ یہ گویا تمام ہندستان میں اُردو زبان کی موجودہ حالت کا آئینہ ہوگا۔ یہ ایک نہایت ضروری اور بنیادی کام ہوگا۔ اس پر ہم اپنی عمارت کھڑی کرسکیں گے۔ تمام حالات معلوم ہونے پر ہم ہر صوبے اور علاقے میں اُردو کی اشاعت و ترقی کا کام شروع کریں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا صوبہ اس معاملے میں سب سے پیش پیش ہوگا۔

دوسری شق زبان کے مستحکم اور شایستہ بنانے کی ہے۔ انجمن ترقی اُردو

Marfat.com

اُس کی طرف سے بھی غافل نہیں رہی۔ چناں چہ اس نے قدیم کم یاب تذکرے اور قدیم اُردو کی کتابیں جن پر اُردو ادب کی تاریخ کا بہت کچھ انحصار ہے ڈھونڈ کر طبع کرائیں اور ان کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں جو اب تک ہمارے ادب کی تاریخوں میں چلی آ رہی تھیں رفع ہوگئیں اور اس وقت سے اُردو ادب کی تاریخ کا رنگ ہی بدل گیا۔

اس کے علاوہ مختلف قسم کی لغات زیرِ ترتیب و زیرِ طبع ہیں۔ مثلاً انگریزی اُردو کی جامع لغات جو زیرِ طبع ہے اور چند ماہ میں چھپ کر شایع ہو جائے گی، 'اصطلاحاتِ پیشہ وراں'، جو تقریباً مکمل اور زیرِ نظرِ ثانی ہے، اس کا پہلا حصہ عنقریب مطبع میں پہنچ جائے گا۔ قدیم اُردو کی لغات وغیرہ۔ اُردو زبان کی مبسوط جامع لغات جو نظام گورمنٹ کی سرپرستی میں مرتّب ہو رہی ہے وہ بھی انجمن ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ایک دوسری تجویز جو اس وقت انجمن کے زیرِ غور ہے وہ یہ ہے کہ دُنیا کی اعلیٰ زبانوں کی جس قدر بہترین تصانیف ہیں اُن کا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے۔ اس کی فہرست تیار ہو چکی ہے اور اب اسے عمل میں لانے کی تدبیر کی جا رہی ہے۔ یہ کام اگر سرانجام پا گیا تو عظیم الشان کام یابی ہوگی۔

اس مختصر ذکر سے میرا مقصد اس بات کا جتانا ہے کہ ادبی اداروں کو وہ اہم کام کرنے چاہییں جو افراد کے بس کے نہیں۔ اگر ادبی ادارے بغیر کسی اصول کو مدِ نظر رکھے ایسے ہی کام کرتے رہے جو قابل تعلیم یافتہ لوگ فرداً فرداً کر سکتے ہیں تو ایسے ادارے کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے، بلکہ بعض حالات میں مُضر ہوں گے کیوں کہ اس میں محنت، وقت، روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام اس کے مقابلے میں ویسا نہیں ہوتا جس کی توقع کی جاتی ہے۔ ایک مدت کے تجربے کے بعد اور کچھ کھو کر یہ اتنی سی بات معلوم ہوئی ہے لیکن اسے حقیر خیال نہ کیجیے

Marfat.com

یہ بہت بڑی بات ہے اور اِس لیے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ صاف صاف اِس کا اظہار کردوں۔ اِس کے متعلق ایک دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنی زبان کی حفاظت اور ترقی منظور ہے تو اب ادبی اداروں کو متحد ہوکر کام کرنا چاہیے۔ اتحادِ عمل میں بڑی برکت اور قوت ہوتی ہے۔ جو کام فرداً فرداً مشکل اور محال معلوم ہوتا ہے وہ باہمی مشورے اور اتحاد سے آسان ہو جاتا ہے ہمیں مل کر پہلے سے اپنے اعمال نامے تیار کر لینے چاہییں کہ کیا کیا کرنا ہے، کیوں کر کرنا ہے اور کتنی مدت میں کرنا ہے۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں۔ اسے میں نے دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھا ہے۔

حضرات! اُردو زبان میں ایسے ادیب، شاعر اور انشا پرداز گزر چکے ہیں اور بعض اب بھی ہیں جن پر ہم بجا طور سے فخر کر سکتے ہیں لیکن جب ہم دوسری مہذب اور ادبی زبانوں سے مقابل کرتے ہیں تو اپنی زبان کی کچھ خامی پر افسوس ہوتا ہے۔ اِس کمی کی تلافی ہمارا فرض ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ کام کرنے والے کام کر رہے ہیں، ادبی اور علمی ادارے اپنی بساط کے موافق ہمارے ادب و علم کے ذخیرے میں اضافے کر رہے ہیں۔ اخبار اور رسالے بھی پہلے سے بہت بڑی تعداد میں شایع ہوتے ہیں شعر و شاعری کا بھی خوب چرچا ہے۔ بعض اوقات وبالِ جان ہوتا ہے۔ لیکن ایک بات جو مجھے کھٹکتی ہے اُسے کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سر سید احمد خاں کے زمانے میں (جو جدید ادب کے بانی نہیں تو فروغ دینے والے ضرور تھے) ہمارا ادب عروج پر تھا۔ اُس وقت ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے جن کا نام ہمارے ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ زندگی کے صحیح معنی سمجھتے تھے اور دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہم بے خبری اور غفلت کے عالم میں تھے، انھوں نے ہمیں جھنجوڑا، چونکایا، خبردار کیا اور رستے پر لگایا۔ وہ ادبی مجاہد تھے۔ وہ سربکف میدانِ عمل میں اُترے اور زندگی کی مشکلات سے مردانہ وار

Marfat.com

ٹکراتے اور مقابلہ کرتے رہے اور اکثر پر غالب آئے۔ انھوں نے اپنے زورِ بیان اور قوّتِ تحریر سے ہل چل مچادی اور سب کو ایک مرکز پر لے آئے۔ ان میں خلوص، بے غرضی، درد اور ایثار تھا۔ انھوں نے اپنے درد سے دوسروں میں سوز، اپنے خلوص اور بے غرضی سے دِلوں میں جلا اور اپنے ایثار سے حبِ قوم پیدا کی اور ایک جماعت ایسی کھڑی کردی جو اپنی قوم کے لئے کام کرنا شرافت اور انسانیت ہی نہیں بلکہ باعثِ نجات سمجھتی تھی۔ کیا اب بھی ہمارے ادب کی یہی حالت ہے؟ یہ دیکھ کر کس قدر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ادیب اور شاعر اس راستے سے ہٹتے جاتے ہیں۔ وہ زندگی کی کش مکش سے جھینپتے اور مشکلات سے کنیاتے ہیں۔ اس لئے وہ عالمِ خیال کی سیر کرتے رہتے ہیں اور دل فریب خوابوں سے اپنا جی بہلاتے ہیں۔ ہمیں جہاد کی ضرورت ہے اور وہ سیر و تفریح کے سامان فراہم کر رہے ہیں۔ شعر و ادب صرف حظِ نفس کے لئے ہی نہیں ہے اس سے اور بھی بڑے بڑے کام نکل سکتے ہیں تاکہ یہ حظِ نفس کے ساتھ قوّتِ روح بھی ہو جائے۔ ہمیں شعر و ادب کی ان تعریفات سے فی الحال قطع نظر کر لینا چاہیے جو فارغ البال اور عیش پرست قوموں نے کی ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ ہم طرح طرح کی کشاکشوں میں گرفتار ہیں، اِن سے آلاتِ حرب کا کام لینا چاہیے۔ آلاتِ حرب سے خدانخواستہ میری یہ مُراد نہیں کہ ہم ملک میں فتنہ و فساد پیدا کریں۔ نہیں، بلکہ ان سے زندگی کی جنگ میں کام لینا چاہیے۔ ان کے ذریعے سے دِلوں کے اُبھارنے، زندگی کے سنوارنے، شکوک کے مٹانے اور توہمات کی بیخ کنی میں مدد لیجیے۔ سیداحمد خاں کا درد اور ایثار دکھلایئے کہ بغیر اس کے کسی خیال میں گرمی اور اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔ جس دل میں آگ نہیں وہ دوسروں میں چنگاریاں

Marfat.com

کیوں کر پیدا کر سکتا ہے۔ جس دل میں لگن نہیں وہ دُوسروں کو کیسے اُبھار سکتا ہے۔ یہ لگن کہاں سے اور کیوں کر آئے؟ یہ اُس وقت پیدا ہوگی جب آپ میدان میں آئیں گے، لوگوں کی بھیڑ میں گھسیں گے، کھوے سے کھوا چھلے گا، ہر طرف سے ٹکریں لگیں گی، مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اُس وقت آنکھیں کھلیں گی، زندگی اصلی رُوپ میں نظر آئے گی اس وقت آپ کے دِل پر چوٹ لگے گی اور درد اور خلوص پیدا ہوگا۔ اس وقت آپ کی صریرِ قلم ہول ناک توپوں کی آواز سے زیادہ کارگر اور آپ کی زبان کا ایک ایک لفظ شمشیر کے گھاؤ سے زیادہ کاری ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ یہ زمانہ بہت نازک ہے۔ بے کاری روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے۔ معاشیاتی پیچیدگیوں نے ملک کو خستہ کر رکھا ہے جس سے ادیب اور شاعر دونوں چوکڑی بھول گئے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ زمانہ امتحان کا ہے، یہیں ادیب اور شاعر کے جوہر کھلتے ہیں اور یہی وقت اسے اپنے خداداد جوہر سے کام لینے کا ہے۔ جو ادیب اور صناع الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے اور کارزارِ زندگی میں شریک نہیں ہونا چاہتا اور خلوص کے ساتھ اپنے فطری جوہر کو کام میں نہیں لانا چاہتا وہ مجرم ہے اور اُس کی سزا وہی ہے جو ایک غدار کی ہوتی ہے۔ زبان اپنی نوع انسان کی علمی اور رُوحانی زندگی کے لیے نہایت درجہ ضروری ہے اس لیے زبان و ادب کی ترقی (جہاں تک ممکن ہو سکے) اُسے قوم کی ضروریات اور حالات کے مطابق بنانے میں ہے۔ یہ نکتہ ہمارے ادیبوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

حضرات! زبان بلاشبہ ایک معاشرتی ضرورت ہے یہی اس کی تخلیق کا باعث ہوئی اور وہ اس کی زندگی کا ایسا جزو ہے جو اس سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتا۔ انسان سے الگ کوئی شے نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں سے وابستہ ہے جو اسے بولتے

Marfat.com

اور اس میں فکر کرتے ہیں۔ اس کی جڑیں ہمارے دل و دماغ اور جسم میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہیں سے اس کی نشو و نما ہوتی ہے۔ زبان کی ترقی و انحطاط معاشرتی حالات کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے لسانیات تمدن و معاشرت کی تاریخ کو زبان کی تاریخ میں تلاش کرتے ہیں۔ اسے وقتی سیاسیات کا رنگ دینا سوتے ہوئے فتنے کو جگانا ہے۔ کیا سیاسی کانگرسوں اور سبھاؤں کے لیے یہ مناسب نہ ہوگا کہ وہ اس وقت تک تہذیبی اور ذوقی معاملات پر ہاتھ نہ ڈالیں جب تک وہ قومیت کی کوئی صورت قائم نہ کرلیں؟ اس سے زیادہ قابلِ الزام وہ سیاسی حضرات ہیں جو زبان کے پردے میں جس کی تہ زمین سیاست ہے اس مسئلے کو چھیڑ کر طرح طرح سے پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔

انڈین نیشنل کانگریس نے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ ہندستان کی زبان ہندستانی ہوگی خواہ وہ ناگری حروف میں ہو یا فارسی حروف میں۔ یہ فیصلہ معقول تھا اور اُس دوُر اندیشی پر مبنی تھا جو اس قسم کی کانگریسیں ایسے موقعوں پر عمل میں لاتی ہیں لیکن اُن صاحبوں کے اطمینان کے لیے کافی نہ تھا جن کا منشا کچھ اور تھا۔ انھوں نے اس رزولیوشن کو طفل تسلی سے زیادہ وقعت نہ دی اور دوُسری ادھیڑبُن میں لگ گئے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء میں ظہور میں آیا یعنی ہندی سمیلن کا سالانہ جلسہ اندور میں منعقد ہوا جس کی صدارت مہاتما گاندھی نے فرمائی۔ اِس جلسے میں بالاتفاق یہ قرارداد منظور ہوئی: "ہندُستان کے اُن ادیبوں میں جو اپنے صوبوں کی زبان میں کام کر رہے ہیں، ارتباط پیدا کرنے کی غرض سے نیز ہندی زبان کے ارتقا میں ان کا اتحادِ عمل حاصل کرنے کی غرض سے یہ کانفرنس اصحابِ ذیل کی ایک کمیٹی قائم کرتی ہے۔۔۔"

چناں چہ اس کمیٹی نے فوراً کام شروع کر دیا اور ماہانہ ہندی رسالہ "ہنس"

Marfat.com

جو ہندی اُردو کے مشہور ادیب منشی پریم چند کئی سال سے نکال رہے تھے اس ادارے کے تحت میں آگیا۔ یہ ادارہ "بھارت ساہتیا پرشد" کے نام سے مشہور ہے (یعنی انجمن ادب ہند) اور "ہنس" اب اس کا رسالہ ہو۔ منشی پریم چند کے ساتھ گجراتی زبان کے مورخ اور ادیب مسٹر کنہیا لال منشی بھی اس کی اڈیٹری میں شریک ہو گئے۔ مہاتما گاندھی اس تحریک کے دینی باپ اور مسٹر کنہیا لال اس کے روح رواں ہیں۔ چناں چہ "ہنس" کے فاضل اڈیٹر اکتوبر کے رسالے میں فرماتے ہیں (یہ میں اپنی زبان میں بیان کرتا ہوں اگر اصل زبان سُناؤں تو آپ کے سمجھانے کے لئے مترجم کی ضرورت ہوگی)۔

"اب ہندی مُلکی زبان کی صورت اختیار کر کے خاص و عام کی زبان ہو چکی ہے۔ مہاتما گاندھی جیسے ملک کے سدھارنے والے اسے زندہ مُلکی زبان بنانے کا عہد کر چکے ہیں"۔

خود مہاتما جی کا خط ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے "ہنس" کے متعلق تحریر فرمایا ہے:۔

"ہنس ہندستان بھر میں انوکھا پریتن ہے۔ یدی ہندی اتھوا ہندستانی کو راشٹر بھاشا بنانا ہے تو ایسے ماسک کی آدشکتا ہے۔ پریتک پرانت کی بھاشا میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کا پرچیے راشٹر بھاشا دوارا سب کو ملنا چاہیے۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ اب ایسا پرچیے دل چاہے اُن کو ہنس دوارا پرت ماس ادھے روپیے میں ادا کرے گا"۔

اس ہوشیاری کو آپ نے دیکھا۔ اب تک مُلک کی زبان "ہندستانی" تھی اور سب سے بڑی اور سب سے زیادہ منظم اور باوقعت کانگریس نے اُسے علی الاعلان تسلیم کر لیا تھا، لیکن اب ہندی یا ہندستانی ہو گئی۔ یا

Marfat.com

ہندستانی کے الفاظ خاص ذہنیت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ لفظ حذف ہو جائیں گے بلکہ یہ سمجھیے کہ ہو گئے جیسا کہ "ہنس" کے اڈیٹروں کی تحریر سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس تحریر کا (جسے مہاتما جی ہندستانی کہتے ہیں) مہاتما جی کے اس خط سے مقابلہ کیجیے جو انھوں نے حکیم اجمل خاں کو اُردو زبان اور رسم خط میں لکھا تھا اور جس کا عکس بعض رسالوں میں شایع ہو چکا ہے۔ ان دونوں میں سے ہم کس زبان کو ہندستانی کہیں۔ زبان کو سیاسیات کے خارزار میں گھسیٹنے اور سیاست دانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنانے کا یہ نتیجہ ہے کہ دو طبقوں میں بجائے اتفاق کے نفاق اور بڑھتا جاتا ہے۔

اب مہاتما جی جس زبان کو ہندی یا ہندستانی کہتے ہیں اس کا ایک نمونہ تو آپ نے خود ان کے خط میں دیکھ لیا، دوسرا نمونہ "ہنس" کے فاضل اڈیٹر منشی پریم چند کی تحریر سے پیش کیا جاتا ہے:۔

"آپ نے بہت ٹھیک کہا کہ کوِتا کیول منورنجن کی دستو نہیں اور نہ گاگا کر سنانے کی چیز ہے۔ وہ تو ہمارے ہردے میں پریرناؤں کو ڈالنے والی ہمارے اوساد گرست من میں آنندمے اسپھورتی کا سنچار کرنے والی ہم میں کومل بھاؤناؤں کو جگانے والی (استرین بھاؤناؤں کی نہیں) دستو ہے"۔

اسے مہاتما گاندھی ہی ہندستانی کہہ سکتے ہیں ورنہ کسی اور زبان داں کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہ میں نے آسان سا جملہ آپ کو سنایا ہے اگر میں اس رسالے کے کسی مضمون کا کوئی حصہ سناتا تو آپ کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور کہہ اُٹھتے ؎

گر تو ہندی بدیں نمط خوانی ۔۔۔ ببری رونق زباں دانی

اور یہ بھی یاد رہے کہ جو جملے میں نے ابھی آپ کو سنائے ہیں یہ ایسے شخص کی تحریر

Marfat.com

ہے جو اُردو کا بھی ایسا ہی اچھا ادیب ہے جیسے ہندی کا اور جو اُن لوگوں میں سے ہے جو ہندُستانی زبان کے فروغ کے حامی ہیں مجھے اس کی زبان پر مطلق اعتراض نہیں، یہ بہت صحیح اور فصیح ہندی ہے لیکن اسے ہندُستانی کہنا لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا ہے۔ ممکن ہے کہ مہاتما گاندھی جو توجیہ وتاویل کے فن کے اُستادِ کامل ہیں لفظ اتھوا ریا) کے کچھ اور معنی پیدا کرلیں ورنہ بہ حالتِ موجودہ ہندی یا ہندُستانی کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں ہوسکتا۔ زبان کا آسان یا مشکل ہونا ایک دوسری بات ہے ہر ایک کا ایک اسلوب بیان یا طرزِ تحریر ہوتا ہے اور خاص کر ادبی اور سائنٹفک مضامین میں لامحالہ زبان مشکل ہوجاتی ہے لیکن جو تحریر جس زبان میں ہے اسے اسی زبان سے منسوب کرنا مناسب ہے۔ لفظوں کے داؤپیچ سے غلط فہمیاں پیدا کرنا درست نہیں۔ مَیں یہ بھی عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک مجھے علم ہے "ہنس" کے قابل اڈیٹروں نے اپنے رسالے کی زبان کو کبھی ہندُستانی نہیں کہا۔ یہ مہاتما گاندھی ہیں جو "ہنس" کی زبان کو ہندُستانی کہتے ہیں اور ایسی بڑی جسارت ایسا ہی بڑا آدمی کرسکتا ہے۔ اگرچہ ہمیں "ہنس" کے اڈیٹروں کے اس قول کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ اب ہندی زبان تمام ہندُستان کی عام زبان ہوگئی ہے۔

اس رنگ کو (یعنی سیاسی رنگ کو) اور گہرا کرنے کے لئے اکثر اوقات اور عموماً مذہب کی پُٹ دی جاتی ہے۔ جس زمانے میں شدھی اور سنگھٹن کا زور تھا اس بدعت نے بھی زور پکڑا۔ اگرچہ شدھی اور سنگھٹن کا مقصد ہندوؤں کی تنظیم اور تقویت اور ہندو مذہب کی تبلیغ تھا لیکن زبان بھی اس کی لپیٹ میں آگئی۔ اگر آپ شدھی اور سنگھٹن کے قبل کے ہندی

Marfat.com

ادب کا مقابلہ بعد کے ہندی ادب سے کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ہندی کی اصل اشاعت و ترقی اسی وقت سے شروع ہوئی ہے۔ جب کوئی وار کارگر نہیں ہوتا تو مذہب اور سیاسیات کی آڑ لی جاتی ہے۔ لوگوں کو اُکسانے اور اُن میں جوش پیدا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چلتا ہُوا عمل نہیں ہے۔ زبان کو جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں انسانی ضرورت نے پیدا کیا اور زبان اور اس کے ادب کا ارتقا زمانے کی ضروریات اور حالات و افکار کے تابع رہا اور آیندہ بھی رہے گا۔ مذہب کے نام سے یا سیاسیات کے پردے میں اس کی اشاعت کا پراپیگنڈا کرنا خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ نفاق کی آگ مُلک میں بھڑک رہی ہے دانش مندانہ فعل نہیں ہے۔ اس قسم کی تحریکوں سے نہ صرف اُردو دان طبقے کو صدمہ پہنچا بلکہ نیشنل کانگریس کی اس قرار داد کی بھی بے وقعتی ہوئی جس کی رو سے "ہندستانی" ملک کی عام زبان قرار پائی تھی اور ہندُستانی قومیت اور ہندُستانی زبان و ادب کے بنانے کے لیے دلیرانہ اور دانش مندانہ پیش قدمی کی گئی تھی۔ لیکن اب معلوم ہُوا کہ ہندُستانی کے معنی ہندی ہیں اور اس کی تائید میں مہاتما گاندھی کا بیان سب سے بڑی شہادت ہے۔

ابھی حال میں آپ کے پڑوس کے صوبے میں اسی قسم کا ہنگامہ بپا ہُوا تھا۔ اس میں بھی سیاسی رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ صوبہ سرحد کی مقامی زبان جسے وہاں کا تقریباً ہر باشندہ بولتا اور سمجھتا ہے پشتو ہے یا پنجابی، اب جو انھوں نے اپنی مقامی زبان ترک کر کے اُردو کو اپنے نصابِ تعلیم میں داخل کیا ہے تو ان کا یہ فعل قابلِ تعریف ہے

Marfat.com

نہ لائق مذمت۔ انھوں نے بڑی اخلاقی جرات سے کام لیا ہے اور محض ہندستانی قومی زبان کی خاطر اتنی بڑی قربانی کی ہے۔ جو لوگ ہندستانی قومیت کے خواب دیکھ رہے ہیں انھیں خوش ہونا چاہیے کہ صوبہ سرحد نے اس طرف سب سے پہلے قدم بڑھایا ہے۔ اس معاملے کے متعلق میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ مجھ سے بہتر ان باتوں کو جانتے اور سمجھتے ہیں؛

ایک اور تازہ واقعہ سنیے کہ مسلمانوں نے دہلی کے نشر گاہ (یعنی براڈ کاسٹنگ سٹیشن) کی زبان کے متعلق ایک شاخسانہ نکالا ہے سننے والوں نے نہیں بلکہ اسمبلی کے بعض ممبروں نے۔ وہی سیاسی رنگ! سنا جاتا ہے کہ اس زبان پر جسے کبھی ہندستان کی عام زبان بنانے کا ارادہ تھا، نزلہ گرنے والا ہے اور اس کے پروگرام میں اس قسم کی تبدیلی ہونے والی ہے کہ اُردو یا ہندستانی برائے نام رہے اور اس کی جگہ مہاتما گاندھی کی ہندی (یا ہندستانی) کو دے دی جائے۔ اور اس میں انھیں کامیابی ہو جائے گی کیوں کہ آج کل اخباروں کی چیخ پکار اور ارکانِ اسمبلی کے سوالات بڑی وقعت رکھتے ہیں۔ اُردو داں طبقے کو اپنے اخباروں کی خبر لینی چاہیے اور انھیں زیادہ بہتر اور باوقعت بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی قوت ہے؛

ہر شخص کو اور ہر قوم کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے ہر جائز ذریعے کو استعمال کرے اور جہاں تک اس کی قدرت میں ہو اس کی بہتری کے لیے کوشش کرے لیکن کسی فرد یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان کی محبت یا جنون میں دوسری زبانوں کی تخریب کے درپے ہو اور وفد لے لے کر والیانِ ریاست کی خدمت میں حاضر ہو اور

Marfat.com

اصرار کرے کہ وہ اپنے علاقوں سے اُردُو زبان کو خارج کرکے ہندی داخل کرلیں۔ اُردُو داں طبقہ کبھی اس کا مرتکب نہیں ہوُا۔ ہم کسی زبان کے مخالف نہیں، البتہ اپنی زبان کی ترقّی کے خواہاں ہیں اور اس معاملے میں کامل رواداری اور آزادی کے قائل ہیں ؛

اس ضمن میں رسمِ خط کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ آج کل اس پر بڑی پُرزور بحثیں ہو رہی ہیں جن میں سے بعض دل چسپ اور کارآمد ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی تان اُردُو رسمِ خط ہی پر کیوں توڑی جاتی ہے۔ یہ مسئلہ ہندُستان کے تمام رسوم خط سے متعلق ہے جہاں متعدد اور مختلف تحریر کے طریقے رائج ہیں خصوصاً جنوبی ہند میں جس کا تعلق نہ اُردُو رسمِ خط سے ہے نہ دیوناگری سے۔ ہندُستان کی تمام زبانوں کے لیے کسی ایک رسمِ خط کا ہونا ممکن تو ہے لیکن اس کا عمل میں آنا بہت دشوار ہے۔ مثلاً میں آپ کو ایک پُرلطف لطیفہ سُناتا ہوں۔ مسٹر بری گوپال ٹائپ حروف اور اس کی طباعت کے بڑے ماہر ہیں۔ انھوں نے حال میں بنگالی اور ہندی کا ٹائپ تیّار کیا ہے جو بہت قابلِ قدر ایجاد ہے۔ انھوں نے رسالۂ "وشال بھارت" کلکتہ میں دیوناگری رسمِ خط کی تائید میں ایک مفصّل مقالہ لکھا ہے جس کے ضمن میں انھوں نے یہ بحث کی ہے کہ مسلمان جو یہ کہتے ہیں کہ دیوناگری رسمِ خط اختیار کرنے سے ان کے کلچر کو صدمہ پہنچے گا، یہ بالکل غلط خیال ہے۔ رسمِ خط کو کلچر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بحث کرتے کرتے وہ رومن رسمِ خط پر آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ رومن رسمِ خط اختیار کرنے سے ہندو تہذیب اور کلچر کو سخت نقصان پہنچے گا۔ کیا عجیب بات اور کیسی عجیب منطق ہے۔ میں قابل مقالہ نویس

Marfat.com

کو "حافظہ نباشد" کا الزام نہیں دیتا لیکن اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ دلوں کی تہوں میں جو بات چھپی ہوئی تھی اس کا راز کس سادہ لوحی سے طشت از بام ہوگیا۔ جب تک اس خیال اور دماغ کے لوگ ہم میں موجود ہیں (خواہ وہ کسی طبقے یا فرقے کے ہوں) اس وقت تک ملک کی ساری زبانوں کے لیے کسی ایک رسم خط کا ہونا محال ہے ؁

رہا اُردو رسم خط تو یہ آج کا نہیں ہے۔ جب سے یہ زبان پیدا ہوئی یہ اس کے ساتھ ہے۔ اور یہ زبان جیسا کہ معلوم ہے اور ظاہر ہے ٹھیٹ ملکی زبان ہے۔ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ ملک ہے، دونوں کو اُن کے بزرگوں سے میراث میں ملی ہے اور یہ رسم خط بھی اسی کے ساتھ آیا ہے جسے دونوں یکساں طور پر استعمال کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ اس میں ایک کو دوسرے سے شکایت کا موقع ہی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ جب ہندوستان کی سب زبانوں کا رسم خط ایک ہوجائے لیکن اس وقت کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب آئے گا اور اس کی کیا صورت ہوگی۔ البتہ یہ میں مانتا ہوں کہ فی الحال اصلاحِ رسم خط کا مسئلہ قابلِ غور اور نہایت ضروری ہے ؁

دنیا کا کوئی رسم خط کامل نہیں اور ہم بھی یہ دعوے نہیں کرسکتے کہ ہمارا رسم خط بے عیب ہے۔ ہر زندہ زبان اور زندہ شے میں تغیّر و تبدّل اور اصلاح کا ہونا لازم ہے۔ البتہ مُردے میں کسی تغیّر و تبدّل کی گنجایش نہیں ہوتی کیوں کہ نمو کا اس میں امکان ہی نہیں۔ اگر ہم اپنے رسم خط کا سُراغ لگاتے لگاتے اُس ابتدائی صورت تک پہنچیں جہاں سے اُس نے آگے بڑھنا شروع کیا اور پھر اس طرف سے چلیں اور ہر قرن اور ہر عہد کے رسم خط کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ رفتہ رفتہ ہر عہد میں تغیّر ہوتا گیا ہے اور جب

Marfat.com

ہم موجودہ رسمِ خط تک پہنچیں گے اور اس کا مقابلہ ابتدائی صورت سے کریں گے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ آپ دُور کیوں جائیں۔ خود اُردو رسمِ خط کو دیکھیے۔ کیا یہ ابتدا سے اب تک اُسی ایک حالت میں ہے؟ پُرانی تحریریں دیکھیے، سو ڈیڑھ سو برس بلکہ تیس چالیس برس پہلے کی چھپی ہوئی کتابیں ملاحظہ فرمائیے۔ کیا اس وقت سے اب تک کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہُوا؟ یہ فرق کیوں ہُوا اور کس نے پیدا کیا؟ زمانے کے حالات اور خود ہماری ضرورتوں نے۔ ہمیں اصلاح سے کبھی مُنہ موڑنا نہیں چاہیے اور اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ چناں چہ ہندی والوں نے بھی جنھیں اپنے رسمِ خط کے کامل ہونے کا دعوےٰ تھا اس بات کو محسوس کیا اور ہندی سمیلن نے ایک خاص کمیٹی اس غرض سے مقرّر کی ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد مناسب اصلاحیں تجویز کر کے پیش کرے۔ اسی طرح ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کی تحریک پر کلکتہ یونی ورسٹی نے ایک کمیٹی کا اسی مقصد سے تقرّر کیا ہے کہ وہ بنگالی رسمِ خط پر غور کر کے ضروری اصلاحیں تجویز کرے۔ میں اس وقت اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ قریب زمانے میں انجمن ترقّیِ اُردو منتخب اصحاب کی ایک کانفرنس کرنے والی ہے جس میں اُردو زبان کی اصلاح اور ترقّی و اشاعت کے متعلق متعدد تجاویز پیش کی جائیں گی۔ اسی میں یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آئے گا۔ بعض صاحبوں نے اس مسئلے پر بہت غور و خوض کیا ہے اور کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ انجمن حمایتِ اسلام بھی اپنے نمائندے بھیج کر اس کانفرنس میں شریک ہوگی۔ بہر حال ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر ہمیں اپنی زبان کی اشاعت منظور ہے تو ہمیں ہر قسم کی

Marfat.com

سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کوئی زبان ایک ہی حالت میں ایک جگہ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اُسے زمانے کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیے ورنہ اس کی قسمت میں فنا ہونا لکھا ہے۔

اس وقت زبان کی اشاعت کے تین عام ذریعے ہو سکتے ہیں۔ ایک اخبارات کا جن کا پیام گھر گھر پہنچتا ہے، جن کے خیالات حتیٰ کہ ان کے الفاظ اور جملے چند ہی روز میں زبان زدِ خاص و عام ہو جاتے ہیں۔ دوسرا ذریعہ عام ابتدائی تعلیم ہے۔ یہ اُن تعلیمی کانفرنسوں کا کام ہے جو ہر صوبے میں قائم ہیں۔ بجائے فضول قصیدہ خوانی اور ٹھنک ٹھنک کر اشعار پڑھنے اور لہک لہک کر وعظ کہنے کے ان کانفرنسوں کا خاص کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ قصبے قصبے اور گانو گانو میں ابتدائی مدارس کے سلسلے قائم کر دیں۔ انھیں چھوٹے چھوٹے مدارس میں ہماری قومی زبان کی نشو و نما اور قومی بہبودی کی بنیاد پڑے گی۔ جب تک تعلیم عام نہ ہو گی اس وقت تک نہ آپ کے اخبار کام آئیں گے اور نہ آپ کی کتابیں زیادہ مقبول ہوں گی۔ تیسرا ذریعہ سنیما ہے۔ لہو و لعب سمجھ کر اس سے بے التفاتی کرنا درست نہ ہو گا۔ ہمارے اخبار اور کتابیں وہیں کام آ سکتی ہیں جہاں پہلے سے تعلیم موجود ہے لیکن فلم وہاں بھی کار آمد ہو سکتا ہے جہاں تعلیم مفقود ہے۔ اوّل اوّل سنیما کو رونق دینے والی ہماری ہی زبان تھی لیکن بعد میں بعض وجوہ کی بنا پر جن سے میں بحث نہیں کرنا چاہتا اور جس میں ہمارا بھی قصور ہے، اس کا رُخ دوسری طرف پھر گیا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اس کی طرف توجہ کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ زمانے کے حالات کو دیکھ کر ہر ایسے ذریعے سے کام لیں جو ہماری زبان کی اشاعت کے لیے مفید ہو۔

Marfat.com

حضرات! یہ وقت ہماری زبان پر بہت نازک ہے کچھ مشکلات اندرونی ہیں اور کچھ بیرونی۔ اس سے ہماری ذمہ داری بہت کٹھن ہو جاتی ہے۔ اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کے لیے ہمیں ہر قسم کی جوکھم جھیلنے اور ضرورت کے وقت ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔ اور کچھ نہیں تو ہر پڑھے لکھے کو یہ عہد کر لینا چاہیے کہ وہ ہر سال اور یہ نہ ہو سکے تو پانچ سال یا دس سال میں یا یہ بھی ممکن نہ ہو تو عمر بھر میں کم سے کم ایک شخص کو اُردو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا۔ اگر ہم دل پر رکھ لیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں لیکن اس کے نتائج عظیم الشان ہوں گے۔

زبان کا کوئی رنگ روپ (وزن) نہیں۔ اس کی کوئی ذات نہیں۔ اس کی کوئی قومیت نہیں۔ اس کا کوئی مذہب اور وطن نہیں۔ جو اسے بولے لکھے پڑھے اور استعمال کرے گا، اسی کی وہ زبان ہوگی۔ اگر آپ کی زبان میں یہ خواص ہیں اور ساتھ ہی اس میں بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت ہے تو یہی ہندستان کی زبان ہو کے رہے گی۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت انجمن ترقّی پسند مصنّفین ہند

(اپریل سنہ ۱۹۳۶ء)

میرے نوجوان رفیقو اور دوستو!

آپ نے ضرور سُنا ہو گا کہ ایک بڈھا کہیں جا رہا تھا، چلتے چلتے رستے میں ٹھوکر لگی اور گر پڑا۔ اس وقت بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا "ہائے رے جوانی" پھر جھٹ اُٹھ کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور جب دیکھا کہ کوئی نہیں ہے تو کہنے لگا "جوانی ہی میں کون سے تیر مارے تھے"۔ جب میں ایسے قابل نوجوانوں کی جماعت اپنے سامنے دیکھتا ہوں جیسی کہ اس وقت میرے سامنے ہے تو مجھے وہ شریف بڈھا یاد آتا ہے۔ ایک دو بار نہیں بارہا میں نے یہ کہتے سُنا ہے کہ پہلے کے نوجوان (یعنے تیس چالیس برس پہلے کے) زیادہ قابل ہوتے تھے۔ میں نے اس کی ہمیشہ تردید کی۔ بات یہ ہے کہ انسان طبعاً گزشتہ سے بہت حسنِ ظن رکھتا ہے اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو تو بھول جاتا ہے اور خوبیاں یاد رہ جاتی ہیں۔ مثلاً یہی وجہ ہے کہ سارے ہندستان میں بچّوں کا کوئی اچھا مدرسہ نہیں۔ بچپن میں جو ہمیں قدم قدم پر مشکلات آئی تھیں وہ بڑے ہو کر بھول گئے اور یاد رہا تو یہ کہ مکتب میں خوب پٹتے تھے اور جب ہمیں پڑھانے کا موقع ملا تو ہم نے بھی خوب کان اینٹھے اور قمچیاں لگائیں۔ یہ کچھ انسان کی فطرت ہی

Marfat.com

ہوگئی ہے کہ گزشتہ کو سراہتا اور حال کو سراپتا ہے. ئیں اپنے تجربے کی بنا پر وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج کل کے نوجوانوں میں جو عقل، شعور اور مستعدی ہے وہ میرے طالب علمی کے زمانے کے نوجوانوں میں نہیں تھی. اس لئے مجھے آپ کی جوانی پر نہیں، آپ کی ذہانت، طباعی اور مستعدی پر رشک آتا ہے. ئیں جب کسی قابل نوجوان کو دیکھتا ہوں تو میرا جی باغ باغ ہو جاتا ہے. مگر اس کے ساتھ ہی مجھے یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش اس عمر میں اگر مجھ میں اتنی قابلیت ہوتی تو ئیں بہت کچھ کر سکتا تھا، لیکن گیا وقت اور خاص کر جوانی کبھی واپس نہیں آتی تو پھر ئیں نے گزشتہ کی تلافی، نہیں بلکہ کفارے کی یہ تدبیر سوچی کہ بدنصیبی سے جب ئیں خود کچھ نہ کر سکا تو لاؤ ئیں نوجوانوں کی خدمت کیوں نہ کروں جو بہت کچھ کر سکتے ہیں. صاحبو! یہی وجہ ہے کہ ئیں آپ کے ارشاد پر آپ کی خدمت میں اس طرح کھنچا چلا آیا جیسے حاتم طائی کے قصّے میں بعض جانہار کوہ ندا کی صدا پر کھنچے چلے جاتے تھے ؛

ادب ہو یا زندگی کا کوئی اور شعبہ اس میں ترقّی پذیری کی قوت اُسی وقت تک ہوتی ہے جب تک اس میں تازگی، جدّت اور توانائی پائی جاتی ہے. اور تازگی اور جدّت اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ ہمارے پیشِ نظر کوئی خاص مقصد ہو جس پر ہمارا ایمان ہو اور جس کے حصول کے لیے ہم ہر قسم کی قربانی کے لیے آمادہ ہوں. جب کوئی خاص مقصد پیشِ نظر نہیں ہوتا تو جدّت، تازگی اور توانائی بھی رخصت ہو جاتی ہے اور زندگی کے کاموں میں یکسانی اور مساوات سی پیدا ہو جاتی ہے. ایک ہی لکیر کو پیٹتے پیٹتے انسان اُکتا جاتا ہے اور اس بیزاری کے عذاب سے بچنے

Marfat.com

کے لئے وہ عیاشی اور طرح طرح کی لغویات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس وقت آثارِ حیات گھٹنے لگتے ہیں، قویٰ میں انحطاط پیدا ہونے لگتا ہے، دل میں اُمنگ نہیں رہتی، دل و دماغ کے اُبھارنے کے لیے طرح طرح کے محرکات استعمال کیے جاتے ہیں لیکن وہ سب عارضی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں۔ آخر اسی عالمِ نیم جانی میں اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ اصول افراد، اقوام اور زندگی کے ہر شعبے پر صادق آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رومائی عظیم الشان سلطنت کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہلِ روما جو کچھ کرنا تھا کر چکے اور ان کے پیشِ نظر کوئی خاص مقصد نہیں رہا تھا۔ اس لیے وہ لہو و لعب اور عیاشی میں مبتلا ہو گئے۔ اُلوالعزمیاں جاتی رہیں، حوصلے پست ہو گئے، کاہلی میں جس کا دوسرا نام عیاشی ہے، مزا آنے لگا۔ انحطاط نے استقبال کیا اور زوال نے انھیں لے جا کر دفن کر دیا۔

ہمارے اُصول، عقائد اور خیالات کیسے ہی اعلیٰ اور پاکیزہ کیوں نہ ہوں اور خواہ وہ ہمیں کیسے ہی عزیز کیوں نہ ہوں اگر زمانے کے اقتضا کے مطابق ان میں جدت اور تازگی پیدا نہیں کی جائے گی تو ایک روز بند پانی کی طرح ان میں سڑاند پیدا ہونے لگے گی اور ان میں ایسے زہریلے جراثیم پیدا ہو جائیں گے جو ان کی ہلاکت کا باعث ہوں گے۔ بندریا کو اپنے بچے سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ بچہ مر جاتا ہے تو بھی اسے جدا نہیں کرتی اور اپنے سینے سے چپٹائے پھرتی ہے۔ آخر اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا ایک ایک عضو گل سڑ کر گرنے لگتا ہے۔ یہی حال افراد، اقوام اور زندگی کے ہر شعبے کا ہوتا ہے۔ جب لوگ اپنے مرغوب رسم و رواج اور توہمات کو سینے سے چپٹائے پھرتے ہیں تو وہ تو خیر زمانے کی دست برد

Marfat.com

سے گل سڑ کے گر ہی جاتے ہیں مگر وہ خود بھی انھیں کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص کو تسخیرِ جن کا بہت شوق تھا اور اس کا عمل حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد اسے ایک عامل ملا، بڑی خوشامد اور خدمت کے بعد یہ عمل سکھایا۔ سُنا ہے کہ یہ عمل بہت سخت ہوتا ہے اور اکثر اس میں جان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس نے شوق کی دُھن میں یہ سب تکلیفیں سہیں اور جن کو تسخیر کر کے رہا۔ جن دست بستہ حاضر ہُوا اور کہنے لگا کہ فرمائیے کیا ارشاد ہے جو حکم ہوگا اسے بہ سرو چشم بجالاؤں گا۔ عامل صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اپنی دانست میں بڑے مشکل کام اسے بتائے، جن نے جھٹ پٹ کر دیئے اور اور کام لینے کے لیے حاضر ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جن کبھی نچلا نہیں بیٹھتا۔ ہر وقت اس کے لیے کچھ نہ کچھ کام ہونا چاہیے۔ اگر کام نہ دیا جائے تو وہ ستانا شروع کرتا ہے اور شرارتیں کرنے لگتا ہے۔ عامل صاحب کچھ نہ کچھ کام دیتے رہے مگر اس جن کے لیے جو ہر وقت "ھل من مزید" کی صدا دیتا تھا، اتنے کام کہاں سے لاتے۔ اب جن نے انھیں ستانا شروع کیا اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ آدمی تھے ذہین، انھیں ایک تدبیر بہت خوب سوجھی۔ کہا کہ ہمارے صحن میں جو املی کا درخت ہے اس پر اترو اور چڑھو اور چڑھو اور اترو اور جب تک ہم حکم نہ دیں برابر اُترتے چڑھتے رہو۔ کچھ دن تو وہ اُترتا چڑھتا رہا۔ لیکن کب تک۔ آخر اس قدر عاجز اور تنگ ہُوا کہ چیخ اُٹھا اور عامل صاحب کی دُہائی دینے لگا کہ خدا کے لیے مجھے اس عذاب

Marfat.com

سے بچائیے، آپ جو کہیں گے وہی کروں گا۔ عامل صاحب نے حکم دیا کہ اچھا اب اُترنا چڑھنا بند کردو۔ جب ہم کسی کام کا حکم دیں تو اسے کرو ورنہ چُپ چاپ یہاں بیٹھے رہو۔ بے کار بیٹھے بیٹھے وہ اُکتا جاتا تو شرارت کی سوجھتی، مگر معًا املی کے درخت کا خیال آتا تو وہیں دبک کے بیٹھ جاتا۔ اب بے کاری کی وجہ سے جن صاحب کا یہ حال تھا کہ کونے میں بیٹھے اونگھا کرتے، اور منہ پر مکھیاں بھنکتی رہتی تھیں۔

یہ قصہ جھوٹ سہی، لیکن نہایت سبق آموز ہے۔ اوّل یہ کہ کام کی یک رنگی اور یکسانی ایسی بد بلا ہے کہ جن جیسی ہستی جس میں توانائی اور مستعدی کوٹ کوٹ کے بھری ہے وہ بھی اس سے عاجز آجاتی ہے۔ دوسرے بے کاری انسان کے قویٰ کو مضمحل اور بے کار اور شوق اور اُمنگ کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں حیات کی دُشمن ہیں تیسری بات یہ ہے کہ توانائی آدمی کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی، اس کا اقتضا ہے کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے۔ یہ انسان کی تمیز و شعور پر ہے کہ کون سا کام کرے جو ممدِ حیات ہو۔ اگر وہ املی کے پیڑ پر اُترتا اور چڑھتا رہا تو سمجھو کہ کھو یا گیا۔

ممدِ حیات وہ کام ہیں جن میں تازگی اور جدت ہوتی ہے اور جو اپنے اثر سے لوگوں کے خیالات اور عمل میں تازگی اور جدت پیدا کرتے اور نئی راہیں سجھاتے ہیں اور شوق کو مردہ نہیں ہونے دیتے۔ آپ نے ادب کو اپنا مقصد قرار دیا ہے یہ بھی ممدِ حیات کاموں سے ہے اس سے بڑے بڑے کام نکل سکتے ہیں، دلوں میں امنگ اور خیالات میں انقلاب پیدا کرسکتے ہیں۔ زندگی کو زیادہ پُرلطف اور زیادہ کار آمد بنا سکتے ہیں اور کالے

Marfat.com

قوم کو ترقی کے رستے پر لگا دینے میں مدد کر سکتے ہیں۔ لیکن ادب وہی کارآمد ہو سکتا اور زندہ رہ سکتا ہے جو اپنے اثر سے حرکت پیدا کرنے کی قوت رکھتا ہو اور جس میں زیادہ سے زیادہ اشخاص تک پہنچنے اور ان میں اثر پیدا کرنے کی صلاحیت ہو۔ ترقی پذیر ادب کی یہی تعریف ہو سکتی ہے۔

لیکن ترقی کا رستہ بہت دشوار گزار، تنگ اور کٹھن ہے۔ یہاں قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ بڑے صبر اور استقلال اور بہت پتّا مارنے کا کام ہے۔ باوجود ان اوصاف کے وہ حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آزادی نہ ہو۔ ترقی سرزمینِ آزادی ہی میں پھول پھل سکتی ہے۔ ادیب کو اگر آزادی نہیں تو اس کی حالت مفلوج کی سی ہے۔ ادیب کو حق حاصل ہے اور اسے آزادی ہونی چاہیئے کہ جو چاہے لکھے لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بھونڈے پن سے لکھے"۔ بھونڈے پن" کے لفظ میں ادب کے ظاہر اور باطن دونوں کی قباحتیں آجاتی ہیں۔ اگر اس سے بچنا ممکن ہے تو وہ ادب قابلِ مبارک باد ہے۔ ترقی پسند مصنفین کو یہ نکتہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے ورنہ ان کی بہت سی محنت اکارت جائے گی۔

آپ کو اپنے خیالات صرف تعلیم یافتہ طبقے تک محدود نہیں رکھنے چاہییں بلکہ اس کثیر طبقے تک بھی پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے جو ان سب نعمتوں سے محروم ہے جو آپ کو حاصل ہیں۔ تعلیم عام نہ ہونے سے اس میں آپ کو بہت دشواری پیش آئے گی۔ لیکن پھر بھی ان کا خیال مقدم ہے اس لئے کہ ان کے دلوں میں جو ابھی بہت سی آلائشوں سے پاک ہیں ان خیالات کا جمانا آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو کہلاتے

Marfat.com

تو تعلیم یافتہ ہیں مگر زنگ آلودہ ہیں۔ اس پر آپ کو اپنی کانفرنس میں غور کرنا ہوگا۔ یہ نہایت دشوار کام ہے اور اس کام کو انجام دینے والے بہت مشکل سے ملیں گے۔

زندگی مسلسل ہے اسی طرح ادب بھی مسلسل ہے۔ اس لئے گزشتہ کا مطالعہ حال کے سمجھنے میں اور ماحول کا مشاہدہ حال کی اصلاح اور آیندہ کی تیاری میں مدد دے گا۔ ممکن ہے کہ زندگی کے بعض شعبوں میں سراسر تخریب اور استیصال کارآمد ہو۔ یعنے جب تک ہر پرانی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے، نئی تحریک سرسبز نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال عموماً یہ دی جاتی ہے کہ جب تک پرانا بوسیدہ مکان بالکل نہ ڈھا دیا جائے نئی تعمیر نہیں بن سکتی۔ یہ تشبیہ ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں درست ہو لیکن ادب کے معاملے میں یہ کامل طور پر منطبق نہیں ہو سکتی ترقی کے لئے تخریب ضروری ہو مگر لازم نہیں۔ ادب میں بے شک آپ کو نئے اسلوب، نئے خیالات پیدا کرنے ہوں گے اور بہت سے پرانے مضر خیالات اور توہمات کی بیخ کنی کرنی ہوگی۔ سوکھی شاخیں چھانٹنی ہوں گی اور مرجھائی ہوئی ٹہنیوں کو پانی دے دے کر ہرا کرنا ہوگا اور درخت کی جڑیں کھاد اور پانی ڈال کر سرسبز کرنا ہوگا تاکہ نئی کونپلیں اور نئے پتے پھوٹیں۔ لیکن اگر آپ درخت ہی کو جڑ سے کاٹ ڈالیں گے تو کام کا موقع کہاں رہے گا۔ ہمیں پچھلوں کے کام اور اُن کی محنتوں سے حسب ضرورت ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے اور ایسے ادب کی بنیاد ڈالنی چاہیے جو ہماری زندگی میں تازگی پیدا کرے اور ہماری جدید ضروریات کے مطابق ہو۔ اور پھر آیندہ آنے والے [illegible]

Marfat.com

نئی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں ترمیم و اصلاح کریں اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے ۔

مجھے معاف فرمایئے گا، میں دیکھتا ہوں کہ اکثر ترقی پسند نوجوان اپنے خیالات کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں ۔ جو دل میں ہے وہ بیان میں نہیں آتا ۔ ممکن ہے کہ وہ یہ جواب دیں کہ ہمارے خیالات اس قدر اعلیٰ ہیں کہ عام فہم سے بالا ہیں ۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا اور غالباً کوئی بھی تسلیم نہ کرے گا ۔ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیوں ایسا ہے ۔ یہ ایک عام اور معمولی بات ہے لیکن کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہر پرانی چیز بری نہیں اور ہر نئی چیز اچھی نہیں ہوتی ۔ رجعت یا ترقی کوئی نئی چیز نہیں رجعت پسند اور ترقی پسند ہر زمانے میں ہوئے ہیں، اب ہیں اور آیندہ بھی ہوتے رہیں گے ۔ رجعت اور ترقی اضافی چیزیں ہیں ۔ کائنات کا ہر ذرہ حرکت میں ہے اور ہر چیز پر تغیر کا عمل جاری ہے ۔ رجعت یا ترقی ہر زمانے کے حالات اور ماحول کے اعتبار سے ہوتی ہے ۔ یہ خیال کہ ہر چیز جس کا تعلق گزشتہ زمانے سے ہے، سراسر رجعت سے آلودہ ہے، صحیح نہیں ۔ محض اس بنا پر کہ ہم لوگ آگے بڑھ گئے ہیں گزشتہ سے اپنا تعلق بالکل قطع نہیں کرنا چاہیے ۔ ایسا کرنا اپنی جڑیں کاٹنا ہے ۔ ہم گزشتہ کے وارث ہیں ۔ اگر کوئی وارث اپنے ارث سے بے خبر ہے یا کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتا تو خواہ وہ کیسا ہی ذہین مستعد اور انقلاب پسند کیوں نہ ہو، نہ کوئی اصلاح کر سکتا ہے، نہ خود فائدہ حاصل کر سکتا ہے، اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے ۔ اس لئے ہر ترقی پسند ادیب کا فرض ہے کہ گزشتہ تاریخ اور گزشتہ ادب کا غور سے مطالعہ کرے اور دیکھے کہ ہمارے ادب میں کہاں تک آگے بڑھنے کی صلاحیت

Marfat.com

ہے، کن چیزوں کا ترک کرنا مناسب ہے اور کن ذرائع سے اسے بلند مقام تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ جو چیز آپ کو ارثاً ملی ہے، اگر آپ اس کے حسن و قبح سے واقف نہیں تو اصلاح کس کی اور انقلاب کیسا؟ لیکن "میراث پدر خواہی علم پدر آموز" ہی کافی نہیں، "علم پسر آموز" بھی لازم ہے۔ ہم صرف حال ہی کے سامنے جواب دہ نہیں، آیندہ کے بھی جواب دہ ہیں۔ اس لئے زندگی کے جس شعبے میں بھی ہم ہاتھ ڈالیں، ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ ہمارے اعمال و افعال کا اثر آیندہ نسلوں پر کیا ہوگا کیوں کہ آیندہ زمانے میں ہمارے کاموں کی تنقیح و تنقید اسی اصول پر ہوگی۔

دوسری چیز جو آپ کے قابلِ غور ہے یہ ہے کہ جس زبان میں آپ اپنے خیالات ادا کرنا چاہتے ہیں اس پر پوری قدرت ہو۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم اپنے گزشتہ ادب کو اس نظر سے مطالعہ کریں گے۔ زبان کیا ہے؟ خیال کے ادا کرنے کا آلہ۔ اگر کسی کاری گر کا اوزار بھدا ہے تو اس کا کام بھی بھدا ہوگا۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہماری زبان میں ہمارے خیالات نہیں سما سکتے۔ کوئی زبان ایسی نہیں جس میں خیال ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو، بہ شرطے کہ کسی میں ادا کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ زبان بھی ارثاً ملی ہے اور جب تک ہم اس پر قدرت حاصل نہ کریں گے ہم اپنے خیالات ادا کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے خیال کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس خیال کو ہم نے ادا کرنے کی کوشش کی ہے شاید وہ ہمارا نہیں، اصل نہیں نقل ہے، شاید مستعار ہے کہیں سے بہتا ہوا چلا آیا ہے۔ ہمارے دل پر اس کا گہرا نقش نہیں

Marfat.com

اس نے ہمارے دل میں گھر نہیں کیا۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ ادا نہ ہوتا۔ خیال اپنا ہو، یعنی جیسے ہم نے خود سوچ کے پیدا کیا ہو یا کسی دوسرے کا۔ لیکن ہمارے دماغ میں اس قدر صاف اور روشن ہونا چاہیے کہ جس وقت ہم لکھنے بیٹھیں تو صفحۂ کاغذ پر موتی کی طرح ڈھلکتا ہوا نظر آئے۔ لیکن جب خیال ہی ہمارے دماغ میں صاف اور روشن نہیں ہوتا تو بیان لامحالہ تاریک اور مبہم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ادیب اپنی زبان کی صرف ونحو اور لغت سے واقف ہوتا ہے۔ لیکن اس میں سب سے بڑی چیز لفظ کا صحیح استعمال ہے۔ اسے معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیئے۔ لکھنے والوں میں کم ایسے ہیں جو الفاظ کے صحیح استعمال سے واقف ہیں۔ لفظ ایک بڑی قوت ہے اور اس کا برمحل استعمال خیال میں قوت پیدا کر دیتا ہے جو اس گر سے واقف نہیں اور لفظ کے صحیح اور برمحل استعمال کو نہیں جانتا اس کا بیان اکثر ناقص، ادھورا اور بے جان ہوتا ہے ؛

یہ دو چیزیں ہیں، ایک ادب کا ظاہر یعنی زبان اور دوسرے ادب کا باطن یعنی خیال۔ اگرچہ ان کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں، یہ لازم وملزوم ہیں۔ انھیں کے میل سے اسلوبِ بیان یعنی اسٹائل بنتا ہے۔ اس لئے ترقی پسند نوجوانوں کی خدمت میں میری عرض ہے کہ وہ اپنے ادب اور زبان کا گہرا مطالعہ کریں ورنہ ان کی ساری کوششیں رائگاں جائیں گی اور ان کے خیالات خواہ کیسے ہی بلند اور انقلاب انگیز کیوں نہ ہوں پت جھڑ کی طرح ہوا میں بکھر جائیں گے ؛

ادب و زبان کے علاوہ جو ایک بات میں آپ کی خدمت میں عرض

Marfat.com

کرنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ترقی پسند جماعت کو اپنے مقاصد کے عمل میں لانے کے لیے اخلاقی آزادی اور اخلاقی جرأت سے کام لینا پڑے گا۔ اگر آپ نے مقبولیت اور ہر دل عزیزی یا کسی قسم کی امداد حاصل کرنے یا اپنی تعداد بڑھا دکھانے کی خاطر ذرا بھی رجعت پسندی کی طرف میلان ظاہر کیا تو یاد رکھیے کہ معقول پسند اور حقیقی ترقی پسند لوگ آپ سے بدگمان ہو جائیں گے۔ اور اگر ابتدا میں یہ بدگمانی پیدا ہو گئی تو اس کے رفع کرنے میں بڑی مدت درکار ہوگی۔ بنیاد اگر بگڑ گئی تو عمارت کا خدا حافظ ہے۔ آپ کے ایک قابل رکن کا یہ کہنا کہ "ہم بعض حضرات کی رجعت پسندی سے ناواقف نہیں ہیں مگر ابھی ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ صرف اپنے بل پر کھڑے ہو سکیں، تنہا اپنے عقائد کی پاکی یا استقامت سے ہمیں کوئی اطمینان نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر یہ بڑھ کر سماج کے خیالات اور بنائے عمل نہیں بن سکتے تو اسی طرح بے کار رہیں گے جس طرح کوئی مذہبی عقیدہ، سراسر غلط ہی نہیں گمراہ کن ہے۔ اگر آپ رجعت پسندی کے سہارے ترقی کی طرف جانا چاہتے ہیں تو شروع ہی میں سیدھے رستے سے بھٹک جائیں گے اور کبھی منزلِ مقصود تک پہنچنا نصیب نہ ہوگا۔ حیرت ہے کہ آپ رجعت اور ترقی کو ایک ساتھ کیسے نبھا سکتے ہیں۔ شاید آگ اور پانی کا ایک جا ہونا ممکن ہے لیکن رجعت اور ترقی کا ایک جا ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہ کھلی مداہنت اور ریاکاری ہوگی اور یہی ایک چیز آپ کی ترقی پسندی کو بے وقعت کر دے گی۔ اگر آپ کو "اپنے عقائد کی پاکی اور استقامت" پر اطمینان نہیں تو بہتر ہے کہ آپ اس خیال کو ترک کر دیں۔ رجعت پسندی کے بل کھڑے ہونے سے بہتر ہے کہ آپ نہ

Marfat.com

کھڑے ہوں سے

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائے مردی ہم سایہ در بہشت

سعدی اس خیال میں آپ سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وہ تو ہم سایے کی امداد سے بھی بہشت میں جانا پسند نہیں کرتا اور آپ رجعت پسندوں کی مدد سے جنتِ ترقی میں جانا چاہتے ہیں۔ یہ خیالات نہایت پستی اور کم ہمتی کے ہیں۔ آپ کو کوئی ضرورت تعداد بڑھانے اور شاخیں پھیلانے کی نہیں۔ اگر آپ کے ساتھ بارہ بلکہ بارہ بھی نہیں، تین چار بھی ثابت قدم اور راسخ العقیدہ شخص ہیں تو ہندستان بھر میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک ایک آدمی نے دنیا کو ہلا دیا ہے اور آپ اتنی تعداد میں ہو کر بھی رجعت پسندوں کی آڑ لیتے پھرتے ہیں۔

آپ کا کام اس وقت وہی ہے جو اٹھارھویں صدی عیسوی میں انسائیکلو پیڈلیسٹ (ENCVCLOPAEDIST) نے فرانس میں کیا تھا انھوں نے رجعت پسندوں کے ہاتھوں کیسی کیسی سختیاں جھیلیں، قید میں رہے جلاوطن کئے گئے۔ کتاب چھپنے کی ممانعت کردی گئی، آخری پردفوں میں تحریفیں کی گئیں اور اصل مسودے جلا دیے گئے۔ یہ سب سہا مگر اپنے عزم سے نہ پھرے۔ اس کتاب میں صرف معلوم ہی نہیں فراہم کی گئی تھیں بلکہ انسان کی روشن خیالی، خیالات کی انقلاب انگیزی اور توہمات و تعصبات کی بیخ کنی کا سامان بھی جمع کیا گیا تھا۔ اس کے مولفین کی غایت نظریات نہیں تھی بلکہ عمل تھا، ادبی شان دکھانی مقصود نہ تھی بلکہ ان کا منشا زندگی کی تعمیر تھی۔ یہ لوگ سچے مجاہد تھے۔ باوجود

Marfat.com

مسخ ہونے کے اس کتاب کا اثر صرف فرانس ہی تک نہیں رہا بلکہ دور دور تک پہنچا۔ انیسویں صدی میں جو عقلیت کی ہوا ہندستان میں چلی تھی، اس کا اگر آپ سراغ لگائیں گے تو اس کا سلسلہ بھی انھیں چند پاک نفوس تک پہنچے گا۔ اس کتاب کو اب کوئی نہیں پڑھتا اور بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے جنھیں اس کی کبھی زیارت نصیب ہوئی ہوگی لیکن اس کا اثر اور فیض اب تک جاری ہے۔

یہ صرف چند نفوس تھے۔ مگر دُھن کے پکّے اور عقیدے کے سچّے تھے ان کی زندگی کا مطالعہ کیجیے، ان کے کاموں کو دیکھیے اور ان کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کیجیے۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ کام یاب نہ ہوں۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت بہار اُردو کانفرنس

(سنہ ۱۹۳۶ء)

اے صاحبو!

ایک مشہور مثل ہے "دور کے ڈھول سہانے" یہ بالکل سچ ہے۔ لیکن جب یہی ڈھول بہت قریب آجاتے ہیں تو سخت ناگوار ہوتا ہے اور کان پھٹنے لگتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ مثل مجھ پر صادق نہ آئے اگر ایسا ہوا تو اس کے ذمہ دار ہمارے محترم جناب سید عبدالعزیز صاحب میرے مہربان قاضی عبدالودود صاحب اور امتیاز کریم صاحب ہوں گے جو اس بدعت کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہر حال میں آپ کی اس قدر افزائی اور عزت کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ کاش میں اس دلی شکر کو الفاظ میں پوری طرح ادا کر سکتا۔

قدرت کی بعض نعمتیں ایسی ہیں کہ ان پر ہماری زندگی کا انحصار ہے، وہ نہ ہوں تو ہماری زندگی کا خاتمہ ہو جائے، جیسے ہوا، پانی، تنفس وغیرہ لیکن عام یا بہ افراط ہونے سے ہمیں ان کی کچھ قدر نہیں ہوتی یہی حال زبان کا ہے بچپن سے لے کر مرتے دم تک یہ ہمارے ساتھ ہے اور روزمرہ کے استعمال کی وجہ سے وہ ایک معمولی چیز ہو گئی ہے اور ہم اس کی وہ قدر نہیں کرتے جو کرنی چاہیے۔ ورنہ دیکھا جائے تو زبان کا انسان کی زندگی

Marfat.com

میں بہت بڑا دخل ہے۔ اس کے نتائج اور اثرات نہایت عجیب اور دور رس ہیں۔ یہ ایک معمولی بات ہے جسے ہر شخص جانتا ہے کہ حیوان اور انسان میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اگرچہ جانوروں کے بھی زبان رجیب) ہے اور بعض کی ہم سے بہت بڑی ہوتی ہے لیکن ان میں قوتِ گویائی نہیں۔ یہ خاص انسان کی امتیازی شان ہے۔ یہ محض اس کے خیالات کے اظہار کا آلہ ہی نہیں بلکہ اُن کے خیالات کے بنانے اور سنوارنے کا بھی آلہ ہے۔ وہ انسان کی زندگی کا جُزو ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی زبان عزیز ہوتی ہے۔ وہ ہماری زندگی کے ہر شعبے میں دخیل اور کارفرما ہے۔ اگر ہم اس کے تحفّظ و ترقّی کے لیے جدّوجہد کریں، جان لڑا دیں تو یہ ہمارا فرض ہے۔ اور اس فرض سے غفلت کسی مذہب و ملّت میں روا نہیں ؂

اُردو ایک مخلوط زبان ہے۔ یہ زبان کی ایک خاص قسم ہے۔ دُنیا میں ایسی متعدّد زبانیں ہیں۔ اس قسم کی زبانوں کے وجود میں آنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب کشور کشائی ہے۔ مسلمان بھی اس ملک میں آریاؤں کی طرح فاتح کی حیثیت سے آئے تھے وہ فارسی بولتے تھے اور اہلِ ملک دیسی زبان۔ ان حالات میں جیسا کہ دستور ہے معاشرتی، ملکی اور کاروباری ضرورت سے مسلمان بول چال میں دیسی لفظ استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ہندو فارسی الفاظ۔ فاتحوں کی تعداد اہلِ مُلک کے مقابلے میں بہت کم تھی اور اس لیے وہ اہلِ ملک کی زبان سیکھنے پر مجبور تھے۔ دو چار نسلوں کے بعد ان کی اولاد مُلکی زبان بہ خوبی بولنے لگی لیکن فاتح قوم کی زبان کا اثر بھی ملکی زبان پر برابر پڑتا رہا۔ اور اس اختلاط نے ایک گم نام بولی کو جو عوام بلکہ دیہات

Marfat.com

کی بولی تھی ایک شائستہ اور مستقل زبان کے رتبے تک پہنچا دیا جسے آپ چاہے اُردُو کہیے یا ہندستانی ؛

اس اختلاط نے اس میں بڑی قوت پیدا کردی ہے اور دونوں کی (اور ضمناً کئی دُوسری زبانوں کی بھی) خوبیوں کو ایک جا جمع کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں شیرینی اور دل نشینی کے ساتھ شان و شکوہ، وسعت کے ساتھ گہرائی، سادگی کے ساتھ پرکاری موجود ہے۔ اور ہر قسم کے خیالات اور جذبات کے ادا کرنے پر قادر ہے ؛

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں (جیسا کہ حال میں مہاتما گاندھی وغیرہ نے فرمایا ہے)، کہ یہ زبان مسلمان بادشاہوں نے بنائی اور حکومت کے زور سے پھیلی وہ نہ صرف اس زبان کی تاریخ سے ناواقف ہیں بلکہ اصولِ لسانیات سے بھی ناآشنا ہیں۔ یہ زبان فطرتی اصول پر خود بخود بنی اور حالات و ضروریات نے اسے اور بڑھایا اور پھیلایا مسلمان بادشاہوں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ ان کی سرکاری اور درباری اور دفتری زبان آخر تک فارسی رہی۔ اس میں شک نہیں کہ دکن کے بعض بادشاہوں نے اس زبان میں نظمیں لکھیں لیکن ان کے دربار اور دفتر کی زبان بھی فارسی تھی اور اگر وہاں کسی زبان کو دخل ہوا بھی تو وہ مقامی زبان تھی نہ کہ اُردُو یا ہندُستانی۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے یہ محض معاشرتی ضرورتوں کی بدولت وجود میں آئی اور اس کے بنانے میں زیادہ تر حصہ خود اہلِ ملک یعنی ہندوؤں کا تھا۔ ایک عالم لسانیات کا قول ہے کہ "جو زبان جو کسی قوم کو سیکھنی پڑتی ہے مخلوط نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی زبان غیر زبان کے اثر سے مخلوط بن جاتی ہے"۔ یہ قول بالکل صحیح

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب کبھی ہم غیر زبان کے سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو اس میں ہماری زبان کا لفظ یا ہماری زبان کا رنگ نہ آنے پائے۔ جیسا کہ آج کل انگریزی زبان کا حال ہے۔ جب ہم انگریزی زبان بولتے یا لکھتے ہیں تو اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ حتی الامکان کوئی ہندستانی لفظ نہ آنے پائے۔ اور نہ ہندستانی قسم کی انگریزی ہو، جو "بابو انگلش" کے نام سے بدنام ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے اہلِ زبان کی تقلید کی جاتی ہے بلکہ انگریزی لب ولہجہ کی نقل اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اپنی زبان میں گفتگو کرتے وقت ہم بیسیوں انگریزی لفظ بے تکلف بول جاتے ہیں اور لکھتے وقت بھی لکھ جاتے ہیں اور اکثر اوقات ہمارے جملوں کی ساخت انگریزی نما ہوتی ہے۔ بعینہٖ یہی صورت اُس وقت فارسی کے ساتھ پیش آئی۔ اول تو یوں ہیں فاتح قوم کی زبان کی طرف میلان ہوتا ہے۔ دوسرے دفتر اور دربار سرکار کی زبان ہونے کی وجہ سے اس کا سیکھنا اور پڑھنا ضروری تھا۔ مکاتب اور مدارس میں ہندو مسلمان بچّے ساتھ ساتھ فارسی پڑھتے تھے۔ پھر باہمی ربط وضبط اور میل جول نے اس میں اور اضافہ کر دیا۔ کچھ ضرورت کی مجبوری سے کچھ اظہار علمیت کے لیے، کچھ بہ طور فیشن اور محض مشیخت کی خاطر ان ہندوؤں نے بے تکلف فارسی عربی الفاظ اپنی زبان میں داخل کرنے شروع کیے۔ آج عربی فارسی الفاظ کی زیادتی کی جو شکایت ہے تو اس معاملے میں زیادہ تر نہیں تو برابر کے قصوروار ہندو بھی ہیں۔ ظاہر ہے جو زبان وہ دفتروں میں استعمال کرتے، کتابوں میں پڑھتے، اپنی تالیفات میں لکھتے اور بول چال میں بولتے تھے، اس کے الفاظ خود بہ خود زبانوں پر چڑھ جاتے تھے اور ملکی زبان

Marfat.com

میں بھی دانستہ و نادانستہ، بالارادہ اور بلاارادہ داخل ہوتے چلے گئے۔

ان تمام اسباب سے ایک ایسی زبان ظہور میں آئی جو اسی دیس کی تھی اور اسی دیس والوں کی بدولت بنی، بڑھی اور پھیلی۔ اور اس لیے اسے مُلک کی عام زبان ہونے کا حق ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ ہندو مسلم اتحاد اور یک جہتی کی عزیز اور مقدس یادگار ہے۔ ایسی صورت میں ایک یونی ورسٹی کے ہندی سنسکرت کے لکچرار کا اسے غیر مُلکی زبان کہنا یا اُردو کے ایک قابل ہندو ادیب کا اسے بین الاقوامی یا سفارتی زبان سے موسوم کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

یہ امر خاص مسرت کا باعث ہے کہ تقریباً ہر صوبہ اس بات کا مدعی ہے کہ اُردو زبان نے وہیں جنم لیا۔ اہلِ پنجاب کو یہ دعویٰ ہے کہ اُردو کا بیج اُسی خطے میں اُپجا۔ اہلِ دلّی کا خیال ہے کہ یہ دلّی اور اس کے قرب و جوار کی زبان تھی جو بن سنور کر اُردو کہلائی۔ صوبۂ متحدہ والے کہتے ہیں کہ میرٹھ اور اس کے آس پاس کے دیہات کی بولی پر فارسی کی قلم لگائی گئی اور اس سے اُردو پیدا ہوئی یا بہ قول ایک فریق کے برج بھاشا یا سورسینی بولی سے اس کا ظہور ہوا۔ اہلِ گجرات کہتے ہیں کہ یہ کچی دھات تھی، ہم نے اسے نکھارا، بنایا اور سنوارا۔ اہلِ دکن کا دعویٰ ہے کہ اس زبان نے ادبی شان یہاں پیدا کی اور فروغ پایا۔ بہار والے چاہیں تو وہ بھی گجرات و دکن کی طرح اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ابتدا سے اس زبان کی غور پرداخت کی اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا کلام پیش کر سکتے ہیں جس کا تعلق آٹھویں صدی ہجری سے ہے اور جسے ہم اسی زمانے کی اُردو کہہ سکتے ہیں۔ اس سے اُردو کی مقبولیت اور وسعت کا

Marfat.com

اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور قبولِ عام ہی سب سے قوی دلیل اور سب سے بڑی سند ہے۔ وہ خود رو نونہال جو دوآبۂ گنگ وجمن اور اس کے قرب وجوار میں پھلا پھولا، اقتضائے زمانہ کی ہوا اس کے بیج دور دور تک اڑا لے گئی، ہر سرزمین کی آب و ہوا جہاں وہ پہنچے، انھیں راس آئی اور ہر خطے کی زمین ان کے موافق نکلی۔ انھیں بے حقیقت بیجوں سے لہلہاتے ہوئے شاداب پودے نکلے۔ قدرت نے ان بیجوں کی حفاظت کی، بڑھے پھولنے پر ان کی پرورش کی اور ہمارے اسلاف نے اپنی آبیاری سے ان کی غور و پرداخت فرمائی۔ وہی بے حقیقت بیج اور وہی نازک پودے آج سرسبز تناور درخت ہیں جن کے پھول پھل سے ہمیں اس وقت ذوقِ تکلم حاصل ہے۔

اس کی مقبولیت کا پتا اس سے بھی چلتا ہے کہ بعض علاقے کے لوگوں نے اس سے اپنی خصوصیت جتانے کے لیے اسے اپنے سے منسوب کر لیا تھا۔ چناں چہ اہلِ گجرات ایک زمانے میں اسے گجری یا گجراتی کہتے تھے اور اہلِ دکن دکنی۔ ابتدا میں اسے ہندی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس ملک کی زبان سے نکلی تھی اور اپنے وقت کی کھڑی بولی سے پیدا ہوئی تھی، دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ نام اسے فارسی کے مقابلے میں اور فارسی سے امتیاز کرنے کے لیے دیا گیا تھا جو اس وقت عام طور پہ رائج تھی۔ چناں چہ یہ لفظ اس زبان کے لیے قدیم دکنی اور گجراتی اردو میں بھی انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وہ معذرت کے طور پر اکثر اپنی تصانیف میں یہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ فارسی عربی سے بہرہ نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے یہ کتاب ہندی میں لکھی ہے۔ یا یہ کہ یہ کتاب فارسی میں تھی عام لوگوں کی خاطر ہندی میں ترجمہ کی۔ یہ

Marfat.com

لفظ مصحفی کے زمانے تک انھیں معنوں میں استعمال ہوتا رہا چناں چہ مصحفی اپنے دو تذکروں کو تذکرۂ ہندی یا ہندی گویاں کے ناموں سے یاد کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے فارسی گو شعرا کا تذکرہ الگ لکھا تھا۔ لیکن یہ نام چل نہ سکا۔ درحقیقت یہ کوئی نام نہ تھا۔ یہ اس وقت استعمال کیا گیا تھا جب کہ وہ کٹھالی میں پڑی گل رہی تھی اور اس نے کوئی خاص حیثیت اور درجہ حاصل نہیں کیا تھا محض فارسی سے امتیاز کرنے کے لئے اسے ہندی کہہ دیا کرتے تھے۔ دوسرے ہندی کا لفظ بہت عام تھا کسی خاص زبان کے لیے معین نہیں ہو سکتا تھا بعض فارسی اور یورپی مصنفین نے مرہٹی اور ہندستان کی بعض دوسری زبانوں کو بھی ہندی ہی سے موسوم کیا ہے۔ جب اس بولی کو خود ایک زبان کی حیثیت حاصل ہوگئی اور اس نے زبانی بول چال سے نکل کر ادب میں قدم رکھا تو یہ لفظ خود بہ خود متروک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ "ریختہ" کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ یہ لفظ اس وقت استعمال ہوا جب اس میں ادبی شان پیدا ہو چلی تھی۔ لیکن زیادہ تر شعر و سخن اور ادبی کلام کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ بھی فارسی سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے لکھا اور بولا جاتا تھا۔ چناں چہ جن شاعروں میں صرف اردو کلام پڑھا جاتا تھا، انھیں "مراختہ" کہنے لگے۔ یہ اصطلاح صرف چند ہی روز رہی۔ ریختہ کا لفظ بھی کبھی کبھی مرزا غالب کے ابتدائی زمانے تک استعمال ہوتا رہا لیکن جب یہ زبان عام ہوگئی تو یہ لفظ خود بہ خود خارج ہوگیا سترھویں نیز اٹھارھویں صدی میں پرانے فیشن کے پرتگیزی اور انگریز اسے موورز (MOORS) کہتے تھے جس طرح احاطہ مدراس

Marfat.com

اور بمبئی کے بعض مقامات میں عوام اسے مسلمانی سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن یہ نام غلط فہمی پر مبنی تھے اور اس لیے اب بالکل متروک ہیں۔ گولکنڈہ کا اُردو شاعر اور ادیب وجہی اپنی کتاب "سب رس" میں جو سنہ ۱۰۴۵ھ کی تصنیف ہے اسے "زبان ہندستان" کہتا ہے۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں یورپین اور انگریزی مصنفین کی تحریروں میں ہم اس کا نام 'اندوستان'، 'اندوستانز'، 'ہندوستان' یا 'ہندوستانز' دیکھتے ہیں اور اسی زمانے میں یہ لفظ "ہندستانی" ہوجاتا ہے جو اب تک قائم ہے اور صحیح معنوں پر دلالت کرتا ہے۔

اُردو کا لفظ بعد میں آیا۔ میر تقی میرؔ اسے اپنے تذکرے میں "زبان اُردوئے معلّٰی شاہ جہاں آباد دہلی" لکھتے ہیں۔ اس کے بعد زبان اُردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ زبان کا لفظ اڑ گیا اور خود اردو زبان کے معنوں میں آنے لگا۔ مصحفی اور انشا کے زمانے میں اس کا رواج عام ہو گیا تھا۔ یہ لفظ اپنی اصل کا پتا دیتا ہے۔ اُردو یعنی شاہی کیمپ میں مختلف قوموں اور مختلف زبان کے لوگ تھے اور انھیں کے باہمی اختلاط سے یہ مخلوط زبان ظہور میں آئی اور سارے ملک میں پھیل گئی۔ اب اُردو اور ہندستانی میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ اُردو ادبی زبان ہے اور ہندستانی عام زبان جو خواص و عوام سب سمجھتے ہیں۔ لفظ اُردو کی مقبولیت کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ یہ لفظ بولنے لکھنے اور پڑھنے میں سہل ترین ہے۔ بولنے میں اس لیے کہ اس میں کوئی ثقیل حرف نہیں اور بلا تکلف زبان سے ادا ہو جاتا ہے۔ پڑھنے میں اس لیے کہ ہر حرف الگ الگ لکھا جاتا ہے۔ لکھنے میں اس لیے کہ چاروں حرف ابجد کے سب سے چھوٹے اور آسان

Marfat.com

حرف ہیں، کہیں دائرہ یا کشش یا جوڑ نہیں اور لکھنے میں بھی الگ الگ رہتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ نقطے کا نام نہیں، سب بے نقط ہیں ؛

ہندی اور اُردو کا جھگڑا آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے اُٹھا تھا۔ لیکن اِس زمانے کے مذہبی اور سیاسی اختلافات نے اسے اور چمکا دیا۔ پہلے ایک آدھ جگہ تھا اب سارے ہندستان میں پھیل گیا ہے۔ پہلے ہندی اُردو ہی کا قضیہ تھا اب ہندی، ہندستانی اور اُردو کے ساتھ "ہندی ہندستانی" کا ایک نیا شاخسانہ کھڑا کیا گیا ہے۔ انڈین نیشنل کانگرس نے بہت معقول فیصلہ کیا تھا کہ ملک کی زبان ہندستانی ہے خواہ رسم خط کچھ ہی ہو۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ جس مدبرانہ دماغ نے یہ تجویز سوچی تھی اور جنھوں نے اس پر آمنا و صدقنا کہا تھا سب سے پہلے اب وہی اس سے انحراف کر رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی جدت پسند طبیعت نے ایک نیا لفظ "ہندی ہندستانی" وضع کر کے گویا جلتی آگ میں تیل ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

جب مہاتما جی سے دریافت کیا گیا کہ اس جدید مرکب لفظ سے آپ کی کیا مراد ہے، تو فرمایا کہ "ہندی جو آیندہ چل کر ہندستانی ہو جائے گی"۔ تو یہ زبان نہ ہوئی آیندہ کا پروگرام ہوا۔ قطع نظر اس کے ذرا اس تعریف پر غور کیجیے جو مہاتما گاندھی نے ہندی ہندستانی کی فرمائی ہے یعنی وہ ہندی جو آگے چل کر ہندستانی ہو جائے گی! اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس وقت ہم ایسی زبان اختیار کرنی چاہتے ہیں جو سالہا سال تک نو صدی کی کوشش جد و جہد اور محنت و مشقت کے بعد ہندستانی ہو جائے گی۔ ہندستانی تو پہلے ہی سے موجود ہے پھر صدیوں تک انتظار کرنے اور سالہا سال کی مصیبت اور کھکھیڑ اُٹھانے سے حاصل؟ جب مدتوں کی محنت اور

Marfat.com

مصیبت اور دماغ سوزی کا نتیجہ یہی ہو کہ نئی زبان ہندُستانی بن جائے تو ہندُستانی جو بنی بنائی رکھی ہو کیوں نہ ابھی اسی کو اختیار کر لیا جائے۔ مہاتماجی کی یہ منطق معمولی سمجھ سے باہر ہو۔ جلسے میں بیٹھ کر رزولیوشن منظور کرا لینے یا ووٹوں کے شمار کرا لینے سے زبانیں نہیں بنتیں :-

مسٹر کنھیا لال منشی جو بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے روح، رواں اور اس کے جنرل سکریٹری ہیں، انھوں نے حال ہی میں ایک چھٹی ٹائمز آف انڈیا میں لکھی ہو جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "زمانۂ حال کی اکثر زبانیں سنسکرت زبان کے تابع ہیں اور سنسکرت ہی کے زیر اثر نشو و نما پا رہی ہیں اور اس لیے سوائے یو۔ پی کے اکثر صوبوں میں جو لنگوا فرینکا بن رہی ہو اس کا رجحان زیادہ تر سنسکرت لغات کی طرف ہو" جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ دراویڈی زبانوں سے قریب ہونے کی خاطر بول چال کی زبان سے دور ہونا چاہتے ہیں۔ میں نے جو بھارتیہ ساہتیہ پریشد میں ہندُستانی کی حمایت کی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ بول چال کی زبان ہو۔ اس میں براہِ راست سنسکرت سے لفظ نہیں آئے بلکہ پراکرت اور اپ ابھرنش الفاظ لیے گئے ہیں جو اُس وقت بول چال میں رائج تھے اور اب بھی ہیں۔ مثلاً جیسا کہ آج کل بعض ہندی ادیبوں نے لکھنا شروع کیا ہو، اگر ہم سورج کی جگہ سُریہ، آنکھ کی جگہ اکشی، پانی کی جگہ جل یا جلم، پاؤں کی جگہ پد یا بارو رات کی جگہ شام چرن لکھنے لگیں تو اس سے نہ تو زبان میں کوئی خوبی پیدا ہوتی ہو اور نہ اسلوبِ زبان میں کوئی حسن۔ بلکہ زبان بگڑتی اور خراب ہوتی ہو اور دشواری کی وجہ سے عام زبان سے دور ہوتی چلی جائے گی مصنوعی زبانیں کاغذی ناویں ہوتی ہیں جو بہت دن نہیں چلتیں۔ ہم

Marfat.com

ہندی آگے بڑھنے کی بجائے ہمیشہ پیچھے ہٹنا جانتے ہیں۔ زمانۂ گزشتہ کی کچھ اصلی اور کچھ خیالی چمک ہماری آنکھوں کو ہمیشہ تیرہ کرتی رہتی ہے۔ اب یہ جھگڑا ہندی اردو کا نہیں رہا بلکہ ہندستانی سنسکرت کا ہو چلا ہے اور یہ اس سے بھی برا ہے۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ملک کی موجودہ فضا نے زبان کے مسئلے کو پیچیدہ اور ناگوار بنا دیا ہے۔ کسی نے اس کا ناتا مذہب سے جوڑا ہے اور کسی نے سیاست سے۔ یہ باتیں ہمیں ایک دوسرے سے دور کرنے والی ہیں۔ ہر زبان کو خواہ وہ ہندی ہو یا اردو، ترقی کا حق حاصل ہے لیکن کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسری زبان کی ترقی میں حائل ہو۔ ہمیں ایک دوسرے کو شبہے کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے اور بجائے بدگمانی پیدا کرنے کے ان بدگمانیوں کو رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو آج کل کے حالات نے پیدا کر دی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے قریب ہونے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ آپس کے ملاپ اور میل جول سے ایک ایسی زبان پیدا ہو جائے جو ہم سب کی مشترک ملک ہو۔ زبان کا کوئی مذہب نہیں اس کی کوئی ذات نہیں۔ جو کوئی اسے بولتا، پڑھتا لکھتا اور سلیقے سے استعمال کرتا ہے اسی کی زبان ہے خواہ وہ کوئی ہو اور کہیں کا ہو۔

حضرات!

اس ملک میں ہر چیز ذات بن جاتی ہے۔ ہمارا ادب بھی ایک زمانے میں ذات کی حیثیت رکھتا تھا جسے اس کی ذات والے ہی سمجھتے تھے۔ وہ صرف ایک طبقے میں محدود تھا اور اس سے باہر اس کے سمجھنے والے

Marfat.com

بہت کم تھے۔لیکن یہ خوشی کی بات ہے کہ اب میلان سادہ نویسی کی طرف ہو رہا ہے۔ اس میں سب سے بڑا احسان سر سید احمد خاں مرحوم کا ہے۔ ان کی سلاست اور فصاحت مانی ہوئی ہے۔ وہ مشکل سے مشکل مضمون کو ایسے صاف اور سیدھے الفاظ اور دل نشین پیرائے میں ادا کر جاتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ بعد والوں نے اس خوبی کی قدر نہ کی اور بعض مجبوریوں خصوصاً نئی تعلیم اور نئے خیالات کی پر زور رَو کے باعث اور اپنی زبان کی طرف سے غفلت برتنے کے سبب سے ہم کچھ دنوں کے لیے بہک گئے تھے۔ لیکن شکر کا مقام ہے کہ اب ہم پھر صحیح رستے پر آ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ادب کا مقصد کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ ادب زندگی کا جزو ہے، ہماری تہذیب اور تمدن کا آئینہ ہے۔ جیسے ہماری زندگی کے حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا ادب ہوگا۔ دیکھ لیجیے لکھنؤ کا "فسانۂ عجائب" اور دہلی کا "قصہ چہار درویش"۔ دونوں میں دونوں کا تمدن صاف جھلک رہا ہے۔ زبان ہی ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ہم اپنے خیالات دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں اور جس قدر زیادہ تعداد تک ہم اپنے خیالات پہنچا سکتے ہیں اسی قدر ہمارا حلقۂ اثر زیادہ وسیع ہوگا۔ جو شخص اپنا کلام اور پیغام ہزاروں تک پہنچا سکتا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے اور جو کروڑوں تک پہنچا سکتا ہے وہ سب سے بڑا شخص ہے اور جو تمام بنی نوع انسان تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے وہ سب سے بڑا انسان ہے۔ لیکن کلام لاکھوں کروڑوں انسانوں تک کس صورت میں پہنچ سکتا ہے؟ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ الفاظ سادہ اور دل نشین ہوں اور خیالات میں گنجلک نہ ہو۔ دل کی آواز سادہ ہوتی ہے۔ کلمۂ حق ہمیشہ سادہ ہوتا ہے جس کا جلوہ ہمیشہ سادگی ہی میں نمایاں اور دل کش ہوتا ہے۔ زبان سیکھو، پڑھو اور لکھو لیکن

Marfat.com

اس کے ساتھ دل اور صداقت بھی پیدا کرو۔ جہاں دل میں درد اور صداقت نہیں وہاں آواز میں بھی درد اور صداقت نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ میرؔ نظیرؔ اور حالیؔ زیادہ مقبول ہوئے اور ناسخؔ، ذوقؔ اور مومنؔ کو وہ قبول عام نصیب نہ ہوا ۔

سادہ لکھنے کی ہدایت کرنا آسان ہے لیکن سادہ لکھنا نہایت دشوار ہے۔ لوگ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن یہ بہت غیر معمولی چیز ہے۔ یہ بات علاوہ فطری استعداد کے بڑی مشاقی، بڑے تجربے، بہت مطالعے اور بہت مشاہدے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ صرف کامل ادیب ہی اسے نبھا سکتے ہیں۔ سادہ لکھنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اپنی تحریر میں سادہ اور سہل لفظ جمع کر دیں اور کوئی مشکل لفظ نہ آنے دیں۔ سادگی کے ساتھ جب تک تحریر میں لطف، کشش اور اثر نہ ہو، وہ ادب میں شمار نہیں ہو سکتی۔ ایک پھیکی سی بے جان اور بے اثر تحریر کا لکھنا نہ لکھنے سے بدتر ہے۔ جب تک کلام میں لکھنے والے کی روح شریک نہ ہو کلام مُردہ ہوگا اور دلوں میں گھر نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کے کلام میں سادگی کے ساتھ صداقت، جدت، تازگی اور جوش ہے تو وہ آبِ رواں کی طرح موجیں مارتا ہوا بڑھتا ہوا چلا جائے گا اور اگر وہ رنگین الفاظ، پیچیدہ استعارات و تشبیہات اور تکلف و تصنع کے بوجھ سے دبا ہوا ہے تو پھر مُردار کے پانی کی طرح ساکن، مُردہ اور بے حس ہوگا۔ زمانۂ حال کے ایک بہت بڑے ادیب نے خوب کہا ہے کہ "سادگی اور صداقت توام ہیں اور حسن ان کی تیسری بہن ہے"۔ یہی وہ سادگی ہے جو سیدھی دل و دماغ میں جا بیٹھتی ہے یہی وہ سادگی ہے جو دلوں کو لبھاتی اور گرماتی اور خیالات میں روشنی پیدا کرتی ہے۔ دُنیا کے وہ کامل اور اعلیٰ ادیب اور شاعر جن کا سکہ سارے

Marfat.com

عالم پر بیٹھا ہوا ہے ان کے قبول عام کا راز اسی میں ہے۔ صدیاں گزر گئیں، جگ بیت گئے لیکن ان کی مقبولیت میں فرق نہیں آیا۔

حضرات! دُنیا کی کوئی زبان نقص سے خالی نہیں۔ بعض زبانیں ہماری زبان سے بھی زیادہ بے قاعدہ، پیچیدہ اور دشوار ہیں لیکن دشواری کی وجہ سے کوئی اپنی زبان ترک کر کے دوسری زبان اختیار نہیں کر لیتا۔ وہ ہمارے اعضا و قویٰ کی طرح ہماری زندگی کا جُز ہے۔ جس طرح ہم دیدہ و دانستہ اپنے اعضا و قویٰ کو کاٹ کر نہیں پھینک سکتے اسی طرح ہم اپنی زبان کو بھی اپنے سے جُدا نہیں کر سکتے۔ کچھ مدّت ہوئی جاپان میں بہت بڑا بھونچال آیا تھا جس میں ہزارہا جانوں کا نقصان ہُوا لیکن ایسی بیش بہا چیزیں بھی تلف ہو گئیں جو جان سے زیادہ عزیز تھیں۔ جب دلّی کی ایک بڑی بی نے یہ سُنا اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ وہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں تو بڑی سادگی سے فرماتی ہیں کہ "موئے اس مُلک کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے"۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ آپ کی زبان میں فلاں نقص یا بے قاعدگی ہے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے تو اس کے جواب میں سوائے اس کے کہ آدمی مُسکرا کر چُپ ہو رہے اور کیا کہہ سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر زندہ شے کے لیے نشو و نما اور تغیّر لازم ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ لیکن اگر اس قانون کے ساتھ انسانی سعی شریک نہ ہوگی تو بہت جلد وہ ترقی رُک جائے گی۔ نشو و نما کی ترقی کے لیے انسانی سعی بھی لازم ہے۔ جو چیزیں ہمیں بچپن میں بہت عزیز تھیں وہ بڑے ہو کر بے حقیقت معلوم ہوتی ہیں۔ بچپن میں جو کتابیں ہم بڑے شوق سے پڑھتے تھے بڑے ہو کر ان میں وہ دل کشی نہیں رہتی۔ یہی حال ادب کا ہے۔ زمانۂ گزشتہ کا ہمارا ادب اگر

Marfat.com

اس کا اکثر حصّہ ویسا کارگر اور پُر اثر نہیں رہا جیسا اُس وقت تھا۔ وہ اُس زمانے کے اقتضا کے مطابق تھا اور اب زمانے کا اقتضا کچھ اور ہے۔ جس طرح عمر کے ساتھ انسان کا ذوق بھی بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے ہمیں صرف اپنے اسلاف کی پُونجی ہی پر قانع نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہمیں خود بھی اپنے زمانے کے حالات کی رُو سے ترقّی اور اصلاح میں (جہاں تک زبان کی ساخت اجازت دے) لگاتار اور بے دریغ کوشش کرتے رہنی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے لیے گزشتہ زمانے میں بہت کچھ ہے لیکن سب کچھ نہیں۔ بے شبہ گزرا ہوا زمانہ قابلِ احترام ہے لیکن آیندہ زمانہ اس سے بھی زیادہ احترام کے قابل ہے جس شخص کی نظر ہمیشہ پیچھے کی طرف رہتی ہے اور آگے نہیں دیکھتا وہ کبھی دنیا میں سرسبز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اصلاح کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ جو چیزیں فرسودہ اور بیکار ہو گئی ہیں ان کے بدلنے اور ترک کرنے میں اور جو کارآمد اور مفید ہیں ان کے اختیار کرنے میں کبھی نہیں چوکنا چاہیے۔

حال ہی میں میرے ایک ذی علم دوست نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اُردو میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ اعلیٰ ادب پیدا کر سکے؟ میں نے کہا اُردو میں کیا ہر زبان میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان حضرات میں بھی وہ صلاحیت اور شوقِ صادق ہونا چاہیے جو اسے اعلیٰ ادبی زبان بنانا چاہتے ہیں۔ اُردو ادب اس درجے تک پہنچ گئی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور ہم میں صلاحیت ہو تو اس میں نازک سے نازک خیال اور ہر فن اور علم کے معلومات کو ادا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے اسے صرف اس کی قسمت یا قدرت کی مہربانی پر چھوڑ دیا تو یہ لہلہاتا ہوا چمن ایک دن جھاڑ جھنکاڑ ہو جائے گا

Marfat.com

اگر ہم اسے اپنی زبان سمجھتے ہیں، اگر ہم سچائی کے ساتھ اس کی ترقی کے خواہاں ہیں تو کوئی دقیقہ کوئی تکلیف اور محنت اس کے بڑھانے اور بنانے میں اُٹھا نہیں رکھنی چاہیے۔ ایک طرف تو ہمیں اس کی اشاعت میں کوشش کرنی چاہیے کیوں کہ جب تک پڑھے لکھوں کی تعداد زیادہ نہ ہوگی اور جب تک زبان کی تعلیم عام نہ ہوگی آپ کا اعلیٰ اور مفید سے مفید ادب بھی بے کار ہوگا اور کیڑوں کی نذر ہو جائے گا۔ دوسری طرف زبان کو مستحکم اور قوی بنانے کی ضرورت ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اس میں ہر فن اور علم کی کتابیں ہوں، دنیا کی بہترین تصانیف کے ترجمے ہوں، تخلیقی ادب جس کی کمی ہے، پیدا کیا جائے اور ان مصنفوں اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو اس کام کے اہل ہیں۔ اگر ہم اس کے لیے آمادہ ہیں اور اس کی خاطر تکلیف اُٹھانے اور ایثار کرنے کے لیے تیار ہیں تو ہمارا دعویٰ صحیح ہے ورنہ محفلوں میں بیٹھ کر خالی دعوے کرنا اور اپنی زبان کو سراہنا اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور دوسروں کی نظروں میں اپنے آپ کو حقیر بنانا ہے:

حال ہی میں ایک مورخ نے جس نے دنیا کے تمدن پر بہت معقول کتاب لکھی ہے، مسئلہ تمدن پر بڑی گہری نظر ڈالی ہے اور اس کے پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد آخر میں ساری کتاب کا نچوڑ اس ایک چھوٹے سے جملے میں ادا کر دیا ہے (MAN MAKES HIMSELF) یعنی آدمی خود اپنے کو بناتا ہے۔ یہی میں زبان کے متعلق کہتا ہوں کہ اس کا بنانا اور بگاڑنا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم جیسا چاہیں گے ویسی بنے گی اور گزشتہ زمانے میں بھی جیسا ہم نے چاہا ویسی بنی۔ لیکن زبان کے بنانے میں

Marfat.com

یہ نکتہ یاد رکھیے کہ ملک کی عام اور مقبول زبان وہی ہو سکتی ہے جسے زیادہ سے زیادہ تعداد سمجھے۔ اگر آپ اس اصول کو پیشِ نظر نہ رکھیں گے تو آپ کی زبان سکڑتے سکڑتے ایک محدود حلقے میں بند ہو کے رہ جائے گی۔ ہندستانی یا اُردو کو اسی لیے برتری ہے کہ اسے ملک کے زیادہ سے زیادہ اشخاص بولتے یا سمجھتے ہیں۔

حضرات! ہمیں یہ زبان اس لیے عزیز ہے کہ یہ ہماری بول چال کی زبان ہے۔ ہمیں یہ زبان اس لیے عزیز ہے کہ یہ ہندستان کی دو بڑی قوموں کے اتحاد اور یک جہتی کی عزیز یادگار ہے۔ ہمیں یہ اس لیے عزیز ہے کہ یہ ہمارے تمدن، ہماری معاشرت، ہمارے دل و دماغ کے نتائج، ہمارے مادی اور روحانی خیالات کی حامل ہے۔ ہمیں یہ اس لیے عزیز ہے کہ اس میں ہمارے اسلاف کی صدیوں کی محنت دجانکاہی مائی دو ذہنی کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ ہمیں یہ اس لیے عزیز ہے کہ یہ ہمارے بزرگوں کی مقدس وراثت ہے۔ اگر اس پر بھی ہم اس کی قدر نہ کریں اور اس کے بنانے سنوارنے اور بڑھانے میں اپنی پوری ہمت صرف نہ کر دیں اور اس کی ترقی و نشوونما میں جان نہ لڑا دیں تو ہم سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی ناخلف نہ ہوگا۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس علی گڑھ

(۲۸ر اپریل سنہ ۱۹۳۷ء)

گری زون سوستان کا ایک پرگنہ ہے اور پہاڑی علاقہ ہے۔ اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان کے ہاں قدیم سے ایک روایت مشہور چلی آرہی ہے کہ خلاقِ عالم نے فرشتہ کلمائیل کو بیجوں بھرے تھیلے دیے اور فرمایا کہ جاؤ تم دنیا کا ایک چکر لگاؤ اور زبانوں کے یہ بیج لوگوں کے سروں میں بوتے چلے جاؤ۔ فرشتے نے ارشادِ خداوندی کی تعمیل کی اور یہ بیج بنی نوع انسان کے دماغوں میں جم گئے اور فوراً اُگنے شروع ہوئے اور زبانیں چشمے کی طرح ابلنے لگیں۔ جب فرشتہ کلمائیل اپنے تھیلے خالی کر چکا اور خلاقِ عالم کے پاس واپس آنے کو ہوا تو یہ دیکھ کر اسے سخت ندامت اور پریشانی ہوئی کہ گری زون کا علاقہ چھٹ گیا ہے۔ اس نے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اس فروگزاشت کے متعلق عرض کیا۔ خدا نے مختلف تھیلوں کے ملے جلے بیج جو بچ رہے تھے اسے دیے اور کہا کہ جاؤ، یہ واپس جاکر بو آؤ۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہاڑی آبادی میں طرح طرح کی زبانیں اور بولیاں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

یہ نقل بہ نسبت گری زوں کے ہندستان پر زیادہ صادق آتی ہے جہاں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی ہیں جن کی تعداد بیسیوں نہیں سیکڑوں تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن اس ہجوم میں ایک زبان ایسی بھی نظر آتی ہے جو ملک کے اکثر علاقوں میں بولی جاتی ہے اور تقریباً ہر جگہ سمجھی جاتی ہے یہ زبان ہندستانی یا اردو ہے جس کا ادب نظم و نثر میں نویں صدی ہجری سے مسلسل موجود ہے۔ یہ ہمارا ہی دعویٰ نہیں بلکہ اس کی شہادت غیروں نے بھی دی ہے اور یہ شہادتیں یورپی سیاحوں کی تحریروں میں سترھویں صدی کی ابتدا سے بعد تک برابر ملتی ہیں۔ ایک موقع پر کسی خاص معاملے میں ابی سینیا کے سفیر خوجہ (MOVAAD) سے چند استفسارات کیے گئے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ "فلاں شخص نے آپ کی حضوری میں کس زبان میں گفتگو کی" وہ جواب دیتے ہیں "ہندستانی زبان میں جس کی ترجمانی نذیر اکسی لنسیز دی ہائی گورنمنٹ آف بٹادیا کے سیکریٹری نے کی"۔ یہ واقعہ سنہ ۱۶۹۷ء کا ہے۔ اس زمانے کا ایک سیاح لکھتا ہے کہ "دربار کی زبان تو فارسی ہے مگر عام بول چال "اندستان" ہے (فرائر)

یہ اگلی باتیں ہیں، انھیں جانے دیجیے۔ کمپنی کے زمانے کو لیجیے۔ جب ایسٹ انڈیا نے اپنا کاروبار یہاں جمایا اور تجارت سے سیاست کی طرف قدم بڑھایا تو تجارت اور سیاست دونوں اغراض کی خاطر تازہ ولایت نو کار انگریز ملازموں کی تعلیم کے لیے ملک کی ایک ایسی زبان کا انتخاب کیا جو اپنی عام مقبولیت اور وسعت کی وجہ سے سب سے زیادہ کارآمد تھی۔ یہ زبان ہندستانی یعنی "اردو" تھی۔ اس کے لیے ایک بڑا مدرسہ

Marfat.com

قائم کیا گیا جو فورٹ ولیم کالج کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں قابل زباں دان ہندی ملازم رکھے گئے جو نوجوان نو واردوں کو ہندستانی زبان کی تعلیم بھی دیتے تھے اور کتابیں بھی تالیف اور ترجمہ کرتے تھے۔ اس کالج کے معلم اوّل ڈاکٹر جان گلکرسٹ جو اردو کے محسن اور اس کے شیدائیوں میں سے تھے اس زبان کو (GRAND POULAR SPEEH) (OF LNDIA) کہتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ وہ اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ "یہ نہایت کارآمد اور عام زبان ہے جس پر ہندستان فخر کرسکتا ہے۔ وہ اپنی اسی کتاب 'برٹش انڈیا مونیٹر' میں لکھتے ہیں کہ "چوں کہ ہندستانی، ہندستان کی سب سے زیادہ عام زبان ہے اور جو ہمیں شب و روز اپنے دیسی افسروں، مدرّسوں، ملازموں اور دیگر متعلقین سے گفتگو کرنے میں استعمال کرنی پڑتی ہے اس لیے نحوی اصول کے ساتھ اسے جس قدر جلد سیکھا جائے اسی قدر بہتر ہے۔" [2]

اس زبان کی تعلیم کے متعلق گورمنٹ کے احکام نقل کرنے کے بعد وہ ان برٹش افسروں اور دیگر اصحاب کے نام ایک پیغام بھیجتا ہے جو ہندستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ پیام یہ ہے:۔

"جب سے متذکرۂ بالا احکام نافذ ہوئے ہیں بنگال گورمنٹ نے بنگال، مدراس اور بمبئی کے ملکی اور فوجی علاقوں کے لیے مشرقی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا ہے، ان سب میں ہندستانی بجا طور پر مقدم اور اہم خیال کی گئی ہے اور اس لیے تمام رائٹروں اور کیڈٹوں کو ہندستان پہنچنے پر سکھائی

---

[1] و [2]

Marfat.com

جاتی ہے۔

ہندستانی زبان کا علم برٹش انڈیا میں نہ صرف ہر ایک ایسے اجنبی کے لیے لازم و لابد ہے جو عام طور پر اہلِ ملک سے ذاتی تعلقات رکھتا ہے بلکہ اس سے فارسی اور دوسری مشرقی زبانوں کی تحصیل کا رستہ بھی کھل جاتا ہے جہاں وہ ہندستانی کے ذریعے سے جو ہندستان کے باشندوں اور خصوصاً منشیوں یا دیسی سوداگروں کی دیسی زبان ہے۔ ان مقامی قدیم زبانوں کو بہت جلد سیکھ لیتا ہے۔

بحری اور بری فوج میں نیز ہندستان کے خانگی معاملات میں کسی زبان کا ایسا عام رواج نہیں جیسا ہندستانی کا ہے اور کیڈٹوں کو جو فوجی اکیڈیمیوں میں اسے پڑھتے ہیں یا فوجی تعلیم حاصل کرتے ہیں کسی اور زبان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ اکیڈیمیاں بنگال، مدراس اور بمبئی میں قائم کی گئی ہیں۔

جس طرح یورپ میں ایک تعلیم یافتہ شخص کے لیے بعض جدید اور قدیم زبانوں کا علم مفید اور موجب زینت سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہندستان میں سنسکرت فارسی، عربی وغیرہ کا علم بھی وہی درجہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ہر شخص کے لیے ہندستانی کا جاننا ایسا ہی ناگزیر ہے جیسا کہ انگلستان والوں کے لیے انگریزی کا جاننا اور اسی لیے ان حضرات کا جو ایسٹ انڈیز کو آنا چاہتے ہیں سب سے ضروری اور بڑا وصف یہی ہونا چاہیے کیوں کہ وہ یہ سوبہ ان پر صاف

Marfat.com

کھل جائے گا کہ ہندستانی کے مقابلے میں یہ علمی زبانیں دُوسرے درجے پر ہیں اور بعد میں یہ زبانیں اس ملک میں زیادہ آسانی اور کم خرچ میں سیکھی جاسکتی ہیں ؛

اگر یہ دلیل انگلستان و بیرون انگلستان کے چند سالہ تجربے کی بنا پر معروف و مسلّم واقعات پر مبنی ہو تو پبلک بجا طور پر یہ امید رکھتی ہو کہ "ہرفورڈ" اور "مارلو" کے سول اور ملٹری کالجوں کے شعبوں میں ہندستانی زبان کی تعلیم اُن طلبہ کے لیے جو ہندستان آنا چاہتے ہیں، سب سے مقدم خیال کی جائے گی کیوں کہ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے انگلستان کے جج اور سول اور ملٹری کے عہدہ دار خود وہ کیسے ہی عالم و فاضل کیوں نہ ہوں وہ ہمارے مُلک میں اپنے عہدوں کے بالکل نااہل ثابت ہوں گے اگر وہ ہماری مادری زبان نہیں جانتے۔ اسی طرح ہندستان میں ہندستانی کا وہی درجہ ہو جو انگریزی کا برطانیہ میں یا ترکی کا اس کی سلطنت میں اور یہ ایک ایسی بات ہو جو راہ چلتا بھی سمجھ سکتا ہو" ؛

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مدراس کے ایک انگریز افسر کا خط بھی نقل کیا ہو جس میں مفصلہ ذیل اقتباس پڑھنے کے قابل ہو۔

(خط ۱۹ رجون سنہ ۱۸۰۲ء کا لکھا ہوا ہو)

"ہندستانی بولی کے متعلّق میرا کچھ کہنا غیر ضروری ہو کیوں کہ اس کی وسعت اور قوت ان تمام اشخاص پر کافی طور سے آشکارا ہو جن کا تعلّق ہندستان کے کاروبار یا ادب سے ہو،

Marfat.com

میری رائے میں صرف اس بولی کا معقول علم اس گورنمنٹ کے علاقوں کے ہر حصے کے لیے بالکل کافی ہے...........
نواب آف ارکاٹ کے تمام علاقوں اور ٹیپو سلطان کی مملکت بالا گھاٹ میں ہندستانی سے وہ سب اشخاص واقف ہیں جو سرکاری دفاتر میں مامور ہیں۔ نیز عام لوگوں کی بڑی تعداد اس زبان کو جانتی ہے" ؎

ڈاکٹر صاحب اپنی ایک اور تصنیف "ایسٹ انڈیا گائڈ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

" اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندستان کے مختلف اضلاع اور صوبوں میں خاص خاص بولیاں بولی جاتی ہیں لیکن ہم جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اگر فرداً فرداً دیکھا جائے تو ان میں کوئی بھی عام طور پر ایسی مفید اور ضروری نہیں جیسی ہندستانی......

" اب ہم اس دعوے کی تائید میں چند دلائل پیش کرتے ہیں جو بلاشبہ اس کی صداقت کا تشفی بخش اور دل نشین ثبوت ہوں گی۔

ہندستان کے وسیع ملک میں شاید ہی کوئی ایسا مسلمان پایا جائے گا جو مقامی اور ذاتی حالات یعنی خاندانی و تعلیمی وغیرہ کے لحاظ سے کم و بیش شستگی اور خوبی سے ہندستانی زبان نہیں بولتا یا نہیں سمجھتا۔ نیز ہر شریف ہندو یا وہ جس کا ذرا سا بھی تعلق کسی مسلمان حکومت یا برٹش گورنمنٹ سے ہو اپنے منصب اور حیثیت کے لحاظ سے ضرور اس زبان سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔

" علاوہ اس کے یہ ایک مشترک ذریعہ ہے جس کے توسط سے

Marfat.com

اہلِ ملک عموماً اور متعدد غیر ملکوں کے اکثر باشندے جو اس ملک میں بس گئے ہیں اپنی ضرورتوں اور خیالات کا ایک دوسرے پر اظہار کرتے ہیں۔ اس بیان کی صداقت کی تائید میں ہم خود ایک شہادت ہیں اور ہماری طرح پرتگالی، ولندیزی (ڈچ)، فرانسیسی، ڈین، عرب، ترک، یونانی (گریک)، ارمنی، گرجی، ایرانی، مغل اور چینی بھی ہیں جو اکثر باہم ہندستانی میں بات چیت کرتے ہیں، کیوں کہ ان کی اپنی زبانوں کے مقابلے میں ہندستان کی یہ لنگوا فرینکا زیادہ سہولت بخش ہے۔ ہندستان کی تمام فوجوں میں یہ زبان عام طور پر استعمال ہوتی ہے اگرچہ ان افواج کے اکثر افراد اپنی حکومتوں، علاقوں، صوبوں اور اضلاع کی بولیوں کو مادری زبان کی حیثیت سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

"تقریباً کیپ کامورن سے لے کر کابل تک سارا ملک جو طول میں دو ہزار میل اور عرض میں ۱۴۰۰ میل ہے اس میں جہاں جہاں گنگا بہتی ہے شاید ہی کسی بڑے گانو، قصبے یا شہر میں جسے مسلمانوں نے فتح کیا یا جہاں مسلمان آباد ہیں کوئی ایسا شخص ملے گا جو اچھی خاصی طرح ہندستانی نہ جانتا ہو اور گنگا سے بھی بہت پرے، نیز مشرقی جزائر کے سواحل پر بھی یہ زبان رائج ہے اور اس قدر معروف ہے کہ بہت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔

"اگرچہ ہندستانی میں نثر کی بہت سی کتابیں مثلاً تاریخی یا علمی تالیفات نہیں ہیں تاہم بہت سے شستہ قصّے اور دل کش نظمیں موجود ہیں۔ عام طور پر خانگی، تجارتی اور فوجی اور نہایت اہم سیاسی معاملات کے متعلق مراسلت اسی زبان میں کی جاتی ہے۔ اور اس موقع پر ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ دیسی علما کا درس اور مضامینِ ادب پر ان کی تمام بحثیں اور دلائل اسی زبان میں کی جاتی ہیں اور ہر حالت میں یہ دیکھا گیا ہے کہ

Marfat.com

جب کبھی ہندستان کا کوئی باشندہ اپنے کسی خیال یا مضمون کو کسی دوسری زبان میں لکھنا یا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ اسے فارسی مکتوب کے طور پر لکھے یا کوئی سیاسی تحریر قلم بند کرے وہ ہمیشہ اپنے خیالات کو ہندستانی میں ترتیب دیتا ہے اور اپنا مفہوم اسی زبان میں ادا کرتا ہے۔

"اگر یہ تمام بیانات اور دلائل صداقت پر مبنی ہیں تو ان کی قوت کو کون چیز کم زور کر سکتی ہے۔ اوپر کے صغریٰ کبریٰ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سوداگر، سیّاح، وکیل، مُلّا یا پادری، فلسفی، طبیب، غرض ہر شخص کے لیے جو ہندستان میں کسی قسم کا بھی کوئی کام کر رہا ہے یا یہاں امن و خوشی سے رہنا چاہتا ہے ہندستانی زبان بہ نسبت کسی دوسری زبان کے عموماً نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اور اس اعتبار سے سب سے مقدم اسی کا سیکھنا ہے اور اس کے بعد بہ وجہ ان اعلیٰ فوائد کے جو اسے باقی دوسری زبانوں کے مقابلے بہ درجۂ اتم حاصل ہیں یہ نہایت درجہ قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ ہے۔"

کول بروک جو بڑے عالم گزرے ہیں، ایشیاٹک ری سرچز کی ساتویں جلد میں لکھتے ہیں کہ "یہ شستہ زبان جو ہندستان اور دکن کے ہر حصے میں بولی جاتی ہے یا جو تعلیم یافتہ دیسیوں نیز ہندستان کے بہت سے صوبوں کے ناخواندہ لوگوں میں باہمی گفتگو کا مشترک ذریعہ ہے اور جسے تقریباً ہر جگہ نیز گاؤں کے اکثر باشندے سمجھتے ہیں۔"

ڈاکٹر گلکرسٹ نے اپنے ایک شاگردِ رشید کا خط نقل کیا ہے جو بہت دلچسپ اور حقیقت افروز ہے۔ اس کے کاتب مشہور مسٹر مٹکاف ہیں جو

Marfat.com

اُس وقت دِلّی کے اسسٹنٹ رزیڈنٹ تھے اور بعد میں رزیڈنٹ نیپال کیا دہلی کے آقا ہو گئے تھے۔ یہ خط ۲۹ر اگست سنہ ۱۸۰۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ اُس زمانے میں اُردو کی کیا حیثیت اور وقعت تھی۔ وہ لکھتے ہیں :-

"میرا خیال ہے کہ مَیں آپ کو اس معاملے کے بارے میں قابلِ اطمینان اطلاع مہیا کر سکتا ہوں جس کے متعلق آپ کو قدرتی طور پر تشویش ہے۔

"ہندستان کے ہر حصّے میں جہاں جہاں مَیں ملازمت کے سلسلے میں رہا، یعنی کلکتہ سے لاہور کے قرب و جوار تک اور کوہستان کمائیوں سے نربدا تک، افغانوں، راجپوتوں، جاٹوں، سکھوں اور مختلف اقوام میں جو ان ممالک میں آباد ہیں، جس میں مَیں نے سفر کیا ہے، مَیں نے اس زبان کا عام رواج دیکھا جس کی تعلیم آپ نے مجھے دی تھی۔ یوں کہنے کو بہت سی بولیاں اور لہجے ہیں۔ اپنی بات سمجھانے یا دوسرے کی سمجھنے کے لیے اکثر بہت صبر کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارے کان ہمیشہ ان آوازوں سے آشنا نہیں ہوتے جو ہم سُنتے ہیں۔ اوّل اوّل دیسی لوگ ہمارے لہجے اور ڈھنگ کو بغیر بار بار دُہرائے نہیں سمجھتے۔ یہ دقّت اکثر مقامات پر واقع ہوتی ہے۔ لیکن میں ذاتی تجربے نیز اطلاعات کی بنا پر جو مجھے دوسروں سے حاصل ہوئی ہیں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر مَیں کیپ کامرن راس کماری سے کشمیر تک اور آوا سے دریائے سندھ کے دہانے تک پیدل چلا جاؤں تو مجھے ہر جگہ ایسے لوگ ملیں گے جو ہندُستانی بول سکتے ہیں۔ میرے کہنے کا یہ منشا نہیں کہ مَیں ایسے لوگ مطلق نہ پاؤں گا جو یہ زبان نہیں بول سکتے کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ اس وسیع خطّے میں جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے مختلف

Marfat.com

زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بلکہ ایسا نہ ہو تو تعجب ہے۔ لیکن ہندستانی ہی وہ زبان ہے جو عام طور پر کار آمد ہے اور میری رائے میں اسے وہ عام وسعت حاصل ہے جو دنیا کی کسی زبان کو نصیب نہیں۔ میں ابھی اس زبان میں کچا ہوں لیکن جس قدر میرا جہل زیادہ ہے اسی قدر میری شہادت قوی ہے اور جہاں تک میری شہادت کا تعلق ہے ہندستانی کا بول بالا رہے گا۔ میرے خیال میں دنیا خاص طور پر آپ کی رہین منت ہے اور اسے آپ کی ان پُرجوش اور مخلصانہ کوششوں کے لیے آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے جو آپ نے مشرقی ادب کی اس نہایت اہم شاخ کی اشاعت و ترقی میں فرمائی ہیں

"زباں دانِ اُردو ہے ایسا کہ آج   ہے قانونِ ہندی اس سے رواج"

میں نے جو کسی قدر طویل اقتباسات پڑھ کر سُنائے ہیں اس سے میرا منشا یہ جتانا تھا کہ اُردو زبان خاص کر اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کی ابتدا میں اپنی مقبولیت اور عالم گیری میں سب پر سبقت لے گئی تھی اور یہ رفتار اس کی برابر جاری رہی۔ چناں چہ موسیو دیوبان نے جو فرانسیسی انسٹیٹیوٹ کے رکن اور سینٹ کے ممبر اور فاضل شخص تھے اپنی کتاب "اقوام کی پیدائش قوت میں" ایک باب ہندستانیوں کے متعلق لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت ۲۸ کروڑ، ۴۰ لاکھ ہے۔ آپ کو معلوم رہنا چاہیے کہ ان میں تقریباً ۱۰ کروڑ نفوس کے درمیان جو چیز ایک مشترک رشتے کا کام دیتی ہے وہ اُردو زبان ہے، یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبے کی سرزمین میں بولی جاتی ہے [1]

---

[1] خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۳۶۵

Marfat.com

گارساں دتاسی جو اُردُو زبان کے پروفیسر اور عالم اقوامِ عالم کے بڑے حامی تھے اور جنھوں نے اپنے زمانے میں اُردُو کی یادگار خدمت کی اور ایسی عمدہ کتابیں لکھیں اور زبان کے متعلق ایسی قابلِ قدر معلومات مہیا کیں جو کوئی اہلِ زبان بھی اپنی زبان میں نہ کرسکا، سنہ ۱۸۶۵ء کے خطبے میں کہتے ہیں،

" بہرنہج لوگوں کا خیال ہندُستانی کی نسبت کچھ ہی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ سارے ہندستان کی مشترک زبان بن گئی ہو، دن بہ دن جو اس کی ترقّی ہو رہی ہو اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جا سکتی ہو۔ اس مسئلے کی نسبت کپتان ایچ۔ مور نے جو مرکزی حکومت میں ترجمان کی خدمت پر فائز ہیں اپنی رائے سے مجھے ان الفاظ میں مطلع کیا ہو" بلاشبہ کچھ عرصے کے بعد ہندُستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کرلے گی۔ اس زبان کے توسّط سے لاکھوں اہلِ مشرق تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ ریل کی وجہ سے جو اندرونِ ملک میں ہزارہا میل کی مسافت میں پھیل گئی ہو، ہندُستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو اور بھی مِلنے جُلنے کا موقع مِلا ہو۔ چناں چہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک مشترک زبان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ہندُستانی زبان اس مقصد کو بہ طریقِ احسن پُورا کرتی ہو اس لیے کہ اس کی ساخت میں ہندی فارسی، عربی کے عنصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بہ درجۂ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہو کہ ہندُو اور مسلمان دونوں کے مقاصد پُورا کرے میرے خیال میں ہندُستان کے قدرتی وسائل کی ترقّی کے جس قدر امکانات ہیں اسی قدر ہندُستانی زبان کو فروغ حاصل کرنے کے مواقع موجُود ہیں"[۱]

[۱] خطباتِ گارساں دتاسی صفحہ ۴۵۸ سنہ ۱۸۶۵ء

Marfat.com

یہ وہ زمانہ ہے کہ اُردو مقبولِ خاص و عام تھی اور اس کی مقبولیت کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ سنہ ۱۸۳۵ء کے بعد جب فارسی کے بجائے اُردو دفتری زبان قرار دی گئی تو کوئی آواز اس کے خلاف سننے میں نہیں آئی اور کسی نے یہ نہ کہا کہ اُردو نہیں، فلاں زبان ہونی چاہیے۔ اس کی یہ متفقہ مقبولیت ایک مدت تک برابر جاری رہی، چناں چہ گارساں دتاسی، بمبئی گزٹ مورخہ ۲۶ فروری سنہ ۱۸۶۱ء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے زمینداروں اور دوسرے باشندوں نے وائسرائے گورنر جنرل بہادر کو ایک عرض داشت بھیجی جس میں یہ درخواست کی کہ جدید ہائی کورٹ میں کارروائی اُردو زبان میں ہونی چاہیے۔ اس زمانے میں بمبئی کی نئی نئی یونی ورسٹی قائم ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۶۰ء کے ڈگری کے امتحان میں اُردو زبان بھی تھی اور اس کے نصاب میں 'باغ و بہار'، 'اخلاق ہندی'، 'مثنوی میر حسن' اور 'دیوانِ ناسخ' شریک تھے[1]

یہ وہ زمانہ تھا کہ ان صوبوں کے ہندو تعلیم یافتہ اور اہلِ قلم جہاں کی زبان اُردو نہ تھی نیز انگریز مدبر اور حاکم تک عام جلسوں میں اُردو میں تقریریں کرتے تھے۔ چناں چہ سنہ ۱۸۶۱ء میں مہاراجہ کشمیر کی گدی نشینی کے موقع پر جموں میں دربار ہوا اس میں مسٹر ڈیوس جو اس موقع پر گورنمنٹ ہند کے نمائندہ تھے جب سے راجا کے سینے پر تمغہ لگا چکے تو مہاراجا نے ان کی تقریر کا جواب اُردو میں دیا۔

سر جے۔ پی۔ گرانٹ، لفٹننٹ گورنر بنگال جب یورپ واپس جا رہے تھے تو اہلِ کلکتہ نے ۱۶ اپریل سنہ ۱۸۶۱ء کو ان کے اعزاز میں ایک عام

[1] خطباتِ گارساں دتاسی صفحہ ۳۲۴

Marfat.com

جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسے کے صدر راجا کانت دیو بہادر تھے۔ انھوں نے اس موقع پر اُردو میں تقریر کی۔ ان کے بعد راجا کالی کشن بہادر نے جو مشہور مصنف گزرے ہیں تقریر کی اور وہ بھی اُردو میں تھی۔ نیز ایک جلسے میں سر جان گرانٹ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کرنے کی تحریک ہوئی جو متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ اس جلسے میں راجا اپروا کرشن نے اُردو میں تقریر کی اور یہ تجویز پیش کی کہ کلکتہ میں سر جان گرانٹ کا بُت نصب کیا جائے۔ اسی طرح کلکتہ کے ایک اور جلسے میں جو اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ انگلستان کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں سے اظہار ہمدردی کیا جائے، مختلف مقرروں نے ہندستانی میں تقریریں کیں اور راجا نرائن سنگھ نے اس جلسے میں تجاویز کی تائید اُردو میں کی[1] شاہزادہ ویلز کی شادی کے موقع پر ہندستان میں ہر جگہ جلسے منعقد ہوئے اور ان میں ہندستانی زبان میں تقریریں کی گئیں۔ فروری سنہ ۱۸۶۲ء میں جب سر ہنری منٹگمری لفٹننٹ گورنر پنجاب ریاست کپورتھلہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر صاحب موصوف نے مشن اسکول کے طلبہ کے سامنے ہندستانی میں تقریر کی۔ جنوری سنہ ۱۸۶۴ء میں پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے اپنی روانگی سے قبل ایک دربار منعقد کیا جس میں مختلف ہندستانی راجا، امرا اور سرکاری عہدہ دار شریک تھے، لفٹننٹ گورنر نے اس موقع پر انگریزی میں نہیں، اردو میں جلسے کو خطاب کیا؛

جب سر جان لارنس وائسرائے کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے ایک بڑا شان دار دربار آگرہ میں منعقد کیا جب وائسرائے

[1] خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۳۰۱

Marfat.com

تخت پر بیٹھنے کے لیے تشریف فرما ہوئے تو توپوں کی سلامی دی گئی اور سر ولیم میور نے شاہی فرمان کا ترجمہ پڑھا اور خود وائسرائے نے حاضرین کے رُو بہ رُو ہندُستانی میں تقریر کی۔ برٹش انڈیا ایسوسی ایشن مُراد آباد میں لفٹنٹ گورنر نے اُردو میں تقریر کی۔ نیز مدرسۂ مراد آباد کے افتتاح کے موقع پر بھی صاحب موصوف نے اُردو ہی میں جلسے سے خطاب کیا۔ مہاراجہ بنارس نے سنہ ۱۸۶۸ء میں چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کے اُردو ترجمے کے لیے دس ہزار رُپے منظور کیے بہ شرطے کہ حکومت بھی دس ہزار دے۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُردو کی مقبولیت کے کیا اسباب ہیں، دوسرے ہندی اور اُردو کے اختلاف کا مسئلہ کیوں کر پیدا ہوا۔ میں پہلے دوسرے سوال کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ بعض اصحاب کا جو یہ خیال ہے کہ سرسیّد احمد خاں نے نیشنل کانگرس سے مخالفت کر کے ہندی اُردو کا اختلاف پیدا کیا، سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ فساد سب سے اوّل سنہ ۱۸۶۷ء میں بنارس سے اُٹھا جہاں "بعض سربرآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں اُردو زبان اور فارسی خط موقوف کرانے کی کوشش کی جائے اور بجائے اس کے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔

ہندوؤں کی اس قومی مجلس میں جو بابو فتح نرائن سنگھ کے مکان پر بنارس میں قائم تھی، اس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ جا بہ جا اس کے لیے کمیٹیاں، مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہو گئیں اور ایک صدر مجلس الٰہ آباد میں قائم کی گئی جس کے ماتحت تمام مذکورۂ بالا مجلسیں

Marfat.com

اور سبھائیں تھیں [1] اس کے بعد سے یہ جھگڑا مختلف صورتوں میں طرح طرح سے اب تک چلا آرہا ہے جس کی تاریخ اور تفصیل کا یہ موقع نہیں، میں یہاں صرف مختصر طور پر اس کے اصل وجوہ پر غور کرنا چاہتا ہوں۔

پہلے زمانے میں آج کل کی طرح زبان سیاست کے دنگل میں نہیں اُتری تھی۔ لوگ جس زبان میں زیادہ سہولت دیکھتے یا جس زبان میں اشاعت کا زیادہ سامان پاتے اس میں لکھتے تھے اور اکثر اہلِ قلم اپنی زبان ترک کر دیتے اور غیر زبان میں لکھنا پسند کرتے تھے۔ ایک زمانے میں لاطینی سارے یورپ پر چھائی ہوئی تھی اور بعض جرمن اور انگریز مصنفین لاطینی میں تالیف اور تصنیف کرتے تھے۔ اس میں کسی حکومت کا دباؤ نہ تھا بلکہ اپنے شوق سے کرتے تھے اور انھیں کبھی اس کا گمان تک نہ ہوتا تھا کہ ایسا کرنا قومیت یا وطنیت کے حق میں غداری ہے۔ فریڈرک اعظم اگرچہ کٹر جرمن تھا لیکن فرانسیسی بولنے اور لکھنے کو ترجیح دیتا تھا اور فرانسیسی لکھتے یا بولتے وقت اس کے خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب کر رہا ہے جو اس کے جذبۂ قومیت کے منافی ہے۔ یا ہمارے ملک کی مثال لیجیے + جب انگریزی تعلیم کا رواج ہُوا تو ہمارے ہم وطن تعلیم یافتہ اکثر انگریزی میں بات چیت اور خط و کتابت کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں، اگرچہ پہلا سا خبط اب نہیں رہا۔ اور جنھیں توفیق ہوتی ہے انگریزی میں تصنیف تالیف بھی کرتے ہیں۔ انگریزی حکومت کا کوئی قانون ایسا نہیں کہ سوائے انگریزی کے کسی دیسی یا دُوسری زبان میں تالیف نہ کی جائے۔ لوگ یہ سب کچھ اپنے شوق سے کرتے ہیں۔ بعینہٖ

---

[1] حیاتِ جاوید، صفحہ ۱۴۰

Marfat.com

یہی حال مغلوں کی حکومت میں تھا جب کہ یہاں فارسی کا رواج ہوا مغلوں کی حکومت میں ہندستان کی کایا بدل گئی۔ وہ اس ملک میں اپنے ساتھ نئے آئین اور نئے اصولِ حکومت اور نیا مذہب لائے۔ انھوں نے نئی تنظیم اور نئی حکمت کو رواج دیا اور نئے تمدن اور نئی تہذیب اور نئی معاشرت کا دور شروع ہوا، نئے آدابِ مجلس، نئے رسم و رواج اور نئے ذوق نے رواج پایا۔ ان کے ساتھ طرح طرح کے کپڑے، قالین اور فرش فروش سامانِ آسایش، نئے آلاتِ جنگ، نئے پھول اور پھل اور نئے قسم کے کھانے، نئی قسم کی صناعی۔ نئی قسم کی اصطلاحات اور الفاظ یہاں آئے اور رائج ہوئے۔ انھوں نے یہاں کے حالات میں ایک عجیب تغیر پیدا کر دیا اور سارے ماحول میں ایک نیا رنگ روپ نظر آنے لگا۔ اس جدید ذوق، اس جدید تہذیب اور جدید خیالات کے ادا کرنے کے لیے جو اس ماحول میں ساری تھے، سوائے فارسی کے کوئی دوسری زبان نہ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ اس زبان میں شیرینی، لچک، وسعت تھی، الفاظ و اصطلاحات کا ذخیرہ موجود تھا اور بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے بیان کے سلنچے تیار تھے۔ دوسرے اس میں لکھنے سے تحریر اہلِ بصیرت اور اصحابِ ذوق کی نظر سے گزرتی تھی اور ہندستان ہی میں نہیں اس سے باہر بھی پہنچتی تھی اور تحسین حاصل کرتی تھی۔ تیسرے، رواج کی پابندی اور ماحول کا اثر خود بہ خود اس طرف کھینچ لاتا تھا۔ چوتھے اس میں کسی قدر شخصیت کا بھی شائبہ تھا۔ اس میں ہندو مسلمان سب برابر تھے، دونوں کی تحریریں [illegible] فقرہ بھر فرق نہیں پایا جاتا۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ مغلوں نے فارسی سیکھنے کے لیے جبر کر رکھا تھا۔ ان کے عہد میں علم اور زبان کی عام

Marfat.com

آزادی تھی، بلکہ انھوں نے سنسکرت اور دُوسری دیسی زبانوں کی بڑی سرپرستی کی جس کی وجہ سے انھیں بہت فروغ ہُوا۔ چناں چہ ان کے عہد میں سنسکرت کے اعلیٰ مصنّف اور سنسکرت اور ہندی کے بہت سے نامور شاعر ہوئے ہیں۔ فارسی کی طرف یہ عام رجحان جدید حالات اور ماحول کا نتیجہ تھا۔ ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں زبان کے معاملے میں اکثر رواداری کا برتاؤ تھا اور لوگ غیر زبان بولنے اور غیر زبان لکھنے میں نہیں جھجکتے تھے۔

لیکن یہ آزادی اور رواداری دنیا میں زیادہ مدت تک نہیں رہی۔ ایک زمانہ آیا جب کہ مذہب اور عقیدے کی طرح زبان بھی سیاسی لپیٹ میں آگئی۔ جرمنوں نے فرانسیسیوں کی نفرت کی وجہ سے فرانسیسی اور دُوسری زبانوں کے لفظ اپنی زبان سے اسی طرح خارج کر دینے شروع کر دیے جیسے آج وہ یہودیوں کو اپنے ملک سے جلاوطن کر رہے ہیں۔ اسی طرح سیواجی کے زمانے میں مرہٹی زبان سے عربی فارسی کے الفاظ نکال دینے کی کوشش کی گئی۔ آئرلینڈ میں محض انگریزی کی مخالفت میں آئرش زبان کے زندہ کرنے کی جدّوجہد جاری ہے۔ ترکوں نے اپنی زبان سے غیر زبانوں کے لفظ نکالنا شروع کر دیے ہیں۔ ایران میں پہلے بھی ایک کوشش ہوئی لیکن ناکام رہی۔ اب وہ پھر ترکوں کی طرح غیر زبانوں کے الفاظ نکال دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ زبان کے لیے اب لڑائیاں چھڑ جاتی ہیں، دُوسری زبانوں کو مٹانے اور فنا کرنے کے لیے جابرانہ احکام اور آئین نافذ کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ شہروں اور مقاموں تک کے نام بدل دیے جاتے ہیں۔

زبان اور قومیت اب تک ایک دوسرے کا جزو لاینفک سمجھے جاتے ہیں اور جب اس کے ساتھ مذہب بھی آ شریک ہوتا ہے تو یہ بادۂ تلخ دو آتشہ

Marfat.com

ہوجاتا ہے۔

یہی صورت ہندستان میں پیش آئی۔ سنہ ۵۷ء کے بعد کمپنی بہادر برخاست ہوئی۔ انگریزی راج آیا، حالات نے پلٹا کھایا، جدید قانون نافذ ہوئے، جو آگے تھے پیچھے اور جو پیچھے تھے آگے ہو گئے۔ چند ہی سال بعد قومیت کا خیال جو سارے یورپ پر چھایا ہوا تھا اُڑتا ہوا یہاں بھی پہنچا۔ ریل اور تار کی حیرت انگیز اختراعوں، کالجوں کی تعلیم، آزادی اور حبِ وطن کی تقریروں اور تحریروں، انگریزی انصاف پسندی کے اعتقاد نے قومیت اور وطنیت کے جذبے کو اور اُکسایا۔ خاص کر ہنود اس سے زیادہ متاثر ہوئے، وہ اس نئے دَور کو اپنے حق میں آزادی کا دَور سمجھے، اس کے ساتھ ہی اپنی شان دار قومیت اور ماضی کے فخر نے بھی دلوں میں نیا جوش پیدا کیا جسے میکس مولر نے اُبھارا اور جس سے بعد میں اینی بزانٹ نے خوب کام لیا۔ لیکن سب سے زیادہ مستحکم طور پر یہ خیال سوامی دیانند سرسوتی نے دلوں میں جمایا۔ گروکل قائم ہوئے جس میں سنسکرت پڑھنا اور سنسکرت بولنا لازم تھا، ویدک زمانے کی معاشرت کی نقل کی جانے لگی۔ ننگے پاؤں پھرنا، ایک بے سلی چادر اوڑھنا لپیٹنا، جنگلوں میں رہنا۔ زیرِ سما سونا وغیرہ وغیرہ قومی شعار قرار پایا۔ اسی قومیت کے جذبے، مقدس قدامت اور ماضی کے غرور، نام نہاد نئی آزادی اور نئی تعلیم نے اس میں نشے کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ وہ طرح طرح سے اپنی نئی حیثیت اور انفرادیت جتانے لگے اور جس طرح ایک بے وقوف عورت نے اپنی خوب صورت انگوٹھی دکھانے کی خاطر گھر کو آگ لگا دی تھی انھوں نے بھی بنے بنائے گھر کو بگاڑنا شروع کیا۔ سب سے پہلے نزلہ اُردو زبان پر گرا۔ اس کا سب سے

Marfat.com

بڑا قصور یہ تھا کہ یہ اسلامی عہد کی پیداوار تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں اس نے جنم لیا لیکن صرف مسلمان اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت اس زمانے کے ماحول اور اس تمدن اور تہذیب کی مخلوق تھی جو مسلمانوں کے آنے کے بعد ہندستان میں رونما ہوئی اور جس میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہیں اور اُردو کے بنانے میں تو یہ میرا ذاتی خیال ہے ہندو شریکِ غالب تھے۔ اور چوں کہ یہ اس ماحول میں پیدا ہوئی جس کی تعمیر ہندو مسلمان دونوں کے ہاتھوں سے ہوئی اس لیے اس میں بہ نسبت کسی دوسری ہندی زبان کے عربی فارسی کے الفاظ زیادہ تھے۔ اور وہ بھی سب ملا کر کتنے ؟ بہ قول مولانا حالی "جتنا آٹے میں نمک"۔ حیرت ہے کہ آریا اس مُلک میں آئیں اور ہندی کہلائیں، مغل، ترک، عرب یہاں آباد ہوں اور ہندستانی بن جائیں، اور بیسیوں قومیں یہاں آئیں اور دیسی ہو جائیں لیکن بہ قول عورتوں کے "جنم جلے" لفظ ہی ایسے ہیں جو صدہا سال رہنے سہنے کے بعد بھی غیر کے غیر ہی رہے اور اپنے نہ ہونے پائے۔ اب انھیں محض اس شبہے پر کُرید کُرید کر اور اُکھیڑ اکھیڑ کر نکالنا نادانی نہیں دیوانہ پن ہے۔ قومی غرور میں اکثر ایسا ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔ مثلاً جرمنوں نے لفظوں پر مشق کرتے کرتے انسانوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ حال آں کہ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ جب لفظ ہماری زبان میں آگیا اور رس بس گیا تو وہ غیر زبان کا نہیں رہتا۔ ہمارا ہو جاتا ہے۔ اسے اگر ہم نکال دیں تو سوائے ہماری زبان کے اس کا کہیں ٹھکانا نہیں رہتا۔ دوسری زبان میں چلے جانے سے نہ اس کی وہ پہلی سی صورت اور چہرہ مُہرہ رہتا ہے اور نہ میٹھا د

Marfat.com

خصلت ہو وہ مگر اپنی اصلی زبان کی طرف جائے گا تو پہچان بھی نہ پڑے گا اور کوئی اسے وہاں گھسنے نہ دے گا۔ اس کے علاوہ اصل زبان کا اس میں کوئی کوئی نقصان نہیں، نقصان ہے تو اس زبان کا جس میں یہ آکر بس گئے تھے اور جن کی وجہ سے اُس زبان کی رونق، وسعت اور قوتِ اظہار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

زبان کی یہی گت اس ہندی اُردو جھگڑے میں بنی۔ عربی، فارسی ہی کے نہیں بلکہ ہندی کے معمولی لفظ بھی جو عام طور پر بول چال میں رائج ہیں خارج اور ان کی جگہ سنسکرت کے اصل لفظ داخل کیے جا رہے ہیں۔ یہ زبان کا بنانا نہیں، بگاڑنا ہے۔

بعض حضرات نے اس نزاع کا الزام سر سید احمد خاں کے سر تھوپا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جب سر سید نے انڈین نیشنل کانگرس کی مخالفت کی تو ہندی اُردو کا جھگڑا پیدا ہوا۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب یہ جھگڑا اٹھا ہے تو اُس وقت کانگرس کا وجود بھی نہ تھا۔ اس کے متعلق خود سر سید کا بیان موجود ہے، ہم اسے کیوں نہ دیکھیں۔ وہ علی گڑھ کی تعلیمی سروے میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح میں کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندو صاحبوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشہی ہندستان کی باقی ماندہ نشانی ہے، مٹا دیا جائے اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان باہم متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا

Marfat.com

کام نہیں کر سکتے۔ میں نہایت درستی اور اپنے تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہوا ہے، اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔" جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے، اس کی ابتدا سنہ ۱۸۶۷ء میں بنارس ہوئی اور ایسے برے وقت ہوئی کہ اب تک ختم ہونے کو نہیں آئی، بلکہ دن بہ دن زور پکڑتی جاتی ہے۔ لیکن اس وقت بھی بعض منصف مزاج اور عاقبت اندیش ہندو اہلِ قلم نے اس نئی تحریک کی مخالفت کی، چناں چہ سنہ ۱۸۶۹ء میں منشی حکم چند پروفیسر دہلی کالج نے ایک مدلل اور محققانہ مضمون اس کی مخالفت میں لکھا۔ پروفیسر موصوف زبانوں کی حقیقت اور ارتقا وغیرہ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خالص زبان اور میل والی (مخلوط) زبان میں کیا خاص فرق ہے اور اوّل الذکر کو ثانی الذکر کے مقابلے میں کیوں خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا دنیا میں کوئی زبان بھی ایسی کہی جا سکتی ہے جس میں بدیسی الفاظ شامل نہ ہو گئے ہوں؟ اگر کوئی ایسی زبان موجود ہو تو اس کو ترجیح کی کوئی وجہ نہیں میل والی زبان میں اجنبی الفاظ کچھ عرصے کے استعمال کے بعد کھپ جاتے ہیں اور مقامی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور اس میل والی زبان کو بھی ہم خالص زبان کہہ سکتے ہیں۔ دراصل یہ تمام امور اُردو زبان کی بحث سے خارج ہیں اس واسطے کہ اُردو ایک زندہ زبان ہے اور اس قدر زمانے سے ہندستان میں استعمال کی جا رہی ہے کہ اس کو ترک کرنے کا سوال ہی نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ یہ بحث بالکل بے نتیجہ ہے کہ آیا اُردو ایک خالص زبان ہے یا اس میں دوسری زبانوں کا بھی میل ہے۔ اب ہندو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس جگہ ہندی کو رواج دیں جس کا استعمال عرصے سے ترک کر دیا گیا

Marfat.com

ہے اور جس کی حیثیت اب ایسی ہی ہے جیسی کہ سنسکرت کی۔ ایک زمانہ تھا جب دِلّی والے جامہ پہنا کرتے تھے، لیکن اب لوگوں نے یہ لباس ترک کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی یہ لباس پہن کر بازار میں جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ اکثر لوگ بہروپ سے تعبیر کریں گے۔ زبانوں کا بھی یہی حال ہے۔ اب اگر آپ "بدن" کی جگہ "شریر" اور "شیر" کی جگہ "سنگھ" استعمال کریں تو لوگ آپ کی بات سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ فارسی رسم خط کی جگہ جوناگری رسم خط استعمال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کا بھی یہی حال ہے۔ دراصل اگر ایک دفعہ بدیسی الفاظ کسی زبان میں چل جائیں تو زبان خالص بنانے کے لیے انھیں بے دخل نہیں کیا جا سکتا اور نہ رسم خط بدلا جا سکتا ہے۔ فردوسی نے 'شاہ نامے' میں عربی الفاظ استعمال نہیں کیے لیکن کیا دُوسرے فارسی شعرا جیسے خاقانی، انوری، نظامی وغیرہ اس کا تتبع کر سکے؟ برخلاف اسکے ان کے یہاں کثرت سے عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس اصول پر ہم اُردو میں عربی، فارسی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں؟ شہروں میں ہر چھوٹا بڑا اُردو بولتا ہے اور سرکاری دفاتر میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، اُردو میں اخبارات کی بڑی تعداد شائع ہوتی ہے اور تعداد میں ہر روز مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اُردو میں دوسری زبانوں کے مطالب بیان کرنے کی بہ درجۂ اتم صلاحیت پائی جاتی ہے" ؎

اسی زمانے میں گارساں دتاسی لکھتے ہیں کہ "باوجود ان مباحث کے جن کی نسبت ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اُردو ہندستان کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے مسلّم ہے۔ ڈیوک آف اڈنبرا نے اسی زبان میں اپنے دوران سفر میں تقریریں کیں اور اسی زبان میں ڈیوک موصوف کی تعریف و توصیف میں قصیدے

Marfat.com

لکھے گئے۔ آج کل ساؤتھ کنزنگٹن میوزیم میں شہزادہ البرٹ کی جو نمائش ہو رہی ہے اس کے نیچے اُردو زبان میں کتبہ لکھا گیا ہے" ۔

اسی مضمون میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "اگرچہ صوبہ بنگال کی زبان بنگالی ہے لیکن اُردو جیسا کہ میں پیشتر یہ وضاحت بیان کر چکا ہوں وہاں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ چناں چہ راجا کالی کرشن پرشاد نے حال میں ملکۂ وکٹوریہ کی سال گرہ کے موقع پر سنسکرت میں جو نظم لکھی تھی اس کا اُردو میں ہی ترجمہ شائع کیا ہے، جس کی ایک نقل انھوں نے مجھے بھی بھیجی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ موصوف نے اس کا بنگالی میں ترجمہ شایع نہیں کیا" ۔

پھر لکھتے ہیں "اگر کوئی ہندو اسلامی حکومت کو بُرا کہے اور انگریزی نظم ونسق کا مدّاح ہو تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن عربی، فارسی اور اُردو جیسی زبانوں کے ساتھ تعصب برتنا کسی طرح بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ بابو شیو پرشاد جیسے عالم فاضل شخص سے مجھے اس کی توقع نہ تھی، اس لیے ان کی تحریر دیکھ کر مجھے تعجّب ہُوا۔ بابو صاحب خود اُردو نہایت عمدہ لکھتے ہیں اور متعدد تصانیف اس زبان میں شایع کر چکے ہیں۔ یہ خواہش کرنا کہ ہندوستان میں سوائے سنسکرت، ہندی یا انگریزی کے اور کسی زبان کی تحصیل ہی نہ کی جائے، میرے خیال میں تنگ نظری پر دلالت کرتا ہے۔ میں سید احمد خاں کی طرح اس باب میں زیادہ دسیع مشرب واقع ہُوا ہوں"۔

اُس زمانے میں اس نئی تحریک پر بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں اور دونوں فریق نے تائید و تردید میں خوب خوب دل کا بخار نکالا۔ اس زمانے کا کوئی اخبار یا رسالہ شاید ہی اس بحث سے خالی ہو۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے

Marfat.com

لیے یہ بحث دھیمی پڑگئی اور لوگ سیاسی اور معاشرتی مسائل کی طرف متوجہ ہوگئے لیکن سر انٹونی میکڈانل کے عہد جبرِ دست عہد میں اس دبی آگ کو پھونکیں مار مار کر سُلگایا گیا۔ اور ابھی کچھ دلوں دم نہ لینے پائے تھے کہ شدھی اور سنگھٹن نے وہ شعلے بھڑکائے جن کی آنچ اب تک کم نہیں ہوئی ہے۔

انگریز بہت خوش اقبال ہے کہ ہر قرن اور ہر دور میں کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل آتی ہے کہ ہم آپس میں کٹ مرتے ہیں اور وہ اس کے مزے لیتا ہے۔

رشید احمد صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ ہیں کہ میں ہندی اُردو کے قضیے سے بیزار ہوں۔ اُن سے زیادہ میں بیزار ہوں، میں اب سے پہلے کبھی اس بحث میں نہیں پڑا تھا، یہ میرے شعار کے خلاف تھا بلکہ جہاں کہیں میں نے ضرورت سمجھی ہندی کی حمایت ہی کی۔ جامعہ عثمانیہ میں ہندی کے رواج دینے میں تھوڑی سی میری ناچیز کوشش کو بھی دخل تھا۔ تین سال کا ذکر ہے کہ جب مدراس میں بعض پروفیسروں اور دیگر صاحبِ ذوق اصحاب نے اُردو اکاڈیمی کی بنیاد ڈالی تو اس وقت احاطۂ مدراس میں ہندی کی اشاعت اور پروپیگنڈے کا بھی ذکر آیا تو میں نے یہی کہا کہ ہمیں ہرگز اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، جس قدر ان میں ہندی کا زیادہ رواج ہوگا اسی قدر وہ ہم سے زیادہ قریب ہوجائیں گے، کیوں کہ ہندی سے زیادہ ہندستان کی کوئی زبان اُردو سے زیادہ قریب بلکہ اقرب نہیں ہے (افسوس ہے کہ مجھے قربت کا لفظ استعمال کرنا پڑا جس سے دوئی کی بو آتی ہے، حال آں کہ کچھ پہلے ہماری ایک ہی زبان تھی)، لیکن جب میں نے دیکھا کہ واقعات کا خون کیا جارہا ہے اور دانستہ یا نادانستہ طرح طرح کی غلط بیانیاں پھیلائی جارہی ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے جھجکتے جھجکتے اپنی طبیعت کے خلاف

Marfat.com

اپنی کم زور آواز اور اس سے بھی کم زور اپنے قلم سے کسی قدر کام لیا مجبوری میں آدمی کو کبھی کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔

حال میں اس معاملے میں دو قسم کی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں ایک یہ کہ ہندی دو ہزار برس سے یہاں جاری ہے اور یہی ہندستانی زبان ہونی چاہیے۔ ہندی کا لفظ عام ہے۔ اس کا اطلاق برج بھاشا، اودھی، بندیلی، بگھیلی، راجستانی، بھوج پوری، میتھلی، چھتیس گڑھی وغیرہ وغیرہ پر اُسی طرح ہوتا ہے جس طرح اُردو پر ہوتا ہے کہ وہ بھی ایک زمانے میں ہندی کہلاتی تھی۔ مگر وہ ہندی جس کی خاطر یہ سارا طوفان برپا کیا گیا ہے اس کی پیدایش کو یہ قول شخصے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوتے ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے (خدا ان کی ارواح کو شرمائے) بیٹھے بٹھائے بلا وجہ اور بغیر ضرورت یہ شوشہ چھوڑا۔ للوجی لال نے جو اُردو کے زبان دان اور اُردو کتابوں کے مصنف بھی تھے، اس کی بنا ڈالی، وہ اس طرح کہ اُردو کی بعض کتابیں لے کر انھوں نے ان میں سے عربی، فارسی لفظ چُن چُن کر الگ نکال دیے اور ان کی جگہ سنسکرت اور ہندی کے نامانوس لفظ جما دیے۔ لیجیے ہندی بن گئی۔ جدید ہندی کی تاریخ سے جو واقف ہیں وہ سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ابتدا اسی طرح سے ہوئی۔ یہاں میں بہ خوفِ طوالت ان رایوں کو نقل نہیں کرنا چاہتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مشکل ہے اور بھدی ہے۔ فٹز ایڈورڈ ہال ایک جید عالم گزرے ہیں اور ہندی زبان کے بڑے حامیوں میں سے تھے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ "ہندی زبان جیسی کہ وہ آج کل مستعمل ہے در اصل بالکل جدید زبان ہے اور انیسویں صدی کے خاتمے پر جو ہندی رائج ہوگی وہ بہت مختلف ہو جائے گی۔" ان کی پیشین گوئی حرف

Marfat.com

یہ حرف صحیح نکلی۔؟

دوسری غلط بیانی یہ کی گئی کہ اُردو کو مسلمان بادشاہوں نے حکومت کے زور سے پھیلایا اور اُس وقت ہندوؤں نے بہ حالتِ مجبوری سیاسی مصلحت سے قبول کرلیا۔ یہ بیان سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات اگر کوئی اور کہتا تو قابلِ التفات نہ ہوتی لیکن یہ الفاظ ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہیں جو اُردو اور ہندی دونوں کا مسلّم ادیب تھا اور اپنے اخلاق اور سیرت کے لحاظ سے معمولی آدمی نہ تھا۔ اس لیے اور بھی زیادہ تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ اُردو زبان کی تاریخ ایسی صاف اور کھلی چیز ہے کہ اس پر بحث کرنے یا اس بیان کی تردید کرنے کی مطلق ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مسلمان بادشاہوں کے دربار اور دفتر کی زبان ہمیشہ فارسی رہی، اُن کو اتنی توفیق ہی نہ ہوئی کہ وہ غریب اُردو کی طرف توجہ فرماتے اور توجہ کی تو کس وقت؟ جب نہ سلطنت رہی، نہ حکومت، اور ظاہر ہے ایسے وقت میں ان کا اثر ہی کیا ہوسکتا تھا۔ اُردو زبان جدید ہندی کی طرح کسی نے بنائی نہیں وہ تو خود بہ خود بن گئی اور ان قدرتی حالات نے بنائی جن پر کسی کو قدرت نہ تھی۔ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے اور اگر ہندوؤں کی اس میں شرکت نہ ہوتی تو یہ وجود ہی میں نہیں آسکتی تھی۔ مسلمان بادشاہوں پر یوں تو بہت سے الزام عائد کیے گئے ہیں لیکن یہ بالکل نیا الزام ہے اور حال ہی میں گھڑا گیا ہے۔

حضرات! اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اُردو کی مقبولیت کے کیا اسباب ہوئے۔ سب سے بڑی وجہ اس کی مقبولیتِ عام کی یہ ہوئی کہ اس کی بنیاد عوام کی زبان پر رکھی گئی تھی جو بول چال کی زبان تھی۔ خود

Marfat.com

اُردو کا لفظ ہی اس کی اصل اور ابتدا کا پتا دیتا ہے۔ اس وقت جتنی شائستہ اور اعلیٰ درجے کی زبانیں ہیں جن کی دھاک ساری دنیا پر بیٹھی ہوئی ہے وہ ایک وقت میں عوام کی معمولی بولیاں تھیں اور حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں، یہاں تک کہ خود اہلِ زبان اس میں لکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بعینہٖ یہی حال پہلے پہلے اُردو کا بھی تھا۔ اس کے بولنے والے بھی اس میں لکھتے ہوئے ہچکچاتے تھے اور جو کبھی کوئی لکھتا اور وہ بھی مذہبی ضرورت سے ہوتا تھا تو پہلے معذرت کرتا کہ چوں کہ سب عربی فارسی نہیں جانتے اس لیے ان کی خاطر سے اس زبان میں لکھ رہا ہوں۔ لیکن آخر یہی عوام کی بولی رفتہ رفتہ شائستہ اور ادبی زبان بن گئی اور اب تک اس کا تعلق برابر عوام کی بولی سے رہا۔ میں نے جو بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے جلسے میں یہ کہا تھا کہ اُردو میں ہندی زبان کے الفاظ اور محاورے اور امثال جدید ہندی کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں تو یہ میں نے محض دھونس بٹھانے کے لیے نہیں کہا تھا بلکہ یہ امرِ واقعی ہے۔ ادبی زبان بننے پر بھی وہ عوام کی بولی سے جُدا نہیں ہوئی، برخلاف جدید ہندی کے لفظ موجود تھے اور بعد میں بھی ہم نے ہندی سے نئے لفظ لینے میں بُخل نہیں کیا۔ عوام کی زبان مثل قلب کے ہے جس سے تمام اعضا کو خون پہنچتا رہتا ہے اور ان کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ جب تک زبان کو عوام کی بولی سے مدد ملتی رہتی ہے۔ اور وہ عوام کی بولی کا ساتھ دیتی رہتی ہے وہ زندہ اور چونچال رہتی ہے اور جب وقت سے اس کا تعلق عوام کی بولی سے منقطع ہو جاتا ہے تو اسی وقت سے اس پر مُردنی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ یونانی، سنسکرت، لاطینی جو دُنیا کی کامل اور بہترین زبانیں خیال کی جاتی ہیں اسی لیے مُردہ ہو گئیں۔

Marfat.com

البتہ اُردو پر ایک ایسا تاریک زمانہ آیا تھا کہ ہمارے شعرا نے اکثر ہندی لفظوں کو متروک قرار دیا اور ان کی بجائے عربی فارسی کے لفظ بھرنے شروع کیے اور یہی نہیں بلکہ بعض عربی فارسی الفاظ جو بہ تغیر ہیئت یا بہ تغیر تلفظ اُردو میں داخل ہو گئے تھے، انھیں بھی غلط قرار دے کر اصل صورت میں پیش کیا اور اس کا نام "اصلاح زبان" رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تکلف اور تصنع ہمارے ادب پر چھا گئے تھے، شاعری ضلع جگت ہو گئی تھی، سخن وروں نے لفظوں کو کھیل بنا لیا تھا۔ شاعر کا مقصد کچھ کہنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا کام قافیے کی رعایت سے لفظوں کو جما دینا، ان میں صنائع و بدائع کا رنگ بھر دینا، قافیہ ردیف کھپا دینا اور محاوروں کا نباہ دینا رہ گیا تھا۔ اس میلان کی وجہ سے ہماری شاعری رنگ بہ رنگ لفظوں کا ایک ڈھانچا تھی جس پر طرح طرح کی نقاشی کی ہوئی تھی لیکن اس میں جان نہ تھی۔ اور ہماری زبان ایک ایسی زبان ہو گئی تھی کہ اسے بہت کم انسان بولتے تھے۔ غرض اس رنگ نے ہمارے ادب کو بے جان، بے لطف اور بے اثر بنا دیا تھا :

لیکن یہ دورِ تاریکی چند روزہ تھا، اس کے رفع کرنے میں سب سے بڑا کام سید احمد خاں نے کیا۔ اس تحریروں نے ہمارے ادب میں نئی جان ڈال دی۔ اگرچہ اس کی زبان اور اس کا انداز بیان سادہ تھا لیکن اس میں فصاحت، اثر اور قوت تھی۔ اس نے علمی اور سنجیدہ مضامین لکھنے کا نیا ڈول ڈالا اور موافق و مخالف دونوں نے اس کی پیروی کی۔ اور اس کے رفقا یعنی نذیر احمد، شبلی، حالی اور ذکاء اللہ خاں وغیرہ نے اسے اور چمکایا اور بڑھایا۔ سید احمد خاں کا اُردو پر بڑا احسان ہے۔

Marfat.com

اس نے صرف ہمارے ادب ہی کو نہیں بنایا اور سنوارا بلکہ ہر موقع پر جب ضرورت پڑی اس کی حمایت کی اور اس پر آنچ نہ آنے دی. سرسید کی وجہ سے اب اُردو ادب کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا ہے جو "علی گڑھ اسکول" کے نام سے موسوم ہے۔

اس نئے اسکول نے پھر عام بول چال کی طرف رجوع کی اور خاص کر نذیر احمد، حالی، آزاد، ذکاء اللہ نے ان الفاظ کو جو گھروں کے کونوں کھدروں گلیوں بازاروں اور کھیتوں میں کس مپرسی کی حالت میں پڑے تھے چن چن کر نکالا انھیں جھاڑا پونچھا، صاف کیا، جلا دی اور ان میں سے بہت سے اچھوتوں کو مسندِ عزت پر لا بٹھایا. اس نئے خون نے جو ہمیشہ ہماری زبان کی رگ دپے میں پہنچتا رہا ہے، ہمارے ادب کی رونق اور تازگی کو دوبالا کر دیا۔

حضرات! اُردو کی مقبولیت کی ایک اور وجہ بھی ہوئی جو قابلِ غور ہے۔ جس وقت یہ زبان وجود میں آئی تو ملک میں جتنی بولیاں مروج تھیں وہ سب اپنے چھوٹے چھوٹے رقبوں اور حلقوں میں محدود تھیں، یہ زبان قدرت سے ایسے ماحول اور ایسے حالات اور اس قسم کے اثرات کے تحت بنی تھی اور اس طرح سے اس کی ترکیب عمل میں آئی تھی کہ وہ خود بہ خود ملک کے اکثر خطوں میں پھیلتی گئی اور لوگ اسے قبول کرتے چلے گئے۔ ملک میں کوئی دوسری بولی یا زبان ایسی نہ تھی جو اس کا مقابلہ کرتی اور جتنی بولیاں یا زبانیں تھیں وہ اپنے حلقے سے باہر نہ بولی جاتی تھیں اور نہ سمجھی جاتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ جب اہلِ یورپ اور خصوصاً انگریز اس ملک میں آئے تو انھوں نے اسے ہندستانی یعنی ہندستان کی زبان سے موسوم کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب فارسی کی بجائے اُردو سرکاری دفاتر کی زبان قرار پائی تو کسی نے اختلاف نہ کیا۔ اختلاف ہوتا تو

Marfat.com

کس بنا پر ؛ کوئی دوسری زبان ایسی تھی ہی نہیں جو ہندستانی ہونے کا دعویٰ کرتی ؛

اُردو زبان کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جس پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ وہ عورتوں کی زبان ہے۔ یوں تو دُنیا میں اور بھی زبانیں ہیں جن میں مردوں اور عورتوں کی بول چال میں کچھ کچھ فرق ہے لیکن اُردو زبان میں یہ امتیاز بہت نمایاں اور گہرا ہے۔ اُردو نے جس خطّے میں جنم لیا یا جہاں جہاں اس نے زیادہ رواج پایا وہاں پردے کی رسم رائج رہی ہے۔ اسی وجہ سے مردوں اور عورتوں کی معاشرت میں بہت کچھ فرق پیدا ہوگیا۔ عورتوں کے الفاظ اور محاورے اور ان کا طرزِ بیان اور بول چال بھی بہت کچھ الگ ہوگئی۔ عورتوں کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے وہ انسانوں یا چیزوں میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی خوبیاں یا کم زوریاں دیکھ لیتی ہیں جن پر مردوں کی نظر نہیں پڑتی۔ پردے میں رہنے کی وجہ سے ان کا سارا وقت امورِ خانہ داری، بال بچّوں کی پرورش اور نگہداشت، شادی بیاہ، رسم ورواج کی پابندی اور ان کے متعلق جتنے معاملات ہیں اس میں صرف ہوتا ہے اور اس اقلیم میں ان کی عمل داری کامل ہوتی ہے۔ پھر ان کی زبان اور لہجے میں قدرتی لطافت نزاکت اور لوچ ہوتا ہے اس لیے انھوں نے اپنے تعلقات کے لحاظ سے جو طرح طرح کے لفظ، محاورے اور مثلیں بنائی ہیں وہ بڑی لطیف نازک خوب صورت اور سبک ہیں۔ وہ گیت جو عورتوں نے بنائے ہیں۔ بہت ہی پرلطف اور دل کش ہیں اور نفسیاتی اعتبار سے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں۔ ایسے الفاظ جن کا زبان سے نکالنا بدتمیزی سمجھا جاتا ہے یا جن کے کہنے میں شرم و حجاب مانع ہوتا ہے، عورتیں ایسے الفاظ نہیں بولتیں بلکہ وہ اس مفہوم کو لطیف

Marfat.com

پیرائے میں یا تشبیہ اور استعارے کے رنگ میں بڑی خوب صورتی سے بیان کر جاتی ہیں۔ عربی فارسی کے ثقیل الفاظ جن کا تلفظ آسانی سے ادا نہیں ہوتا وہ انھیں بہت سڈول بنا لیتی ہیں، بعض اوقات ان کے معنے تک بدل جاتے ہیں اور وہ خالص اُردو کے لفظ ہو جاتے ہیں۔ ہماری عورتوں کے الفاظ اور محاورے وغیرہ زیادہ تر ہندی ہیں یا عربی فارسی کے لفظ ہیں تو انھیں ایسا تراشا ہے کہ ان میں اُردو کی چمک دمک پیدا ہو گئی ہے۔ اب جدید حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ جہاں ہماری اور بہت سی عزیز چیزیں مٹی جاتی ہیں یہ لطیف زبان بھی مٹتی جاتی ہے۔ ریختی گو شعرا کا بڑا احسان ہے (اگرچہ ان میں سے بعض نے بہت کچھ فحش بھی بکا ہے) کہ انھوں نے اس زبان کو محفوظ کر دیا ہے۔ اس زبان کے سیکڑوں ہزاروں الفاظ اور محاورے اور مثلیں ادبی زبان میں آ گئی ہیں اور ہمارے ادب کی زیب و زینت ہیں۔ اس زمانے میں نذیر احمد، حالی، سید احمد دہلوی، راشد الخیری اور بعض دیگر اصحاب کی بدولت صنف نازک کی اس پاکیزہ زبان کا اکثر حصہ ہمارا مشترکہ سرمایہ ہو گیا ہے۔ اس کے اضافے سے ہماری زبان میں شگفتگی اور حسن ہی نہیں پیدا ہوا بلکہ اسے مقبولیت بھی حاصل ہوئی:

حضرات! آج کل ہر طرف سے یہ آواز سنائی دی جا رہی ہے کہ "سادہ زبان لکھو۔ سہل لکھو" گویا سادہ اور سہل لکھنا معمولی بات ہے۔ ایک ادیب کا قول ہے کہ "ایک اعلیٰ درجے کے باکمال شخص اور ایک احمق میں صرف ایک ہی چیز مشترک ہے اور وہ ہے سادگی"۔ ایسی سادہ زبان لکھنا جس میں سلاست کے ساتھ لطفِ بیان اور اثر بھی ہو، صرف باکمال ادیب کا کام ہے۔ محض سیدھے سادے لفظ جمع کر دینا اور سپاٹ، بے لطف، بے جان

Marfat.com

تحریر لکھنا نہ لکھنے سے بدتر ہے۔ ہر شخص کا طرز اور اسلوبِ بیان جدا ہوتا ہے ادب و شعر میں کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا کہ یوں نہیں یوں لکھو۔ حکم سے یا فرمایش سے کسی کو سادہ لکھنا نہیں آ سکتا۔ زبان میں ہر قسم کے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مضمون یا مقتضائے حال کے مطابق جو الفاظ موزوں اور بر محل ہوں، استعمال کرے۔ جب ہم کسی بچے یا کسی گنوار سے باتیں کرتے ہیں یا بچوں کے لیے کوئی کتاب لکھتے ہیں تو خود بہ خود سادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ سادہ یا مشکل، فصیح یا سلیس لکھنا حالات اور ضرورت پر منحصر ہے اور زیادہ تر لکھنے والے پر اس کا انحصار ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور کس سے کہنا چاہتا ہے ہماری زبان ہیں عوام سے ان پڑھ لوگوں سے، گنواروں سے، سپاہیوں سے پہنچی ہے اور اس لیے اس کا تعلق کبھی عوام سے منقطع نہیں ہونا چاہیے۔ بڑا آدمی وہ ہے جس کی آواز سیکڑوں، ہزاروں تک پہنچتی ہے اور اس سے بھی بڑا وہ ہے جس کی آواز لاکھوں کروڑوں تک پہنچتی ہے اور دنیا میں سب سے بڑا وہ ہے جس کی آواز تمام بنی نوع انسان تک پہنچ سکتی ہے جس کا پیام جس قدر سادہ الفاظ میں ہوگا اسی قدر زیادہ انسانوں تک پہنچے گا۔ سید احمد خاں بڑا شخص ہوا ہے کیوں کہ اس کی آواز لاکھوں آدمیوں تک پہنچتی تھی، اس لیے کہ اس کی تحریر سادہ، پر اثر اور پُر خلوص تھی۔ اگر ہم میں اپنے بھائیوں کا درد ہے تو ہماری تقریر اور تحریر ضرور سادہ اور سہل ہوگی۔ لیکن بے چارے ادیب یا مصنّف ہی کی گردن دبانا کہ "تو سہل لکھ" ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں دوسرے پہلو کو بھی دیکھنا چاہیے۔ آسان اور مشکل اضافی کلمے ہیں۔ ممکن ہے کہ جو چیز مجھے مشکل معلوم ہوتی ہے وہ آپ کے لیے آسان ہو اور جسے میں آسان سمجھتا ہوں

Marfat.com

وہ آپ کے لیے مشکل ہو۔ انگریزی کی ایک بہت آسان کتاب لیجیے اور اس کا ترجمہ اُردو میں کیجیے۔ اُردو میں آکر یہ آسان کتاب مشکل ہو جاتی ہے کیوں؟ اس لیے کہ اصل کتاب جس ملک والوں کے لیے لکھی گئی تھی وہاں تعلیم عام ہے، پڑھے لکھوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ الفاظ اور محاورے اور اصطلاحیں جو اس کتاب میں آئی ہیں انھیں وہاں بچہ بچہ جانتا ہے۔ اب جو ہم نے اپنی زبان میں ترجمہ کیا تو پڑھے لکھے بھی اسے نہیں سمجھتے، پڑھے لکھے تو رہے ایک طرف بعض وقت خود مترجم نہیں سمجھتا کہ میں نے کیا لکھا ہے اسی لیے جہاں سادہ لکھنے کی فرمائش اور چیخ پکار ہے وہاں اپنے ملک کی جہالت رفع کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے کی بھی کوشش کرنی چاہیے؛ پھر کچھ ناخواندہ طبقہ ذرا اُوپر اٹھے گا اور کچھ ہمارے ادیب اور مصنّف ذرا نیچے جھکیں گے، اس طرح دونوں کے درمیان تفاوت کم رہ جائے گا، اور وہ ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھنے لگیں گے۔

یہ کچھ ایسی مشکل نہیں ہے۔ لیکن ہماری مشکلات اور بھی ہیں اور ان کی طرف اب خاص طور پر توجّہ کی جا رہی ہے۔ مگر اب تک ان کے حل کرنے کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک علمی اصطلاحات کا ترجمہ ہے۔ میں اس کے متعلق بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن یہاں نہ اتنا وقت ہے اور نہ مجھے اتنی فرصت ملی کہ تفصیل سے کچھ لکھتا۔ لیکن اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے جو اصطلاحات کو ہوّا بنا رکھا ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ قدیم زمانے میں پروہتوں اور مذہبی پیشواؤں نے مذہب کو اور اہلِ علم نے علم کو پُراسرار بنا رکھا تھا۔ وہ عام آدمی کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے اور اسی لیے علم ایک خاص طبقے کے قبضے میں

Marfat.com

پہنچتا تھا۔ عام کرنے سے ان کے اقتدار میں فرق آتا تھا۔ اسے قائم رکھنے کے لیے انھوں نے ایسی اصلاحات گھڑلی تھیں جنھیں دیکھتے ہی آدمی مرعوب ہو جائے۔ یہ خیال تو رفتہ رفتہ جاتا رہا لیکن اس کا اثر باقی رہ گیا۔ آپ نے انگریزی میں لاطینی اور یونانی زبانوں سے مشتق اصطلاحیں دیکھی ہوں گی جو کس قدر بے ڈھنگی بے ڈول اور بھیانک ہیں، ہمیں اس کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں اصطلاحات کے لیے ایسے الفاظ رکھنے چاہییں کہ ایک معمولی لکھا پڑھا شخص بھی اس کے کسی جزو سے واقف ہو اور لفظ اور مفہوم میں جو تعلق ہو اُسے تھوڑا بہت پالے۔ اس سے اُسے معنی کے سمجھنے میں بھی آسانی ہوگی اور اصطلاح کے یاد رکھنے میں بھی ؛

اسی طرح رسم الخط اور املا کی اصلاح اور سہل بنانے کا مسئلہ ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے ٹائپ کے بنانے کا مسئلہ ہے جو ہماری زبانوں کے لیے موزوں ہو ؛

یہ سب مسائل ہماری توجہ کے قابل ہیں۔ ہمیں ایک طرف اپنے ادب کو مستحکم اور علوم وفنون سے مالامال کرنا ہے اور دوسری طرف اپنی زبان کی اشاعت منظور ہے۔ اس لیے ان تمام وسائل اور ذرائع پر غور کرنا ہمارا فرض ہے جو ہماری زبان کو زندہ رکھنے اور ترقّی دینے کے لیے ضروری ہیں ان تمام امور پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن انجمن ترقّیٔ اردو ان سب پر غور کر رہی ہے اور ان شاء اللہ جلد ان کو عمل میں لانے کی کوشش کرے گی۔

اگرہمیں یہ یقین ہے کہ ہماری زبان ہی ایسی زبان ہے جو سارے ہندستان

Marfat.com

کی عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے، اگر ہمیں یہ یقین ہے کہ اس میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت ہے، اگر ہم سچے دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زبان ہماری تہذیب اور ہماری زندگی کا جزو ہے تو صاحبو! اگر ہمیں اس کے لیے زیادہ نہیں تو تھوڑا سا تردد، تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑے تو اس سے گریز نہ کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ جب کوئی دوسرا اس کے لیے سرگردانی کے واسطے تیار ہو تو اس کا ہاتھ بٹانے میں دریغ نہ کیا جائے۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت سندھ پراونشل اُردو کانفرنس کراچی

(۳۱ دسمبر سنہ ۳۷ء ۱۹)

یہ زمانہ عجیب و غریب انقلابات و تغیرات اور عجیب و غریب اختراعات و ایجادات کا ہے۔ ہم وہ عجائبات دیکھ رہے ہیں جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تار برقی، ٹیلیفون، ایروپلین اور دوُر بینی (TELEVISION) نے عالم میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ زمان و مکان جن کی وسعت اور بے پایانی انسانی فہم سے بالا ہے آج اس خاک کے پُتلے کے سامنے سکڑ کر رہ گئے ہیں۔ گھر بیٹھے ہزاروں کوس کی تقریریں اس طرح سُنتے اور وہاں کے کھیل تماشے اس طرح دیکھتے ہیں گویا یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ ان ایجادات کی بدولت سفر میں حضر اور حضر میں سفر کا لُطف پیدا ہو گیا ہے۔ آمد و رفت، خط و کتابت، حمل و نقل و تعلیم و تعلم میں دُنیا ایک ہوتی جاتی ہے۔ انسانی دماغ نے یہ تو سب کچھ کیا لیکن زبان کے معاملے میں یہ اب تک عاجز ہے۔ ہر ملک کی الگ الگ زبان اور ہر زبان میں کئی کئی بولیاں ہیں۔ جب دو غیر زبان یا غیر ملک والے ایک جگہ آ ملتے ہیں تو باوجود نطق کے جو قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے گونگے بن جاتے ہیں اور حیرت سے ایک دوُسرے کا منہ تکنے لگتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اشاروں اور ہاتھ آنکھ کے چلانے سے دو ایک موٹی موٹی ضرورتیں پوری کر لیں۔ لیکن نہ معاملات پر گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ اپنے

Marfat.com

دل کی بات دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمدنی، تہذیبی اور علمی ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں کہ دنیا کے پردے پر مختلف حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا فوراً ہم تک پہنچنا ضروری ہے۔ آج کل حالت یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں جلد جلد تغیرات ہو رہے ہیں، نئے نئے اکتشافات، نئی نئی ایجادیں، طرح طرح کے نظریے عمل میں آ رہے ہیں اور ایک ایسے شخص کے لیے جو علم کا پیاسا ہے یا کسی تحقیقات میں مصروف ہے ان معلومات کا فوری علم لازم ہے۔ اور جب تک دوسرے ذرائع یا ترجمے کی وساطت سے یہ معلومات اُس تک پہنچیں دنیا آگے نکل جاتی ہے، یہ پیچھے رہ جاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عمر بھر کی کمائی اکارت جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسان کے بعض ہمدردوں نے اس ابتری اور افراتفری کو دیکھ کر ایک بین اقوامی زبان یا "جگت بھاشا" ایجاد کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوششیں مختلف زمانوں میں ہوئیں اور بڑے اچھے اچھے دماغوں نے اس پر محنت کی لیکن اب تک اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی اور اس نقص کی وجہ سے انسان اب تک بہت سی خامیوں اور ناکامیوں کا شکار بنا ہوا ہے۔

گو کوئی جگت بھاشا اب تک نہیں بنی اور نہ ابھی کوئی توقع ہے لیکن باوجود اس کے جب تجارت، کشور کشائی، جلاوطنی نے مختلف زبانوں کے لوگوں کو ایک جگہ لا ملایا تو باہم متواتر سابقہ پڑنے یا دوسرے دیس میں بس جانے سے ان لوگوں نے ایک دوسرے کی زبانوں کو گڈمڈ کر کے ایک نئی زبان بنا لی اور اسی میں بات چیت، لین دین، کاروبار اور معاملات انجام دینے لگے۔ دنیا میں اس قسم کی متعدد زبانیں ہیں۔ ان میں سے ایک ہماری زبان

Marfat.com

یہی ہندوی، اُردو یا ہندوستانی کے نام سے موسوم ہے جو کسی بادشاہ کے خبط یا کسی حکیم کی حکمت یا کسی خوش فکر کے وہم کا نتیجہ نہیں بلکہ انسانی ضروریات کا اقتضا اس کا باعث ہوا۔

جگت بھاشا نہیں تو نہ سہی، کم سے کم ہمارے پاس ایک ایسی زبان تو ہے جسے ہم "دیش بھاشا" کہہ سکتے ہیں۔ ایک ایسے مُلک میں جہاں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی تھیں اور بولی جاتی ہیں، ایک ایسی زبان کا ہونا لازم تھا۔ قانونِ قدرت نے اپنا کام کیا اور انسانی ضرورت نے اسے لبیک کہا اور رواج نے اسے پھیلایا۔ اس لیے کہ جب اسلامی سلطنت کو یہاں استحکام ہوا، حکومت کو وسعت ہوئی، امن و عافیت میں ترقی ہوئی، مختلف صوبوں میں ربط قائم ہوا، آمد و رفت اور میل جول کی آسانیاں پیدا ہوئیں۔ نئے سامان ظہور میں آئے۔ حالات و خیالات میں تغیر ہوا اور ایک جدید ماحول کا دَور شروع ہوا تو ان حالات اور ماحول کے لیے ایک نئی زبان کی ضرورت واقع ہوئی کیوں کہ اس وقت جتنی زبانیں ہندستان میں رائج تھیں وہ سب اپنے اپنے حلقے میں محدود تھیں اور اس نئی خدمت کے انجام دینے سے قاصر تھیں۔ فارسی ہر چند کہ سرکاری درباری زبان تھی اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہندستان، افغانستان، ایران نیز مملکتِ رُوم تک چھائی ہوئی تھی مگر آخر غیر زبان تھی اور ملکی زبان نہیں ہو سکتی تھی (بعینہٖ جیسے اس وقت انگریزی) اس لیے ایک زبان کی جگہ خالی تھی۔ اس خالی جگہ کو خود بہ خود اس نئی زبان نے پُر کیا جو ضروریاتِ وقت کے لحاظ سے دونوں قوموں یعنی ہندو مسلم کی شرکت اور اتحاد سے بنی تھی۔ یہی ہماری دیش بھاشا ہے۔

Marfat.com

یہی ہماری ملکی اور قومی زبان ہو کیوں کہ اس کی تخلیق کی غرض و غایت یہی تھی۔ اب کوئی دوسری، خواہ نئی ہو یا پرانی، اس سے یہ منصب نہیں چھین سکتی ⁂

اس قسم کی مخلوط زبانوں کے بننے کے دوران میں ایک خاص بات عمل میں آتی ہو جو قابل غور ہو یعنی ان میں سے ہر زبان کو اس خیال سے کہ جانبین کو ایک دوسرے کی بات آسانی سے اور جلد سمجھ میں آسکے اپنی بعض خصوصیات کو ترک کرنا پڑتا ہو اور صرف ایسی صورتیں باقی رکھنی پڑتی ہیں جو یا تو مشترک ہوتی ہیں یا جن کا اختیار کرنا دونوں کے لیے سہل ہوتا ہو اور اس طرح ان میں ایک توازن سا پیدا ہو جاتا ہو جو فریقین کے لیے سہولت کا باعث ہوتا ہو۔ اردو یا ہندستانی کے بننے میں بھی یہی ہوا۔ فریقین یعنی ہندو مسلمان دونوں نے اپنی اپنی زبانوں میں کتر بیونت کی، اپنی مخصوص خصوصیات کو ترک کیا اور اس قربانی کے بعد جو نئی زبان بنی اسے اختیار کیا جو ضرورتِ زمانہ کے مطابق اور حالات کے مناسب تھی اور جو اب ہماری ملکی اور قومی زبان ہو اور ہندستان کی مشترک اور عام زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہو ہم نے اسے قربانی کر کے حاصل کیا ہے اور کسی کا یہ منہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ہم سے اسے چھڑا لے۔

اس قسم کی مخلوط زبانیں دنیا میں جہاں جہاں ہیں ان میں سے اکثر اور غالباً سب کی سب بول چال اور کاروبار کی حد تک کام آتی ہیں۔ یہ امتیاز صرف اردو کو حاصل ہو کہ وہ لشکر اور بازار سے نکل کر مسندِ انشا تک پہنچی، رونقِ محفلِ شعرا ہوئی، علم و ادب کا سہارا بنی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج

Marfat.com

یونی ورسٹی کے اعلیٰ مضامین اور علم کا ذریعۂ تعلیم ہو۔ یہ وہ درجہ ہو جو اب تک ہندستان کی کسی زبان کو حاصل نہیں ہوا؛

کہا جاتا ہو کہ اب نیا زمانہ آگیا ہو، نئے حالات ہو گئے ہیں۔ نئے دور نے جنم لیا ہو، نئے خیالات کی آمد ہو، اس لیے اب زبان بھی نئی ہونی چاہیے۔ بے شک ایک زمانہ ایسا تھا کہ نئے حالات اور خیالات اور جدید ماحول کی وجہ سے بھی ایک جدید زبان کی ضرورت تھی اور وہ اس لیے کہ پہلے سے ملک میں کوئی زبان موجود نہ تھی۔ اب جبکہ ایک زبان بن چکی، ملک میں رائج ہو چکی، ملک کی عام اور مشترک زبان مانی جا چکی تو اس کے ہوتے کسی دوسری زبان کا بنانا سودائے خام اور خیال باطل ہو؛

ہاں یہ ضرور ہو کہ ایک ایسی زبان میں جو ملک بھر کی زبان ہونے کا دعویٰ رکھتی ہو اتنی صلاحیت اور استعداد ہونی چاہیے کہ وہ زمانے کا ساتھ دے سکے اور نئے خیالات اور افکار ادا کر سکے۔ یہ ہر زندہ زبان کے لیے لازم ہو ورنہ وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ صلاحیت اس میں پوری پوری موجود ہو جس کے لیے مجھے اس وقت شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ الفاظ کا ذخیرہ روز بہ روز بڑھتا جاتا ہو۔ نئے نئے اسلوب بیان پیدا ہوتے جاتے ہیں، نظم و نثر کا رنگ بدلتا جاتا ہو، نئی اصطلاحات وضع ہوتی جاتی ہیں، مغربی تصانیف کے ترجمے ہو رہے ہیں، مختلف علوم کی تالیفات کی جا رہی ہیں۔ یہ سب باتیں ہماری زبان کی زندگی پر دلالت کرتی ہیں؛

ایک حکیم کا قول ہو کہ غیر اقوام کے لوگوں کو اپنی قوم میں اس طرح جذب کر لینا کہ اپنے اور غیر میں کوئی امتیاز نہ رہے بلاشبہ بہت مشکل کام ہو لیکن غیر زبانوں کے الفاظ کو اپنی زبان میں اس طرح جذب کر لینا کہ

Marfat.com

معلوم تک نہ ہو کہ یہ غیر ہیں، اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہی جس کی استعداد اُردُو زبان میں بہ درجہ کمال موجود ہی۔ اس میں سیکڑوں، ہزاروں الفاظ غیر زبانوں کے اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ بولنے، پڑھنے والوں کو خبر تک نہیں ہوتی کہ یہ دیسی ہیں یا بدیسی، اپنے ہیں یا پرائے ؛

مَیں علی الاعلان یہ کہتا ہوں اور اس کہنے میں مجھے ذرا بھی تامّل نہیں کہ ہم ہندی، سندھی یا ہندُستان کی کسی زبان کے بھی مخالف نہیں بلکہ ہمارا یہ عقیدہ ہی کہ ہر زبان کو زندہ رہنے اور ترقّی کرنے کا حق ہے۔ لیکن یہ امر مسلّم ہی اور ہر طبقے اور ملّت کا اس پر اتفاق ہی کہ کوئی ایک زبان ایسی ضرور ہونی چاہیے جو ہماری مُلکی اور قومی زبان ہو۔ اب بحث اس میں ہی کہ وہ کون سی زبان ہو۔

ہمارا کہنا یہ ہی اور ہم اس کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ ایک ایسی زبان پہلے سے موجود ہی جسے اُردُو یا ہندُستانی کہتے ہیں۔ یہ وجود میں آئی ہی اس غرض سے تھی۔ اقتضائے وقت نے اسے پیدا ہی اس لیے کیا تھا۔ یہ اب تک ملکی اور مشترکہ زبان سمجھی جاتی رہی اور مشترکہ زبان کا کام دیتی رہی اور اس وقت بھی یہی خدمت انجام دے رہی ہی۔ میرا یہ دعویٰ اس لیے نہیں کہ یہ میری زبان ہی بلکہ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہی جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

رہی ہندی، سو اس کے مخالف تو ہم ہو ہی نہیں سکتے، اس لیے کہ وہ ہماری ہی ساختہ پرداختہ ہی۔ ہمیں نے اس کو فروغ دیا اور پھیلایا۔ کیوں کہ جب مسلمان یہاں آئے تو جیسا کہ مَیں نے ابھی عرض کیا ہے ہر علاقے کی بولی الگ تھی۔ نہ ملک کی کوئی عام زبان تھی اور نہ کوئی

Marfat.com

حکومت تھی اور نہ ذرائع آمد و رفت وسیع تھے اس لیے ہر بولی کا حلقہ محدود تھا۔ مسلمان فاتحوں کی زبان فارسی تھی۔ جب انھوں نے دہلی کو اپنا دارالحکومت بنایا تو وہاں کی ایک مقامی بولی سے جو اب کھڑی بولی کہلاتی ہے اور جس کے معنی عوام کی بولی کے ہیں، فارسی کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جیسے جیسے ہندو مسلمانوں میں میل جول بڑھتا گیا ان دونوں زبانوں میں بھی ربط ضبط بڑھنا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ دونوں ایسی گھل مل گئیں کہ فارسی اور کھڑی بولی کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا اور جوں جوں اسلامی سلطنت پھیلتی گئی اس کا دامن بھی وسیع ہوتا گیا اور یہ بولی جسے کوئی جانتا پہچانتا نہ تھا ہماری بدولت سارے ہندستان میں پہنچی۔ سلطنت کی فوجیں، صوفی درویش، علما و شعرا، عمال و حکام جہاں گئے اسے اپنے ساتھ لے گئے اور ہندستان کے گوشے گوشے سے اسے روشناس کرا دیا۔ ہم اس کی مخالفت کیوں کر کر سکتے ہیں؟ یہ ہماری زبان کی زینت اور رونق بلکہ اس کی جان ہے۔ اگر آج ہم اپنی زبان سے اسے خارج کر دیں تو ہماری زبان مہمل اور بے معنی ہو جائے گی۔

لیکن ہاں ہم اس جدید ہندی کے بے شک مخالف ہیں جو ہندستان کی دو بڑی قوموں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بنائی گئی ہے جس کی بنیاد نئی قومیت کے جوش اور فرقہ واری جذبے پر ہے، جس کا منشا عربی فارسی الفاظ کو خارج کر کے ان کی بجائے سنسکرت اور ہندی کے نامانوس الفاظ رائج کرنا ہے، حال آں کہ وہ عربی فارسی الفاظ صدہا سال سے رس بس کے ہندستانی زبان کا جز ہو گئے ہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہندستانی یا اردو مخلوط زبان ہے، یہاں کی خالص زبان نہیں۔ اول تو دنیا کی کوئی زبان خالص نہیں دوسرے

Marfat.com

ہماری زبان کا مخلوط ہونا عیب نہیں بلکہ اس کی خوبی ہے۔ اس سے اس کا یہ دعویٰ اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ وہی ملک کی مشترکہ زبان ہے۔ نیز اس اختلاط کی وجہ سے اس میں ایک ایسی وسعت، قوت اور فراوانی پیدا ہوگئی ہے کہ ادیب کو ہر قسم کے خیالات نئے نئے ڈھنگ سے ادا کرنے اور صحیح اور موزوں لفظ کے انتخاب میں جو سہولت ہے وہ شاید ہی ہندستان کی کسی دوسری زبان میں ہو۔

مخلوط ہونے سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ نئے الفاظ کے بنانے اور ترکیب دینے کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آجاتا ہے۔ ایک ایسی زبان کے لیے جو علمی اور ادبی ہونے کی آرزو یا دعویٰ رکھتی ہے یہ بہت بڑی چیز ہے۔

جدید ہندی کے حامیوں نے زبان کو خالص بنانے کی یہ ترکیب نکالی ہے کہ فارسی عربی کے لفظ چُن چُن کر نکال دیے جائیں اور ان کی جگہ سنسکرت یا ہندی کے لفظ داخل کیے جائیں خواہ وہ مانوس ہوں یا نہ ہوں، سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ یہ نہایت احمقانہ خیال ہے۔ انشا پرداز یا ادیب کے پیشِ نظر یہ اصول ہونا چاہیے کہ عام استعمال میں سب سے بہتر لفظ کون سا ہے خواہ کسی زبان کا ہو۔ الفاظ کے انتخاب میں لفظ کی نسل و اصل کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سا لفظ خیال کو صحت اور خوبی کے ساتھ ادا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ الفاظ کے انتخاب کی بنیاد اس اصول پر رکھنا کہ کوئی لفظ غیر زبان کا نہ آنے پائے خواہ کیسا ہی موزوں، صحیح اور عام فہم کیوں نہ ہو نہایت گمراہ کن اصول ہے اور زبان کے حق میں سخت مضر ہے۔

Marfat.com

میں آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سُناتا ہوں کوئی ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوتا ہے میں میرٹھ سے دہلی جا رہا تھا۔ گاڑی ایک گانو کے اسٹیشن پر ٹھیری۔ وہاں سے دو ہندو صاحب سوار ہوئے۔ آج کل گنّے کی کاشت کا بہت رواج ہو رہا ہے اُدھر بھی جگہ جگہ لوگوں نے سہولت کے لیے اسٹیشنوں کے قریب گنّے کی کاشت کے ساتھ گڑ بنانے کے کارخانے قائم کر رکھے ہیں۔ گنّے کا پھوک اور دوسرا کوڑا کرکٹ ریلوے لائن کے قریب پھینک دیتے ہیں جس سے بہت بدبُو پھیل جاتی ہے۔ چناں چہ جب گاڑی چلی اور بدبُو آئی تو میں نے کہا کہ اس گانو سے بہت بدبُو آ رہی ہے ان ہندو صاحب نے فرمایا کہ یہاں گُڑ کا کارخانہ ہے اس کی وجہ سے سخت تعفّن پیدا ہو گیا ہے۔ اس گفتگو میں ان صاحب نے تعفّن کا لفظ استعمال کیا اور میں نے بدبُو کا۔ لیکن میں بدبُو کو تعفّن پر ترجیح دیتا ہوں اس لیے نہیں کہ یہ لفظ میں نے کہا تھا اور نہ اس لیے کہ تعفّن عربی لفظ ہے اور بدبُو ہندوستانی، بلکہ اس لیے کہ یہ زیادہ عام فہم اور سہل ہے اور بالکل وہی مفہوم ادا کرتا ہے جو تعفّن۔ لیکن اگر کوئی قیمت، دکان، کتاب کی جگہ نامانوس ہندی یا سنسکرت کے لفظ استعمال کرے گا تو میں کبھی روا نہ رکھوں گا۔ اگرچہ قیمت اور دکان عربی اور فارسی کے لفظ ہیں لیکن وہ اس قدر عام طور پر رائج اور اس قدر مختصر اور سہل ہیں کہ ان کی جگہ ثقیل اور نامانوس الفاظ استعمال کرنا ذوقِ سلیم کا خون کرنا ہے۔

ایک اور غضب آج کل یہ ہو رہا ہے کہ اچھے خاصے ٹھیٹ ہندی لفظوں کی جگہ جان جان کر ثقیل نامانوس سنسکرت لفظ داخل کیے جا رہے ہیں یا ان اصلی سنسکرت الفاظ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لایا جا رہا ہے جو کسی

Marfat.com

قدر تغیر کے بعد ہندی اور اُردو میں آ گئے ہیں۔ مثلاً برس کو ورش، گانو کو گرام کہیں گے حالانکہ برس اور گانو خاص و عام سب کی زبان پر ہیں اور خالص ہندی ہیں۔ یا مثلاً پیر نہیں پد کہیں گے۔ اس قسم کے سیکڑوں لفظ نئے نئے داخل کیے جا رہے ہیں جن کی تفصیل خواہ مخواہ موجب طوالت ہوگی۔ اس سے ان کی نیت کا پتا چلتا ہے۔ میں آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں۔ میرا ایک ہندو طالب علم ریل میں سفر کر رہا تھا اسے دیا سلائی کی ضرورت ہوئی تو اس نے اپنے ہم سفر ہندو نوجوان سے مانگی اس نے دیا سلائی تو دے دی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اب اس کا نام دیا سلائی نہیں رہا۔ طالب علم نے حیرت سے پوچھا کہ پھر اب اسے کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا "دھونم شلاکا" اس حماقت اور بدذوقی کی کوئی انتہا ہے؟ دیا سلائی ٹھیٹ ہندی لفظ ہے اور اس کے دونوں جز ہندی ہیں پھر ایک نہایت عام فہم، سادہ اور خوب صورت لفظ ہے، اس کی جگہ دوسرا ثقیل، نامانوس مہمل لفظ استعمال کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب ظاہر ہے اور مجھے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ الہ آباد یونی ورسٹی کا کانووکیشن ایڈریس پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا۔ اگرچہ میرے لیے کوئی نئی چیز نہ تھی کیوں کہ جامعہ عثمانیہ کا ذریعۂ تعلیم اعلیٰ جماعتوں تک اُردو ہے اور وہاں ہر سال کانووکیشن کا ایڈریس اُردو ہی میں پڑھا جاتا ہے لیکن مجھے اس سے بے انتہا خوشی ہوئی کیوں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ برٹش انڈیا کی ایک پرانی یونی ورسٹی میں کانووکیشن ایڈریس ایک دیسی زبان میں سنایا گیا۔ پنڈت جی نے شروع میں حاضرین سے انگریزی زبان میں

Marfat.com

دو باتوں کی اجازت چاہی ایک تو یہ کہ میں بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہوں، اپنی تقریر بیٹھ کر کروں گا۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی تقریر اپنی مادری زبان میں کروں گا۔ اس کے بعد جو انھوں نے تقریر شروع کی تو وہ سنسکرت آمیز ہندی میں تھی۔ اس پر ایک طالب علم نے (خدا اس کی ہمت میں برکت دے) اُٹھ کر کہا "جناب میں آپ کی زبان نہیں سمجھ سکتا" اس پر پنڈت جی چونکے اور انھوں نے ایسی ہندی میں تقریر کی جو آدھی مادری زبان تھی اور آدھی پدری۔ پنڈت جی علاوہ سنسکرت اور انگریزی کے عالم ہونے کے ہندستانی زبان کے بھی ادیب ہیں۔ جن لوگوں نے کچھ عرصہ قبل ان کی تقریریں سُنی ہیں وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ وہ کیسی شستہ اور فصیح ہندستانی یعنی اُردو بول سکتے ہیں۔ لیکن ان اثرات اور حالات کی وجہ سے جو آج کل ہماری بدنصیبی سے مُلک پر چھائے ہوئے ہیں، انھوں نے اپنا رُخ بدل دیا ہے۔ جب ایسے پختہ کار، دور اندیش اور ہمدرد بزرگ جن سے اصلاح و مصالحت کی توقع ہے، ان اثرات سے نہیں بچ سکتے تو نوجوانوں اور بے خبر لوگوں سے کیا شکایت ہو سکتی ہے؟ ایک بات ان کی تقریر میں یہ نظر آئی کہ جب انھیں کوئی ہندی لفظ نہیں ملتا تھا تو اُردو یا فارسی کا مروجہ لفظ نہیں استعمال کرتے تھے بلکہ اس کی جگہ انگریزی لفظ کو ترجیح دیتے تھے۔ سنسکرت کے جو اقوال ان کی تقریر میں آتے تھے۔ ان کا ترجمہ وہ ہندستانی میں نہیں بلکہ انگریزی میں فرماتے تھے۔ یہ سب باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ہوا کا رُخ کس طرف ہے؟

ہم ان باتوں کے معاد نہیں ہو سکتے۔ بدگمانی بُری چیز ہے

Marfat.com

لیکن بدگمانی پیدا کرنے والوں کو کیا کہا جائے؟ انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے ریزولیوشن میں صاف طور سے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ ملک کی زبان ہندستانی ہوگی لیکن اس معزز جماعت نے کبھی اس کو عمل میں لانے کی کوشش نہیں کی اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے ممتاز ارکان ہندی کی اشاعت پر تلے ہوئے ہیں تو ہماری بدگمانی بجا ہے۔ ابھی حال میں ایک راجا نے ایک بیش قرار رقم مسٹر سی راج گوپال اچاریہ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کی ہے کہ وہ اسے ہندی کی اشاعت میں صرف کریں۔ سی راج گوپال اچاریہ کانگریس کے رکن اعظم اور صوبہ مدراس کی کانگریس حکومت کے وزیر اعظم ہیں۔ انھیں چاہیے تھا کہ وہ شکریے کے ساتھ اس رقم کو واپس کر دیتے اور صاف کہہ دیتے کہ کانگریس کے عقیدے اور اصول کی رُو سے وہ اس رقم کو قبول نہیں کر سکتے، ہاں اگر ہندُستانی کی اشاعت کے لیے دی جاتی ہے تو بسر و چشم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندُستانی کا ریزولیوشن بھی ایک سیاسی چال تھی۔

حضرات! زبردستی فاتحے کرنے، پُرجوش سیاسی تقریریں کرنے یا خوش نما الفاظ میں ریزولیوشن منظور کر لینے سے دل نہیں بدلتے۔ دل بدلنے والی چیزیں اور ہی ہوتی ہیں۔

حال ہی میں پنڈت جواہر لال نہرو نے زبان کے مسئلے پر ایک رسالہ شایع کیا ہے۔ اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اردو شہروں کی زبان ہے اور ہندی دیہات کی۔ یہ بیان سراسر خلافِ واقعہ اور غلطی پر مبنی ہے۔ پنڈت جی نے یا تو لاعلمی کی وجہ سے یا اُس عام پروپیگنڈے کی بنا پر جو ہر طرف کیا

Marfat.com

جا رہا ہی یہ لکھ دیا ہو ورنہ وہ جدید زبان جسے آج کل ہندی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہی ہندستان کے کسی دیہات میں نہیں بولی جاتی میرٹھ یا دلی کے دیہات والے کے لیے بہار کے دیہات والے کی بولی ایسی اجنبی ہی جیسے ایک لاہوری کے لیے ملتانی۔ ہندی کا لفظ مبہم ہی اور اس سے مغالطہ پیدا کیا جا سکتا ہی لیکن ہم اس غلطی یا دھوکے میں نہیں آنا چاہتے۔ ہمیں قطعی طور سے یہ طے کر لینا چاہیے کہ ہندستانی یعنی اُردو ہمارے ملک کی زبان ہے اور اس کی اشاعت اور ترقی میں ہمارے ملک کی بہبودی ہی ؎

ای اہلِ سندھ! اگرچہ اردو کی ابتدا آپ کے ملک میں نہیں ہوی۔ لیکن سب سے پہلے مسلم ہندو تہذیبوں کی یک جائی آپ ہی کے ہاں شروع ہوئی اور آپ ہی نے یک جہتی میں وہ رنگ پیدا کیا جس کے نمونے کچھ دنوں پہلے تک دونوں قوموں کے رفتار و گفتار، خوراک و پوشاک وغیرہ میں نظر آتے تھے۔ اب بھی آپ کی زبان میں ہزاروں عربی فارسی کے لفظ بے تکلف بول چال اور تحریریں میں آتے ہیں۔ گویا آپ نے وہ زمین تیار کی جس پر آگے چل کر اُردو کے چمن نے رونق اور سرسبزی حاصل کی۔ اگرچہ ہم دونوں کی یک جہتی اور اتحاد کی اور بہت سی نشانیاں اب بھی موجود ہیں اور بہت سی مٹتی جاتی ہیں لیکن یہ زبان جو اُردو یا ہندُستانی کہلاتی ہی ہندو مسلم یک جہتی اور اتحاد کی سب سے بڑی اور زندہ یادگار ہی۔ اس کی ساخت اور ترکیب میں دونوں قوموں کے اعلیٰ دماغ اور افکار دونوں قوموں کی بے ریا اور متحدہ کوششوں اور دونوں قوموں کے ادبی نتائج کا نچوڑ موجود ہی۔ اب بھی اگر کوئی چیز ہمارے اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہی تو یہی ہی۔ اب بھی اگر ہمارے بکھرے شیرازے کو ایک رشتے میں منسلک

Marfat.com

کرسکتی ہے تو یہی ہے۔ اس کے قائم رکھنے میں ہماری سعادت مندی اور اس کے پھیلانے اور ترقی دینے میں ہماری قومی بہبودی ہے ۔

آپ کے صوبے کی زبان یوپی، پنجاب اور بہار کو چھوڑ کر دوسرے صوبوں کے مقابلے میں اُردو سے قریب تر ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہزارہا فارسی عربی کے لفظ آپ کی زبان میں رس بس گئے ہیں۔ فارسی زبان کا تسلط یہاں صدہا سال تک رہا ہے، عربی کی تعلیم اب تک جاری ہے رسم خط تقریباً وہی ہے جو اُردو کا ہے اور یہ سب سے بڑی سہولت ہے جو آپ کو حاصل ہے جملے کی ترکیب اور ترتیب وہی ہے جو اُردو زبان کی ہے۔ آپ کے صوبے میں سیکڑوں اُردو کے ادیب اور شاعر ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ اُردو کے اخبار اور رسالے بھی نکلتے ہیں۔ مشاعرے بھی یہاں اسی دھوم دھام سے ہوتے ہیں جیسے ہندستان کے دوسرے شہروں میں۔ اس لیے آپ کو اس زبان کی تحصیل و اشاعت میں بہت سی آسانیاں حاصل ہیں جو ہندستان کے بعض دوسرے صوبوں کو حاصل نہیں۔ جب جنوبی ارکاٹ میں ٹنڈی وَنَم اور شمالی آرٹ میں وانم باڑی اور نیل گری وغیرہ اضلاع کے لوگ اُردو کو حاصل ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی مادری زبان کی طرح بولتے، پڑھتے اور لکھتے ہیں تو میرے خیال میں اہل سندھ ان سے کہیں بہتر اس میں مہارت پیدا کرسکتے ہیں اور اگر وہ ذرا بھی اس طرف توجہ کریں گے تو چند ہی سال میں ایسے ایسے ادیب اور شاعر ہونے لگیں گے جیسے پنجاب، یوپی، بہار اور حیدرآباد دکن میں ۔

آپ نے سندھ پراونشل اُردو کانفرنس کا اہتمام بڑی شان اور سلیقے سے کیا ہے۔ یہ بہت اچھا خیال ہے۔ اس کی سخت ضرورت تھی اور آپ

Marfat.com

کی یہ سعی قابلِ مبارک باد ہے۔ اس میں فصیح و بلیغ تقریریں ہوں گی، دل کش اور پُر اثر نظمیں پڑھی جائیں گی، مفید اور ضروری ریزولیوشن پیش ہوں گے، اُردو کی اشاعت و ترقی کی تجویزوں پر غور ہوگا، مشاعرے کی دھوم دھام ہوگی۔ بلاشبہ یہ تحریک بہت کارآمد اور قابلِ قدر ہے۔ اس سے اُردو کا چرچا ہوگا، مطالعے کا شوق بڑھے گا اور لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ لیکن کیا آپ کی رائے میں ایک ایسی زبان کے لیے جسے آپ سارے ہندستان کی عام اور مشترک زبان خیال کرتے ہیں یا عام اور مشترک زبان بنانے کی آرزو رکھتے ہیں، اس قسم کے چند ہنگامے کر دینے کافی ہوں گے؟

زمانے کی رفتار میں اس وقت غیر معمولی سرعت نظر آتی ہے۔ خود ہمارے مُلک میں جو تغیرات گزشتہ چند سال سے رُونما ہو رہے ہیں وہ کم حیرت انگیز نہیں ہیں۔ اس لیے اگر ہم اپنے مقصد کے حصول میں زیادہ تیزی زیادہ مستعدی اور زیادہ تن دہی سے کام نہ لیں گے تو ہم پہلے سے بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

اُردو زبان کی اشاعت اور اُردو ادب کی ترقی بجائے خود ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس معاملے میں ہر صوبے اور ہر علاقے کی حالت جُدا جُدا ہے اس لیے کام کی نوعیت میں بھی پوری یکسانی نہیں ہوگی۔ لیکن میں اپنے ذاتی تجربے نیز اُن اطلاعات کی بنا پر جو مجھے مختلف مقامات سے وصول ہوتی رہتی ہیں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر صوبے اور ہر علاقے میں کثرت سے لوگ اُردو زبان کے سیکھنے کے خواہاں ہیں۔ لیکن کام کرنے والے نہیں اور کہیں ہیں تو یہ نہیں جانتے کہ کیا کیا جائے اور کیوں کر کیا جائے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ ہر جگہ اس کا ابتدائی کام سرمایہ نہیں۔

Marfat.com

انجمن ترقی اُردو کے پیشِ نظر یہ مسئلہ ہے کہ اُردو زبان وادب کی اشاعت کے لیے ہندستان کے ہر صوبے اور علاقے میں کیوں کر تنظیم کی جائے چناں چہ اس غرض سے اُردو زبان کے جائزے کا کام شروع کیا گیا جس کا مقصد ان امور کا معلوم کرنا ہے کہ ہر صوبے اور ہر علاقے میں کتنے اُردو بولنے اور سمجھنے والے ہیں، کتنے اُردو لکھ پڑھ سکتے ہیں، کتنے ایسے ہیں جن کی مادری زبان اُردو ہے، کتنے اُردو مدارس ہیں اور اُردو پڑھنے والوں کی کیا تعداد ہے، کتنے کتب خانے ہیں، کتنے اُردو اخبار، رسالے اور مطبع ہیں، اُردو نصاب تعلیم کی کیا حالت ہے، سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اُردو کا کہاں تک دخل ہے. کون کون لوگ اُردو سے ہم دردی رکھتے اور اُردو کی خدمت کرتے ہیں. غرض اسی قسم کے اور استفسارات ہیں جن کے جواب مہیا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے. ان سب کا منشا یہ ہے کہ ہم ہر صوبے اور علاقے کے مخصوص حالات پیش نظر رکھ کر وہاں کام شروع کریں لیکن صرف انجمن کچھ نہیں کر سکتی اگر خود ان علاقوں کے لوگ اس کی مدد نہ کریں یا اس کام میں اس کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ انجمن کی شاخیں ہر علاقے میں اسی غرض سے قائم کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں. ہر علاقے کے لوگ اپنے حالات سے زیادہ باخبر اور اپنی ضروریات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں صدر انجمن نے زبان کی اشاعت اور ترقیٔ ادب کا خاکہ تیار کر دیا ہے. اب یہ ہر شاخ کا کام ہے کہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے. البتہ یہ ضرور ہے کہ جب کوئی مشکل آ پڑے گی یا ضرورت محسوس ہوگی تو صدر انجمن اپنی شاخوں سے تعاون کرنے اور مشورہ دینے میں کبھی دریغ نہیں کرے گی.

عام طور پر شاخوں کے لیے یہ کام تجویز کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۱۔ مناسب مقامات پر اُردو کے مکاتب قائم کرنا۔

۲۔ بالغوں کی تعلیم کے لیے مدارسِ شبینہ قائم کرنا۔

۳۔ لوگوں کے دلوں میں اُردو زبان کی ضرورت اور اہمیت کا احساس پیدا کرنا۔

۴۔ مطبوعاتِ انجمن ترقیٔ اُردو وغیرہ کی اشاعت میں کوشش کرنا

۵۔ مختلف مقامات پر کتب خانے اور مطالعہ خانے قائم کرنا۔

۶۔ حسب ضرورت ادبی جلسے کرنا۔

۷۔ اپنے اپنے علاقے میں میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدارس نیز سرکاری مدارس اور مکاتب میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنا۔

۸۔ اپنے اپنے علاقے کے اچھے اُردو لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرنا۔

۹۔ اپنے اپنے علاقے کے سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اُردو زبان کے رواج کی کوشش کرنا۔

۱۰۔ مقامی ضروریات کے مطابق اُردو کے تحفظ و ترقی کی مناسب تدابیر اختیار کرنا۔

یہ شاخوں کے کام کا مجمل خاکہ ہے۔ اس بنیاد پر تفصیلی کام ہر ایک شاخ کو اپنے اپنے علاقے کے مخصوص حالات کے مطابق کرنا ہوگا۔

کراچی میں انجمن ترقیٔ اُردو کی شاخ ایک مدت سے قائم ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے کچھ کام نہیں کیا لیکن اس زمانے کے لحاظ سے اسے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس کے کام کی موجودہ رفتار بالکل ناکافی ہے۔ آپ نے جس شوق سے اس کام کی ابتدا کی تھی اسے انجام تک پہنچانے کے لیے بڑی کوشش اور پوری قوت اور کامل تن دہی کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

یوں تو ہم میں سیکڑوں اختلافات موجود ہیں لیکن غالباً یہ زبان ہی کا مسئلہ ایسا ہے جس میں ہم سب متفق ہیں مگر اختلافات پیدا ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اس لیے آپ کو ہر قسم کے اختلافات اور مشکلات کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ کرنے کے قابل ایسے ہی کام ہوتے ہیں اور اسی میں انسان کے جوہر کھلتے ہیں۔

حضرات! اگر آپ کو اپنی زبان عزیز ہے اور آپ اسے قومی زبان خیال کرتے ہیں تو اس کی ترقّی کے لیے ایسی ہی کوشش کیجیے جیسے آپ اپنی زندگی کے لیے کرتے ہیں کیوں کہ یہ ہماری زندگی کا جزُ ہے اور ہمارا تمدّن اور تہذیب اور معاشرت اس سے وابستہ ہے۔

اس لیے میں اپیل کرتا ہوں تمام اہلِ سندھ سے، میں اپیل کرتا ہوں تمام اُردو کے بہی خواہوں اور ہم دردوں سے اور اپیل کرتا ہوں ملک و قوم کے ہواخواہوں سے اور خصوصاً مسلم ہوسٹل کے طالب علموں سے کہ وہ اپنی قومی زبان کی اشاعت و ترقّی میں دل و جان سے کوشش کریں اور سب سے آخر میں اور سب سے زیادہ زور اور ادب کے ساتھ میں علمائے کرام اور مشائخانِ عظام کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے ارادت مندوں کو اس طرف متوجّہ کریں تاکہ ان کے اثر اور ہدایت کی بدولت زبان کی ترقّی کے ساتھ ساتھ ہمارے قومی اتّحاد کو بھی استحکام اور ترقّی نصیب ہو۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس صوبۂ متوسط ناگ پور

(۲۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء)

ای صاحبو! کسی حکیم کا قول ہی کہ جس چیز کو ہم ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں اسے کبھی نہیں دیکھتے یہی نہیں بلکہ اس کی قدر بھی نہیں کرتے یہی حال زبان کا ہی ہم صبح سے شام تک اسے بولتے اور اس میں بات چیت کرتے رہتے ہیں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو کبھی اس پر غور کرتے ہوں کہ یہ کیا چیز ہی اور اس میں کیسے کیسے گُن بھرے ہوئے ہیں۔ حضرات اسے معمولی چیز نہ سمجھیئے یہ ایک زبردست قوت ہی اس کی پشتی پر ایک نہایت مستحکم فصیل اور قلعہ ہی۔ وہ مستحکم فصیل اور قلعہ تہذیب و تمدّن ہیں جن پر ہماری معاشرت اور ہماری سیاست، ہمارے مذہب اور ہماری ترقّی کا دار و مدار ہی۔ اگر ہم ابتدا سے اب تک زبان کے ارتقا کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انسانی ترقّی کا راز بہت کچھ زبان میں پنہاں ہی علم بڑی قوت ہی لیکن اس قوت کا سہارا زبان پر ہی۔ یہ تو ہُوا عام زبان کا حال لیکن ہماری اُردو زبان کی شان سب سے نرالی ہی۔ یوں تو ہندوستان میں بیسیوں اور سیکڑوں زبانیں ہیں لیکن جو امتیازی خصوصیت اسے حاصل ہی وہ یہاں کی کسی زبان میں نہیں پائی جاتی۔ یہ سنسکرت کی طرح باہر سے نہیں آئی۔ یہ بنگالی، مرہٹی، اُڑیہ، ملیالم، تلنگی، تامل کی طرح کسی خاص فرقے

Marfat.com

یا کسی خاص علاقے کی زبان نہیں بلکہ یہ سب کی زبان ہے اور سارے مُلک کی زبان ہے اور اسی لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہندستان کی کوئی زبان مُلک کی عام مشترکہ زبان ہو سکتی ہے تو یہی زبان ہو سکتی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ یہ نہ باہر سے آئی نہ پہلے سے موجود تھی نہ کسی نے اسے بنایا بلکہ انسانی ضروریات اور زمانے کے اقتضا نے اسے بنایا اور قانونِ قدرت کی بدولت جو اں ہے۔ یہ بڑھی، پھیلی اور پھلی پھولی۔ مسلمان جب اس ملک میں آئے تو یہاں نہ تو ایک حکومت تھی اور نہ ایک زبان۔ ہر علاقے کا الگ راج تھا اور ہر علاقے کی الگ زبان اور چوں کہ آمد و رفت کے وسائل مہیا نہ تھے اس لیے نہ ایک حکومت ہونے پائی اور نہ کسی ایک زبان کو ایسا فروغ ہُوا کہ وہ سارے مُلک کے اکثر حصّے کی زبان ہو جاتی۔ مسلمانوں کی بدولت رفتہ رفتہ حکومت بھی ایک ہو گئی اور زبان بھی خود بہ خود ایک بن گئی۔

اُردو زبان کی پیدائش ہندُستان کی تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ ہے جس پر مورّخین نے بہت کم توجّہ کی ہے۔ مسلمان جب یہاں آکر بس گئے اور انھیں اپنے وطن سے کوئی تعلق نہ رہا تو فطرتی طور پر ان کا میل جول ملک کے اصل باشندوں سے بڑھنا شروع ہُوا۔ میل جول کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہے اگر ہم ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھیں تو آپس میں اُنس اور اُلفت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ ہمارے تعلقات میں کوئی لطف پیدا ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کاروبار کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں نے اپنی زبان میں ہندی لفظ داخل کرنے شروع کیے اور ہندوؤں نے اپنی زبان میں فارسی لفظ بولنے شروع کیے۔ اس زمانے میں دفتر فارسی میں

Marfat.com

تھے۔ دربار، سرکار، امرا کی زبان فارسی تھی۔ مکتبوں اور مدرسوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی اور ہندو مسلمان دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے اور ایک ہی مدرسے میں ساتھ ساتھ پڑھتے۔ اکبر کے زمانے تک سلطنت کا حساب کتاب ہندی میں رکھا جاتا تھا لیکن محکمۂ حساب کے افسر اعلیٰ راجا ٹوڈرمل نے احکام جاری کیے کہ آیندہ سے تمام حساب کتاب فارسی میں رکھا جائے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی ہندوؤں کی بول چال تحریر تقریر میں ایسی رچ گئی کہ انھوں نے دانستہ و نادانستہ فارسی کے ہزارہا لفظ بلا تکلف اپنی زبان میں داخل کر لیے۔ یہ جو ہمیں الزام دیا جاتا ہے کہ ہم نے ہندستانی زبان میں بہت سے عربی فارسی الفاظ بھر دیے ہیں یہ بالکل غلط اور بہتان ہے۔ عربی فارسی کے لفظوں کے داخل کرنے والے ہندو ہیں نہ کہ مسلمان۔ اس کی ایک صاف مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جب انگریزوں کا اس ملک پر تسلّط ہوا اور ہمارے نوجوانوں نے انگریزی پڑھنی شروع کی، انگریزی دفتروں میں ملازمت کی اور انگریزی بولنے اور لکھنے کی مشق بہم پہنچائی تو جب وہ اپنی زبان بولتے تو آدھی انگریزی اور آدھی دیسی زبان ہوتی تھی لیکن برخلاف اس کے جب کوئی انگریز اُردو یا دیسی زبان بولتا تو یہ کوشش کرتا کہ اس کی گفتگو میں کوئی انگریزی لفظ نہ آئے۔ اب جو اُردو میں سیکڑوں انگریزی لفظ داخل ہو گئے ہیں تو کیا یہ انگریز نے داخل کیے ہیں؟ یہ سب ہم نے اپنی خوشی سے داخل کیے ہیں۔ یہی حال اُس وقت ہندوؤں کا تھا کہ وہ خوشی خوشی بلکہ ازراہِ فخر فارسی لفظ ہندی میں ملاتے چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو زبان پر ایک دور ایسا آیا کہ ایک خطّے کے اہلِ

Marfat.com

زبان نے عربی فارسی لفظ دھڑا دھڑ داخل کرنے شروع کیے لیکن وہ دور بہت تھوڑے زمانے تک رہا اور بہت جلد پھر سادہ اُردو کا رواج شروع ہو گیا۔ اس معاملے میں سب سے بڑا اثر سرسید احمد خاں کا پڑا۔ اس وقت سے ہم برابر سادہ اُردو بولتے اور لکھتے ہیں۔ جب مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سلیمان ندوی جیسے عالم سلیس لکھنے لگے ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر۔ لیکن برخلاف اس کے ہمارے ہندو بھائی اپنی ہندی میں بلا لحاظ موقع و محل سنسکرت کے غیر مانوس ثقیل اور غلیظ لفظ داخل کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ ایک ایسی نئی زبان بنا رہے ہیں جو کسی انسان کی زبان نہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اسے ہندوستانی کہتے ہیں اور بہ قول سرتیج بہادر سپرد کے یہ لوگ ہندوستانی کی آڑ میں شکار کھیل رہے ہیں اور اس زبان کو مٹانا چاہتے ہیں جو دونوں کے اتحاد اور ایک جہتی سے بنی تھی اور دونوں کی زبانوں اور دونوں کی تہذیبوں کا بہترین خلاصہ ہے گویا اپنے اسلاف کی محنت اور یادگار کو مٹا کر اتفاق کی بجائے نفاق پیدا کر رہے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ عربی فارسی الفاظ ہی نکال کر سنسکرت نہیں داخل کر رہے ہیں بلکہ ہندی کے معمولی الفاظ جنھیں ادنیٰ اعلیٰ سب بولتے ہیں وہ بھی خارج کیے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ سنسکرت کے موٹے موٹے لفظ بھرے جا رہے ہیں۔

ابھی چند روز ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ یو پی کانگریس حکومت نے ایک سرکلر شائع کیا ہے جس میں حکم دیا ہے کہ آیندہ سے مدعی کی جگہ "جھگڑالو" اور مرافع یعنی اپیلانٹ کی جگہ "پلٹو" لکھا جائے۔ کیا یہی جناتی زبان ہے جسے وہ اُردو جیسی مقبول خاص و عام زبان کی قائم مقام بنانا چاہتے ہیں؟

Marfat.com

یہ اردو کی مخالفت نہیں بلکہ اتحاد و اتفاق کی مخالفت اور سراسر ملک کی دشمنی ہے۔ خیر سے اس پر دعویٰ قومیت کا بھی ہے! آپ کے صوبے میں تو اس سے بھی زیادہ غضب ہو رہا ہے یعنی یہاں اعلام یعنی اسمائے خاص کو بھی بدلا جا رہا ہے مثلاً ہندستانی علاقے کو مہا کشل، برار کو ودھربا، ناگ پور کو ناگیشور، حکومت کو رام راج اور ایک اچھے خاصے بھلے آدمی کو مہاتما بنا دیا گیا ہے۔ کیا اسی کے معنی قومیت کے ہیں؟ قومیت کا دعویٰ اور اس پر یہ لچھن! افسوس صد افسوس!

آپ کے صوبے میں قومیت کے مبارک نام سے ایک اور شگوفہ چھوڑا گیا ہے۔ یہ وہ مشہور تعلیمی اسکیم ہے جس کا غلغلہ سارے ہندستان میں مچا ہوا ہے۔

ودیا مندر اسکیم پر اس قدر بحث ہو چکی ہے اور اس پر اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اس وقت اس کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے لیکن باوجود اس کے بہت کم لوگ ہیں جو اس کے حسب و نسب سے واقف ہیں۔ بظاہر آنریبل مسٹر شکلا کو اس کی ایجاد کا فخر ہے جس پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ خشکہ باگندہ بروزہ اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ۔ لیکن یہ حقیقت نہیں۔ اگرچہ یہ عام طور پر واردھا اسکیم کا بچہ کہلاتا ہے لیکن میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر یہ کہتا ہوں کہ یہ نومولود اپنی والدہ ماجدہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اس کے حقیقی والد سیاسی مذہبی لیڈر اور ہمارے قدیم دوست پنڈت مدن موہن مالویہ اور مجازی والد ان کے شاگرد رشید آنریبل مسٹر شکلا ہیں۔ یہ اسکیم بہت سوچ سمجھ کر بنائی گئی ہے اور اس کا جو منشا ہے وہ ظاہر ہے یعنی ہماری تعلیم، ہماری تہذیب، ہمارے تمدن اور خاص کر

Marfat.com

ہماری زبان کا مٹانا۔ اس پر دعوٰی یہ ہے کہ ہم اقلیتوں کی زبان اور کلچر کے محافظ ہیں ؛

یہ اپنے مدرسے کو ودیا مندر کہیں، اپنی حکومت کو رام راج کا نام دیں معمولی اور مروّجہ ناموں کو قدیم سنسکرت ناموں سے بدل دیں تو ان کی قوم پرستی میں کوئی فرق نہ آئے اور اگر ہم کوئی سیدھی سی بات بھی کہیں تو فرقہ پرست اور ملک کے دشمن ٹھیریں۔ گویا اس کے یہ معنی ہوئے کہ اکثریت جو کہے وہ تو قوم پرستی ہو اور اقلیت جو کہے وہ فرقہ پرستی ہو۔ اگر یہی قومیت ہے تو اس قومیت کو ہمارا دور ہی سے سلام ہو۔ یہ حضرات قومیت، جمہوریت، اکثریت اور اقلیت کے لفظوں سے کھیل رہے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کھیل بہت خطرناک ہیں ؛

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے رام راج کے بانی گاندھی جی کو میری کھلی چھٹی کی طرف بڑی التجا کے ساتھ توجہ دلائی اور بہت معقول اور اچھا خط لکھا۔ لیکن وہ اس معاملے کو ایسی خوش اسلوبی سے ٹال گئے کہ مجھے بھی تعریف کرتے ہی بنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے عبدالحق کا خط نہیں پڑھا تم مجھ سے بہت زیادہ توقع رکھتے ہو۔ میں نے مسٹر شکلا کو لکھا ہے میری بڑی تمنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو لوگ مجھے صرف اس بات سے یاد رکھیں کہ میں نے اپنی ساری عمر اور محنت ہندو مسلمانوں کے ملانے میں صرف کردی"۔ سبحان اللہ کیا جواب ہے! خیر، اور کوئی یاد رکھے یا نہ رکھے ہم تو ضرور یاد رکھیں گے۔ مشکل تو یہ آپڑی ہے کہ گاندھی جی نہ لڑنے دیتے ہیں نہ ملنے دیتے ہیں ؛

حضرات! ہندی اردو کا فساد کئی بار اٹھا اور بیٹھ بیٹھ گیا۔ اگرچہ

Marfat.com

اس کے اُٹھانے والے بڑے بڑے مہاپرش نہ تھے لیکن اس کو اصلی قوت اور دائمی استقلال اس وقت حاصل ہوا ہے جب ملک اور قوم کے سچے بہی خواہ گاندھی جی نے اس کا بیڑہ اٹھایا۔ اس بنش بھرے شہر میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس کے موقع پر گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں سے بڑا معرکہ ہوا وہ ہندی کے حق میں تھے اور میں ہندستانی کی حمایت میں۔ میں نے بہت کہا کہ آپ ہندستانی فرمائیے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں نے کہا کہ نیشنل کانگرس کا رزولیوشن ہے کہ ملک کی زبان ہندستانی ہوگی۔ فرمانے لگے کہ وہ رزولیوشن بھی تو میں نے ہی بنایا تھا۔ اس جلسے میں انڈین نیشنل کانگرس کے تین جیتے جاگتے پریسیڈنٹ موجود تھے جو بت بنے بیٹھے تھے۔ ایک بھی مُنہ سے نہ پھوٹا اور کسی نے میری کیا کانگریس کے رزولیوشن کی بھی تائید نہ کی۔ آخر میں حضرت مہاتما نے فرمایا کہ میں ہندی نہیں چھوڑ سکتا تو میں نے کہا کہ پھر ہم اُردو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ ہم ہندی اتھوا ہندستانی کے دھوکے میں نہیں آسکتے، ہم لفظوں کو نہیں، عمل دیکھنا چاہتے ہیں اور عمل جیسا کچھ ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ وہ عمل جراحی ہے جس میں ہماری زبان ہی نہیں ہماری تہذیب کا بھی خاتمہ کیا جا رہا ہے۔

حضرات! ہم اُردو نہیں چھوڑ سکتے یہ ہمارے اسلاف (ہندو مسلمان دونوں کے اسلاف) کی یک جہتی اور اتحاد کی سب سے اہم، سب سے مبارک اور سب سے عظیم الشان یادگار ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس کے بنانے اور سنوارنے میں محنتیں اور مشقتیں جھیلیں اور قربانیاں کی ہیں۔

سلہ ناگ پور کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

اس کے ایک ایک حرف میں ان کا خون جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ ہماری تہذیب، ہماری تاریخ، ہمارے تمدن پر گواہی دے رہا ہے۔ وہ ناخلفی کریں تو کریں ہم ناخلف نہیں ہو سکتے۔ ہم اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتے کیوں کہ یہی ایک ایسی زبان ہے جس نے ہم سب کو ایک کر دیا تھا اور یہی پھر ساری قوموں کو ایک کر سکتی ہے۔ اس کو چھوڑنا اپنی تمام عزیز یادگاروں اور عزیز چیزوں کو خیر باد کہنا اور اپنی ہستی کو فنا کر دینا ہے۔

ابھی حال میں آپ کی حکومت کے ایک وزیر با تدبیر نے اسمبلی کے بھرے اجلاس میں فرمایا تھا کہ مسلمان ایک حقیر اقلیت ہیں اور اس پر وہ ہمارے سامنے نامعقول اور بھاری بھرکم مطالبات پیش کرتے ہیں۔ یہ شخص اپنی اکثریت پر نازاں اور حکومت کے نشے میں مخمور تھا ورنہ ایسی نامعقول بات نہ کہتا لیکن اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اقلیت اور اکثریت کوئی چیز نہیں ہمارے سامنے فرمان خدا ہے:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً یعنی اکثر ایسا ہوا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے کہ اقلیتوں نے اکثریتوں کو نیچا دکھایا ہے۔ اصل چیز اقلیت یا اکثریت نہیں بلکہ ہمت و جواں مردی اور ایثار و قربانی ہے۔ اگر ہم میں یہ جوہر ہیں تو ہم اکثریت میں ہیں ورنہ ہر حال میں ہم اقلیت میں ہیں۔ زمانہ اس کا فیصلہ بہت جلد کر دے گا۔

حضرات! آپ نے جس استقلال اور ہمت و جواں مردی سے اپنی زبان کی حمایت کی ہے اس کی داد میں کیا دوں گا سارا ہندوستان دے گا۔ دوسرے باتیں کرتے ہیں آپ نے کر دکھایا، دوسرے تقریریں کرتے ہیں اور آپ نے عمل کر کے بتایا۔ آپ کا یہ مسئلہ صرف سی پی کا مسئلہ نہیں رہا

Marfat.com

بلکہ سارے ہندستان کا مسئلہ ہوگیا ہے اور آپ کی مثال سارے ہندستان کے مسلمانوں کے لیے نظیر ہوگی۔ یہ آپ کی دقت شناسی اور مصلحت اندیشی کی دلیل ہے کہ آپ نے ایسے وقت اُردو کانفرنس کا انعقاد کیا ہے۔ دنیا میں قابلِ قدر اور کام یاب وہی ہوئے ہیں جو وقت کو پہچانتے اور اس کے مطابق کام کرتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ وہ مسئلہ جو سارے ہندستان کا مسئلہ ہے اور وہ زبان جس کا جنم بھوم شمالی ہند ہے اس کا فیصلہ سی۔ پی کی سرزمین میں ہوتا ہے۔ سی۔ پی اکثر اعتبارات سے سیاسی، لسانی، تعلیمی، معاشیاتی مسائل کا مرکز ہوگیا ہے۔ اور یہاں سے چند میل کے فاصلے پر برِّ اعظم ہند کے نہایت سنجیدہ اور نازک مسائل طے ہوتے ہیں اور انشاء اللہ یہیں ہمارے لسانی اور تعلیمی مسائل بھی رعلی الرغم شکلا) طے پائیں گے۔ اور ہم طے کرکے رہیں گے اور جب تک انصاف اور عزت کے ساتھ طے نہ ہوں گے ہم برابر جدّ و جہد کرتے رہیں گے اور لڑتے رہیں گے۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا جاں رسد بہ شکلا یا جاں زتن برآید

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس ناگ پور

(۴ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء)

ای حضرات! اگرچہ آپ کے شہر کا نام ناگ پور یعنی ناگوں بھرا ہے لیکن یہ مجھے بہت عزیز ہے اس لیے کہ یہیں مجھے وہ بیش بہا سبق ملا ہے جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہیں وہ واقعہ پیش آیا جسے اب ایک گونہ تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور جس نے ہماری تحریک میں قوت پیدا کردی اور مُلک کے اردو داں طبقے کی آنکھیں کھول دیں۔ میں اس واقعہ کا ذکر ہمیشہ شکرگزاری کے ساتھ کرتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں اسے شکرگزاری کے ساتھ یاد کروں گا۔ میں اسے اب ناگ پور نہیں، بلکہ جاگ پور کہتا ہوں کیوں کہ اس نے مجھے اور آپ کو جگایا۔

میرے ایک دوست نے جو بہت معقول پسند اور صاحب فکر ہیں مجھ سے ایک روز فرمایا کہ جب گاندھی جی نے اپنا طرزِ عمل بدل دیا ہے اور اب "ہندی ہندُستانی" یا ہندی چھوڑ کر ہندُستانی کہنے لگے ہیں جیسا کہ ان کی پشاور والی تقریر اور اس پیغام سے ظاہر ہے جو انھوں نے آل انڈیا اُردو کانفرنس دہلی کو بھیجا تھا تو اب اس پُرانے قصّے کو بار بار دُہرانا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے لیکن ان کی تجویز اور کوششیں جو زہر پھیلا چکی

Marfat.com

ہیں اور جن کا اثر روز بہ روز بڑھتا جاتا ہے اس کا کیا علاج؟ نیز اس پیغام سے جو انھوں نے اُردو کانفرنس کو بھیجا تھا یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہندی ہندوؤں کی اور اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ جہاں تک اُردو کا تعلق ہے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مسلمانوں کی یا کسی ایک فرقے کی زبان ہے۔ اور نہ کوئی واقفِ حال اسے قبول کرے گا۔ اُردو زبان کی تاریخ اور اس کی ساخت صاف بتا رہی ہے کہ یہ زبان بہ قول سر تیج بہادر سپرو کے "ہندو مسلمانوں کا ناقابلِ تقسیم ترکہ ہے"۔ ممکن ہے کہ یہ گاندھی جی کا سہو ہو لیکن ان کا سہو دوسروں کے سوچے سمجھے اور ارادی اقوال سے زیادہ قوت رکھتا ہے اور اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ مغالطہ مزید غلط فہمیوں کا موجب نہ ہو۔

ہم سے حال ہی میں لیڈر اخبار کے ایک قابل ہندو نامہ نگار نے یہ دریافت کیا کہ ہم جو بار بار یہ کہتے ہیں کہ اُردو ہندو مسلمان دونوں کی مشترکہ زبان ہے تو یہ انکشاف کب سے ہُوا؟ کیا اس سے قبل بھی کبھی ایسا کہا گیا تھا؟ بے شک یہ ہم نے حال ہی میں کہا ہے اور بار بار کہا ہے اور بار بار کہیں گے۔ اس سے پہلے اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ یہ ایک مسلّمہ امر تھا اور کسی کو اس میں شک نہ تھا اور ہر شخص جانتا تھا اور ہندو مسلمان دونوں اسے اپنی زبان سمجھتے تھے۔ اس وقت اس کے جتانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جتانا تو درکنار اس کا خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ اس کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب کہ ہندی کے حامیوں نے اس سے انکار کرنا شروع کیا اور ایک بنی بنائی تہذیب اور ایک بنی بنائی زبان سے منہ موڑ کر نئی بھاشا اور نئی تہذیب کا ڈول ڈالا۔ وہ زبان اور تہذیب جس کے بنانے، سنوارنے اور ترقی دینے میں ہمارے اور اُن کے

Marfat.com

بزرگوں نے صدیوں محنت کی اور جو ان کی نیک نیتی اور آپس کے ملاپ جلاپ اور اتحاد کی عزیز نشانی ہے، تعجب ہے کہ اس کو مٹاتے ہوئے اُن کا دل نہیں دُکھتا!

جدید ہندی کے مدعی سب سے بڑی دلیل ہندی کے حق میں یہ پیش کرتے ہیں کہ یہی زبان ایک ایسی ہے جو دیہات میں کام آسکتی ہے۔ یہ دلیل محض خیالی اور فرضی ہے، مدراس، بنگال، پنجاب، گجرات، مہاراشٹر کا تو ذکر ہی نہیں کہ ان کی بولیاں جدا جدا ہیں۔ یو پی، بہار، سی پی، سنٹرل انڈیا راجپوتانہ کے علاقوں کو لیجیے جن کی زبان ہندی کہی جاتی ہے اور دیکھیے کہ ان میں کس قدر مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں مثلاً برج بھاشا، قنوجی، بندیلی، بانگڑو، مالوی، راجستانی، گڑھوالی، اودھی، بگھیلی چھتیس گڑھی وغیرہ۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایک علاقے کا دیہاتی دوسرے علاقے کے دیہاتی کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔ بندیلی علاقے کا رہنے والا بہاری دیہاتی کی زبان سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اب میں ہندی کے ان مدعیوں سے پوچھتا ہوں کہ ان کی نئی ہندی کس علاقے کے دیہات سے تعلق رکھتی ہے۔ شاید کسی سے بھی نہیں دُنیا کے ہر ملک میں شہر کی زبان دیہات کی زبان سے کم و بیش مختلف ہوتی ہے۔ لیکن کہیں یہ اُلٹی کوشش نہیں کی گئی کہ دیہات کی زبان شہروں میں رائج کی جائے۔ ہمارے مُلک میں یہ فرق زیادہ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جہالت زیادہ ہے۔ اگر تعلیم عام ہو جائے تو یہ فرق خود بہ خود کم ہو جائے گا۔ اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ہم دیہاتیوں کی زبان اختیار کر لیں جو ایک ناقابل عمل اور مضحکہ خیز حرکت ہوگی۔ صحیح علاج یہ ہے کہ تعلیم عام کر دی جائے۔

ایک بار نہیں بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ جب دیہاتیوں کے کسی

Marfat.com

مجمع میں اس زبان میں تقریر کی گئی جسے ہمارے اس زمانے کے بعض معزز لیڈر ہندی کہتے ہیں تو کسی کے کچھ پلے نہ پڑا اور مجمع نے باتیں کرنی یا حقّے کے دم لگانے شروع کر دیے۔ پنڈت جواہرلال نہرو سے بڑھ کر کسی نے ہندُستان کے دیہات کا دورہ نہیں کیا۔ وہ نہ کسی دیہات کی بولی جانتے تھے اور نہ جدید ہندی سے واقف ہیں۔ انھوں نے اسی زبان میں تقریریں کیں (اور ایک نہیں ہزاروں تقریریں کیں)، جسے ہم اُردُو اور انگریز ہندستانی کہتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ کانگرس کے سب سے زیادہ کام یاب اور پُرگو پریزیڈنٹ ثابت ہوئے۔ اگر وہ مختلف علاقوں اور ہر علاقے کی مختلف بولیوں کے سیکھنے کی کوشش کرتے تو ان کا سارا زمانۂ صدارت اسی میں ختم ہو جاتا اور ایک بولی بھی نہ آتی ؛

آپ ہی کے اس شہر میں جب مسز پنڈت تشریف لائیں اور بڑی دھوم سے ان کا استقبال ہُوا اور ان کے اعزاز میں ڈاکٹر کھرے صاحب کی صدارت میں جلسہ ہُوا تو مسز پنڈت اور ڈاکٹر کھرے نے کس زبان میں تقریریں کیں ؟ کیا وہ کوئی دیہاتی بولی تھی یا ہندی ؟ نہیں، یہ وہی غریب اُردُو جس پر آج ہر طرف سے لے دے ہو رہی ہے ؛

سوباش چندر بوس نے یوپی، بہار، سی پی میں بارہا دورے کیے اور سیکڑوں جلسوں میں تقریریں کیں۔ وہ بڑے مقرر ہیں۔ ہزاروں آدمیوں نے ان کی تقریریں سُنی ہیں۔ وہ بنگالی ہیں لیکن وہ سیدھی سادی اُردُو میں گھنٹوں تقریر کرتے ہیں اور لوگ بلا تکلف سمجھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے ایسی سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ہندُستان کی اگر کوئی عام زبان ہے تو وہ اُردُو ہی ہے۔

Marfat.com

حال ہی میں ہندی پرچارنی سبھا دہلی کا ایک جلسہ تھا اس کے صدر جناب پنڈت شری کانت مالویہ تھے۔ انھوں نے بہت صاف ستھری اور فصیح اُردو میں تقریر فرمائی لیکن تھی اُردو کی مخالفت میں۔ انھوں نے اپنی تقریر کے دوران میں یہ بھی فرمایا کہ مجھے اُردو سے پریم ہے۔ ہمیں یہ سُن کر خوشی ہوئی۔ لیکن ہمارا اور ہندی کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ ہمیں ہندی سے پریم ہی نہیں، ہم اس کے عاشق ہیں۔ ہم نے اُسے ہندستان کے گوشے گوشے میں پہنچایا اور ہندُستان کے باہر تک مُلکوں مُلکوں لے گئے۔ ہماری زبان کی تو بنیاد ہی ہندی پر ہے۔ اگر ہم اپنی زبان سے ہندی کا عنصر خارج کر دیں تو ہماری زبان کا وجود ہی نہیں رہ سکتا۔ البتہ آج کل کے ہندی والے اپنی زبان سے اُردو فارسی عربی کے لفظ نکال کر بھی اپنی زبان قائم رکھ سکتے ہیں کیوں کہ ان کا میلانِ خاطر سنسکرت کی طرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ہند اور خاص کر تامل ناڈ والے ان سے بدگمان ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہندی کے پردے میں سنسکرت پھیلانا اور ان کی زبان اور تہذیب کا گلا گھونٹنا چاہتے ہیں ؛

اسی مبارک شہر میں ۱۹۳۵ء کے مبارک سال میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کا اجلاس ہوا تھا جس کے صدر جناب گاندھی تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ گاندھی جی نے ایک وکیلانہ، منطقیانہ اور جدت آفریں دماغ پایا ہے۔ انھوں نے اس جلسے میں ایک لفظ "ہندی ہندُستانی" گھڑا تھا۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ ہندی سے آپ کی کیا مُراد ہے تو فرمایا کہ وہ زبان جو کتابوں میں ہے اور بول چال میں نہیں۔ اور جب یہ پوچھا گیا کہ ہندُستانی سے آپ کا مطلب کیا ہے تو فرمایا وہ زبان جو بول چال میں تو ہے مگر کتابوں

Marfat.com

میں نہیں آتی۔ یہ اُس شخص کا قول ہے جو کل ہند ہندی ملیلن کا صدر ہے۔ جس نے ہندستان بھر میں ہندی کو عام زبان بنانے کا بیڑا اُٹھایا ہے جس کے ایک ایک لفظ پر کیا راجا اور کیا پرجا دونوں کے کان لگے ہوئے ہیں۔ اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ملک کی زبان نہ تو ہندی ہو سکتی ہے نہ ہندستانی، کیوں کہ ایک بولنے میں آتی ہے تو کتابوں میں نہیں آتی اور دوسری کتابوں میں لکھی جاتی ہے تو بول چال میں نہیں آتی۔ اب رہ گئی اُردو سو اُس کے متعلق کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ بولنے میں بھی آتی ہے اور کتابوں میں بھی یعنی بول چال کی زبان بھی ہے اور ادب و انشا کی بھی اس لیے یہی زبان اس دیس کی "راشٹر بھاشا" یعنی عام زبان ہو سکتی ہے۔

حضرات اُردو کی پیدایش اور اس کی تاریخ کوئی معمولی واقعہ نہیں یہ ہندستان کی تاریخ کا نہایت اہم اور عظیم الشان واقعہ ہے۔ مؤرخوں نے اس بارے میں ایسی غفلت برتی جو ناقابلِ معافی ہے۔ وہ بادشاہوں کی فتوحات اور لڑائیوں اور ان کے درباروں اور جشنوں کا حال تو بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں لیکن ایک ایسے اہم واقعے کو نظر انداز کر جاتے ہیں جس نے ذہنی اور ادبی انقلاب پیدا کر دیا اور جو اصل ہندستانی تہذیب کی جان ہے۔ یہ اُس وقت وجود میں آئی جب کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ ہر رجواڑہ خود مختاری کا دعوے دار تھا۔ ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک عجب بے سرو سامانی اور انتشار اور بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ آپس کی پھوٹ نے سارے کام درہم برہم کر رکھے تھے۔ کوئی ایک ملک تھا اور نہ کوئی نظام۔ ایسے وقت میں مسلمان یہاں آئے۔ بے ترتیبی اور بدنظمی کو رفع کیا اور امن قائم کیا۔ نئے قواعد اور نئے آئین

Marfat.com

نافذ کیے۔ ایک ملک ایک زبان اور ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ وہی تہذیب اصل ہندستانی تہذیب اور وہی زبان اصل ہندستانی زبان ہے، کیوں کہ ان میں ہندو مسلمان دونوں کا رنگ روپ موجود ہے۔

۱۸۰۱ء میں مسٹر ڈبلیو۔ بی بیلی نے (جو کچھ دنوں کے لیے گورنر جنرل بھی ہو گئے تھے) ہندستانی زبان پر ہندستانی زبان ہی میں ایک مقالہ لکھا تھا جس میں بہ دلائل یہ ثابت کیا ہے کہ ہندستانی زبان ہی ہندستان کی عام زبان ہو سکتی ہے۔ یہ مقالہ جوں کا توں ہندی کے رسالے 'وشال بھارت' میں شایع ہوا ہے۔ اس تحریر سے آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندستانی زبان سے کیا مراد ہے۔ چوں کہ ہندستانی کا لفظ زبان کے معنوں میں سب سے اوّل اہلِ یورپ اور خاص کر انگریزوں نے استعمال کیا۔ اس لیے انھیں کی شہادت پیش کرنی ضرور ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہندستانی کس زبان کو کہتے تھے۔ یہاں میں اس کے چند جملے پڑھ کر سناتا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ وہ جسے ہندستانی زبان کہتا ہے وہ کون سی زبان ہے۔

مسٹر بیلی کے مقالے کے ابتدائی چند جملے یہ ہیں:۔

"ہندستانی زبان جس کا ذکر میرے دعوے میں ہے اس کو ہندی، اُردو اور ریختہ بھی کہتے ہیں اور یہ مرکب عربی اور فارسی و سنسکرت یا بھاشا سے ہے اور یہ پچھلے اگلے زمانے میں تمام ہند میں رائج تھی۔

عرب سوداگروں کی آمد و رفت اور مسلمانوں کی اکثر یورش اور حکومت قیامی کے باعث الفاظ عربی اور فارسی اسی پرانی بولی میں بہت مل گئے اور ایک نئی زبان بن گئی جیسے کہ بنیادِ قدیم پر تعمیرِ نو ہو وے۔

آخر الامر یہ بولی ہندستان میں سب کو عزیز اور پیاری ہو گئی اور اکثر

Marfat.com

ہم وطنوں نے اسی مرکب زبان پر راغب ہو کر اس کو اخذ کیا کہ اپنے ایسے معاملات جن کا استحکام موقوف تحریر پر نہ ہو ان میں اسی سے کلام کریں۔

سارا مقالہ اسی طرز میں لکھا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر ہر شخص بلا تامل یہ کہہ دے گا کہ یہ تو بعینہ وہی زبان ہے جسے ہم اردو کہتے ہیں۔ ہندستانی سے ہمیشہ یہی زبان مراد لی جاتی تھی اور مسٹر بیلی بھی اپنی اس تحریر کی زبان کو ہندستانی ہی کہتے ہیں۔ ہندستانی اور اردو کا امتیاز آج کل کا پیدا کیا ہوا ہے۔ سب سے اول گروس نے یہ امتیاز قائم کیا اور اس کے بعد گریرسن نے اسے رواج دیا اور پھر بہت سے دوسرے لوگ ان کی پیروی کرنے لگے۔ اور یہ امتیاز بھی اس سے زیادہ نہیں کہ آسان اردو کا نام ہندستانی ہے۔ بہرحال ہے وہ اردو ہی۔

اب میں آپ کے صوبے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

یہ سب جانتے ہیں کہ مغلیہ حکومت میں دفتری اور سرکاری زبان فارسی تھی اور شمالی ہند کے تمام علاقوں یعنی بنگال، بہار، یوپی، پنجاب، سی پی نیز سنٹرل انڈیا، راجپوتانہ اور اس سے متعلقہ تمام دیسی ریاستوں [illegible] دکن حیدرآباد اور میسور تک فارسی کا رواج تھا۔ آپ کے صوبے میں بھی بھونسلوں کے عہد میں ناگپور کی سرکاری اور دفتری زبان فارسی [illegible] انگریزی حکومت کے [illegible] اور عدالتوں میں فارسی کی جگہ اردو نے لی تو یہاں کی دفتری زبان بھی اردو ہو گئی۔ لیکن پچاس برس بعد جب ہندستان کی تقسیم سیاسی مصالح کی بنا پر نئے سرے سے ہوئی تو اردو یہاں سے رخصت ہو گئی اور مرہٹی اور ہندی میں کارروائی ہونے لگی۔ اگرچہ اردو دفتروں سے رخصت کر دی گئی لیکن عملی طور سے

Marfat.com

رخصت نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنی فطری صلاحیت اور مقبولیت کی وجہ سے بڑھتی ہی چلی گئی۔ بول چال اور کار دبار کی زبان (اب بھی) اُردو ہے۔ اس کے علاوہ تجارت اور آمد و رفت کی آسانیوں کی وجہ سے پنجاب اور یوپی کے بہت سے لوگ یہاں آکر بس گئے اور ان کی بدولت نامعلوم طور پر اُردو کا رواج بڑھتا رہا۔ یہ رواج اور بڑھتا اور ترقّی کرتا اگر اُس کے راستے میں بعض رُکاوٹیں نہ آجاتیں۔ یہ رُکاوٹیں بہت کچھ ہماری اور ہمارے بھائیوں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارم کے بعد جب قلمدانِ وزارت ہندُستانی وزیروں کے مبارک ہاتھوں میں آیا تو کبھی اقتصادی بدحالی اور کبھی طالب علموں کی کمی کے حیلے سے سرکاری مدارس سے اردو خارج کر دی گئی اور ثانوی تعلیم میں اُردو پڑھانے کا بار کلّیۃً اسلامی انجمنوں کے کمزور شانوں پر ڈال دیا گیا۔ ان انجمنوں نے جہاں تک بن پڑا، اپنی بساط کے موافق بہت کچھ کیا اور کر رہی ہیں لیکن یہ سارے صُوبے کا بوجھ کیوں کر اُٹھا سکتی ہیں اور ہر مقام کو جبل پور جیسی انجمنیں کہاں نصیب ہو سکتی ہیں؟

اب آپ کے صُوبے میں اُردو کی حالت یہ ہے کہ ایک برار میں تو (جو ریاست حیدر آباد کا ٹکڑا تھا)، اُردو مدارس کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ وہاں دیہاتی رقبے میں بھی اُردو کے ابتدائی مدرسے پائے جاتے ہیں۔ جو سی پی کے علاقے میں اُن میں تقریباً معدوم ہیں۔ سی پی کے شہروں میں تو (اور شہر ہی کتنے ہیں) کچھ نہ کچھ اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے بھی لیکن دیہات میں اُردو کا نام و نشان نہیں۔ ساگر، بیتول، ہوشنگ آباد اور چھنڈواڑہ وغیرہ کی ڈسٹرکٹ کونسلوں کے تحت ایک اُردو اسکول بھی نہیں۔ اگرچہ ان اضلاع میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں

Marfat.com

مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور جن کی مادری زبان اُردو ہے شہروں میں اُردو کے جو ابتدائی مدارس میونسپلٹیوں کے زیرِ انتظام ہیں اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہے، نہ ان مدرسوں کے لیے مناسب مکان ہیں نہ فرش نہ فرنیچر۔ اور نہ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ انسپکٹر صاحبان جو ان مدرسوں کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں وہ اُردو سے بے بہرہ ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ تعلیم کی طرف سے جس قدر بھی غفلت ہو کم ہے۔ اکثر مقامات کے ثانوی مدارس میں اُردو مضمون کی حیثیت سے بھی نہیں پڑھائی جاتی۔ اس لیے ان بچّوں کے لیے جنھوں نے اُردو پرائمری مدرسوں میں تعلیم پائی ہے صرف دو رستے ہیں۔ یا تو وہ غیر اضلاع یعنی دُور دراز مقامات میں جاکر ایسے مدرسوں میں تعلیم حاصل کریں جن میں اُردو پڑھائی جاتی ہے یا ابتدائی تعلیم اُردو میں حاصل کرنے کے بعد مقامی مدرسوں میں ہندی اور مرہٹی کے ذریعے تعلیم حاصل کریں۔ پہلی صورت صرف امیروں کے لیے ہے اور دُوسری شق تعلیمی نظر سے سخت مضر ہے۔

ان حالات میں جو ابھی بیان کیے گئے ہیں، اُردو کے پنپنے کی توقع مشکل سے ہو سکتی ہے۔ کیا آپ کی غیرت یہ گوارا کرے گی کہ وہ زبان جو آپ ہی کو نہیں، مُلک کے بہت بڑے حصّے کو عزیز ہے رفتہ رفتہ مٹ جائے اور اُس کے ساتھ وہ تہذیب بھی رخصت ہو جائے جو صدیوں میں بنی اور پختہ ہوئی تھی اور جس میں ہندُستان کی ہر قوم کا حصّہ ہے۔ اس کی اصلاح لازم ہے لیکن اصلاح خود بخود نہیں ہوتی، اس کے لیے بہت جتن کرنے پڑتے ہیں، بہت محنت مشقت اُٹھانی پڑتی ہے

Marfat.com

اور بہت کچھ ایثار کرنا پڑتا ہے۔ آپ چاہیں اور دل پر رکھ لیں تو مشکل
کچھ نہ کچھ ضرور آسان ہو سکتی ہے؛

اب میں چند تجویزیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ان پر
غور فرمائیے اور اگر آپ کے خیال میں مناسب ہوں تو آج ہی سے
ان کو عمل میں لانے کا ڈول ڈال دیجیے۔

اور یہیں نہیں ہر صوبے میں پرائمری تعلیم کا تعلق میونسپلٹیوں اور
ڈسٹرکٹ کونسلوں یا ڈسٹرکٹ بورڈوں سے ہے۔ اور یہیں نہیں ہر جگہ یہ
شکایت ہے کہ ان کے ہاتھوں انصاف نہیں ہوتا۔ آپ نے "ہماری زبان"
کے آخری پرچے میں بابو سمپورنانند صاحب سابق وزیر تعلیم یو پی کا خط
پڑھا ہوگا۔ انہیں بھی یہی شکایت ہے۔ وزیر ہو کر بھی وہ کچھ نہ کر سکے تو
دوسرا کیا کر سکتا ہے۔ ان کی رائے میں ان اداروں کو اس قدر زیادہ
اختیار حاصل ہیں کہ گورنمنٹ بھی مجبور ہو جاتی ہے اور مداخلت نہیں کر سکتی
اس لیے ان کے اختیارات تعلیمی معاملات میں کم کر دینے چاہئیں۔ اس
میں تو شاید آپ کو فی الحال کامیابی نہ ہو سکے۔ لہٰذا کم سے کم یہ کوشش
کی جائے کہ جہاں تک اردو تعلیم کا تعلق ہے اس کا انتظام اس کے ہاتھ
سے نکال کر حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لے۔ کیوں کہ موجودہ حالات
میں میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ کونسلوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ
اردو مدرسے قائم کریں گی۔ یا آپ کی تجویزوں پر ہمدردانہ غور فرمائیں
گی خیالِ باطل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے دل بدل جائیں لیکن دلوں
کا بدلنا آپ کے تو کیا گاندھی جی کے بس میں بھی نہیں جیسا کہ آپ ودیا
مندر اسکیم کے معاملے میں دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے اس کا انتظار

Marfat.com

نہ کیجیے اور اپنی ہمت اور کوشش پر بھروسا کر کے جو کچھ بھی ہو سکتا ہو کرنا شروع کر دیجیے ۔

۲۔ دوسری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہر مڈل اسکول اور ہائی اسکول میں اُردو میں تعلیم کا انتظام کیا جائے ۔

۳۔ اُردو مدرسوں کی نگرانی کے لیے حکومت ایسے انسپکٹر مقرر کرے جو اُردو داں ہوں ۔

۴۔ کالجوں میں اُردو تعلیم کا معقول انتظام ہو ۔

۵۔ اُردو کتب خانوں کو حکومت اور لوکل سیلف گورنمنٹ کی طرف سے کافی امداد دی جائے ۔

۶۔ حکومت اُردو کے شبینہ مدارس قائم کرے یا ان انجمنوں کو جو اُردو کے شبینہ مدارس چلاتی ہیں کافی امداد دے ۔

۷۔ عدالتوں اور دفتروں میں اُردو رسم خط کے استعمال کی بھی اجازت ہو ۔

۸۔ جو لوگ اُردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں اور جہاں جہاں ضرورت ہو اُردو مدارس قائم کریں اور قائم کرنے کے بعد ان کا انتظام حکومت یا نیم سرکاری اداروں کے سپرد کر دیں۔ اگر اسمبلی، میونسپل اور ڈسٹرکٹ کونسل کے ارکان اس باب میں تھوڑی سی بھی کاوش کریں تو بہت کچھ کامیابی ہو سکتی ہے ۔

۹۔ جن مکتبوں میں قرآن شریف پڑھانے کا انتظام ہے، وہاں کوشش کر کے اُردو پڑھانے کا بھی بندوبست کیا جائے ۔

۱۰۔ نجی خط و کتابت اور بہ شرطِ امکان کاروباری مراسلت اُردو

Marfat.com

میں کی جائے. منی آرڈر فارم اور خطوں کے پتے اُردو میں لکھے جائیں دُکانوں کے سائن بورڈ اُردو میں ہوں ؛

۱۱۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہو کہ دیہات میں اُردو مدارس کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ اس معاملے میں سی پی والوں کو برار سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر آپ آمادہ ہو جائیں تو اتنا بھی نہ کرسکیں جو اہلِ برار نے کیا ہو ؛

۱۲۔ ذی حیثیت لوگ چھوٹے پیمانے پر اُردو کے مدرسے قائم کرنے کی کوشش کریں ؛

۱۳۔ اُردو کی بقا و تحفظ اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے مضبوط بنیادوں پر تمام سی پی اور برار میں انجمن ترقیٔ اُردو ہند کی شاخوں کا جال پھیلا دیں ؛

ان میں بعض امور ایسے ہیں کہ آپ آسانی سے یا تھوڑی سی کوشش سے کرسکتے ہیں۔ صرف توجہ کی ضرورت ہو اور بعض ایسے ہیں جن کے لیے بہت کچھ تگ و دو اور سعی کرنی پڑے گی۔ کام جو کرنے کے قابل ہو، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، حقیقی طور پر اسی وقت سرانجام پاتا ہو جب کہ خلوص اور مستعدی سے کیا جائے۔ اور خلوص اور مستعدی کی جیسی کچھ اس وقت ضرورت ہو وہ آپ پر ظاہر ہو اور میرے یا کسی اور کے کہنے یا جتانے کی ضرورت نہیں ؛

آپ کو معلوم ہو کہ اس سال تمام ہندستان کی مردم شماری ہونے والی ہو۔ مردم شماری کے ساتھ زبان شماری بھی ہوتی ہو۔ زبان کے معاملے میں مردم شماری کی رپورٹ مستند سمجھی جاتی ہو، موافق، مخالف

Marfat.com

سب ہی رپورٹ کے اعداد و شمار اپنے دعووں کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ اس معاملے میں کیسی دھاندلی اور بد دیانتی کی جاتی ہے۔ چناں چہ کمشنر مردم شماری نے خود اس کا اعتراف اپنی رپورٹ میں کیا ہے کہ "پنجاب اور یوپی میں زبان کے گوشواروں میں بلاشبہ غلط اندراج کیے گئے ہیں۔ ہندو شمار کنندے ہر شخص کی زبان ہندی لکھتے تھے خواہ وہ شخص کوئی زبان لکھائے اور یہی حال مسلمان شمار کنندوں کا تھا۔ زبان کے معاملے میں جذبات میں بڑی شدت پیدا ہوگئی تھی، سخت بحثیں ہوتی تھیں اور ناخوش گواری انتہا کو پہنچ جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی کی میزان پر تو کچھ اثر نہ پڑا لیکن اردو کی میزان پر بہ نسبت سابق (سنہ ۱۹۰۱ء) کے ⅙ کم ہوگئی اور اضلاع کے گوشواروں میں تو اکثر حالتوں میں یہ فرق بہت ہی بے سر دیا پایا گیا۔" رپورٹ مردم شماری سنہ ۱۹۱۱ (صفحہ ۳۲۰) آخر ان بدعنوانیوں سے تنگ آکر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یوپی میں ہر شخص کی زبان ہندستانی لکھی جائے۔ چناں چہ سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماریوں میں اسی پر عمل کیا گیا ؛

خیر اس کا مضائقہ نہ تھا لیکن مردم شماری میں اس کی بھی پابندی نہیں کی گئی بلکہ گریرسن کی من مانی تقسیم کی پیروی کی گئی یعنی مغربی ہندی اور مشرقی ہندی دو قسمیں قرار دی گئیں۔ مغربی ہندی میں ہندستانی بانگڑو، قنوجی اور بندیلی شامل ہیں اور مشرقی ہندی میں اودھی، بگھیلی اور چھتیس گڑھی، اور ہندستانی میں اردو اور ہندی دونوں ہیں۔ اب اگر کوئی چاہے کہ مردم شماری کی رپورٹ سے اردو جاننے اور بولنے والوں

Marfat.com

کی تعداد دریافت کرے تو یہ ممکن نہیں۔ ہندی اور اُردو کا امتیاز رسم خط سے کیا گیا ہے اور اس سے صرف خواندہ اشخاص کی تعداد معلوم ہو سکتی ہے۔ ایسے اشخاص اس شمار سے خارج ہوں گے جو لکھنا پڑھنا تو نہیں جانتے لیکن زبان جانتے اور بولتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ مردم شماری میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اگر اس کا خیال رکھا جاتا تو آسانی سے معلوم ہو جاتا کہ کتنے اشخاص ہندی لکھنا پڑھنا جانتے اور کتنے اُردو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ اعداد صرف پنجاب، سی پی، برار، سنٹرل انڈیا ایجنسی، حیدرآباد اور کشمیر کے گوشواروں میں مندرج ہیں۔ باقی صوبوں اور علاقوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جس کی شکایت مردم شماری کی رپورٹ میں بھی کی گئی ہے۔

کوئی شخص اپنی زبان مغربی ہندی یا مشرقی ہندی نہیں کہتا یا بتاتا۔ وہ کسی نہ کسی زبان یا بولی کا نام لیتا ہے اور اکثر صوبوں میں شمار کنندہ وہی زبان اور بولی اپنے نقشوں میں درج کرتا ہے لیکن بعض میں رپورٹ مرتب کرنے والے ان اعداد کو مغربی اور مشرقی ہندی میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس طرح ہندی، ہندستانی، اُردو سب گئیں۔ البتہ جن علاقوں کی مادری زبان ہندستانی یا اُردو نہیں وہاں ہندستانی یا مغربی ہندی جاننے والوں کی تعداد دوسری زبان کی حیثیت سے لکھ لی گئی ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ ہندستان بھر میں کسی کی بھی مادری زبان اردو یا ہندستانی نہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ کی یہ ادنیٰ ستم ظریفی ہے۔

شمار کنندوں کی جانب داری پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ یہ ہندی اُردو تک ہی محدود نہیں بلکہ مدراس میں بنگالی اور اڑیا اور تلنگی اور اڑیا کے معاملے میں بھی بڑی دھاندلی ہوئی جس کی وجہ سے نگرانی کے لیے خاص

Marfat.com

افسر مقرر کیے گئے۔ اس معاملے میں شمار کنندہ اور زبان لکھنے والا دونوں اپنی زبان کی جانب داری کرتے ہیں اور اس طرح اعداد و شمار غلط ہو جاتے ہیں۔ مدراس کے متعلق سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی ایسی بے اعتباری ہوئی کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں مدراس گورنمنٹ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ چوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے اڑیا والوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر ملازمت وغیرہ میں خاص رعایتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ لہذا تلنگی والوں نے اپنی زبان بھی اڑیا لکھوا دی اور چوں کہ شمار کنندوں میں اڑیا والوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ ہر کسی سے اڑیا زبان میں پوچھ گچھ کرتے تھے اور جس کسی نے اڑیا میں جواب دیا اس کی زبان اڑیا لکھ لی۔

پہلے ہندی اردو کا ناگوار جھگڑا صرف یوپی میں تھا جس کا اثر مردم شماری پر بھی پڑتا تھا۔ ناچار اس سے بچنے کے لیے یہ حکم دے دیا گیا کہ یوپی کے ہر شخص کی زبان ہندستانی لکھی جائے، پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں لیکن اب یہ فساد ہندستان کے بعض بعض صوبوں میں وہاں کے رہنماؤں کی وجہ سے روز بروز بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور سیاست کی موجودہ کشمکش نے اس میں اور شدت پیدا کر دی ہے لہذا اس بار مردم شماری میں بہت کچھ بدعنوانی کا اندیشہ ہے۔ گزشتہ مردم شماریوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ زبان شماری کا انحصار زیادہ تر شمار کنندوں پر ہے۔ ناخواندہ تو مجبور ہیں۔ انھیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ شمار کنندے نے ان کی زبان کیا لکھی ہے۔ لیکن بعض اوقات خواندہ اشخاص کی زبان بھی وہ اپنے لسانی یا سیاسی رجحان کے مطابق کچھ اور لکھ دیتے ہیں۔ اس لیے مردم شماری کے وقت کم سے کم خواندہ اشخاص احتیاطاً یہ دیکھ لیں کہ شمار کنندے نے وہی زبان لکھی ہے جو انھوں نے بتائی تھی۔

Marfat.com

کوئی اور تو نہیں لکھ دی۔ دوسرے اردو دانوں کو مردم شماری کے کام کے لیے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو پیش کرنا چاہیے۔ یہ بھی ایک قومی خدمت ہے اس سے یہ ہوگا کہ زبان کے معاملے میں زیادہ دھاندلی نہیں ہونے پائے گی۔

مردم شماری کے گوشواروں میں زبان کے دو خانے ہوتے ہیں۔ ایک مادری زبان کا اور دوسرا ثانوی زبان کا، یعنی ایسی زبان جو مادری زبان کے علاوہ ہے۔ مثلاً اگر کسی کی مادری زبان اردو ہے اور دوسری زبان جو وہ جانتا ہے فارسی، انگریزی یا مرہٹی ہے تو مادری زبان کے خانے میں اردو اور دوسرے خانے میں فارسی انگریزی وغیرہ لکھی جائے گی۔ یا اگر کسی کی مادری زبان ہندی یا مرہٹی ہے اور اس کے علاوہ اردو بھی جانتا ہے تو دوسرے خانے میں اردو درج ہوگی۔ یہ بات بھی خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے۔

پچھلی مردم شماری میں سی پی اور برار میں اردو خواندہ اشخاص کی تعداد ۴۷۴۴۲۴ بتائی گئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعداد کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس دس سال کے عرصے میں یہ تعداد بہت بڑھ گئی ہوگی۔ اب جو مردم شماری ہوگی اس سے اگرچہ صحیح تعداد کا معلوم ہونا تو مشکل ہے تاہم ایک اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی ترقی ہوئی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اغراض مردم شماری کے لیے خواندہ سے مراد وہ شخص ہے جو معمولی خط لکھ سکے اور خط کا جواب پڑھ سکے۔ اس لیے آپ کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو خواندوں کی تعداد بڑھائیے۔ ابھی کافی وقت ہے۔ اگر آپ جی میں ٹھان لیں تو مردم شماری کے وقت تک ہزارہا اشخاص کو خواندہ بنا سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام کانفرنسوں

Marfat.com

میں ریزولیوشن منظور کرنے سے نہیں ہو سکتا اس کے لیے سچے جوش، دُھن اور مستعدی کی ضرورت ہی۔

آج کل کچھ ایسی ہَوا چلی ہی کہ اردو کے خلاف نئے نئے اور عجیب عجیب اعتراض گھڑ گھڑ کر بیان کیے جا رہے ہیں اور ان کو بار بار دُہرایا جا رہا ہی۔ اس لیئے میں ان پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زبان مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی۔ گویا بادشاہ ہی تو زبانیں بناتے اور پھیلاتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب تحقیق گاندھی جی نے کی ہی۔ یہ جُملہ انھوں نے ناگ پور ہی میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس میں فرمایا تھا۔ اب ان کے پیرو اور وہ اصحاب جن کی آنکھوں میں اُردو کانٹے کی طرح کھٹکتی ہی یہ بات لے اُڑے اور موقع بے موقع کہتے پھرتے ہیں۔ لیکن کسی نے اب تک یہ نہ بتایا کہ کون سے مسلمان بادشاہ تھے۔ جنھوں نے یہ نیک کام انجام دیا۔ ہندُستان میں جب تک اسلامی حکومت رہی دربار اور دفتر کی زبان فارسی رہی بلکہ ہندو راجاؤں کی دفتری زبان بھی فارسی ہوگئی۔ خود بادشاہ فارسی بولتے اور فارسی لکھتے تھے۔ البتہ دلّی میں شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ظفر اُردو کے شاعر تھے۔ یہ دونوں انگریزوں کے وظیفہ خوار تھے۔ شاہ عالم کی حکومت کے متعلق مثل مشہور ہی "سلطنت شاہ عالم از دلّی تا پالم" اور ظفر صرف قلعہ معلّے کے بادشاہ تھے۔ لکھنؤ کی بادشاہت بہت تھوڑے دن رہی اور وہ بھی محدود رقبے میں۔ اُردو نے اگر ترقی کی اور سرکار دربار میں رسائی پائی تو انگریزی حکومت کی بدولت۔ اور انگریزی حکومت ہی نے فارسی زبان کو نکال کر اُردو کو دفتروں اور عدالتوں کی زبان بنایا۔ اُس وقت کسی نے یہ اعتراض

Marfat.com

نہ کیا۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ بدیسی زبان ہے یا مسلمانوں کی زبان ہے۔ یہ سراسر غلط اور لغو ہے اور جان بوجھ کر آنکھوں میں خاک ڈالنی ہے۔ مسلمان اسے کہاں سے لائے تھے۔ یہ خاص ہندستان کی پیداوار اور دونوں قوموں یعنی ہندو مسلمانوں کے لسانی، تہذیبی اور معاشرتی اتحاد کا نتیجہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بولنے والے زیادہ تر ہندو ہیں۔ اگر اس میں چند فارسی عربی کے لفظ آ گئے تو کیا اس سے وہ بدیسی ہو سکتی ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ یہ تو درباری زبان ہے اور بادشاہوں اور نوابوں کی مصاحبت کے لیے موزوں ہے۔ بے شک یہ درباری بھی ہے اور بازاری بھی، یہ عالموں کی بھی ہے اور عامیوں کی بھی، شہریوں کی بھی ہے اور دیہاتیوں کی بھی، یہ فلسفیوں کی بھی ہے اور سائنس دانوں کی بھی، یہ فسانوں کی بھی ہے اور داستانوں کی بھی۔ دفتری مثلوں کی بھی ہے اور قصیدوں اور غزلوں کی بھی۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی فوقیت اور سب سے بڑی وجہ ترجیح ہے۔

ایک ایسی زبان کے لیے جو ملک بھر کی عام زبان ہونے کا دعویٰ رکھتی ہو، ضرور ہے کہ وہ

۱۔ دیسی زبان ہو، باہر کی نہ ہو۔
۲۔ کسی خاص فرقے یا رقبے تک محدود نہ ہو۔
۳۔ زمانے کا ساتھ دے سکے اور حالات کے مطابق ڈھل سکے۔
۴۔ ہر قسم کے خیالات اور جذبات کے ادا کرنے پر قادر ہو۔
۵۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کا ذریعہ بن سکے۔

Marfat.com

اُردو زبان یہ تمام شرطیں پوری کرتی ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ خالص دیسی زبان ہے۔ نہ کسی خاص فرقے کی ہے اور نہ کسی خاص رقبے میں محدود ہے۔ یہ ہر زمانے میں ہر قسم کی ادبی، کاروباری اور تعلیمی ضرورتیں پوری کرتی رہی ہے۔ ہر نوع کے مضامین، اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات اور نازک سے نازک جذبات کے ادا کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اس وقت ادنیٰ سے لے کر یونیورسٹی تک کی تعلیم کا ذریعہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آسانی سے سیکھی جا سکتی ہے۔ غیر ملکوں کے لوگ بہت کم عرصے میں سیکھ لیتے ہیں جس کی سیکڑوں شہادتیں موجود ہیں۔

اگر باوجود ان تمام اوصاف کے وہ ملک بھر کی زبان نہ ہوئی تو اس میں زبان کا قصور نہیں، یہ سراسر ہمارا قصور ہوگا۔ ہم کو شکر کرنا چاہیے کہ ہمیں اتنی کامل اور اصلاح پذیر بنی بنائی زبان مل گئی ہے۔ اگر ہم نے اس سے کام نہ لیا اور اس رتبے تک نہ پہنچایا جس کی وہ مستحق ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی کفرانِ نعمت نہ ہوگا۔

اے اہالیانِ ناگپور! میں آپ کو خاص طور پر مخاطب کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ اس ناگوار سانحے کے بعد جو ادب میں آپ کے شہر ناگپور میں واقع ہوا آپ نے اردو زبان کی بقا اور تحفظ کے لیے سب سے زیادہ کام کیا اور جوانمردانہ جدوجہد کی۔ آپ کے صوبے میں انجمن ترقیٔ اردو ہند کی شاخیں اب دوسرے صوبوں سے زیادہ ہیں لیکن یہ کافی نہیں۔ اب کچھ عرصے کے لیے جلسے بند، ہنگامے موقوف، ریزولیوشن بالائے طاق رکھیے اور قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں پھر کر انجمن کا پیغام گھر گھر پہنچائیے۔ جہاں جہاں پہلے سے

Marfat.com

کچھ کام ہو رہا ہے اسے مضبوط کیجیے، جہاں کام سست پڑ گیا ہے اُسے چُست کیجیے۔ جہاں اب تک شروع نہیں ہُوا وہاں شروع کیجیے۔ جوان پڑھ ہیں انھیں اُردو لکھنا پڑھنا سکھائیے جو شُدبُد رکھتے ہیں ان کی استعداد بڑھانے کے لیے کتب خانے اور مطالعہ خانے کھولیے اور ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیجیے کہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ میں اُردو سیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کا کوئی ذریعہ یا سامان نہ ہونے سے محروم رہ گیا ؛

اگر آپ نے یہ کر لیا تو آپ کا صوبہ سب صوبوں پر سبقت لے جائے گا۔ اور ملک بھر کے لیے روشن مثال ہو گا ؛

Marfat.com

خطبۂ صدارت شعبۂ صحافت آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس تروپتی (جنوبی ہند)

(۲۲ر مارچ سنہ ۱۹۴۰ء)

ایک زمانے میں انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ سوشل کانفرنس کا بھی سالانہ اجلاس ہوتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۰ء کی کانفرنس کے اجلاس کے صدر جسٹس رانا ڈے تھے۔ انھوں نے اپنے خطبے میں ہندستان کی گزشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ پر تبصرہ فرمایا تھا جس میں انھوں نے مسلمانوں کی آمد اور ان کی تہذیب و تمدن کے اثرات جو اہلِ ہند کی معاشرت مذہب، سیاست اور خیالات پر پڑے اور اُن فوائد پر جو اُن سے مرتب ہوئے، ایک مورخانہ اور فاضلانہ نظر ڈالی ہے۔ یہ مختصر مقالہ ہزار سالہ تاریخ کا ایک منصفانہ اور محققانہ لب لباب ہے جو فاضل مصنف کے وسیع اور گہرے مطالعے کا نتیجہ ہے۔ اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

" علاوہ سرچشمۂ قوت ہونے کے، اسلامی حکومت نے سیکڑوں طریقوں سے ہندوؤں کے آداب و اطوار اور

Marfat.com

ذوق کے لطیف بنانے میں مدد دی۔ مسلمان حکومت کے فن کو پُرانے ہندو حکم رانوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ فنِ جنگ مسلمانوں کی آمد سے قبل نہایت ناقص تھا۔ بارود اور توپ و تفنگ کا استعمال ان کی بدولت رائج ہُوا۔ بہت سی دستکاریوں اور صناعیوں میں وہ بہ قول بابر کے "جدت و ایجاد" کو کام میں لائے۔ اُن کے نام اور ان کی اصطلاحیں جو غیر ہندو ہیں، یہ بتاتی ہیں کہ ان کی اصل بدیسی ہے۔ انھوں نے شمع، کاغذ، گھر کے ساز و سامان، اور زین وغیرہ کو رواج دیا۔ انھوں نے موسیقی (گانے اور بجانے دونوں میں) اور طب اور ہیئت کے علم میں بہت بڑا اضافہ کیا اور ان کی تقلید میں ہندوؤں نے بھی ان دونوں علوم اور نجوم و کیمیا میں اصلاح و ترقی کی اور مسلمانوں ہی کی بدولت جغرافیہ اور تاریخ پہلی بار علم و ادب کے شعبے قرار پائے۔ انھوں نے سڑکیں، پُل، نہریں، کاروان سرائیں اور ڈاک خانے بنائے اور فنِ تعمیر کے اعلیٰ نمونے پیش کیے اور فنِ باغبانی کو ترقی دی۔ نیز ہمیں نئے پھلوں اور پھولوں سے آشنا کیا۔ نظامِ مال گزاری جو اکبر کے زمانے میں ٹوڈرمل نے رائج کیا تھا۔ موجودہ طریقہ مال گزاری کی بنیاد اسی پر ہے۔ وہ تمام تجارت سمندر کے راستے دور دراز ملکوں سے کرتے تھے اور انھوں نے اہلِ ہند کے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ ہندستان بھی آباد دُنیا کا ایک حصہ ہے اور دوسرے ممالک سے تعلق رکھتا

Marfat.com

ہر اور معاشرتی لحاظ سے دوسروں سے منقطع نہیں۔ ان تمام
اعتبارات سے مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ قوتوں کا تمدن
جس کے نمایندے دہلی کے مغل تھے، ایسی نمایاں ترقی کا حامل
تھا جس کا وجود میں آنا دسویں صدی عیسوی کے قبل ممکن نہ تھا۔"[1]

Besides the source of strength, there can be no doubt, in hundred other ways, the Mohammadan domination helped to reform the tastes and manners of the Hindus. The art of Government was better understood by the Mohammadans than by the old Hindu sovereigns. The Art of War also was singularly defective till the Mohammadans came. They brought in the use of gunpowder and artillery. In the words of Baber they taught "Ingenuity and mechanical invention." In a number of handicrafts and arts, the very nomenclature of which being made up of non-Hindus words, shows their foreign origin. They introduced candles, paper glass and household furniture and saddlery They improved the knowledge of the people in music, instrumental and vocal, medicine and astronomy and their example was followed by the Hindus in the improvement of both these sciences, astrology and alchemy Geography and History were first made possible department-

Marfat.com

غرض یہ اور دوسری برکات جو مسلمانوں کی بدولت ہندوؤں کو
نصیب ہوئیں یا جو ہندو مسلم اتحاد سے وجود میں آئیں جسٹس راناڈے نے
بڑی تحقیق سے اور نہایت بے لاگ طور پر بیان کی ہیں۔ لیکن ایک بات جو
خاص طور پر قابلِ ذکر تھی وہ بھول گئے۔ جسٹس راناڈے اس میں بے قصور
تھے۔ یہ شکایت مجھے ان تمام مؤرخوں سے ہے جنھوں نے ہندستان کی
تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں وہ بادشاہوں اور راجاؤں کے شجروں اور نسب
ناموں، ان کی لڑائیوں اور فتوحات، ان کے درباروں اور جشنوں انکے جلوسوں

---

of knowledge and literature by their example. They made roads, post offices, acqueducts cannals and caravansarais and introduced the best specimens of architecture, and improved our gardening and made us acquainted with the tastes of new fruits and flowers. The revenue system inaugurated by Todarmal in Akbar's time is the basis of revenue system up to the present day. They carried on the entire commerce by sea with distant regions and made India feel that it was a portion of the inhabited world with relations with all and not cut of from all social intercourse.

In all these respects, the civilisation of the united Muslim and Hindu powers, represented by the Moghals at Delhi was a distinct advance beyond what was possible before the 10th Century of the Christian era.

Marfat.com

اور تفریحوں کے حالات بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں، لیکن ذکر نہیں کرتے تو اُس چیز کا جو تاریخی اور سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی اعتبار سے ہندو مسلمانوں کے اتحاد اور یک جہتی کی سب سے اہم اور عظیم الشان یادگار رہی. یوں تو ہماری بہت سی یادگاریں ہیں لیکن ان میں سے بعض مٹ گئیں یا مٹنے والی ہیں. بعض ایسی ہیں جنھیں لوگ بھول جائیں گے اور کچھ ایسی ہیں جو پرانے آثار کے کھوج لگانے والوں اور قدیم تاریخ کے محققوں تک رہیں گی لیکن اُردو زبان دونوں قوموں کی شرکت اور اتحاد اور دونوں قوموں کی معاشرت و تہذیب کے میل کی ایسی یادگار ہے جسے زمانہ کبھی نہیں بھلا سکتا ؛

وہ دو قومیں جن کی یک جہتی اِس درجے کو پہنچ گئی ہو کہ وہ دُنیا میں ایک نئی زبان پیدا کرسکتی ہوں وہ کیوں کر جُدا ہو سکتی ہیں ؟ اس کا سارا دوس موٴرخوں اور سیاست دانوں یا سیاست کاروں پر ہے. موٴرخوں نے تاریخ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا. یا تو وہ اسے قصہ خوانی سمجھتے رہے یا تعصب نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی. سیاست داں یا سیاست کار اغراض اور ہوس طلبی یا قومیت اور اس قسم کے لیے الفاظ اور اصطلاحوں کے پھیر میں پڑکر جُدائی کے فاصلے کو بڑھاتے رہے. خدا کے ان نیک بندوں نے اس بیش بہا اور عزیز چیز کو جو باوجود اختلافات جنگ و جدل اور انقلابات کے باقی تھی، اپنی تنگ نظری، تعصب اور نفسانیت کے نذر کردیا. اس کے بعد یہ کہنا کہ "دِل بدلو" "دِل بدلو" ایک صدائے بے ہنگام ہے ؛

میں نے یہ ذکر اس لیے چھیڑا ہے کہ آج کل ہر چھوٹی بڑی کانفرنس؛

Marfat.com

انجمن، سمیلن اور سبھا اور ہر اخبار اور رسالے میں قومی زبان کا مسئلہ زیرِ بحث ہے اور نئے نئے نکتے اور نئے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ ساری بحث یہ ہے: ہندستان کی قومی زبان ہندی ہو یا ہندستانی یا اردو۔ ان میں سے ہر زبان کا حامی اس بات کا مدعی ہے کہ اسی کی زبان قومی زبان ہونے کا حق رکھتی ہے لیکن اس ساری بحث میں غور طلب امر یہ ہے کہ کیا ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف عناصر جمع ہیں سب کے لیے ایک زبان کا ہونا مناسب ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر وہ کون سی زبان ہونی چاہیے؟

ایک ہی زبان ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ملک میں کوئی دوسری زبان نہ رہے تو یہ دعویٰ سرے سے نامقبول اور غیر معقول ہوگا۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مقامی زبانوں کے علاوہ کوئی ایسی مشترک زبان بھی ہو جو باہم تبادلۂ خیالات، کاروبار، تعلیم وغیرہ کا ذریعہ ہو سکے تو اس کی معقولیت میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کوئی ایسی زبان ہے جو اس خدمت کو انجام دے سکتی ہے۔ اگر ہے تو وہ کون سی ہے؟

اس کے لیے ہمیں تھوڑی دیر کے واسطے اپنی گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ مستند اور قطعی تاریخی شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ مسلمانوں کی آمد پر ہندستان کی حالت سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی اعتبار سے نہایت ابتر اور درہم برہم تھی۔ طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ آپس میں نفاق اور پھوٹ تھی۔ ہر رجواڑہ خود مختار تھا۔ آمد و رفت اور رسل و رسائل کے ذرائع مفقود تھے، نہ کوئی ایک نظام تھا۔ نہ کوئی ایک حکومت تھی، نہ ایک مُلک تھا، نہ ایک قوم تھی، نہ ایک زبان

Marfat.com

تھی مسلمانوں کے تسلط کے بعد اس وسیع خطّے کے پریشان اجزا ایک شیرازے میں مرتب ہوکر ایک مُلک کہلائے، ایک نظام قائم ہوا اور ایک نئی تہذیب اور ایک نئی زبان کی بنیاد پڑی جو حقیقی ہندستانی تہذیب اور ہندُستانی زبان ہے۔ یہ ایک دن کا کام نہ تھا۔ یہ صدیوں کی مسلسل محنت، سیکڑوں اعلیٰ دماغوں کی کاوش اور باہمی اختلاط، عام رواداری میل جول اور رفاقت کا نتیجہ تھا۔ اس سے قبل ملک کی کوئی عام اور مشترک زبان نہ تھی۔ ہر علاقے کی بولی الگ اور اس کی مختلف شاخیں تھیں۔ چوں کہ مختلف علاقوں کے تعلّقات ناخوشگوار یا منقطع تھے اور آمد و رفت کے وسائل بھی کافی نہ تھے اس لیے کوئی زبان ایسی بننے نہ پائی جو سارے ملک کی عام زبان ہوتی۔ جب اسلامی حکومت کو یہاں استقلال ہُوا اور مسلمان یہاں مستقل بس گئے اور اس ملک کو اپنا گھر بنالیا اور یہاں والوں سے گھُل مل کر ایک ہوگئے تو لامحالہ ایک کا اثر دُوسرے پر پڑا اور آپس کے ربط و ضبط سے خود بخود ایک نئی تہذیب (کلچر) اور ایک نئی زبان بنتے بنتے بن گئی جو ہم سب اہلِ ہند کا بلاامتیازِ مذہب و ملت موروثی ترکہ ہے۔ یہ کوئی ارادی چیز یا کوشش نہ تھی، یہ عین فطرت کا اقتضا اور ضرورتِ وقت کا تقاضا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں یہ عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے۔ بہ قول ڈاکٹر تارا چند کے "سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک لسانی امتزاج وجود میں آیا۔ مسلمانوں نے اپنی ترکی اور فارسی ترک کردی اور ہندوؤں کی زبان اختیار کرلی۔ مسلمانوں نے اپنے فنِ تعمیر اور مصوّری کی طرح اس میں بھی حالات و ضروریات کے لحاظ سے ترمیم و اصلاح کی اور اس طرح ایک نئی ادبی زبان پیدا کی جو

Marfat.com

اُردو تھی پھر ہندو مسلمان دونوں نے اسے اپنی زبان بنالیا۔[1]

یہ تہذیب اور زبان اُس وقت سے اب تک برابر چلی آرہی ہے اور اس سے قبل کسی نے ان کے ہندی یا ہندُستانی ہونے میں شبہہ نہیں کیا تھا۔ صدیوں کی متّفقہ محنت اور کوشش کو خاک میں ملاکر دو تین ہزار برس پہلے کی تہذیب اور زبان کو رائج کرنا سراسر کوتہ بینی ہے۔ کیوں کہ یہ اصلی ہندُستانی تہذیب اور زبان نہیں ہوسکتی اصلی ہندُستانی تہذیب اور زبان وہی ہوسکتی ہے جس میں سب کے ہاتھ اور دل و دماغ لگے ہوں اور جس کی تعمیر آپس کی دل جوئی اور محبّت سے ہوئی ہو۔ سر تیج بہادر سپرو نے بالکل سچ کہا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کو اس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کہ اُردو کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد سے بنی ہے مٹانے کی کوشش کی جائے اور یہ کہنا کہ اُردو ہندو مسلمانوں کا مشترکہ ترکہ نہیں ہے جسے لوگ سیاسی گرد و غبار میں نظرانداز کر گئے ہیں۔

مَیں نے اِس موقع پر مشترک زبان کا ذکر اس لیے چھیڑا ہے کہ اس وقت یہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔ میرا یہ یقین ہے کہ تمام سیاسی چالیں اور حکمتیں اور سمجھوتے بے کار رہیں گے۔ اگر زبان کا مسئلہ یونہی تنگ نظری کا شکار رہا۔ اس لیے جو لوگ اپنے مُلک کی بھلائی کے خواہاں ہیں انھیں اس پر غور کرنا لازم ہے اور انھیں ایک ماہر لسانیات کے

---

1. Influence of Islam on Indian Culture P. 139

Marfat.com

اس قول کو پیش نظر رکھنا چاہیے :-

"جو چیز کہ لوگوں کو ایک یعنی متحد بنائے رکھتی ہے وہ ایک عام اور مشترک زبان کے حق میں ہوتی ہے۔ جو چیز کہ ایک زبان بولنے والوں میں جُدائی پیدا کرتی ہے وہ زبان میں تفریق پیدا کرنے کے حق میں ہوتی ہے" ؛

لیکن مُلک کی عام اور مشترک ہونے کا دعویٰ ہر بولی نہیں کر سکتی، اس کے لیے چند شرطوں کا ہونا لازم ہے اور وہ یہ ہیں :-

۱- وہ زبان دیسی ہو، بدیسی نہ ہو ؛

۲- کسی خاص فرقے یا رقبے تک محدود نہ ہو ؛

۳- مُلک کے بہت بڑے حصّے میں سمجھی اور بولی جاتی ہو ؛

۴- ہر قسم کے خیالات اور جذبات کے ادا کرنے پر قادر ہو ؛

۵- ادنیٰ سے اعلیٰ تعلیم تک ذریعۂ تعلیم ہو سکتی ہو ؛

۶- زمانے کا ساتھ دے سکے اور حالات کے مطابق ڈھل سکے ؛

اس امر کے ثبوت کی مطلق ضرورت نہیں کہ اُردو خالص دیسی زبان ہے، باہر سے نہیں آئی اور نہ ہندوستان سے باہر کسی علاقے میں رائج ہے۔ یہیں پیدا ہوئی، پلی، بڑھی اور پروان چڑھی ؛

یہ بھی ظاہر ہے اور محتاجِ ثبوت نہیں کہ یہ کسی خاص فرقے کی زبان نہیں اور نہ کسی خاص رقبے میں محدود ہے۔ یہی نہیں کہ یہ شمالی ہند، سنٹرل انڈیا، سی پی میں لاکھوں کروڑوں اشخاص کی مادری زبان ہے اور ان مقامات میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ صوبہ بمبئی کے علاقے گجرات، خاندیس، کرناٹک، دھارواڑ اور صوبہ

Marfat.com

مدراس کے علاقے آندھرا، شمالی آرکاٹ اور دوسرے اضلاع میں ہزاروں لاکھوں کی مادری زبان اُردو ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد تو بے شمار ہے جو اُردو بولتے سمجھتے ہیں۔ غرض یہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ ہندستان سے باہر بھی مختلف مقامات میں سمجھی یا بولی جاتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے جو اس کی فوقیت کی بیّن دلیل ہے کہ اس کے بنانے اور ترقی دینے میں صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کا ہی ہاتھ نہیں بلکہ انگریز پارسی اور سکھ بھی شریک ہیں۔ اور ان میں سے ہر قوم کے لوگ اُردو کے مصنّف اور شاعر گزرے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں اور آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ تخمیناً ایک سَو یورپین یا اینگلو انڈین ایسے ہیں جو اُردو کے شاعر ہوئے ہیں اور بعض ان میں سے صاحبِ دیوان ہیں۔ یہ بات ہندستان کی کسی دوسری زبان کو نصیب نہیں ۔

ادنیٰ و اعلیٰ اور ہر قسم کی تعلیم کا ذریعہ اُردو زبان آج سے نہیں تقریباً سو سال سے ہے۔ اُنیسویں صدی کی تیسری دہائی اور اس کے بعد تک بھی دہلی کالج میں تمام علوم و فنون مثلاً فلسفہ، طبیعیات، کیمیا، ہیئت معاشیات، قانون، ریاضیات وغیرہ اُردو میں پڑھائے جاتے تھے اور ان تمام علوم پر اُردو میں بہت سی اچھی اچھی کتابیں ترجمہ اور تالیف کی گئی تھیں اور آج جامعہ عثمانیہ میں تمام علوم کی اعلیٰ تعلیم اُردو میں دی جاتی ہے۔ ہندُستان کی زبانوں میں یہ شرف بھی اسی زبان کو حاصل ہے ۔

زبان صرف بول چال ہی کے لیے نہیں ہوتی۔ انسان محض بولنے اور بڑبڑانے کی کل نہیں ہے۔ زندگی کا پھیلاؤ دُور دُور تک ہے اور اس کے

Marfat.com

شعبے اسی قدر وسیع ہیں جس قدر کہ کائنات۔ زبان زندگی کا نہایت مفید اور اہم جز ہی اور زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ اس کا لگاؤ اس قدر گہرا ہے کہ انسانی تمدّن اور تہذیب کی ترقی جو ہم اس وقت دیکھتے ہیں، اس میں بہت کچھ اس کا دخل پایا جاتا ہی۔ اس لیے اختیار کرنے کے قابل وہی زبان ہو سکتی ہی جو تہذیب و تمدّن کی ممد ہو اور ان تمام افعال و اعمال کے انجام دینے میں کارآمد ہو سکے جن کا تعلق حیاتِ انسانی سے ہے۔ اگر وہ زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی اور حالاتِ زمانہ کے مطابق انسانی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی تو ایک مقامی بولی ہوگی اور ملک کی مستند زبان ہونے کا دعوا نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ضرورت ہی کہ ہم اُردو زبان کی تاریخ پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ گزشتہ زمانے میں اس نے کیا کیا۔ اب اس کا کیا رنگ ڈھنگ ہی اور آیندہ اس سے کیا توقع ہو سکتی ہی اور ہمیں اس کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ یہ موقع تفصیل کا نہیں لیکن اس کے کارنامے کے سمجھنے کے لیے فی الحال ایک اجمالی نظر بھی کافی ہوگی ؛

یہ زبان عوام کی تھی، بول چال کی تھی۔ دلّی سے چلی اور حکومت کے لشکر، صوبہ داروں، اہلِ عملہ، پیشہ وروں اور تاجروں کے ساتھ وسطِ ہند، راجپوتانہ، گجرات، دکن وغیرہ میں پہنچی۔ اہلِ علم ایک مدت تک اسے عوام کی بولی سمجھ کر حقارت سے دیکھتے رہے اور وہ علم و ادب کی سرحد میں قدم نہ رکھنے پائی۔ آج جو دنیا کی شایستہ ترین اور علمی زبانیں کہلاتی ہیں وہ بھی ایک وقت عوام کی بولیاں تھیں اور ابتدا میں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا تھا۔ غرض عوام کی یہ بولی آپ ہی آپ ملک میں پھیلتی چلی گئی کیوں کہ فطری صلاحیت اور زمانے کے حالات اس کی تائید میں

Marfat.com

تھے۔ سب سے پہلے درویشوں اور صوفیوں نے اس کی قدر پہچانی۔ سچا صوفی جس طرح انسانی نفس کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے، اسی طرح وہ زمانے کا مزاج شناس بھی ہوتا ہے۔ اس کا واسطہ ہر طبقے اور ہر قوم و ملت کے لوگوں سے ہوتا ہے لیکن عوام سب سے زیادہ اس کے گرویدہ ہوتے ہیں اس لیے عوام کے دلوں کو موہ لینے کے لیے عوام ہی کی بولی کارگر ہو سکتی ہے۔ اس کی شہادت ہمیں آٹھویں صدی ہجری سے مسلسل ملتی ہے۔ ابتدائی صوفیا کے اقوال ہندی یا اسی ملی جلی زبان میں جس کی قسمت میں سارے ہندستان کی زبان ہونا لکھا تھا ان کے ملفوظات میں جا بجا ملتے ہیں جو ان کے مریدوں نے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھے ہیں۔ مثلاً بابا فرید شکر گنج، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، امیر خسرو، قطب عالم شاہ عالم، سید محمود جون پوری، شیخ بہاؤ الدین باجن، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شاہ محمد غوث گوالیاری وغیرہ انھی بزرگوں میں سے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ایسے صوفیا بھی گزرے ہیں جن کی مستقل تصنیفات پائی جاتی ہیں جیسے شمس العشاق میراں جی، شاہ برہان الدین جانم، سید میراں حسینی شاہ، قاضی محمود دریائی، شاہ علی محمد جیو گام دھنی، خوب محمد چشتی، بابا شاہ حسینی وغیرہ۔ یہ آٹھویں صدی سے گیارھویں صدی تک کے بزرگ ہیں۔

ان کے کلام میں دو چار باتیں قابلِ غور ہیں جن کی بنا پر ملی جلی بولی ہندی سے ریختہ اور ریختے سے اردو ایک مستقل زبان ہو گئی۔ اول تو یہ کہ ان سب کا کلام فارسی رسم خط میں ہے اور یہ رسم خط شروع سے اس کے ساتھ یعنی ہندستان کی ایک بولی نئے لباس میں نئی سج دھج

Marfat.com

سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہندی الفاظ کی بہتات ہے اور عربی فارسی بہت کم۔ جیسے

آپیں جوگی سب جگ چیلا　　آپیں ایک ناتھ[1] رہے اکیلا
اپنی اچھیا کر چیلے نپایا　　نیکی بدی کے دومدرے بجایا

(برہان الدین جانم ۹۹۰ھ)

ان چاروں مصرعوں میں صرف نیکی بدی سے دو فارسی لفظ آئے ہیں اور یہ بھی ایسے ہیں جو ہندستان کی اکثر زبانوں میں بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں اور یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ ہندی ہیں یا فارسی

اے دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے
گھیو شہد دوڑاتے گھوڑے
ڈوبتے بہت نکلے تھوڑے

ان تین مصرعوں میں صرف دو لفظ یعنی دنیا اور شہد آئے ہیں۔ باقی سب ہندی ہیں۔ اور یہ دو لفظ ایسے معمولی ہیں کہ ہر جگہ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ دو مثالیں میں نے جان کر ایسی دی ہیں کہ ان میں فارسی عربی لفظ بھی ہیں۔ ورنہ صفحے کے صفحے پڑھ جائیے کہیں ایک لفظ بھی فارسی عربی کا نہیں آتا ؛

تیسرے چوں کہ ان بزرگوں کا مقصد تلقین و تعلیم تھا۔ اس لیے ان کے کلام میں مذہبی اور صوفیانہ عربی اصطلاحوں کا آنا لازم تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ ہندی اور سنسکرت کے ٹھیٹھ الفاظ اور عارفانہ اصطلاحیں بھی بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی وہ عربی

---

[1] الکھ ناتھ

Marfat.com

الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ لکھ جاتے ہیں، مثلاً

باپنچوں وقت نماز گزارو دائم پڑھو قرآن
کھاؤ حلال بولو مکھ ساچا راکھو درست ایمان
چھوڑ جنجال جھوٹی سب مایا جن میں ہووے گیان
کلمہ شہادت مکھ بنسارو جس سے چھوٹو ندھان
دین دُنی کی نعمت پاؤ جنت راکھو شانوں
محمود مکھ تھیں تل دیسلے اپنے دھنی کا ناؤں

(قاضی محمود دریائی سنہ ۹۲۰ھ)

اس میں نماز، قرآن، ایمان، دین، جنت، حلال کے لفظ تو البتہ فارسی، عربی ہیں اور ان کا ہونا ناگزیر تھا۔ ورنہ باقی سب ہندی سنسکرت کے لفظ ہیں۔

شاہ برہان الدین جانم کا ایک رسالہ کلمۃ الحقائق نثر میں ہے جس میں مرید کی طرف سے سوال اور مرشد کی طرف سے جواب ہوتا ہے۔ ایک سوال و جواب مثال کے طور پر یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

سوال یہ تن الاد[1] ھا دستاں، ولیکن جیتا بکار[2] ٹوٹتے نہیں بلکہ ستنتر[3] بکار روپ دستا ہے، ٹک تل قرار نہیں، جیوں مرکٹ[4] روپ

جواب ای عارف ظاہر تن کے فعل سوں گزریا و باطن کرتب دستے،

---

[1] علاحدہ [2] تغیر [3] قلب ماہیت [4] بندر

Marfat.com

اس کا ناؤں سو ممکن الوجود، دُوسرا
تن سو بھی کہ اس کا ایندرائی کا
بکار و جیتا کر اسود ہی تن،
نہیں یو خاک و سوکھ دوکھ بھوگن ہارا
جیتا بکار روپ وہی دُوسرا تن
تو تو نظر کر دیکھ، یہ تن فہم سوں
گزریا تو گن اس کا کیوں رہے

اس مثال میں دیکھیے چند عربی لفظوں کے ساتھ کس قدر ہندی لفظ اور سنسکرت کی اصطلاحیں آئی ہیں۔

چوتھے ان نظموں کی بحریں سب ہندی ہیں اور بیان کا اسلوب کلام کا رنگ، نیز استعارات و تشبیہات بھی زیادہ تر ہندی ہیں مثلاً ان کے یہاں بھی ہندی شعرا کی طرح عورت ہی عاشق ہے اور خدا یا گرو معشوق۔ یہ بعض اوقات تصوّف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ جیسے یہ دنیا سسرال ہے اور عالمِ آخرت اس کا میکا ہے اور اس طرح بہ طور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخہ کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ دو ایک مثالیں یہاں بھی لکھی جاتی ہیں :۔

نائیں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلگوں تھے فریاد
تیں بھی میرا لاڈ چلایا کبھو نہ ہوا اُداس
آپ سند لیا توڑ گسائیں تیری منجہ آس

(میراں جی سنہ وفات ۹۰۲ھ)

Marfat.com

نیہہ کا پینا مجھ لو لاگا　　لوگ دیوانی دیکھ ہنسیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوئے　　کہو سرجن کہاں بسیں

(رجانم)

ڈکھ جیو کا کس سے کہوں اللہ ڈکھ بھریا سب کوئی رے
بِر ڈکھی جگ میں کو نہیں نیں پرتی پھر پھر جوئی رے

(قاضی محمود)

نینوں[1] کاجل مکھ تنبولا ناک موتی گل ہار
سیر نماؤں نیہہ اپاؤں اپنے پیر کروں جوہار

(قاضی محمود)

پانچویں، ایک بات ان کے کلام میں یہ پائی جاتی ہے کہ عربی، فارسی یا ہندی کے لفظ وہ اس طرح لکھتے ہیں جو عوام کی زبان پر تھے۔ اصل کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ عربی فارسی کے لفظ نہیں رہے تھے۔ بلکہ اسی زبان کے لفظ ہو گئے تھے جو عام طور پر بولی جاتی تھی۔ مثلاً علیحدہ کو " الادھا " وضع اور نفع کو ' وضا ' اور ' نفا ' بعد ازاں کو ' بزاں ' شروع کو ' شرو ' وغیرہ وغیرہ۔ یہ نہیں کہ وہ جاہل تھے۔ صاحب علم لوگ تھے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ جس زبان میں وہ لکھ رہے ہیں وہ فارسی عربی نہیں بلکہ ایک دیسی زبان ہے اور وہ لفظ خواہ اصل میں عربی کے ہوں یا فارسی کے اب تبدیلِ ہیئت کے ساتھ اس دیسی زبان کے ہو گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فلسفہ

[1] یعنی آنکھوں میں کاجل، منہ میں پان، ناک میں موتی، گلے میں ہار اس سج دھج سے میں سر جھکاؤں، محبت کروں اور اپنے پیر کو آداب کروں۔

زبان اور اصولِ لسانیات پر ان کی کس قدر نظر تھی ؛

ان بزرگوں کا کلام سب نظم میں ہے اور خال خال نثر میں ۔ مولیر کے ایک کیرکٹر کو یہ معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی تھی کہ وہ چالیس سال سے نثر بول رہا ہے اور اسے خبر تک نہ ہوئی ۔ لیکن اگر زبان کے ارتقا کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان ہزاروں سال تک نظم میں باتیں کرتا رہا اور اسے خبر نہ ہوئی ۔ اس کے آثار اب تک نثر میں موجود ہیں اور بغیر اس کے نثر وجود میں نہیں آسکتی ؛

اسی زمانے میں جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے دوسرے شعرا نے جنھیں اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا ۔ اس زبان کو بڑے چاؤ سے اختیار کیا ۔ سب سے پہلا مرتّب و منضبط کلّیات ہمیں سلطان محمد قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا ملتا ہے ۔ اس کا سنہ تخت نشینی ۹۵۰ ہجری ہے ۔ اس کا کلام بہت ضخیم ہے ۔ علاوہ غزلوں، قصیدوں، مثنویوں، قطعوں، رباعیوں، نوحوں، نعت، منقبت وغیرہ کے اس نے مقامی عمارتوں، پھلوں، پھولوں، تہواروں، میلوں اور دوسرے مضامین پر متعدد نظمیں لکھی ہیں ۔ اس کے بعد شاعروں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔ ان میں سے بعض (خصوصاً نصرتی) کا تخیل اور قوتِ بیان حیرت انگیز ہے ۔ انسانی جذبات، مناظرِ قدرت، رزم و بزم کے معرکے، اخلاقی نکات، صوفیانہ اسرار، عاشقانہ راز و نیاز وغیرہ مضامین پر جب ان کا کلام پڑھتے ہیں تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے اس ابتدائی زمانے میں جذبات و خیالات کے اظہار میں کس قدر ترقی کر لی تھی ۔ ایک عجیب بات یہ ہے

Marfat.com

کہ ابتدا میں جس زبان کو وطن میں کسی نے نہ پوچھا پردیس میں اس کی ایسی قدر ہوئی کہ اس میں بلا مبالغہ سیکڑوں بہت اچھے اور بعض بے مثل شاعر اور ادیب پیدا ہو گئے اور وہ وہ چیزیں لکھ گئے جو آج بھی قابلِ قدر ہیں۔ خصوصاً اس زمانے کی بعض رزمیہ مثنویاں اس پایے کی ہیں کہ اُردو زبان کو اپنے عروج میں بھی نصیب نہ ہوئیں۔ اُردو زبان کے ارتقا کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

ان شعرا کے کلام میں بھی زبان کی وہی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر میں صوفی شعرا کے ضمن میں کر چکا ہوں۔ البتہ اتنا تغیّر ضرور ہوا کہ مثنویوں، قصیدوں، رباعیوں، قطعوں میں انھوں نے فارسی بحریں اختیار کرلیں اور غزلوں میں ہندی، فارسی دونوں قسم کی بحریں ہیں۔ فارسی زیادہ ہندی کم۔ باقی اور خصوصتیں وہی رہیں۔ فارسی کا زیادہ دخل وَلی کے وقت سے شروع ہوا۔ ایسا کیوں ہوا۔

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب وَلی دلی آئے تو شاہ سعد اللہ گلشن نے انھیں یہ ہدایت کی کہ "یہ اتنے سارے فارسی مضامین جو بے کار پڑے ہیں ان کو اپنے ریختے میں کام میں لاؤ۔ تم سے کون مواخذہ کرے گا۔" یہ روایت ممکن ہے صحیح ہو، اور غالباً صحیح ہوگی۔ لیکن صرف اتنی سی بات زبان میں اس بڑے تغیّر کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اس کی اور وجوہ بھی ہیں۔

یہ زبان جسے ہم وَلی کی زبان کہتے ہیں۔ صوفیوں اور درویشوں اور محمّد تغلق کے ساتھ گجرات اور دکن میں آئی۔ محمّد تغلق نے جب دولت آباد کو ہندستان کا دارالحکومت بنایا تو سارے دلی کو وہاں

Marfat.com

لا بسایا اور ہر پیشہ اور ہر فن کے لوگ وہاں آباد ہو گئے اور ان کے ساتھ یہ زبان بھی وہاں پہنچی اور ایسی پہنچی کہ کچھ دنوں کے بعد ادب و انشا کی مالک بن گئی۔ اور شمال پر جو اس کا مولد و منشا تھا، فوقیت لے گئی۔ لیکن محمد تغلق کے بعد جنوب کا تعلق شمال سے منقطع ہو گیا اور یہاں خود مختار حکومت قائم ہو گئی۔ اس کا اثر زبان پر یہ پڑا کہ اس میں کچھ زیادہ تغیر و تبدل نہ ہونے پایا۔ اتنا تغیر تو ضرور ہوا جو کسی زبان کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے سے ہوتا ہے۔ مثلاً تلفظ کی وجہ سے الفاظ کی ہئیت بدل گئی۔ رسم خط میں ذرا ظہور فرق آگیا، بعض مقامی الفاظ داخل ہو گئے۔ یا شعرا نے اظہار خیال کی ضرورت سے کچھ فارسی عربی یا مقامی لفظوں سے کام لیا۔ باقی اس کا رنگ ڈھنگ اور اسلوب وہی رہا جو اصل دہلوی زبان کا تھا۔ شمال کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں فارسی چھائی ہوئی تھی۔ مکتبوں اور مدرسوں میں، دربار اور دفتروں میں، خط و کتابت اور تالیف و تصنیف میں فارسی ہی کا چلن تھا۔ ہندو مسلمان دونوں کی حالت یکساں تھی، ہندوؤں نے تو اس کے حاصل کرنے میں بڑا کمال دکھایا۔ ان میں فارسی کے ایسے فاضل ادیب اور شاعر گزرے ہیں کہ ان کی بعض تصانیف اب تک مستند سمجھی جاتی ہیں اور مدتوں داخلِ نصاب رہیں۔ متواتر مطالعہ، مشقِ شعر و سخن، روز مرہ کی نوشت و خواند، صحبتِ اہلِ علم، نیز اُس وقت کے ماحول اور رواج کی وجہ سے فارسی ان کے دل و دماغ میں رچ گئی تھی اور تقریباً ان کی اپنی زبان ہو گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس زبان میں جو دو قوموں یعنی ہندو مسلمانوں اور

Marfat.com

دو زبانوں یعنی ہندی فارسی کے میل سے بن رہی تھی، بے دھڑک فارسی لفظ داخل کرنے شروع کر دیئے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے اس کے متعلق میں اپنے صدارتی خطبے میں جو میں نے اسی کانفرنس کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا، کافی بحث کر چکا ہوں لہ یہاں اس کے اعادے

لہ جب کبھی ہم غیر زبان سیکھنے یا بولنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ہماری اپنی زبان کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہم اس زبان (یعنی غیر زبان) کو صحیح اور فصیح بولیں اور اس بات کی سخت احتیاط کرتے ہیں کہ ہماری گفتگو میں ہماری زبان کے الفاظ یا طرزِ ادا کا شائبہ نہ پایا جائے۔ مگر غیر زبان کے بولنے میں ہم جس بات سے اس قدر پرہیز کرتے ہیں اس کا ہم اپنی زبان میں خیال نہیں کرتے۔ مثلاً انگریزی کا آج کل ہمارے ہاں عام رواج ہے۔ جب کوئی ہندستانی انگریزی بولتا ہے تو اپنی گفتگو میں حتی الامکان کبھی اپنی زبان کا لفظ نہیں آنے دیتا، اور جہاں تک ہو سکتا ہے اہل زبان کی تقلید کرتا ہے اور یہی نہیں بلکہ انگریزی لب و لہجہ کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اپنی زبان میں گفتگو کرتے وقت بیسیوں انگریزی لفظ بلا تکلف استعمال کر جاتا ہے۔ یا تو اس سے اپنی شیخت اور علمی فضیلت جتانی مقصود ہوتی یا پھر وہ ناواقفیت یا کاہلی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ کاہلی ان معنوں میں کہ اسے اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی زبان میں ان کے مترادف الفاظ تلاش کرے۔ اس میں وہ کسی قدر مجبور بھی ہے۔ فاتح قوم کی زبان کے مطالعے، لکھنے، بولنے اور سُننے سے معمولی اور عام ضرورت کے لفظ بھی اس کی زبان پر اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ بلا ارادہ بھی اپنی زبان میں انھیں بول جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ بعض حالات میں غیر زبان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱ پر)

Marfat.com

کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ غرض کہ زبان تو نہیں بدلی، وہی رہی جو تھی لیکن اس پر فارسی رنگ چڑھنا شروع ہوگیا اور ہندی کی بعض خصوصیات کم ہوگئیں اور اب ہندی فارسی کی مساوات ہوگئی۔

جنوب میں یہ حالت نہ تھی۔ فارسی کا وہاں بہت کم رواج تھا۔ جنوبی ہند کی زبانوں سے اس کا کوئی میل نہ تھا اور نہ وہاں ہند تعلیم یافتہ صاحب ذوق جیسے لوگوں کی کوئی جماعت تھی جو اس کا رُخ فارسی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰) (یعنی فاتح قوم کی زبان) کے خاص خاص الفاظ اس لیے بھی استعمال کرتا ہے کہ اس کے خیال میں (اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے) ان لفظوں کے استعمال سے وہ اپنا مفہوم زیادہ خوبی اور قوت کے ساتھ سامعین کے دل نشین کرسکتا ہے۔ حال آں کہ اسے علم ہے کہ ان الفاظ کے مترادف اس کی زبان میں موجود ہیں مگر وہ انھیں استعمال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ ان سے کلام میں وہ زور پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تیس چالیس برس پہلے سویلیزیشن رفارم، پولیٹیکل، سیلف ریسپکٹ وغیرہ وغیرہ الفاظ ہماری زبان میں عام تھے۔ ان کے استعمال کرنے والے سب کے سب ان کے مترادف الفاظ سے ناواقف نہ تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ اپنے الفاظ سے پورا مفہوم جو وہ چاہتے ہیں اور جو انگریزی الفاظ میں موجود ہے ادا نہ ہوگا۔ اب جو ہم ان کی جگہ اپنے لفظ استعمال کرنے لگے تو رفتہ رفتہ ان میں بھی وہی کس بل پیدا ہوگیا۔ ان سب باتوں سے غیر زبان (یا فاتح قوم کی زبان)، کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ فضیلت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے لیکن طوالت کے خوف سے میں اس موضوع پر یہاں بحث نہیں کروں گا۔

Marfat.com

طرف موڑ دیتی۔ اس کے علاوہ جنوب کا سیاسی تعلق شمال سے بالکل منقطع ہو چکا تھا اس لیے اس نومولود زبان میں کوئی خاص تغیر نہ ہونے پایا۔ اکبر اور جہاں گیر کے عہد میں دکن سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اس کا اثر تھوڑا بہت کچھ ہوا تو صرف گجرات کی حد تک باقی دکن میں صرف جنگی چپقلشیں رہیں اور وہاں کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ البتہ شاہ جہاں کے زمانے میں جب اورنگ زیب دکن کے صوبے دار مقرر ہوئے اور انھوں نے اورنگ آباد کو اپنا صدر مقام بنایا تو سرزمین دکن میں بہار آگئی اور ایک جگ گزرنے پر محمد تغلق کے بعد پھر اس کے دن پھرے۔ اورنگ زیب کے ساتھ اس کا جرار لشکر، فوجی اور ملکی عمال اور مختلف دفتر اور کارخانے تھے۔ ہندستان کے راجا مہاراجا جن کے محلات کے کھنڈر اب تک موجود ہیں وہاں آکر رہتے تھے اور ان کے ساتھ ان کا لاؤ لشکر بھی ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ اس وقت اورنگ آباد کی آبادی تخمینًا پندرہ لاکھ تھی۔ اب پھر شمال اور دکن کا تعلق ہو گیا۔ اس سے جہاں معاشرت کے دوسرے شعبوں پر اثر پڑا۔ وہاں زبان کو بھی فائدہ پہنچا۔ بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے شعرا کا کلام دکن میں آتا تھا تو لوگ بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ اورنگ آباد کے اس وقت کے شاعر اور ادیب اپنی زبان کو دکنی نہیں کہتے تھے بلکہ شمالی ہند سے منسوب کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اورنگ آباد اور حیدرآباد کے لب و لہجے اور زبان میں بہت فرق ہے۔ گول کنڈہ کی فتح کے بعد یہ تعلق اور بڑھ گیا۔ اس کے بعد نظام الملک دکن کے صوبے دار اور فرماں روا ہوئے۔ یہ بھی شمال سے آئے تھے۔

Marfat.com

اور ان کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہندو مسلمان اُمرا و اہلِ فوج کی آئی۔ یہ خود اُردو فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے اور اہلِ علم کے سرپرست تھے۔ خاندانِ آصفیہ اب تک علم اور اہلِ علم کی بے نظیر سرپرستی کر رہا ہے۔

ادھر مدراس میں خاندانِ والاجاہی نے بڑے بڑے عالم فاضل اور اُردو فارسی کے ادیب اور شاعر شمالی ہند اور دوسرے مقامات سے بُلا کر اپنے دربار میں جمع کیے اور وہاں اہلِ علم کا بڑا اچھا مجمع ہو گیا اور شب و روز شعر و سخن اور علم و فضل کا چرچا رہنے لگا۔

رفتہ رفتہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلّط بڑھنے لگا اور تجارت کے ساتھ مُلک داری کی ذمّے داری بھی اُسی کے سر آ پڑی تو یہ محسوس ہُوا کہ مُلکی زبان کے بغیر کام چلنا دشوار ہے۔ چنانچہ ان نوجوان انگریزوں کے لیے جو ولایت سے کمپنی کی ملازمت کے واسطے انتخاب کر کے بھیجے جاتے تھے اُردو (جسے وہ ہندُستانی کہتے تھے)، سکھانے کی تجویز کی گئی اس غرض کے لیے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہُوا۔ اچھے اچھے قابل اُردو داں اصحاب کو ملازم رکھا گیا اور ان سے تاریخ، اخلاق، معاشرت قصّے کہانیوں کی کتابیں سادہ اُردو نثر میں ترجمہ کرائی گئیں۔ اُردو اساتذہ کا کلام چھپوایا گیا یا انتخاب شائع کیا گیا۔ ان کتابوں میں سے اب بھی بعض اپنی زبان کی فصاحت اور شیرینی کی وجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ایک بڑا کام اس کالج نے یہ کیا کہ اُردو نستعلیق ٹائپ بنوایا، اور اپنی کتابیں اس میں چھپوائیں۔ افسوس کہ یہ کالج کمپنی کے ڈائرکٹروں کی مخالفت کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا۔ اس میں کچھ شبہہ

Marfat.com

نہیں کہ جدید اُردو نثر کی بنیاد یہیں پڑی۔

جو کام فورٹ ولیم کالج سے ادھورا رہ گیا تھا اور جو غالباً وہ قائم رہ کر بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لیے کہ اس کا مقصد محدود تھا، وہ دلّی کالج نے کیا۔ اس کالج کا بڑا کام اور بڑا احسان یہ ہے کہ سب سے اوّل اس نے اردو زبان کے ذریعے سے جدید و قدیم علوم کی تعلیم کا انتظام کیا اور اس میں کام یاب ہُوا۔ اور مختلف علوم پر اُردو زبان میں بہت سی کتابیں ترجمہ یا تالیف کرائیں اور جس چیز کو لوگ کچھ دنوں پہلے تک محال سمجھتے تھے، وہ اس نے بڑی خوبی سے کر دکھایا۔ ۱۸۵۷ء کی شورش سے اور جو نقصان مُلک کو پہنچے ہوں سو پہنچے ہوں لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہُوا کہ اس کالج کا خاتمہ ہوگیا جو اپنی نوعیت کا ایک تھا اور وہ کام کر رہا تھا جو اس کے بعد بڑے بڑے کالج اور یونی ورسٹیاں بھی نہ کر سکیں۔ اگر وہ قائم رہتا اور حسبِ ضرورت اس کے ترقی کے سامان مہیا کیے جاتے تو آج اُردو زبان کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔ اس نے سچا علمی ذوق اور روشن خیالی پھیلانے میں جو کام کیا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس نامراد ادارے سے ماسٹر رام چندر، محمد حسین آزاد، نذیر احمد، ذکاء اللہ جیسے لوگ نکلے جنھوں نے اپنے خیالات اور قلم کے زور سے اُردو زبان کی کایا پلٹ دی لیکن کس قدر شرم کی بات ہے کہ آج دہلی یونی ورسٹی اور اس کے کالجوں میں اُسے باریابی کا موقع نہیں یعنی خود اپنے گھر میں اجنبی ہے۔

اسی زمانے میں ۱۸۳۷ء کے لگ بھگ دفتروں اور عدالتوں

Marfat.com

سے فارسی زبان خارج کی گئی اور اُردو زبان اس کی قائم مقام ہوئی۔ یہ بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اُردو ہی ہندستان کی عام زبان تسلیم کی گئی، دوسری کوئی زبان ایسی نہ تھی جو اس منصب کے قابل سمجھی جاتی ؛

اس کے بعد ڈاکٹر لائٹنر کی بدولت بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی سینہ زوری سے لاہور میں اورنٹیل کالج قائم ہوا۔ اس نے قابلِ قدر کام کیا اور کر رہا ہے اور اب تک مشرقی زبانوں نیز اُردو کی خدمت میں مصروف ہے۔ اس ادارے سے بھی علمی کتابیں اُردو میں شائع ہوئیں یہ سب کچھ سہی مگر وہ کام نہ ہو سکا جو دلّی کالج کر رہا تھا ؛

اِدھر سر سیّد احمد خاں نے علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی بڑے شوق اور جوش سے قائم کی۔ لوگوں کو گھیر گھیر کر ممبر بنایا۔ چندہ جمع کیا۔ سوسائٹی کی عمارت بنائی۔ علمی لکچروں کا سلسلہ قائم کیا۔ خود لکچر دیئے۔ اور پنڈت دھرم نرائن اور منشی ذکاء اللہ جیسے لوگوں سے علمی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اور مختلف موضوعوں پر کتابیں اور رسالے لکھوائے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ ٹائپ کو رواج دیا۔ ان کی ساری کتابیں، سارے اور اخبار آخر تک ٹائپ میں چھپتے رہے۔ ان کے رسالہ تہذیب الاخلاق نے نہ صرف خیالات کے بدلنے میں بلکہ اُردو طرزِ تحریر میں متانت اور پختگی پیدا کرنے میں بڑی مدد دی۔ خود سر سیّد کا اُردو زبان بڑا احسان ہے۔ علمی، اخلاقی، سیاسی مضامین کو سنجیدگی کے ساتھ سلیس اور فصیح زبان میں ادا کرنے کا جو ڈول انھوں نے ڈالا تھا وہ بہت مقبول ہوا اور برابر ترقی کرتا رہا ؛

یہ تو خیر بڑے اور مشہور ادارے تھے۔ لیکن علاوہ ان کے اس

Marfat.com

زمانے میں مختلف مقامات مثلاً مرزا پور، لکھنؤ، مرشد آباد، بمبئی، کلکتہ وغیرہ سے بہت سی کتابیں اُردو میں شایع ہوتی رہیں جن میں سے اکثر علمی اور مذہبی تھیں۔ لیتھو کے بہت سے اچھے مطبع قائم ہوگئے تھے اور انھوں نے اُردو کی بڑی خدمت انجام دی۔ عیسائی مشنریوں نے بھی اُردو میں کثرت سے کتابیں اور رسالے شائع کیے ؛

شعر اُردو کی گھٹی میں پڑا ہے۔ ایک طرف ہندی نے اور دوسری طرف فارسی نے اس کے لیے اپنے خزانے کھول رکھے تھے۔ اس نے بھی بلا تامل دونوں کے سرمائے سے فیض حاصل کیا اور اسی میں اس کی وسعت و قوت کا راز ہے۔ اُردو میں اور فارسی ہندی میں بھی شعر وہ ہے جس کی چوٹ دل پر جا کر لگے اور تڑپا دے۔ ہماری شاعری دل کی شاعری ہے۔ یہ نہیں کہ اس میں دماغی اور ذہنی کیفیت کے شعر ہیں ہی نہیں۔ لیکن ان کی حیثیت ضمنی اور ثانوی ہے۔ اس نظر سے اُردو کی شاعری کسی شاعری سے کم نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانہ ہماری شاعری پر ایسا آیا تھا کہ ظاہری تکلفات، رعایتِ لفظی اور صنایع اور بدایع نے اس کے باطن کو کچل کر رکھ دیا تھا اور شاعری ایک کھیل اور لفظوں کا گورکھ دھندا ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن یہ ایک عارضی دور تھا اور جلد گزر گیا۔ غالب کی آمد نے ایک نیا رنگ پیدا کیا۔ اگرچہ اس نے قدیم شاعری سے الگ ہو کر کوئی نئی راہ نہیں نکالی۔ لیکن اس کی جدتِ فکر، بلندیٔ تخیل اور بیان کی شوخی اور تیکھے پن نے اس میں از سرِ نو جان ڈال دی۔ اس کی شاعری میں دل اور دماغ دونوں کا سامان موجود ہے ؛

اس کے بعد زمانہ بدلتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہمارا ادب بھی بدل

Marfat.com

جاتا ہے۔ حالی نے آکر ہماری شاعری کا رُخ یکسر بدل دیا اور اپنے کلام سے ثابت کر دیا کہ شعر کہیں بند نہیں ہے۔ وہ اسی قدر وسیع ہے جس قدر کہ زندگی۔ حالی نے صرف اُردو شاعری ہی پر احسان نہیں کیا بلکہ اُردو نثر کو بھی درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور اس میں ایسی پختگی، متانت اور وسعت پیدا کر دی جو اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی حالی کا ہماری نظم و نثر پر اس قدر قوی اثر ہے کہ اس کا اندازہ اس وقت مشکل ہے۔ چک بست نے اسی رستے پر قدم اُٹھایا اور تنگ کوچے سے نکل کر زندگی کے وسیع میدان پر نظر ڈالی۔ آخر میں اقبال نے اپنی قوتِ بیان، پرزورِ تخیل اور افکارِ جدید سے اس کا رتبہ اور بلند کر دیا۔ سرسید، حالی اور نذیر احمد اس زبان کے بنانے والے ہیں۔ دوسروں نے اسے بڑھایا اور سنوارا مگر انھوں نے اسے بنایا:

ان سب جانکاہیوں اور کوششوں سے ہماری زبان اب اس نوبت پر ہے کہ وہ ہر قسم کے خیالات اور جذبات کے اظہار پر قادر ہے۔ موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لیے ہر طرف راہیں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اس بہا سرمایہ سے فائدہ اُٹھا کر ادب کے نئے کوچوں میں قدم رکھ سکتے ہیں:

ہمیں اپنی زبان اور ادب سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کثرت سے اخبار اور رسالے شایع ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اچھے اخبار کی اب بھی ضرورت ہے بعض رسالے ادبی تنقید اور محققانہ مضامین سے اُردو کی بڑی خدمت کر رہے ہیں اور بعض خاص خاص موضوع کے لیے وقف ہیں۔ عام طور پر لوگوں کو اُردو پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ نئے نئے مضامین اور علوم پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ نئے ادب والے اپنے خیالات کی اشاعت افسانوں

Marfat.com

کے پیرایے میں کر رہے ہیں۔ اگرچہ ادب میں نیا پُرانا کوئی چیز نہیں۔ جس کلام میں تازگی، جدت اور خیالات کی گہرائی ہے وہ ہمیشہ نیا ہے گو وہ دو ہزار سال پہلے کا لکھا ہوا کیوں نہ ہو اور جس میں یہ نہیں وہ پُرانا ہے گو وہ آج ہی کی تصنیف کیوں نہ ہو۔ ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ اب عورتیں بھی اس طرف پہلے سے زیادہ توجہ کر رہی ہیں اور یہ اُردو کے لیے نیک فال ہے۔ یہ زبان انھی کی ہے۔ وہ اس کی ترقی میں شریک ہوں گی تو اس کی ترقی میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہو سکتا۔ انجمن ترقیٔ اُردو نے اپنی کوششوں سے اسے اور وسیع اور قوی کر دیا ہے اور اس کی بعض شاخیں بڑی مستعدی سے اس کی مدد کر رہی ہیں۔ ہندستان کی تقریباً تمام یونی ورسٹیوں میں اُردو کی اہمیت تسلیم کی جا چکی ہے۔ اس بارے میں پنجاب یونی ورسٹی اور اس سے بڑھ کر مدراس یونی ورسٹی ہمارے شکریے کی مستحق ہے۔

آخر میں چند لفظ جامعہ عثمانیہ کی نسبت کہنا چاہتا ہوں کیوں کہ اُردو زبان کا کوئی ذکر اس کے بیانِ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جامعہ عثمانیہ نے اُردو کو یونی ورسٹی کی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنا کر اور علوم و فنون پر سیکڑوں کتابیں ترجمہ اور تالیف کرا کر اُردو زبان کی بنیادوں کو ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ زمانے کے حوادث اسے ہلا نہیں سکتے۔ لیکن جس بات سے مجھے خاص مسرت ہے وہ یہ ہے کہ اس یونی ورسٹی کے پروفیسروں میں ایک مختصر جماعت ایسی بھی ہے جو علاوہ اپنے فرائضِ منصبی کے اور بلا خیال ذاتی نفع اور شہرت کے زبان اور علم کی بے بہا خدمت کر رہی ہے جس کی قدر اس وقت تو کیا ہوگی لیکن ایک زمانہ آئے گا کہ قدر شناس اس کی قدر کریں گے۔

Marfat.com

جیساکہ مَیں نے ابھی عرض کیا تھا کہ ان حالات میں ہمیں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں. لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم مطمئن ہوکر بیٹھ رہیں. انسان کتنی بھی ترقی کرجائے، ترقی و اصلاح کی پھر بھی گنجایش باقی رہتی ہے. دُنیا میں ہر چیز بنتی بگڑتی، ڈھلتی اور بڑھتی ہے. زبان بنتی بھی ہے اور بگڑتی بھی جاتی ہے. جس طرح ہم حیات کو جکڑ بند نہیں کرسکتے. اسی طرح زبان کو بھی مقید نہیں کرسکتے. یہ اس کے لیے موت ہے. آیندہ کی ترقی اور موجودہ اصلاح پر ہمیں ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے. مثلاً اس وقت ضرورت ہے کہ ہم رسمِ خط کی اصلاح کریں. فضولیات خارج کردیں. اختلافی مسائل کا حل ڈھونڈھیں، مناسب ٹائپ کو رواج دیں. اور اس کے ساتھ ہی ہمیں ایسے لکھنے والوں کی بھی ضرورت ہے کہ جو جدید علوم کے ذخیرے کو چھانیں، کام کی چیزیں انتخاب کریں. تالیف و تصنیف کریں مگر اس ڈھنگ سے کہ بیان میں گنجلک نہ ہو اور پیچیدہ ترکیبوں اور غیر ضروری اصطلاحوں سے پاک ہو. نئے خیالات، زندگی کے نئے نظریوں اور نئے جذبات کے لیے ہمیں نئے الفاظ اور جملے، نئے اسلوب اور نئی راہیں تلاش کرنی ہوں گی. تاکہ ہم اپنی زبان اور ادب کو مکمل کرسکیں ۔

مَیں نے جو یہ سرسری نظر اپنی زبان کے مختلف ارتقائی مدارج پر ڈالی ہے اس سے صرف یہ جتانا مقصود تھا کہ اس نے ہر دَور میں زمانے کا ساتھ دیا ہے. جب سادگی کی ضرورت تھی تو یہ سادہ تھی. جب تکلف و تصنع کی ضرورت پڑی تو اس سے پُر تکلف کوئی زبان نہ تھی. جب ادبیت اور تنقید کا وقت آیا تو اس نے پُورا ساتھ دیا. جب اصلاح و ترمیم کا مطالبہ ہُوا تو اس نے منہ نہ موڑا، اب کہ علوم و فنون کا زمانہ ہے

Marfat.com

تو وہ اس کی خدمت کے لیے بھی حاضر ہی۔ غرض کہ اقتضائے وقت کے لحاظ سے وہ ہر سانچے میں ڈھلنے کے لیے تیار رہی اور اس کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اگر ہم اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کریں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سرزمینِ ہند کی مشترکہ اور ادبی علمی زبان یہی ہوگی۔ یہ اس کا حق ہی۔ اور کوئی قوت اسے اس منصب سے نہیں روک سکتی ؏

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس لاہور

(۸ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء)

دوستو اور عزیزو!

آپ نے جب اپنی عنایت سے مجھے اس کانفرنس میں دعوت دی تھی تو میں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ میں طالب علموں کی دعوت کو جب تک کوئی مجبوری نہ ہو، رد نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مجھے طالب علموں سے سابقہ رہا ہے خود عمر بھر میں نے طالب علمی کی ہے اور اب بھی طالب علم ہوں اور آخر دم تک طالب علم رہوں گا۔ اس وجہ سے میں طالب علموں کی جماعت میں اپنے آپ کو کبھی غیر نہیں سمجھتا۔ میں آپ کے پاس ایک پُرانے طالب علم کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اس لیے بہ نسبت کسی دُوسرے شخص کے مجھے آپ سے کہنے سُننے کا زیادہ حق حاصل ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ اُردو کی خدمت ہے۔ کوئی کچھ کہا کرے میں اس کو مُلک کی بہت بڑی خدمت سمجھتا ہوں اور اسے ہر خدمت پر ترجیح دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آج میں آپ کا شریک کار ہوں آپ بھی اس کام میں میرے شریک ہوں۔ اور شریک غالب ہوں۔

میں جب کبھی طالب علموں کی جماعت میں جاتا ہوں تو مجھے اپنی

Marfat.com

طالب علمی کا زمانہ یاد آجاتا ہی۔ لیکن آج کل کی اور اُس زمانے کی طالب علمی میں بہت بڑا فرق ہی۔ اس زمانے میں طالب علم زیادہ مستعد، زیادہ باجوش اور باخبر ہیں۔ ان کی نظر اپنی کتاب اور اپنے کالج تک محدود نہیں۔ وہ اپنے مُلک اور دُنیا کے حالات سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ اور ان میں حصّہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہی کہ سیاسی جماعتوں کے لیڈر آپ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ جب وہ آپ کی جماعت میں آتے ہیں تو آپ کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں مثلاً یہ ایک عام فقرہ ہی "قوم کی قسمت آپ کے ہاتھ میں ہی" "آیندہ ملک کے لیڈر آپ ہی ہونے والے ہیں" اس میں کوئی نئی بات نہیں یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہی کہ ایک نسل کی وارث دوسری نسل ہوتی ہی۔ لیکن ہمارا لیڈر کچھ اس انداز سے کہتا ہی کہ آپ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ دوسرا آتا ہی وہ اس معاملے میں پہلے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہی اور دل کھول کر مبالغہ کرتا ہے مگر اس سلیقے سے کہ مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس خوشی میں کبھی آپ اس کے ساتھ اور کبھی اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اسے بے شک آپ سے ہم دردی ہی۔ وہ چاہتا ہی کہ آپ اُس کے بڑے بڑے جلوس نکالیں، اس کے حکم پر ہڑتالیں کریں اور اس کے لیے نعرے اور جے کارے اس زور شور سے لگائیں کہ سننے والوں کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں۔ اس سے بے شک آپ کی قوت بڑھ گئی ہی اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن جس قدر آپ کی قوت بڑھی ہی اسی نسبت سے آپ کا وقار نہیں بڑھا کیوں کہ بعض اوقات آپ کے گروہ میں اور عوام کی بھیڑ میں تھوڑا ہی سا

Marfat.com

فرق رہ جاتا ہی۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کی قوت کے ساتھ ساتھ آپ کا وقار بھی اُسی نسبت سے بڑھے۔ لیکن باوجود اس کے جو بات سچ ہو وہ کہنی چاہیے اور مَیں بلا تامل یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ آج کل کے طالب علم پہلے زمانے کے طالب علموں کے مقابلے میں زیادہ مستعد، زیادہ سرگرم اور پُرجوش اور زیادہ باخبر ہیں۔ اور اس کا ایک ادنیٰ ثبوت خود یہ کانفرنس ہی جو محض آپ کی ذاتی کوشش اور تگ و دو سے منعقد ہوئی ہی۔ آپ نے اس وقت ایک ایسے مسئلے کو لیا ہی جو باوجود ملک کے سیاسی ہیجان کے سب سے زیادہ قابلِ غور مسئلہ ہی اور جس پر قومیت اور مُلکی اتحاد کی بنیاد ہی۔ یہ آپ کی موقع شناسی، دُور بینی اور مصلحت اندیشی ہی کہ آپ نے ایسے وقت میں اس کانفرنس کا انعقاد کیا ہے مَیں آپ کو اس پر مبارک باد دیتا ہوں:

زبان کا معاملہ اس وقت ہمارے ملک میں بہت نازک اور پیچیدہ ہوتا جاتا ہی اور اُردُو بُری طرح لپیٹ میں آگئی ہی۔ حیرت ہی کہ وہ لوگ جو قومیت کے مدعی اور اتحاد کے حامی ہیں وہ کیوں اس زبان سے روگرداں ہیں جس کے خمیر میں اتحاد ہی، جو اتحاد سے بنی۔ اور اگر اہلِ ملک ذرا غور کریں تو انھیں معلوم ہوگا کہ آئندہ بھی ہمارے بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک جا کرنے میں سب سے بڑی مدد اسی سے ملے گی:

زبان کا زندگی میں بڑا دخل ہی۔ سیاست اور معاشرت اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہی کہ جب کسی قوم نے کسی دُوسری قوم کو بہ زورِ شمشیر مغلوب کیا ہی تو اس کے ساتھ ہی اس قوم کی زبان کو دبانا چاہا ہی کیوں کہ زبان قومی تہذیب اور اتحاد کا بڑا کارگر عنصر ہے۔ اس

Marfat.com

بارے میں پولستان کی تاریخ سب سے زیادہ عبرت خیز ہے۔

تخمیناً سوا سو سال سے اس بدنصیب ملک کا تکا بوٹی کیا جا رہا ہے۔ تین بار آسٹریا، روس اور پرشیا نے اس کے حصے بخرے کر کے اسے پاش پاش کر دیا اور اب چوتھی بار پھر وہ اسی آفت کا شکار ہے۔ پچھلی صدی میں پرشیا اور روس دونوں نے اسے پامال کرنے اور اس کی قومیت اور تہذیب کے کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سب سے زیادہ ظلم انھوں نے زبان پر توڑا۔

ابتدائی مدارس میں پولی زبان کی تعلیم کی حکماً ممانعت تھی۔ شروع شروع میں مذہبی تعلیم کی اجازت تھی۔ لیکن بعد میں اس کی بھی ممانعت کر دی گئی اور پولی بچے اس بات پر مجبور رکھے کہ اپنی مذہبی تعلیم جرمن زبان کے ذریعے سیکھیں اور نماز بھی جرمن زبان میں پڑھیں۔ جو بچے اس سے انکار کرتے انھیں تازیانے کی سزا دی جاتی، یا بندی خانے میں بھیج دیا جاتا۔ بعض اوقات یہ معصوم بچے اس بے دردی سے پیٹے جاتے تھے کہ پٹتے پٹتے دم توڑ دیتے تھے۔ جن بچوں کو اس وحشیانہ سزا سے بخار چڑھ آتا اور دوسرے روز مدرسے حاضر نہ ہو سکتے تو ان کے والدین کو اس جرم میں جرمانہ کیا جاتا۔

غریب مائیں جن کے دلوں میں حبّ وطن کی ذرا بھی لگن ہوتی تو وہ اپنے بچوں کو چوری سے خفیہ مقامات میں جمع کر کے انھیں اپنے مذہبی عقائد اپنی زبان میں سکھاتیں تاکہ وہ مذہب سے بالکل بیگانہ نہ رہ جائیں مگر جب کبھی حکام کو اس کی خبر لگ جاتی تو وہ ان عورتوں کو قید کر دیتے اور ان سے مجرموں کا سلوک کیا جاتا۔

Marfat.com

جرأت جیں کسی کی مجال نہ تھی کہ پولی زبان کا ایک لفظ بھی کوئی اپنی زبان سے نکال سکے۔ ابتدائی مدرسوں میں بھی بچے اپنی زبان میں بات چیت نہیں کر سکتے تھے۔ لفظوں کے معنی کبھی پولی زبان میں نہیں بتاتے تھے۔ بلکہ تصویروں، اشاروں اور طرح طرح کی ترکیبوں سے سمجھاتے تھے۔ مگر پولی زبان کی آواز ان بچوں کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ ثانوی مدارس میں بھی تقریباً یہی حال تھا۔ وہاں جرمن اُستاد پولی تاریخ اور تمدن اور ہر پولی شے کا ذکر نہایت حقارت سے کرتے اور پولی زبان کی ہنسی اُڑاتے۔ لڑکے یہ سب کچھ سُنتے اور زہر کا سا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتے۔ ان باتوں سے لڑکوں کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ اگر کسی لڑکے کے پاس پولستان کی تاریخ کی یا ادب کی کتاب پائی جاتی تو اُسے اسکول سے خارج کر دیا جاتا اور پھر وہ کسی مدرسے میں داخل نہ ہونے پاتا اور اس کی ساری زندگی خراب ہو جاتی ؛

زبان پر یہ ظلم وستم صرف مدارس کے احاطوں تک محدود نہ تھا والدین اپنے بچوں کے لیے پولی استاد یا اُستانی نہیں رکھ سکتے تھے جرمن افسروں کو اختیار تھا کہ جس وقت چاہیں وہ کسی پولی کے گھر میں گھس کر یہ دیکھ سکتے تھے کہ کوئی بچہ پولی زبان تو نہیں پڑھ رہا ہے۔ وہ مدرسے کے باہر گلی کوچوں اور بازار میں بھی اپنی زبان میں بات چیت نہیں کر سکتے تھے ؛

اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ پولوں کو اپنے پبلک جلسوں میں بھی پولی بولنے کی ممانعت تھی ریلوے اسٹیشن کے ٹکٹ گھر پر پول کو ٹکٹ جرمن

Marfat.com

زبان میں مانگنا پڑتا تھا۔ اگر وہ جرمن زبان نہیں جانتا تو اسے اپنے ساتھ ترجمان لے جانا لازم تھا۔ اگر کسی رستوران میں کوئی پولی ملازم اپنی زبان بولتا ہوا سنائی دیتا تو فوراً نوکری سے موقوف کر دیا جاتا۔ اگر کسی کسان کو دوا کی ضرورت ہوتی اور عطار کی دکان پر جاتا تو اسے اپنی زبان میں دوا مانگنے کی اجازت نہ تھی۔ عدالت میں پولی کی شہادت جرمن مترجم کے ذریعے سے سُنی جاتی۔ جو غریب پول (مرد ہو یا عورت) اپنی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں حلف نہ اُٹھا سکتا تو وہ قید خانے بھیج دیا جاتا۔ شہروں، قصبوں اور گلیوں کے پولی نام بدل کر جرمن کر دیئے گئے۔ اصطباغ کے بعد والدین اپنے شیر خوار بچے کا نام اپنی مرضی سے تجویز کرتے لیکن سرکاری رجسٹر میں اس کا جرمن نام لکھا جاتا۔ جن خطوں پر پتا پولی زبان میں ہوتا وہ ڈاک خانے میں روک لیے جاتے۔ تار ہر زبان میں بھیجے جا سکتے تھے مگر نہیں بھیجے جا سکتے تھے تو پولی زبان میں۔

روسی مقبوضہ علاقے میں بھی یہی حال تھا۔ گرجاؤں میں پولی زبان کے استعمال کی ممانعت تھی۔ جو پادری اس کی خلاف ورزی کرتے وہ جلاوطن کر دیئے جاتے یا قید خانوں میں ڈال دیے جاتے۔ وارسا کی یونی ورسٹی اور مدارس میں سب اُستاد روسی تھے۔ دیہاتی مکتبوں میں بھی بچوں کو روسی پڑھنی پڑتی تھی۔ نجی بات چیت میں بھی پولی زبان استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ہسپتالوں میں بیمار اپنی زبان سُننے اور بولنے سے محروم تھے۔ یہاں تک کہ مریض بچوں کو بھی اپنی زبان میں کچھ کہنے کی اجازت نہ تھی۔

کیا ان حالات میں کوئی گمان کر سکتا تھا کہ اس زبان کا وجود دُنیا میں باقی

Marfat.com

رہے گا؟ لیکن باوجود غیر معمولی سختیوں اور جبر و استبداد کے وہ اب تک باقی ہے اور تین کروڑ مخلوق کو اس کے بولنے کا فخر حاصل ہے اور اس کا ادب یورپ کی زبانوں میں اب بھی باوقعت خیال کیا جاتا ہے یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ پولوں کو اپنی زبان جان سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر زبان ہم سے چھین لی گئی تو ہماری ہستی بے معنی ہو جائے گی۔ اس لیے وہ اس کی خاطر جان و مال اور ہر چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ ان کے شاعروں کی دل گداز نظموں نے اس آگ کو بھڑکایا اور باوجودے کہ ان کے کلام کے پڑھنے رکھنے اور چھپنے کی اجازت نہ تھی اور اس کی سختی سے نگرانی کی جاتی تھی۔ تاہم اس ملک کے مظلوم نوجوان تہ خانوں میں چھپ چھپ کر رات کی تاریکی میں مقفل کمروں کے اندر دھیمی روشنی میں ان دستی لکھی ہوئی نظموں کو مل مل کر پڑھتے تھے اور چونکہ پولیس کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ اس لیے ان میں سے ایک گلی کے نکڑ پر چھپا ہوا پہرا دیتا رہتا تھا اور جب دیکھتا تھا کہ پولیس آرہی ہے تو اپنے ساتھیوں کو فوراً خبردار کر دیتا اور وہ جلدی جلدی پڑھ کر ان نظموں کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیتے۔

اس سرسری بیان سے جو در اصل مظلوموں کی زبان کا بیّن ثبوت ہے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ زبان ایک بڑی قوت ہے اور قومیت اور تہذیب کی جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالف سب سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالتا ہے اور اسے مٹانے یا کم زور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زبان والے اگر اس راز سے واقف ہیں تو انھیں اس کے بچانے کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔

Marfat.com

ہم پر ابھی ایسا وقت نہیں آیا ہے اور خدا نہ کرے کبھی ایسا وقت آئے لیکن مخالفت کی ہوا چلنی شروع ہو گئی ہے۔ یہ آندھی اوّل اوّل الہ آباد سے اُٹھی اور وردھا میں اس نے زور پکڑا اور اب رفتہ رفتہ سارے ملک پر چھایا چاہتی ہے۔ میں پچھلے ہفتے الہ آباد میں ایک روز ٹھیرا تھا۔ سر تیج بہادر سپرو نے اس کی مخالفت کی جو درد بھری کہانی سنائی اس کا اثر اب تک میرے دل و دماغ پر ہے اور خود انھیں اس کا بڑا صدمہ ہے۔ میں ان ناگوار واقعات کو یہاں دُہرانا نہیں چاہتا لیکن جنہیں اس کی تفصیل سُننی منظور ہو وہ الہ آباد جانے کی تکلیف کریں اور خود اس بزرگ کی زبانی سُن لیں جو حق بات کہنے میں کبھی نہیں چوکتے۔ جو کسی کے جانب دار نہیں اور مُلک کے بے ریا دوست اور سچے بہی خواہ ہیں۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ اُردو غلامانہ ذہنیت کی یادگار ہے۔ یہ زبان مسلمان بادشاہوں کی پھیلائی ہوئی ہے۔ ان باتوں کو کہنے والے صرف ناواقف اور معمولی لوگ نہیں۔ ان میں تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو نیک دل اور صلح جُو ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اُردو کے مسلّم ادیب اور زبان داں ہیں۔ سچ ہے تعصب آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ کبھی تو وہ یہ سوچتے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ اگر غلامانہ ذہنیت کا اشارہ دَورِ محکومی کی طرف ہے تو یہ لعنت اس ملک پر آج سے نہیں ہزار ہا سال سے ہے اور اب بھی اگر محکومی کا زمانہ صرف اسلامی اور انگریزی عہد تک محدود رکھا جائے تو اس طویل مدت میں ہمارے اہلِ وطن نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو کچھ کیا دھرا یا، سلوار اُسے ناپاک ترک کر دینا چاہیے اور اس سے ہزار دو ہزار برس پہلے جو کچھ تھا بُرا بھلا، اسے اختیار کرنا چاہیے

یہ کہ غلامانہ ذہنیت ہے

اب رہی یہ بات کہ یہ "زبان مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی اور ہمیں بر تقاضائے وقت، ضروریاتِ زمانہ سے مجبور ہو کر اپنے اغراض کے لیے سیکھنی پڑی جیسے آج کل انگریزی سیکھنی پڑتی ہے" سراسر بہتان اور خلافِ واقعہ ہے۔ اگر یہ بات وہ فارسی کے متعلق کہتے تو ایک حد تک بجا ہو سکتی تھی۔ لیکن اُردو کے متعلق یہ کہنا اپنے نفس کو اور دوسروں کو دھوکا دینا ہے۔ اُردو خالص مُلکی زبان ہے اور انگریزی عہد میں دفتری عدالتی اور تعلیمی زبان ہوئی۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں یہ نہ دفتر و عدالت کی زبان تھی، نہ تعلیم کی۔ انھوں نے کبھی اسے منہ نہ لگایا اور نہ قابلِ توجہ سمجھا۔ آخر تاریخ بھی کوئی چیز ہے؟ واقعات کو بھی ہمارے معاملات اور بحث میں کچھ دخل ہے یا نہیں؟ یہ تو صریحاً تاریخ کا گلا گھونٹنا اور واقعات کا خون کرنا ہے۔ اس قسم کے خیالات سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کی جاتی اور تعصب کا بیج بویا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہر چیز میں اختلاف اور تفریق پیدا ہوتی جاتی ہے۔ خوراک میں، پوشاک میں، بول چال میں، وضع قطع میں، آداب و اطوار میں دونوں قومیں رفتہ رفتہ الگ ہوتی جاتی ہیں آخر یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے کہاں تک پہنچے گا اور اس ملک کا کیا انجام ہوگا! سی، پی کی کانگرس گورنمنٹ تو اس معاملے میں سب سے سبقت لے گئی۔ اس نے ایسے شہروں اور مقاموں کے نام بھی بدل دیئے جو ایک زمانے سے زبان زدِ خلائق چلے آ رہے تھے۔ مثلاً ہندستانی علاقے کو مہا کوشل، بہار کو ودھروا، ناگ پور کو ناگیشور سے بدل دیا۔ گاندھی جی سیگاؤں میں مقیم ہیں یہ سیگاؤں ہی لکھا اور بولا جاتا تھا مگر اب کچھ

Marfat.com

دنوں سے یہ شوگرام ہوگیا ہے۔ یہ ہے غلامانہ ذہنیت یا بہ اصطلاح نفسیات جنونِ کم تری ؂

ہماری انجمن اور اس کے اخبار کو طرح طرح مطعون اور بدنام کیا جاتا ہے۔ کوئی اسے فرقہ پرست کہتا ہے۔ کوئی اسے مسلم لیگ کی شاخ بتاتا ہے۔ کوئی ہندی کا مخالف، اُدھر سے حملے پر حملے ہوں تو کچھ بھی نہیں۔ ہم اگر اپنے بچاؤ میں کچھ کہیں تو قابلِ الزام ؎

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ہم کسی زبان کے مخالف نہیں۔ ہر زبان کو ترقی کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اُردو ہماری اور آپ کی زبان ہے۔ یہ ہماری اور آپ کی تہذیب اور تمدن، ہماری آپ کی زبانوں اور ہمارے آپ کے اتحاد کی یادگار ہے۔ ہمارے آپ کے اسلاف نے بڑی محنت اور جاں کاہی سے اسے بنایا، پالا پوسا اور بڑھایا۔ آپ کیوں نہیں اُسے ویسے ہی اپنی زبان سمجھتے جیسے اب تک سمجھتے آئے تھے۔ کیوں نہیں اسے مُلکی زبان مانتے جیسے اب تک مانتے آئے تھے۔ اگر یہ نہیں تو کم سے کم اس کی مخالفت نہ کیجیے اور جس طرح اور جہاں جہاں وہ کچھ دنوں پہلے تھی اُسے ویسے ہی رہنے دیجیے اور نکالنے کی کوشش نہ کیجیے۔ یہی ایک صورت مصالحت کی ہے۔ اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر معاملہ صاف ہے۔ آپ کی راہ اور ہماری راہ اور۔ جو ہونا ہے ہو رہے گا۔ اپنی اپنی کوشش اور اپنی اپنی قسمت۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے بعد اتحاد کے تمام دعوے اور منصوبے باطل ہوں گے ؂

Marfat.com

حضرات! آپ کا صوبہ بہت قابلِ مبارک باد ہے کہ یہاں کم سے کم لسانی اتحاد ہے۔ آگے چل کر یہ اتحاد آپ کے بہت کام آئے گا، اور دوسرے چھوٹے موٹے اختلافوں پر غالب آجائے گا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ اگر صورتِ حال یہی رہی تو آپ کا صوبہ ایک دن ہندستان کے دوسرے صوبوں کے لیے قابلِ تقلید مثال ثابت ہو۔ آپ کے صوبے نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس کا اعتراف نہ کرنا صریح حق ناشناسی ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ کسی ایک صوبے کا نہیں رہا۔ یہ مسئلہ سارے ہندستان کا ہوگیا۔ اور اس جدوجہد میں آپ کی شرکت ضروری ہے۔

البتہ آپ کی یونی ورسٹی سے ایک بڑی شکایت ہے کہ اس نے اردو زبان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو صوبہ اردو کے رواج میں سبقت لے گیا ہے وہاں کی یونی اردو کی طرف سے ایسی بے التفاتی کرتی ہے تو سخت افسوس ہوتا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ آپ کی یونی ورسٹی کے امتحانات ایف۔ اے اور بی۔ اے میں اردو کا صرف ایک زائد پرچہ پچاس نمبر کا ہے۔ یہ طالب علم کی مرضی پر ہے کہ اس میں امتحان دے یا نہ دے۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس پرچے کے نمبر طالب علم کی کامیابی یا ناکامیابی پر کچھ اثر نہیں رکھتے اور سائنس کی جماعت میں داخلے کے وقت اس پرچے کے نمبر ہی خارج کردیے جاتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب پرچہ ہے۔ اس کی نظیر مشکل سے کسی یونی ورسٹی میں ملے گی۔ البتہ لڑکیوں کو کسی قدیم زبان کی بجائے اردو لینے کا اختیار ہے۔ لیکن سوالات کے جواب انھیں انگریزی میں دینے پڑتے ہیں۔ خیال فرمائیے کہ غالب و مومن کے اشعار کی

Marfat.com

تشریح یہ بچاری لڑکیاں انگریزی میں کیا بیان کریں گی۔ یہ اُردو کے رستے میں ایک اور رکاوٹ ہے۔

یونی ورسٹی کے قواعد و ضوابط میں دل لگی اور ظرافت کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی کے نصاب بناتے وقت کسی ستم ظریف کو دل لگی سوجھی اور اس نے چپکے سے یہ مضحکہ خیز پرچہ نصاب کے لیے پیش کر دیا اور دوسرے ممبر یا تو سمجھے نہیں یا کاہلی کی وجہ سے انھوں نے غور نہیں کیا اور منظور ہو گیا۔ اب جو منظور ہو گیا تو پتھر کی لکیر ہو گیا۔ الہ آباد، لکھنؤ، علی گڑھ کی یونی ورسٹیوں میں اُردو زبان ادب کے الگ شعبے ہیں۔ ان کے لیے پروفیسر، ریڈر، لکچرار مقرر ہیں۔ ان کو جانے دیجیے کہ یہ یونی ورسٹیاں اُردو کے صوبوں میں ہیں۔ مدراس کو لیجیے وہاں تقریباً ساٹھ سال سے اُردو یونی ورسٹی کے امتحانات میں مستقل مضمون ہے ایم۔ اے تک کا امتحان اُردو میں دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مدراس یونی ورسٹی نے اُردو کے لیے ایک ری سرچ کا شعبہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ اور اس کے سوا افضل العلماء ادیب فاضل، ادیب عالم، ادیب اور طب کے امتحانات میں اُردو کا پرچہ لازمی طور پر شریک ہے۔ ہماری یونی ورسٹیوں کو کچھ تو شرمانا چاہیے۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آج سے سو برس پہلے ان علاقے میں جو اقلیم اُردو کا خطہ ہے اُردو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ تھی۔ میری مراد دہلی کالج سے ہے۔ جہاں تمام علوم جدیدہ یعنی کیمیا (کیمسٹری)، طبیعیات معاشیات، ریاضیات، قانون، تاریخ اور دوسرے تمام علوم اُردو کے ذریعے سے پڑھائے جاتے تھے۔ اس زمانے کے جن افسرانِ تعلیم اور

Marfat.com

اہلِ علم نے اس کالج کا معائنہ کیا۔ انھوں نے تصدیق کی ہے کہ دہلی کالج کے طالب علم سائنس میں ایسے ہی مستعد اور قابل ہیں جیسے ان کالجوں کے جہاں تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اس کالج کی مجلسِ ترجمہ نے علوم جدیدہ میں تقریباً دو سو کتابیں تالیف یا ترجمہ کیں۔ اور اصطلاحاتِ سائنس کے لیے قواعد وضع کیے جو اب بھی کار آمد ہیں۔

ہم شمالی ہند کی اور خاص کر پنجاب اور دلّی کی یونی ورسٹیوں سے یہ التجا کرتے ہیں کہ اگر انھیں آگے بڑھنے سے چڑ ہی تو نہ بڑھیں۔ کم سے کم سو سال پیچھے ہی ہٹ جائیں۔ یہ آپ کا حق ہے اور اس مطالبے میں آپ بالکل حق بجانب ہیں کہ یہ ناکارہ، فرسودہ اور ناشایستہ طریقہ یک لخت موقوف کر دیا جائے اور اُردو کا مستقل شعبہ قائم کیا جائے اور تمام علوم کی تعلیم اُردو زبان کے ذریعے سے دی جائے۔ جب سو سال قبل اس میں کام یابی ہو سکتی تھی اور آج جامعہ عثمانیہ میں بلا دقت کام یابی سے یہ کام ہو رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پنجاب اور دلّی کی یونی ورسٹیاں اس میں کام یاب نہ ہوں۔ آپ ضرور یہ مطالبہ کیجیے اور جب تک آپ کا مطالبہ پورا نہ ہو آپ اس تحریک کو شد و مد کے ساتھ جاری رکھیے۔ جن یونی ورسٹیوں میں ہماری زبان و تہذیب کو باریابی کی اجازت نہیں وہ ہماری یونی ورسٹیاں نہیں ہو سکتیں۔ ہمیں ایسی یونی ورسٹیوں کی ضرورت ہے جن کے دروازوں پر ہماری زبان کے لیے

(NO ADMISSIONGAY) کی تختی لگی ہوئی ہو۔

پنجاب کے طالب علمو! تمھیں یاد ہو کہ نہ ہو کہ سیّد مرحوم نے اہلِ پنجاب کو "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب دیا تھا۔ اسے معمولی خطاب

Marfat.com

نہ سمجھنا۔ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے قابلِ قدر خطاب ہے۔ آپ اس پر جس قدر خوش ہوں اور جس قدر ناز کریں بجا ہے۔ اس مصلحِ اعظم نے سارے ہندوستان میں صرف اہلِ پنجاب کو اس پُرعظمت خطاب کا سزاوار سمجھا ؛

عزیزو! اگر آپ کے دل میں اس خطاب کی عزت ہے اور آپ کو اس کی اہمیت کا کافی احساس ہے تو اس کی لاج رکھنا آپ کے ہاتھ ہے۔ اگر فی الحقیقت آپ میں اب بھی زندہ دلی باقی ہے۔ اور آپ نے یہ کانفرنس محض نمایش اور تماشے کے لیے نہیں کی تو آج آپ سچے دل سے عہد کیجیے کہ آپ کہیں بھی ہوں اور کسی حال میں ہوں ہمیشہ اُردو کی ترقی کے خواہاں اور اس کی اشاعت میں کوشاں رہیں گے۔ کیا آپ ایسا عہد کرنے کے لیے تیار ہیں؟ میں خوش ہوں کہ آپ اس کا عہد کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے سوچ سمجھ کر اور خلوصِ دل سے یہ عہد کیا ہے لیکن آج کل زبانی وعدے زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے ایفائے وعدہ عمل سے دیکھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی پابندی کریں گے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ کام کرنے والے یوں کام کیا کرتے ہیں ؛

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس۔ گوالیار

(۲۷ر جنوری سنہ ۱۹۴۱ء)

ای صاحبو!

آپ نے جس شوق اور جوش سے اُردو کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا ہے اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ میں آپ کی انجمن کی سرگرمیوں کا حال سُن چکا تھا۔ لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔ شکر ہی کہ جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا۔ آپ کی کانفرنس ہمارے دوُسرے جلسوں کی طرح تماشی نہیں ہی اس کا مقصد تھوڑی دیر کی تفریح یا تفنّن نہیں بلکہ جیسا کہ مجھے معلوم ہُوا ہی۔ آپ حقیقی طور پر کچھ کام کرنا چاہتے ہیں یعنی جو کچھ آپ کر رہے ہیں اسے اور ترقی دینا اور بڑھانا چاہتے ہیں ؛

زبان کا مسئلہ جس کے لیے آپ نے یہ اہتمام کیا ہی بد قسمتی سے روز بہ روز پیچیدہ اور نازک ہوتا جاتا ہی۔ ایسے زمانے میں آپ کا اس طرف توجہ کرنا اور اپنی زبان کی ترقّی و اشاعت کے متعلق تجویزیں سوچنا اس امر کی دلیل ہی کہ آپ وقت کو پہچانتے ہیں اور سوچ سمجھ کر موجودہ ضروریات کو پورا کرنے اور آنے والے واقعات کے مقابلے کے لیے تیار ہیں ؛

Marfat.com

آپ کی ریاست کو جو تاریخی حیثیت حاصل ہے اس سے آپ بہ خوبی واقف ہیں۔ تفصیل کی حاجت نہیں۔ یہاں کے فرماں روا خاندان کے مورثِ اعلا کو سب سے پہلے شہنشاہ اورنگ زیب نے عہدہ اور خطاب عطا کیا تھا۔ شاہ عالم بادشاہ پر جب مصیبت نازل ہوئی اور بے درد غلام قادر روہیلہ نے بادشاہ کی آنکھیں نکال لیں اور تخت سے اُتار دیا اور شاہی خاندان کو پامال کر دیا تو اُس وقت بادشاہ کو مادھوجی سندھیا کے سوا کوئی ہم درد اور دوست نظر نہ آیا۔ چناں چہ وہ اپنی فارسی غزل میں جو اس حادثے کے متعلّق لکھی تھی مادھوجی سندھیا کو کس محبّت سے یاد کرتے ہیں : ؎

مادھوجی سندھیا فرزندِ جگر بندِ من است
ہست مصروف تلافیِ ستم گاریِ ما

یہ مخلصانہ تعلقات تھے جنھوں نے باہمی اتّحاد پیدا کر دیا تھا اور جو کئی صدی سے چلا آرہا تھا اور اسی نے تہذیب اور زبان کی بنیاد ڈالی جو ہندو مسلم دونوں میں مشترک اور دونوں کی وراثت ہے۔ چناں چہ وسطِ ہند اور راجپوتانہ کی ریاستوں میں درباری قاعدے، معاشرتی آداب رسوم وہی رائج ہو گئے جو مغلیہ حکومت میں تھے۔ عدالتوں اور دفتروں کی زبان فارسی ہو گئی۔ جب فارسی کی جگہ اُردو نے لے لی تو ان ریاستوں میں بھی اُردو کا دَورہ دَورہ ہو گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اتّحاد کا سب سے بڑا ذریعہ اُردو ہوئی۔ چوں کہ یہ ہندو مسلم دونوں کی زبانوں اور تہذیبوں سے مل کر بنی تھی اس لیے اس نے ہر جگہ گھر کر لیا اور سارے ہندستان پر چھا گئی۔ اب اگر اس بنا پہ مُلکی زبان ہونے کا

Marfat.com

دعویٰ کرے تو وہ بالکل حق بہ جانب ہی۔

عجیب بات ہی کہ اس زبان کی جو اصل خوبی ہی وہی نکتہ چینوں کی نظروں میں عیب بن گئی ہی اور ہمارے بعض مہربانوں نے اسے نشانۂ ملامت بنا رکھا ہی۔ کہتے ہیں یہ خالص زبان نہیں مخلوط ہی۔ اس لیے مُلکی زبان نہیں ہو سکتی۔ بے شک یہ مخلوط ہی اور مخلوط ہونا ہی اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل ہی کہ یہی زبان قومی زبان ہونی چاہیے۔ یہ سب کی بولی ہی۔ مُلک کے اکثر علاقے اور قومیں اس کے بنانے میں شریک رہی ہیں۔ یہ کچھ ہندستان ہی کی قوموں پر موقوف نہیں بلکہ غیر قوموں نے بھی اس کی تعمیر میں حصّہ لیا ہی۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ تقریبًا ایک سو اینگلو انڈین اور یورپین ایسے ہیں جنھوں نے شعر کہے ہیں اور بعض ان میں سے صاحبِ دیوان ہیں۔

علاوہ اس کے یہ کہ اس نے یک جہتی اور اتحاد پیدا کیا۔ مخلوط ہونے سے خود زبان کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اس کے لغات کا ذخیرہ بڑھ گیا۔ جس سے مختلف قسم کے خیالات اور جذبات کے ادا کرنے میں آسانی ہوگئی۔ اور ایک خیال اور واقعے کو صحت و حُسن کے ساتھ بیان کرنے کے لیے الفاظ کے انتخاب کا ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا جو ادیب اور شاعر کے لیے بڑی نعمت ہی۔

لیکن سب سے تازہ اعتراض وہ ہی جو سمپورنا نندجی نے اپنے صدارتی خطبے میں کیا ہی جو آل انڈیا ہندی ساہتیہ سمیلن کے گزشتہ سالانہ جلسے میں پونا میں پڑھا گیا تھا۔ اس میں وہ اُردو کو مصنوعی زبان بتلاتے ہیں۔ زبان انسانی زندگی، ضرورت اور خواہشات سے پیدا ہوتی ہی۔ وہ کسی سازش

Marfat.com

یا چند لوگوں کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتی. ایک ایسی زبان کو جس کے بولنے والے کروڑوں انسان ہیں مصنوعی کہنا دن کو رات یا رات کو دن کہنا ہے. البتہ بعض نیک دل انسانوں نے دنیا میں زبان کی کثرت اور خلفشار کو دیکھ کر ازراہِ ہمدردی اپنے اپنے زمانے میں ایک عالم گیر زبان یعنی جگت بھاشا بنانے کی کوشش کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ زبانوں کے اس ہجوم میں ایک زبان ایسی ہو جو ان بے ضابطگیوں سے پاک ہو جو مروّجہ زبانوں میں پائی جاتی ہیں تاکہ لوگ اُسے آسانی سے سیکھ لیں اور وہ دُنیا بھر میں رائج ہو سکے. لیکن اس قسم کی زبانیں جو منطقی اصولوں اور خاص منصوبوں کے تحت بنائی جاتی ہیں رواج نہیں پا سکتیں اور آخر ان نیک نفس لوگوں کی کوششوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس قسم کی زبانوں کو ہم بلا شبہہ مصنوعی کہہ سکتے ہیں لیکن کسی ایسی زبان کو مصنوعی کہنا جس کے بولنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہوں اور جو ادبی خوبیوں سے مالا مال ہو، کسی حال میں جائز نہیں ۔ ایسا کہنا بڑی دھاندلی ہے یا کم علمی کی دلیل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زبانوں کے بننے اور ترقّی پانے میں انسان کے ارادے اور خواہش کا بھی دخل ہے لیکن اس سے زیادہ اس کی ساخت میں قدرت کا ہاتھ ہے اور قدرت کے قاعدے عجیب و غریب ہیں جن پر انسان کو پوری دسترس حاصل نہیں. اس لیے اس زمانے میں بھی جو لوگ مصنوعی زبان بنا کر ملک میں رائج کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ کسی ارادے سے ہو۔ ان کی قسمت میں بھی ناکامی لکھی ہے سمپورنانندجی اور ان کے ہم خیال اصحاب کو جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں. پچھلے تجربوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے *

Marfat.com

ہم جو اُردو کو ملکی زبان کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اسے اب تک یہ حیثیت حاصل ہے مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ اختلافات کی رَو روز بہ روز قوت پکڑ رہی ہے جذبات عقل وشعور پر غالب آگئے ہیں اور نفاق نے دلوں میں گھر کر لیا ہے، ہم ان جذبات کو دھیما کرنے اور اختلافات کے فصل کو کم کرنے کے لیے اسے پیش کرتے ہیں کہ یہ اتّفاق واتّحاد کی گود میں پلی ہے۔ اس نے خیالات و معاشرت اور تہذیب میں یک جہتی پیدا کی ہے اور اب بھی اس مہم کے انجام دینے کے لیے آمادہ ہے۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک زبان کا مسئلہ طے نہ ہوگا سب منصوبے، خواہ وہ کیسے ہی برتر اور اعلا ہوں ناکام رہیں گے اور ہم نہیں چاہتے کہ وہ دن آئے کہ اہلِ ملک کی کوششیں رائگاں جائیں۔ کام یابی کے لیے پہلی شرط اتّحاد ہے۔ اتّحاد کا پہلا قدم زبان کا اتّحاد ہے اور انسانی اتّحاد کے لیے اس زبان کا ہونا لازم ہے جس میں سب کا حصّہ ہے اور نہ زبان اس ملک کے لیے سوائے اُردو کے کوئی اور نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ اتّحاد سے بنی اور اتّحاد ہی کے لیے بنائی گئی اور اب بھی اس اہم فرض کو ادا کر سکتی ہے کیوں کہ یہ اس کے خمیر میں ہے۔

ہم کسی زبان کے مخالف نہیں۔ ہر زبان کو بڑھنے اور ترقّی کرنے کا حق ہے اور ہندی کی مخالفت تو ہم کر ہی نہیں سکتے کیوں کہ ہندی نہ صرف ہماری زبان کی زیب و زینت ہے بلکہ اس کی جان ہے۔ اس پر بنی اور اسی پر اس کی قوت ہے اور ہم نے اُسے اس رتبے تک پہنچایا کہ وہ علمی اور ادبی زبان ہوگئی اور اب اُردو کے نام سے موسوم اور مشہور ہے لیکن

Marfat.com

سمپورنا ہندی تو ایک ایسی زبان رائج کرنا چاہتے ہیں کہ جو نہ ہندی ہو نہ اُردو اور نہ ہندستانی اور نہ شہری اور نہ دیہاتی اور اسی مبارک زبان میں انھوں نے اپنا ایڈریس لکھا ہے۔ اسے ہم مصنوعی کہیں تو بے جا نہ ہوگا اور لطف یہ ہے کہ اس ہندی کو وہ صوبہ سرحد، ملابار وغیرہ میں رائج کرنا چاہتے ہیں جہاں ہندی کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں اور ایک غضب انھوں نے یہ کیا ہے کہ برج بھاشا، اودھی، بندھیل کھنڈی، پوربی، میتھلی وغیرہ بولیوں کو بھی اپنی ہندی سے خارج کر دیا حالاں کہ اصلی ہندی یہی ہے۔ اس بارے میں ہم اپنے ایک محقق دوست کا قول نقل کرتے ہیں :-

"اُردو ہندی کا جھگڑا بعض تنگ نظر اور رجعت پسند لوگوں تک محدود ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہندُستانی اس زبان کو کہتے ہیں جو شمالی ہندُستان کے شہروں اور قصبوں کی عام زبان ہے اور ہزار سال سے بنتے سنورتے اس درجے تک پہنچی ہے کہ گھر گھر بولی جاتی ہے اور جنوبی ہندستان میں بھی سمجھی جاتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر ہندی کسے کہتے ہیں تو اس کا جواب بہت آسان ہے یعنی اگرچہ ہندُستان کی ہر بولی ہندی ہے کوئی مشرقی (بنگالی، اڑیہ، اسامی) کوئی مغربی (برج، پنجابی، پشتو، سندھی) اور کوئی جنوبی (تامل، تلنگی، کنڑی، ملیالم) لیکن عرفِ عام میں اب ہندی بولیاں وہی تسلیم کی جاتی ہیں۔ ایک برج بھاکا جو سری کرشن جی کی سرزمین اور مہا بھارت کی یاد دلاتی ہیں اور دوسری اودھی جو رام چندر جی کی راج دھانی اجودھیا اور رامائن کی یادگار ہو

Marfat.com

ان دونوں سرزمینوں میں جو بولیاں رائج ہیں وہ واقعۃً ہندو مذہب کے نقطۂ نظر سے بہت مقدس ہیں لیکن ان میں کوئی لٹریچر نہیں اور دیہات کی ابتدائی اور معمولی ضرورت کے علاوہ کوئی ادبی یا تجارتی کام ان سے نہیں لیا جا سکتا۔ اس بولی کو جہاں بھی تمدنی ضروریات سے واسطہ پڑتا ہے یہ اُردو ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جس طرح دُوسری ہندیوں کا لٹریچر اور شاعری صرف سنسکرت کے طرزِ بیان اور عروض تک محدود ہے، اسی طرح برج اور اودھی بھی ایک تنگ اور مختصر دائرے میں رہنے کے بعد مُردہ ہو رہی ہیں اس پر ستم یہ ہو رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ ان کو فطری طریقے پر ترقی کرنے کا موقع دیا جائے ان ہندی بولیوں کے دوست نما دشمن پھر اس کی گرامر کو پانی نی کی دیاکرن میں جکڑنا چاہتے ہیں اور فارسی کی پُرکیف اور رُوح پرور نغمہ سنجیوں تک پہنچنے کا راستہ روکے کھڑے ہیں"۔

اگر ہم ان خیالات پر نظر رکھیں اور دلوں سے بے جا تعصبات اور جذبات کو نکال کر زبان کے ارتقا اور نشو و نما کے اصُولوں پر غور کریں اور مُلک کی بہبُودی کو مقدم سمجھیں تو زبان کے مسئلے کا حل ہونا دُشوار نہیں۔ لیکن بہ ظاہر موجودہ حالات اس کے سازگار نہیں معلوم ہوتے۔

ان بحثوں سے قطع نظر کر کے جو ابھی ایک مدت تک جاری رہیں گی

Marfat.com

جن کا فیصلہ جلد ہونا مشکل ہے۔ ہمیں اب کام کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔

اس کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ زبان خواہ کیسی ہی حقیر ہو۔ بولنے والوں کی زندگی سے اندر اور باہر ایسی لپٹی ہوتی ہے کہ وہ اس کا جزو لاینفک ہو جاتی ہے۔ زبان کی مخالفت بولنے والوں کی مخالفت ہے کیوں کہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں یعنی سیاست، معاشرت، تہذیب و تمدن کا سرمایہ اسی میں محفوظ ہے۔ زبان کا جانا زندگی کا جانا ہے۔ زبان کے لیے دُنیا میں بڑے بڑے فساد اور جنگیں ہوتی ہیں۔ میدانِ جنگ میں اور اس سے باہر بھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اس کے لیے جنگ کریں۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ اگر آپ کو اپنی زندگی اور تہذیب عزیز ہے تو اس کے بچانے کی فکر کیجیے۔ جب میں کسی جماعت یا شخص سے اس قسم کا ذکر کرتا ہوں تو وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ یہ سنتا ہوں تو میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے۔ ہماری لاعلمی اور بے بسی کی یہ نوبت ہے کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کیا کرنا چاہیے۔ اس میں ان کا قصور نہیں، یہ ہمارے رہنماؤں کا قصور ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے ۔

لیکن اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ انسان اور خاص کر ہم بالطبع کاہل واقع ہوئے ہیں۔ کام کرنے سے جی چُراتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ جو شخص یا قوم کام کرنے سے جی چُرائے اسے کبھی کامیابی اور آزادی حاصل نہیں ہو سکتی کاہل اور کام چور کے نصیب میں غلامی لکھی ہے۔ افراد اور قوموں نے اپنی زبان اور تہذیب کے بچانے کے لیے جانیں کھپادی ہیں۔ ہم آپ سے یہ نہیں چاہتے کہ جانیں دیں یا بڑی بڑی قربانیاں کریں

Marfat.com

ہم تو آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ نہیں تو تھوڑی سی توجہ اس طرف بھی فرمائیے۔ اگر احیاناً کبھی ضرورت پڑے تو زیادہ نہیں تھوڑی سی زحمت اس کے لیے بھی گوارا کیجیے۔ اگر کبھی اتفاق سے کچھ خرچ کرنا پڑے تو زیادہ نہیں تو ایک قلیل حقیر حصّہ اپنی کمائی کا اس میں بھی صرف کیجیے مگر یاد رکھیے کہ یہی ذرا سی توجہ، یہی تھوڑی سی زحمت اور آپ کی کمائی کا یہی قلیل اور حقیر حصّہ آپ کی نجات کا باعث ہوگا ؎

اس میں کوئی زحمت نہیں صرف توجہ کی ضرورت ہے۔ خطوں کے لفافوں پر پتا اردو میں لکھیں۔ جلسوں میں تقریریں اردو میں کریں اپنے جلسوں کی روداریں اردو میں لکھیں۔ اپنے سائن بورڈ، اپنے نام کی تختیاں اردو میں ہوں۔ منی آرڈر اور رجسٹری کے فارم ڈاک خانے سے اردو میں طلب کریں اور اردو ہی میں خانہ پُری کریں۔ اپنے گھروں اور عام بول چال میں اردو استعمال کریں۔ باہم خط و کتابت اُردو میں کی جائے اردو اخبار اور رسالوں کی سرپرستی کریں۔ اردو کتابوں کا مطالعہ کریں۔ حساب کتاب اردو میں رکھیں ؎

یہ عام باتیں ہیں۔ اگرچہ معمولی ہیں مگر بہت ضروری ہیں۔ اس میں نہ زحمت ہے نہ خرچ صرف تھوڑی سی توجہ درکار ہے ؎

اب میں ان امور کا ذکر کرتا ہوں جن میں کچھ زحمت بھی ہے اور کچھ خرچ بھی:۔

۱۔ خانگی طور پر اردو کے مدرسے اور مکتب قائم کیے جائیں۔

۲۔ بالغوں کی تعلیم کے لیے شبینہ مدرسے کھولے جائیں ؎

۳۔ دینی مکتبوں میں اردو کی تعلیم لازمی کردی جائے ؎

۴۔ لڑکیوں کو خاص طور پر اردو کی تعلیم دلائی جائے ؎

Marfat.com

۵۔ جہاں جہاں ممکن ہو مطالعہ گھر قائم کیے جائیں۔

۶۔ اردو کی اہمیت لوگوں کے ذہن نشین کی جائے اور انھیں اردو اخبار و رسالوں اور کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دی جائے۔

آخر میں ان چند امور کا ذکر کرتا ہوں جن کا تعلق خاص طور پر آپ سے ہے۔

۱۔ ریاست میں اُردو کے تحفظ اور اس کی ترویج کے لیے ایک مستقل اور مضبوط انجمن ترقی اُردو قائم کی جائے جس کی شاخیں ریاست بھر میں پھیلائی جائیں۔

۲۔ ریاست کو مشورہ دیا جائے کہ اردو کے تحفظ اور اس کی ترقی کے لیے ایک خاص افسر کا تقرر کیا جائے۔

۳۔ نیز یہ درخواست کی جائے کہ اُردو کو بھی وہی درجہ دیا جائے جو ہندی کو حاصل ہے اور عدالتوں میں اُردو رسم الخط کی اجازت دی جائے۔

۴۔ اردو کے کتب خانوں اور مدرسوں کے لیے ریاست سے امداد کی درخواست کی جائے۔

آپ کو شکر کرنا چاہیے کہ آپ ایک بیدار مغز اور روشن خیال فرماں روا کی رعایا ہیں۔ جن کو اپنی رعایا کی بہبودی کا بہت خیال ہے۔ اگر آپ مناسب طریقے پر اپنی ضرورتوں کا اظہار کریں گے تو امید ہے کہ وہ ضرور لحاظ فرمائیں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ جب تک آپ کامیاب نہ ہوں برابر کوشش کرتے رہیں اور بار بار اپنی ضرورتیں اور شکایتیں پیش کرتے رہیں۔

آخر میں آپ سے صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو کام آپ اپنے ہاتھ میں لیں اسے صبر و استقلال کے ساتھ برابر کرتے رہیں۔ ناکامیابی سے بددل اور مایوس نہ ہوں انسانی کوشش بڑی زبردست قوت ہے مگر شرط یہی ہے کہ استقلال میں فرق نہ آئے۔ پھر ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

خطبۂ صدارت کُل پنجاب اُردو کانفرنس لائل پور

(۲۳ و ۲۴ فروری سنہ ۱۹۴۱ء)

حضرات!

کانفرنس کرنا آج کل فیشن ہوگیا ہی، ہنگامہ پسندی اور تفریح کے لیے لوگوں کو اچھا نسخہ ہاتھ آگیا ہی۔ اس قسم کی اُردو کانفرنس میں مشاعرہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مشاعرے کے جواز کے لیے کانفرنس بھی کرلی جاتی ہی مجھے بعض ایسی کانفرنسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا ہی اور ہمیشہ پچھتانا پڑا ہی۔ بے عملی کا یہ رنگ دیکھ کر میں کانفرنسوں سے بیزار ہوگیا ہوں اور جب کوئی میرے سامنے کانفرنس کا نام لیتا ہے یا اس میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تو مجھے تکلیف سی محسوس ہوتی ہی کسی شخص یا جماعت کو کانفرنس کرنے کا حق نہیں جب تک وہ کچھ کرکے نہ دکھائے۔ اگر عمل کا جذبہ نہیں ہی تو اس خیال ہی کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ تفریح اور دل لگی کے لیے اور بہت سے سامان موجود ہیں انھیں کام میں لائیے۔ مگر خدا کے لیے کانفرنسوں کو کھیل تماشے کا ذریعہ نہ بنائیے۔ کانفرنس بہت باوقعت چیز ہی اسے بے وقعت نہ کیجیے اور جگ ہنسائی کا موقع نہ دیجیے

[illegible] اشرف دیامنی صاحب جب مجھ سے دلّی میں ملے اور انھوں نے

Marfat.com

لائل پور میں کانفرنس کرنے کا خیال ظاہر کیا تو میں نے ان سے صاف صاف یہی کہا جو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے مجھے کامل اطمینان دلایا کہ ہماری کانفرنس بے معنی نہ ہوگی ہم حقیقی کام کرنا چاہتے ہیں اور ایسا کام کریں گے کہ دوسروں کے لیے مثال ہوگا۔ اس کے بعد میرے لیے انکار کی کوئی گنجایش نہ رہی اور اب میں اس خیال اور امید کے ساتھ حاضر ہُوا ہوں کہ آپ کی کانفرنس جیساکہ اشرف ریاض صاحب نے فرمایا تھا، ایسا کام کرکے دکھائے جو ہمارے مقصد کے لیے مفید ہوگا اور اپنے عمل سے کام کرنے کی اچھی مثال پیش کرے گی۔

حضرات! آج کل ہندُستان میں اختلافات کا ایک طوفان بپا ہے۔ اور صوبوں کو جانے دیجیے۔ آپ اپنے صوبے کو لیجیے۔ زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جس میں آپ کے ہاں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ میں نے اس بات پر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا اور اہلِ پنجاب کو مبارک باد دی تھی کہ آپ میں اختلافات ہوں تو ہوں لیکن لسانی اعتبار سے آپ ایک ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو یہ اتحاد پسند نہ آیا، اور انھوں نے زبان کے معاملے میں پھوٹ ڈالنی شروع کردی۔ اگر لڑنے جھگڑنے ہی کا شوق تھا تو اس کے لیے بہت سے موقعے تھے۔ خوب دل کھول کر لڑ سکتے تھے لیکن ایک ایسی چیز کو ٹھیس لگانا جو ہمارے اتحاد کا صرف ایک ہی ذریعہ رہ گئی ہے پرلے درجے کی ناعاقبت اندیشی اور نادانی ہے۔ جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا ہم میں پیدا ہوتا ہے تو ہم اس کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہم نے اس کے لیے ایک ضابطہ بنا رکھا ہے یعنی بڑی بے پروائی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب "تیسری پارٹی" کا کیا دھرا ہے۔

Marfat.com

گویا ہم بہت بھولے بھالے اور معصوم ہیں، تیسری پارٹی بڑی چالاک اور متفنی ہو اور ہمیں لڑاتی رہتی ہو اور ہم لڑتے رہتے ہیں لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ہم یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایک تیسری پارٹی لڑاتی ہو تو ہم کیوں لڑتے ہیں۔ اصل یہ ہو کہ ہم اس حیلے سے اپنے عیب پر پردہ ڈال کر اپنی ذمّہ داری کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں لیکن ان حیلوں سے ہم اپنی ذمّے داری سے بری الذمّہ نہیں ہو سکتے ؎

آپ کو معلوم ہو کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کے زمانے میں پنجاب میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب پنجاب کو فتح کیا تو دوسرے علاقوں کی طرح یہاں کی زبان بھی اردو ہو گئی اور تقریباً ایک صدی سے دفتروں، عدالتوں اور مدرسوں اور سرکاری دربار میں چھائی ہوئی ہو سیکڑوں اخبار ور رسالے اردو میں نکلتے ہیں۔ خط و کتابت اردو میں ہوتی ہو جتنی کتابیں یہاں اردو میں شائع ہوتی ہیں کسی اور زبان میں نہیں ہوتیں۔ یہاں اردو کے لیسے ایسے ادیب، شاعر اور مصنّف ہوئے ہیں اور ہیں جن کا کلام بڑی وقعت اور شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اب ایک صدی کے بعد ہندی کے ذریعے تعلیم ہونے کا مطالبہ کیا جاتا ہو۔ حالاں کہ ہندی پنجاب کے کسی علاقے کی زبان نہیں ہو۔ آخر یہ کیوں؟ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہ موجودہ زمانے کے حالات کا اثر ہو اور یہ حالات زیادہ تر سیاسی ہیں جن میں مذہبی جذبات بھی شریک ہو گئے ہیں اور اس طرح ایک آخری کڑی جو اتحاد کی رہ گئی ہو وہ ٹوٹتی نظر آتی ہو ؎

ہم جو اُردو کو ملکی زبان کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ

Marfat.com

سیاسی یا مذہبی جذبات سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ اس کے اتحاد کی خاطر بیجا حمل کرتے ہیں جو آج کل بے دردی سے روزانہ جاری ہو رہا ہے۔ باوجود کئی لاکھوں اختلافات کے اس وقت بھی اسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے بولنے والوں میں ہر مذہب و ملت اور ہر فرقے اور ہر خیال کے لوگ ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری ایسی زبان نہیں جسے یہ فضیلت ہو۔ یہ صدیوں کی کمائی ہے اور ہم سب کے اسلاف کی صدہا سال کی محنت اور مشقت اور مسلسل کوشش سے اس رتبے کو پہنچی ہے جو اسے حاصل ہے اسے کھو کر اور مٹا کر کسی ایسی زبان کو رائج کرنا جسے نہ یہ رتبہ حاصل ہے جو نہ کسی علاقے یا شہر یا دیہات کی بولی ہے، کہاں کی دانش مندی ہے؟ جو زبان بنی ہی اس لیے تھی کہ ہم سب مل کر اس میں بات چیت کریں اور دنیوی کاروبار چلائیں علمی اور ادبی کام لیں۔ اس میں اب کون سا ایسا عیب پیدا ہو گیا ہے کہ اسے نکال لیتے اور اس کی جگہ زبردستی ایک نئی زبان گھڑ کر چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر ہم اسی طرح ہر عہد میں اپنے بزرگوں کی کمائی خاک میں ملا کر نئے گھروندے بناتے رہیں گے تو ہمارا کیا حال ہو گا۔ خصوصاً صوبہ پنجاب کو کون سی ایسی ضرورت داعی ہوئی تھی کہ یہ ہنگامہ برپا کیا جا رہا ہے۔ بعض اوقات لوگ جذبات سے اندھے ہو کر بے سوچے سمجھے ایسے کام کر گزرتے ہیں جو قوم کی تباہی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ پنجاب میں — جو پہلے ہی اختلافات کا دنگل بنا ہوا ہے — فساد اور نفاق کا ایک اور محاذ تیار کیا جائے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ سوا خرابی اور رسوائی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

وہ سیاسی جھگڑے جن کی لپیٹ میں ہماری زبان بھی آگئی ہے ایسے

Marfat.com

نہیں کہ ان کا فیصلہ کبھی ہوگا ہی نہیں۔ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب غم و غصّہ کی یہ آندھی جو آج کل چڑھی ہوئی ہے تھم جائے گی۔ لوگوں کے ہوش و حواس ٹھکانے لگ جائیں گے تو وہ اپنی غلطیوں اور کج فہمیوں پر پچھتا کر سر جوڑ کر بیٹھیں گے۔ اور ساری گتھیوں کو آناً فاناً میں سلجھالیں گے۔ لیکن اگر ہم نے زبان کے معاملے میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں اور اپنی موجودہ روش کو نہ بدلا تو سارے فیصلے اور سمجھوتے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور کچھ بنائے نہ بن پڑے گی۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم زبان کو سیاسی اور مذہبی جھگڑوں سے پاک صاف رکھیں ورنہ بیچ میں ایک ایسی رُکاوٹ پیدا ہو جائے گی کہ معاملہ سنبھالے نہ سنبھلے گا اور ساری کوششیں اکارت ہو جائیں گی۔

ایک بڑی غلطی بلکہ کوتاہ فہمی اس معاملے میں یہ ہوئی کہ زبان کے نادان دوستوں نے زبان کے مسئلے کو ہندو مسلم سوال بنا لیا۔ اس بدنصیب ملک میں ہر چیز ہندو مسلم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ چائے اور پانی بھی ہندو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہی حال آج کل زبان کا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس اُس وقت ہوتا ہے جب یہ اختلاف اُس زبان کے متعلق کیا جاتا ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں برابر کے شریک ہیں، جو دونوں میں مقبول اور دونوں میں محبوب رہی ہے اور جو ان دونوں کی شرکت اور اتحاد کے بغیر وجود ہی میں نہیں آسکتی تھی اور بہ قول سر تیج بہادر سپرو ہندو مسلمانوں کی ناقابلِ تقسیم وراثت ہے۔ اب یہ مقبول اور محبوب زبان کیوں مردود ہے؟ اس کا سبب ابھی بیان کر چکا ہوں۔ اس میں عوام کا قطعاً کوئی قصور نہیں قصور ہے تو ہمارے لیڈروں کا جن کے ہاتھ میں مُلک کی رہنمائی

Marfat.com

ہو سیاسی اغراض زندگی کے ہر شعبے میں چھائے ہوئے ہیں اور انصاف اور خلوص کی بجائے سیاست کاری سے کام لیا جاتا ہے اور سیاست کاری وہ بس کی گانٹھ ہے جو سارے فسادوں کی جڑ ہے۔ ہمارے سیاسی بزرگ سب کچھ کہتے ہیں لیکن ان کی باتوں میں لفظ زیادہ معنی کم ہوتے ہیں۔ صاف بات کبھی نہیں کہتے۔ آدھی بات ان کے دل میں ہوتی ہے اور آدھی زبان پر اور اکثر ایسی زبان میں تحریر و تقریر فرماتے ہیں کہ وقت پر اپنے مطلب کے موافق معنی پیدا کر سکیں۔ آپ نے سمپورنانند جی کا خطبہ ملاحظہ کیا ہوگا جو پچھلے دسمبر میں آل انڈیا ہندی سمیلن کے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا تھا۔ اس میں انھوں نے اس خط و کتابت کا بھی ذکر کیا ہے جو ان میں اور گاندھی جی میں ہوئی تھی۔ گاندھی جی ان کے جواب میں ہندستانی کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ کانگریس نے بھاشا کا نام رکھا ہے اور کوئی قید نہیں لگائی۔ اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ اس کے کیا معنی ہوئے بھاشا کا نام تو رکھ دیا لیکن جس بھاشا کا یہ نام رکھا ہے اس کی کوئی تصریح نہیں۔ یعنی یہ ایک اسم ہے بلا مسمیٰ۔ لطف یہ ہے کہ ہندستانی کا رزولیوشن خود گاندھی جی نے اپنے قلم سے لکھ کر دیا تھا اور وہی کانگریس میں منظور ہوا۔ "کوئی قید نہیں لگائی" کا فقرہ بہت پُر معنی ہے۔ یعنی جب زبان کا معاملہ پیش ہوگا اور بحث آئے گی تو اپنے مطلب کے موافق معنی پہنا دیے جائیں گے۔ اس وقت آدھی بات جو دل میں تھی زبان پر آئے گی۔ جب بڑے بڑے مہاتماؤں کا یہ حال ہے تو ہم سے گنہ گار کس گنتی میں ہیں۔ یہی حال ہم آج کل پنجاب میں دیکھ رہے ہیں۔ ایک معاملے کے متعلق مختلف اخباروں میں مختلف بیان شایع ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ایک کچھ کہتا ہے اور دوسرا کچھ اور حکومت کچھ اور ہی کہتی ہے۔ خلوت میں کچھ ہے اور جلوت میں کچھ۔ بالمشافہ ایک بات اور تحریر میں دوسری، وہی آدھی بات دل میں اور آدھی زبان پر۔ یہ سیاسی ہتھکنڈے کب تک کام دیں گے۔ یقیناً ایک دن ان کا بھرم کھل جائے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جو روزانہ ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہم ان پر افسوس کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ ہر بات میں اختلاف اور ہر معاملے میں پھوٹ۔ ان حالات میں آپ انجمن ترقیٔ اردو کو غنیمت سمجھیے کہ اس نے اس چیز کو لیا ہے جو ہندستانی تہذیب و تمدن کی ریعنی اس تمدن کی جو ہندو مسلمانوں کے سلجھے سے بنا ہو) سب سے بڑی نشانی ہے۔ ہماری تاریخیں راجاؤں اور بادشاہوں کے جاہ و جلال، درباروں کی شان و شوکت، لشکرکشی اور جنگ و جدل سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن ان تاریخوں میں نہیں ملتیں تو وہ چیزیں جو زندگی کی جان ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں ہم نے ایرانی ہندی تہذیبوں کو سمو کر ایک ایسے عجیب اور خوش نما تمدن کی بنیاد ڈالی جس کا اثر اب تک ہمارے رہنے، سہنے، کھانے پینے، لباس، صناعی، بول چال، غرض زندگی کے ہر شعبے میں پایا جاتا ہے اور اس تمدن کی سب سے عظیم الشان اور باوقعت یادگار ہماری وہ زبان ہے جو اردو کے نام سے ہندستان بھر میں پائی جاتی ہے۔ انجمن ترقیٔ اردو کا مقصد اس یادگار کو قائم رکھنا اور ترقی دینا ہے۔

انجمن نے اس خصوصیت کو قائم رکھا ہے جو اردو کی اصلی اور بنیادی خصوصیت ہے۔ جس طرح یہ زبان آپس کے میل جول سے بنی اور کسی خاص فرقے کی نہیں اسی طرح انجمن بھی خاص فرقے کی

Marfat.com

نہیں۔ اس کے ارکان، سرپرستوں اور ہم دردوں میں ہر جماعت، ہر فرقے، ہر قوم و ملت، ہر خیال اور ہر رنگ کے لوگ شریک ہیں۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہماری اس کام میں مدد کریں انجمن کو مضبوط بنائیں۔ اس کی شاخیں ملک بھر میں قائم کریں اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچائیں اور اس عزیز یادگار کو عزیز تر بنائیں۔ امید اس کی بدولت پھر اسی یک جہتی اور اتحاد کا سماں پیدا کریں جس کے دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترستی ہیں ؎

نہالِ دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد
درختِ دوستی بنشاں کہ کامِ دل بیار آرد

Marfat.com

خطبۂ صدارت

یومِ اردو انجمنِ حمایتِ اسلام۔ لاہور

(۱۲ اپریل سنہ ۱۹۴۱ء)

آپ کی انجمن نے چند سال سے اپنے سالانہ جلسے کے پروگرام میں اردو کے لیے بھی ایک دن رکھا ہے۔ یہ بہت مبارک خیال ہے۔ آپ کا صوبہ تقریباً سو سال سے اردو زبان کی پرورش اور خدمت کر رہا ہے اور اس کے ذریعے سے اس نے وہ کام کیا ہے جو ہندستان کے کسی دوسرے صوبے کو نصیب نہیں ہوا یعنی اس نے اپنی وسیع قلم رو میں لسانی اتحاد پیدا کر دیا ہے۔ اس کی سچی قدر ہمیں اب ہوئی ہے جب کہ دوسرے صوبے اختلاف اور افتراق بڑھا رہے تھے، آپ اختلاف مٹا کر اتحاد پھیلا رہے تھے۔ جب کہ دوسرے صوبے ہماری تہذیب اور زبان کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ یہ معمولی کام نہ تھا۔ آپ نے اور آپ کے اسلاف نے اس مہم کے سر کرنے میں جو محنت اور مشقت اور جاں کاہی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جو قربانیاں کی ہیں وہ کسی حال میں بھلائی نہیں جا سکتیں۔

لیکن بدقسمتی سے ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اب اس کی ترقی کا اتنا فکر

Marfat.com

نہیں جتنا اس کی حفاظت اور مدافعت کا ہے۔ ہمارا حال اس وقت اس شخص کا سا ہے جسے کتابوں کے نادر اور قلمی نسخوں کے جمع کرنے کی دُھن ہوتی ہے۔ وہ جگہ جگہ مارا مارا پھرتا ہے اور طرح طرح کی صعوبتیں جھیلتا ہے اور جہاں کہیں کسی نادر نسخے کا سراغ لگتا ہے۔ فوراً وہاں پہنچتا ہے خوشامد سے حیلے سے، روپیہ پیسہ صرف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ اس طرح زندگی کا بڑا حصّہ اور عمر بھر کی کمائی اس میں لگا دیتا ہے۔ جب ایک مدت کے بعد ایک بیش بہا اور بڑا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے تو اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور پھولا نہیں سماتا۔ لیکن معاً اسے ایک دوسرا فکر لاحق ہو جاتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اس انمول خزانے کا جمع کرنا بے شک بہت کٹھن اور دشوار تھا اور میں اس دُشواری پر غالب آ گیا لیکن اب اس کی حفاظت اس سے کہیں زیادہ دُشوار ہے۔ گرد و غبار، آب و ہوا کے اثر، کیڑوں اور دیمک کی یورش اور شریف چوروں کی نظرِ بد سے اس کا بچانا آسان نہیں۔ اب باقی عمر ان سب کے مقابلے اور مدافعت میں بسر کرنی ہوگی اس خیال سے اس کی خوشی آدھی رہ جاتی ہے۔ یہی حال اب ہمارا ہے سالہا سال نسلاً بعد نسلٍ ہم نے اپنی زبان کی نشو و نما اور اشاعت و ترقی میں کوشش کی اور عین اس وقت جب کہ ہم اسے علم و ادب سے اور زیادہ مالا مال کرنا چاہتے تھے، ہمیں اس کے بچاؤ کی پڑ گئی۔ بچاؤ بھی کس سے؟ اُن سے جو اس کی پرورش اور ترقی میں برابر کے شریک تھے۔ غیر سے مقابلہ اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اپنوں سے۔ اور یہ سخت سانحہ ہے۔ اس سے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے، تعلقات میں فرق آ گیا ہے اور اختلاف کا ایک ایسا سوتا کُھل گیا ہے جو بند ہوتا نظر نہیں آتا۔

Marfat.com

اے اہل پنجاب! ہم آپ کی طرف سے مطمئن تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اور صوبوں میں کچھ بھی ہو مگر آپ اس غیر معقول شورش سے محفوظ ہیں کیونکہ آپ نے مدت دراز کی کوشش سے ایسا لسانی اتحاد پیدا کر لیا ہے کہ وہ معمولی مخالفتوں سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ آندھی جو آپ کے پڑوسی صوبوں میں زور شور سے چل رہی ہے اس کی سرسراہٹ یہاں بھی محسوس ہو رہی ہے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فطری استقلال اور ہمت سے اس کے روکنے کے لیے سینہ سپر ہو جائیں گے اور اس طوفانِ بے تمیزی کو اپنے صوبے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

اس مہینے کے ایک مشہور ہندی رسالے میں جو بنارس سے شائع ہوتا ہے ایک مضمون پنجاب کے ہندی اردو جھگڑے کے متعلق نکلا ہے۔ پنجاب کے متعلق اس میں وہی باتیں ہیں جو آپ بار بار اخباروں میں پڑھ چکے ہیں اور ان کا اعادہ فضول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ پنجاب میں ہندی کوئی زبان ہی نہیں اور اس لیے اس پر بحث کرنا ہی غیر ضروری ہے۔ ریاست ٹراونکور میں بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ وہاں بھی ہندی کے حامیوں نے حکومت پر زور ڈالا کہ ہندی مدارس میں رائج کی جائے۔ حکومت نے صاف جواب دے دیا کہ ہندی یہاں کی زبان نہیں، اس لیے داخلِ نصاب نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو ہوا پنجاب کے متعلق۔ لیکن اس مضمون میں مضمون نگار نے عجیب منطق سے کام لیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ہندستان میں مسلمانوں کی آبادی نو کروڑ بتائی جاتی ہے۔ ان میں اردو بولنے والوں کی تعداد صرف لاکھوں کے اندر ہے کیوں کہ عربی، فارسی یا اردو پڑھے لکھے مسلمان زیادہ تر شہروں میں رہتے ہیں اور دیہات کے مسلمان سب ہندی بولتے

Marfat.com

اس سے کئی نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے دوسرا یہ کہ صرف شہروں کے مسلمانوں کی زبان ہے اور تیسرا یہ کہ باقی تمام آبادی کی زبان جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں ہندی ہے۔

ہندی والوں نے عجب تماشا کر رکھا ہے پہلے تو انہوں نے یہ الزام دینا شروع کیا کہ مسلمان اردو کو مسلمانوں کی زبان کہتے ہیں اور اس پر بہت غم و غصّہ کا اظہار کیا۔ چوں کہ سراسر بہتان تھا اس کا کچھ اثر نہ ہوا اس کے بعد دوسری چال یہ تھی کہ خود ہی یہ کہنا شروع کیا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور ہندی ہندوؤں کی۔ چناں چہ اس رسالے کے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ "بدقسمتی سے ہندی ہندوؤں کی اور اردو مسلمانوں کی زبان سمجھی جانے لگی ہے۔" جب یہ بھی کافی نہ ہوا تو ایک نیا شگوفہ یہ چھوڑا گیا ہے کہ اردو صرف شہروں کے چند لاکھ مسلمانوں کی زبان ہے، باقی ملک کی زبان ہندی ہے۔ آج کل پروپیگنڈے کا زمانہ ہے اور پروپیگنڈے میں ہر قسم کی غلط بیانی جائز سمجھی گئی ہے۔ ان باتوں کی تردید کرنا تضیع اوقات ہے۔ میں ان سے صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جب انگریزی عہد میں فارسی کی جگہ اردو عدالتی، دفتری اور تعلیمی زبان قرار دی گئی تو اس وقت یہ صاحب زادی (ہندی) کہاں تھیں؟ اس وقت کوئی منہ سے نہ پھوٹا کہ اردو نہیں ہندی ہونی چاہیے اور کہتا کس منہ سے کوئی زبان ہوتی بھی؟

اب ذرا ہندی کی حقیقت سنیئے۔ ہندی کوئی ایک زبان نہیں ہر صوبے اور علاقے اور مختلف اضلاع میں الگ الگ ہے۔ میرٹھ اور دہلی کے دیہات کا آدمی اودھ کے دیہات کی بولی نہیں سمجھ سکتا، اور اودھ کے دیہات والے کے لیے بہار کے دیہات کی بولی ناقابلِ فہم ہے۔ بہار

Marfat.com

کے ایک علاقے کا دیہاتی دوسرے علاقے کے دیہاتی کی زبان سمجھنے سے قاصر ہی۔ غرض آگرہ اور متھرا کے دیہات کی بولی سمجھنے کے لیے برج بھاشا، اودھ کے دیہات کے لیے اودھی یا پوربی، حصار، رہتک کے لیے ہریانی، بگھیل کھنڈ (سنٹرل انڈیا) کے لیے بگھیلی، کان پور، فتح گڑھ، اٹاوہ، بریلی، علی گڑھ کے دیہات کے لیے قنوجی، بنارس، غازی پور، آرہ کے لیے بھوج پوری، بندھیل کھنڈ کے لیے بندھیل کھنڈی، مالوہ کے لیے ہروتی، اُجین کے لیے اُجینی، مارواڑ کے لیے مارواڑی، بیکانیر کے لیے بیکانیری، بہار اور پٹنہ کے دیہات کے لیے مگدھی، اودے پور کے لیے اودے پوری، جے پور کے لیے جے پوری، بھٹانیر کے لیے بھٹانیری، ترہت، پورینہ، بھاگل پور اور مونگیر کے لیے ترہتی اور میتھلی جاننے کی ضرورت ہی۔

اب اس پر یہ دعوا کہاں تک معقول ہو سکتا ہی کہ "ہندی سب دیہات میں سمجھی جاتی ہی اور اُردو کہیں نہیں سمجھی جاتی۔" ان کی مراد کون سی ہندی سے ہے؟ غالباً اُن کی مراد اس نئی مصنوعی ہندی سے ہے جو حال میں گھڑی گئی ہی اور وہ بھی اُردو کے طفیل میں اور اسی کے قالب پر ڈھال کر۔ اور بنی تو ایسی کہ وہ نہ دیہاتی رہی نہ شہری۔ گاندھی جی نے اس ہندی کی بہت صحیح تعریف کی ہی کہ یہ وہ زبان ہی جو کتابوں میں ہی اور بول چال میں نہیں۔ اب اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ وہ کہاں سمجھی جا سکتی ہی۔ برخلاف اس کے اُردو کتابی زبان بھی ہی اور بول چال کی بھی اور اس لیے ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے اُن دیہاتی جلسوں کو بھی دیکھا ہی جہاں اُردو اور اس نئی ہندی دونوں

Marfat.com

کے مقرر تھے۔ جب ہندی مقرر نے اپنی نئی ہندی میں تقریر شروع کی تو دیہاتیوں نے حقے گڑگڑانے شروع کر دیے! برخلاف اس کے اُردو کی تقریر انھوں نے خاصی توجہ سے سُنی۔ ہم نے اُردو اور ہندی کے مشاعرے بھی دیکھے ہیں اور جن صاحبوں کو ان کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے انھیں معلوم ہے کہ اُردو مشاعروں میں جتنی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے کوی سمیلنوں میں اتنی ہی بے رونقی اور اُداسی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ ہندی اور اُردو کے مشہور ادیب پنڈت پدم سنگھ شرما مرحوم نے آل انڈیا ہندی ساہتیہ سمیلن مظفر پور کی تقریر میں بیان کی ہے جو یہ ہے:۔

"اُردو شعرا نے حالی کے رنگ کو اپنا لیا ہے بلکہ اسے اور چمکا دیا ہے۔ اُردو اخبارات میں دیس بھگتی (حبِ وطن) اور معرفت کی جو نظمیں نکلتی ہیں وہ پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں، دل پر اثر کرتی ہیں۔ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ہندی کی نئی رچناؤں (نظموں) میں یہ بات ابھی نہیں آئی۔۔۔۔۔ اُردو والے شعروں میں جذبات و خیالات کا نیا پن بھرتے ہیں"؎

خیر سے، اس پر یہ دعوا ہے کہ ہندی سارے ملک کی زبان ہے اور اس کے حامی اسے پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، ملیبار وغیرہ میں پھیلانے کا دم خم رکھتے ہیں۔ ہندی اُردو کی بحث میں صرف ایک بات کا یاد رکھنا کافی ہے۔ ہندی بیسیوں ہیں اور اُردو ایک ہے جو ہندستان کے ہر علاقے میں بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ ہندستان

Marfat.com

کے باہر بھی اس کے قدردان موجود ہیں۔ اس نے براعظم ہندوستان کو جو دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا ایک کر دیا اور سب سے پہلے ایک قومیت کی بنیاد ڈالی اور ہندی کی بھونڈی بولیوں کو ملا کر جھاڑ جھنکاڑ کو چھانٹا، مشترک حصّے کو قائم رکھا اور باہر کے خوب صورت، ضروری اور تمدنی الفاظ کا اس میں اضافہ کیا، جس سے ایک ایسی مہذّب اور پاکیزہ زبان وجود میں آگئی جو نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب واقعہ ہے۔ ایک ایسی شائستہ، لچک دار، پرلطف اور بھرپور زبان کو چھوڑ کر ایک ان گھڑ، کرخت، بے لطف اور ملغوبا بولی کے اختیار کرنے کی رائے دینا سراسر ناعاقبت اندیشی اور مجنونانہ فعل ہے:

یہ سب جانتے ہیں اور موافق، مخالف، غیر جانب دار سب نے اسے تسلیم کیا ہے کہ اُردو زبان ہندو مسلمانوں کے میل جول سے بنی اور ہمارے مُلک کی مشترکہ زبان ہے۔ لیکن اب ہمارے نئے قوم پرست اس سے بُرا مانتے ہیں۔ چناں چہ پنڈت سمپورنانند جی اپنے پونا والے صدارتی خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:-

> "بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ کم سے کم یُکت پرانت (صوبہ متحدہ) کی ماتر بھاشا (مادری زبان) تو اُردو ہے۔ میں اسے نہیں مان سکتا۔ ہمارے سامنے کچھ ہندو مورتیاں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور ان کے منہ سے یہ کہلا دیا جاتا ہے کہ ان کے گھروں کی بھاشا اُردو ہے" :

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ پنڈت جی نے ان نیک نفس اور سچّے لوگوں کی جو باوجود مخالفت اور سوسائٹی کے سچ بولنے میں دریغ

Marfat.com

نہیں کرتے، نہایت رکیک الفاظ میں تحقیر اور توہین کی ہے اور ان کو ریاکار اور منافق ہونے کا الزام دیا ہے حالاں کہ اُن میں ایسے ایسے بزرگ ہیں جو اخلاقی جرأت، علم و فضل اور شرافت نفس میں سمپورنانندجی سے کہیں برتر اور افضل ہیں۔ پنڈت جی کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن کے باپ دادا اُردو بولتے آئے ہوں اور گو اُن کے گھروں میں اُردو بولی جاتی ہو اور خود اُردو بولتے ہوں لیکن کہنے کو یہی کہیں کہ ہماری "ماتر بھاشا" ہندی ہے اُردو نہیں۔ ریاکاری یہ ہے یا وہ۔ کون نہیں جانتا کہ ہزاروں نہیں لاکھوں ہندوؤں کے گھروں میں اُردو بولی جاتی ہے لیکن سمپورنانندجی اور ان کے ہم خیال اصحاب کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ کوئی ہندو یہ کہے کہ میری مادری زبان اُردو ہے یا میرے گھر میں اُردو بولی جاتی ہے۔ یہ اُس شخص کا قول ہے جو ہمارے مُلک کا ممتاز لیڈر ہے، انڈین نیشنل کانگرس کا رکنِ رکین ہے۔ صاحب علم ہے اور کچھ دنوں پہلے وزیرِ تعلیم رہ چکا ہے۔ وہ اوروں کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے: ؎

انھوں نے یار یا شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید\
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم بتلائیں گے ان کو

آپ نے ہندی کی حقیقت سُن لی اور اس کے حامیوں کے دعوے بھی سُن لیے۔ اصل یہ ہے کہ یہ ہندی بولیاں، گیتوں، بھجنوں، عشقیہ بیتوں کے لیے خوب تھیں۔ تہذیب و تمدن کی ضروریات اُن سے پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔ ایک ایسی تہذیب اور تمدّن کی ضروریات کے لیے جو دونوں قوموں کی یک جائی اور یگانگت

Marfat.com

محبّت اور خلوص سے پیدا ہوا تھا ایک ایسی ہی زبان کی ضرورت تھی جو دونوں کی زبانوں اور دونوں کی تہذیبوں سے مل کر بنی ہو۔ چناں چہ وہی ہوا جو فطرت کا تقاضا تھا اور اس زبان کا چلن اب تک ہے۔ لیکن ملک کی بدقسمتی کہ انگریزی تسلط کے بعد بعض اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، ہندی والوں کو ایک نئی قومیت کی سوجھی جس کی بنیاد قدیم تہذیب اور قدیم مذہب اور زبان پر تھی۔ اس نئی قومیت کے لیے نئی زبان کی ضرورت داعی ہوئی کیوں کہ قومیت کا رشتہ زبان ہی سے مضبوط ہوتا ہے۔ اب انھوں نے اُن علاقوں میں جہاں ہندی بولیاں رائج تھیں، ایک نئی مصنوعی ہندی کو رفتہ رفتہ داخل کرنا شروع کیا اور اُردو کو وہاں سے نکالنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ملک میں تفرقہ پردازی بلکہ خانہ براندازی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے ؎

اوّل اوّل یہ مخالفت یو۔پی اور بہار تک محدود رہی کیوں کہ ہندی بولیاں صرف یہیں بولی جاتی تھیں۔ دوسرے علاقوں اور صوبوں میں نہ کہیں بولی جاتی تھیں اور نہ سمجھی جاتی تھیں۔ شروع شروع میں یہ مخالفت کچھ زیادہ کارگر نہ ہوئی۔ یوں سمجھیے کہ جیسے کسی تالاب پر ہوا چلتی ہے تو کچھ لہریں اور بُلبلے پیدا ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی تلاطم بھی آیا، پر وہ بھی کچھ دیر کے بعد ہوا ہو گیا۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوتا کہ اس میدانِ کارزار میں ایک مقدس ہستی نمودار ہوئی جس نے صورتِ حال کی کایا پلٹ کر دی ؎

مُلک پر اس بزرگوار کے بہت احسان ہیں۔ اس نے سیاسیات

Marfat.com

معاشرت، اقتصادیات میں بڑا انقلاب کردیا۔ قدرت نے اسے خاص قسم کا دماغ عطا کیا ہے۔ اس کا ذہن رسا، اس کی نظر دوربین اور اس کا ارادہ اٹل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی فکر کا راستہ گو بہ ظاہر صاف اور سیدھا ہے لیکن بہ باطن پیچ در پیچ ہے۔ وہ اتفاق آباد جانے کا عزم کرتا ہے تو چلتے چلتے نفاق نگر پر جا نکلتا ہے۔ وہ وصل کا طالب ہے لیکن داخل ہوتا ہے فصل کے دروازے سے۔ وہ ایکے کا آرزومند ہے لیکن وہاں تک پہنچتا ہے پھوٹ کے توسل سے۔ میں کسی کی نیت پر حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ دلوں کا جاننے والا خدا ہے لیکن جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے انسان اپنے اعمال سے جانا جاتا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ سالہا سال کی گتھیاں اور پیچیدہ مسائل فریقین نے باہمی مشورہ سے اور مصالحت سے سلجھا لیے اور یہ اُمید بندھ گئی کہ اب نفاق کی گھٹا چھٹنے والی ہے اور آفتاب اتحاد افق سے طلوع ہونے والا ہے، تو تنت پر اس مقدس ہستی نے سر ہلا کر برسوں کی محنت خاک میں ملا دی پھر بہتیرا سر مارا، ہزار جتن کیے، نہ ماننا تھا نہ مانا۔

ہمارے مُلک میں تین ہٹیں مشہور ہیں۔ راج ہٹ، تریا ہٹ اور بالک ہٹ۔ لیکن حضرات، ایک چوتھی ہٹ اور بھی ہے، اور وہ ہے لیڈر ہٹ۔ وہ لیڈر ہی کیا جو دوسرے کی مان جائے۔ مرزا داغ نے اپنے خاص انداز میں ایک بہت ہی پُرلطف اور صاف ستھرا شعر کہا ہے۔ کہا تو ہے اپنے محبوب کی شان میں لیکن صادق آتا ہے ہمارے ملک کے سب سے محبوب ڈکٹیٹر لیڈر پر ؎

Marfat.com

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

مشکل یہ آپڑی ہے کہ وہ ہر مسئلے کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے جس سے ایک ہی رُخ نظر آتا ہے۔ دوسرا رُخ نہ دیکھتا ہے اور نہ اُس کی اُسے پروا ہے۔ اگر کوئی شخص کانا ہو اور وہ ایک آنکھ سے دیکھے وہ قابل الزام نہیں لیکن جس کی اچھی خاصی دو آنکھیں ہوں اور وہ ایک ہی آنکھ سے دیکھے تو وہ بلاشبہہ قابلِ الزام ہے۔

اس طرزِ عمل سے مُلک کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور باتوں سے تو خیر مجھے کوئی غرض نہیں وہ بڑی طولانی داستان ہے لیکن ہماری زبان پر جو کاری ضرب اس نے لگائی ہے اس کا زخم ایسا گہرا ہے کہ اس کا بھرنا اب خود اس کے بس کی بات نہیں رہی۔ آج تک کسی نے ہماری زبان پر ایسا بے جا، غلط اور دل آزار حملہ نہیں کیا تھا جیسا اس مقدس بزرگ نے کیا۔ اس کی دُور بین نظر نے بہت پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ ہندُستان کی موجودہ حکومت رہنے والی نہیں ہے اور رہی تو اس کی یہ صورت نہیں ہوگی۔ وہ رام راج کے میٹھے سپنے دیکھ رہا تھا اور ظاہر ہے کہ رام راج کی زبان ہندی ہی ہوسکتی ہے اُردو نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اس نے ہندی کی اشاعت کو نصب العین بنایا۔ اس مسئلے میں اس کا ہاتھ ڈالنا تھا کہ مُلک میں اِس سرے سے اُس سرے تک ہل چل مچ گئی اور ایک نئے فساد کی بنیاد قائم ہوگئی جو دن بہ دن بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہے۔ سیاسی مسائل جن کو آج کل اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اس کے سامنے کچھ حقیقت

Marfat.com

نہیں رکھتے۔ سیاسیات سے ہر ایک کو دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ ہر شخص سیاسی مسائل سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن زبان کی بات اور ہے۔ اس کا تعلق چھوٹے بڑے، امیر غریب، عالم، عامی سب سے یکساں ہے۔ وہ ان کے جسم و جان کا جزو ہے جو کسی حال میں اُن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ زبان پر جو چوٹ پڑتی ہے وہ زبان پر نہیں پڑتی، دلوں پر پڑتی ہے اور چوٹ کھائے ہوئے دلوں سے ڈرنا چاہیے۔

حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ بھری ہے

سیاسی مسائل خواہ کتنے ہی اہم اور کیسے ہی ضروری کیوں نہ ہوں کبھی خاطر خواہ حل نہ ہوں گے جب تک زبان کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔ افسوس اس کا ہے کہ یہ فساد وہاں سے پھوٹا جہاں مُلک بھر کے مسائل طے ہوتے ہیں اور یہ زہر اُس زبان سے نکلا جو سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ دل لُبھانے والی ہے۔

حضرات۔ آج کل ہندوستان کی تقسیم کے متعلق اخباروں میں بڑی گرم اور تند و تلخ بحثیں ہو رہی ہیں۔ میں نے کبھی سیاست میں دخل نہیں دیا اور نہ میں اس کی صلاحیت رکھتا ہوں اس لیے مجھے اس کے عیب و صواب پر بحث کرنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جو لوگ جغرافی تقسیم پر اس قدر غم و غصہ کا اظہار فرماتے ہیں انھوں نے کبھی دلوں کی تقسیم کا بھی خیال کیا ہے؟ دلوں کو توڑ کر انھیں جغرافی حدود سے جوڑنا سعی لاحاصل ہے۔ کیا وہ دل جن میں پھوٹ پڑ چکی ہے، پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں سے گھیر کر ایک کیے جا سکتے ہیں؟ اگر دل ایک ہیں تو ایک نہیں بیس تقسیمیں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ لیکن

Marfat.com

اگر دل ایک نہیں تو جغرافی حدود کے تعین کی بہتر سے بہتر تجویز بھی انھیں ایک نہیں کر سکتی۔ اس لیے جو لوگ ملک کے سچے بہی خواہ ہیں اُنھیں ملک کی تقسیم پر بحث کرنے سے پہلے دلوں کی تقسیم پر بھی غور کر لینا چاہیے اور اس پر غور کرتے وقت سب سے پہلے زبان کے مسئلے پر غور کرنا پڑے گا۔

جو شخص کسی ملک یا قوم میں پھوٹ ڈالتا ہے وہ بڑا ظالم ہے اور اگر بدقسمتی سے وہ ذہین اور تیز فہم بھی ہے تو ملک و قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ زبان کی پھوٹ سب سے بڑی پھوٹ ہے اور اس لیے سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہ وہ قہر ہے جو خدا کی طرف سے اہلِ بابل پر نازل ہوا تھا اور آج ہندستان پر نازل کیا گیا ہے۔

دوستو! زبان اپنے بولنے والوں سے اس طرح وابستہ ہے کہ وہ کسی وقت اور کسی حال میں اُن سے جُدا نہیں ہو سکتی۔ اُٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت ان کی ہم دم ہے۔ ان کی تہذیب اور تعلیم و تربیت کا یہی ذریعہ ہے۔ زبان کا حشر وہی ہوگا جو اس کے بولنے والوں کا ہوگا۔ اس کا بنانا اور بگاڑنا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ گزشتہ زمانے میں جیسا ہم نے اُسے بنانا چاہا ویسی ہی بنی اور آیندہ بھی جیسا اُسے بنانا چاہیں گے ویسی ہی بنے گی۔ اس کے بگڑنے میں ہمارا بگڑنا اور اس کے بننے میں ہمارا بننا ہے۔ اس لیے آپ سب سے پہلے اس کی خبر لیجیے اور اسے مخالفوں کی زد سے بچائیے اور سچے دل سے عہد کیجیے کہ اس پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ ہماری زبان کے خلاف خفیہ اور علانیہ، دانستہ یا نادانستہ جو ریشہ دوانیاں اور منظم سازشیں ہو رہی

Marfat.com

ہیں اس کا علم شاید آپ کو ہو یا نہ ہو لیکن بدنصیبی سے میں کچھ کچھ جانتا ہوں۔ اس لیے میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنی زبان کی حفاظت اور ترقی میں اسی مستعدی اور سرگرمی، اُسی جوش اور ہمت، اور اسی خلوص اور ایثار سے کام نہ کیا جو آپ کے حریف کر رہے ہیں تو یاد رکھیے کہ ہمارے مُلک کی قسمت میں ذلت و غلامی کا ایک ایسا طوق رکھا ہے جس کے بوجھ سے ہماری گردنوں کے منکے ٹوٹ جائیں گے اور ہمارے دل و دماغ پاش پاش ہو جائیں گے۔

پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

Marfat.com

خطبۂ صدارت
شعبۂ اُردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ

(۱۴ر فروری سنہ ۱۹۴۱ء)

اے صاحبو! اُردو کی داستان جس قدر شاندار ہے اسی قدر دردناک بھی ہے۔ یہ مقام جہاں آپ جلوہ فرما ہیں اُردو کا گہوارہ اور اُتارا رہا ہے۔ اسی ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جمگھٹوں میں ہماری زبان کے نامور ادیب، مورّخ، مصنف، شاعر تکلیف فرماتے اور اپنے کلام سے اہلِ کانفرنس کو محظوظ کرتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے کھچے چلے آتے تھے۔ اور بڑے شوق سے ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ قطع نظر دُوسرے فوائد کے ان بزرگوں کو دیکھنا، ان کی باتیں سُننا یا ان سے ملنا ہی اپنی بڑی خوش قسمتی اور اپنی زندگی کا بڑا کارنامہ سمجھتے تھے اور ان باتوں کا تذکرہ آج بھی ہم اپنی صحبتوں میں بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ حالی، شبلی، نذیر احمد کے جوہر یہیں کُھلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اُردو کی بنیادیں مستحکم کیں۔ سیّد احمد خاں ان سب کے سردار تھے۔

Marfat.com

سید کے احسانات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ گوناگوں ہیں لیکن ان کا سب سے بڑا احسان اُردو زبان پر ہے۔ اس نے زبان کو پستی سے نکالا، اندازِ بیان میں سادگی کے ساتھ قوت پیدا کی۔ سنجیدہ مضامین لکھنے کا ڈول ڈالا، سائنٹی فک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ جدید علوم و فنون کے ترجمے انگریزی سے کرائے۔ خود کتابیں لکھیں اور دوسروں سے لکھوائیں، اخبار سائنٹی فک سوسائٹی (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) جاری کرکے اپنے اندازِ تحریر، بے لاگ تنقید اور روشن خیالی سے اخبار نویسی کا پایہ بڑھایا۔ تہذیب الاخلاق کے ذریعے اُردو ادب میں انقلاب پیدا کیا، ٹائپ کو رواج دیا۔ ان بزرگوں کی سعی عمل سے علی گڑھ اُردو ادب اور روشن خیالی کا ایسا مرکز ہوگیا تھا جس کی فضیلت اور برتری سب نے تسلیم کی ہے۔ یہ اُردو زبان کے فروغ اور اوج کا زمانہ تھا۔ اور اُردو ادب کی تاریخ میں اس کا ذکر ہمیشہ احترام سے کیا جائے گا ؁

کیا اب بھی علی گڑھ کو یہ فضیلت حاصل ہے؟ کالج یونی ورسٹی ہوگیا ہے۔ عمارتوں کا سلسلہ لامتناہی ہوتا جارہا ہے، علوم و فنون کے شعبے بڑھتے چلے جارہے ہیں، طلبا کی تعداد کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، لائق پروفیسروں کا ایک خاصا گروہ موجود ہے۔ ظاہری شان و شوکت بھی کچھ کم نہیں بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ یہ سب کچھ ہے لیکن روح نہیں۔ ظاہر شان دار اور روشن ہے لیکن باطن دھندلا ہے۔ پہلے یہ اُردو ادب کا آستانہ تھا اور اب یہ اس کا مزار ہے ؁

اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ ماحول کا انسان کے مقصد میں

Marfat.com

بہت بڑا دخل ہے۔ ایک ناسازگار ماحول بعض اوقات اعلا سے اعلا دماغی صفات کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی معقول صحبت یا ماحول مل گیا اور صلاحیت بھی ہوئی تو آدمی ترقّی کے اوج تک پہنچ جاتا ہے۔ سید کے زمانے میں کالج میں ادبیت کا رنگ نظر آتا تھا۔ اوّل تو وہ خود ایک اعلا نمونہ تھے۔ دُوسرے بعض اہلِ کمال اور ادیب کالج میں آتے اور قیام فرماتے۔ طلبا ان کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ بعض پروفیسر مثلاً پروفیسر آرنلڈ، مولانا شبلی، مولوی کرامت حسین اس پایے کے تھے کہ ان کی تعلیم، گفتگو اور صحبت صحیح علمی اور اَدبی ذوق کی ضامن تھی۔ ظاہر ہے کہ سب ادیب اور عالم نہیں ہو سکتے لیکن جن میں کچھ صلاحیت اور مادہ تھا، اس سے مستفید ہوئے اور کچھ کیا بھی۔ حالاں کہ اس زمانے میں کالج کے نصابِ تعلیم میں اُردُو داخل نہ تھی۔ اب یونی ورسٹی میں اس کا الگ شعبہ ہے اور اس کے پروفیسر اور لکچرار بھی ہیں مگر وہ ذوق شوق نہیں۔ شاگردوں میں نہ اُستادوں میں ؛

ذہنی قابلیت کے لیے تعلیم، باقاعدہ مطالعہ، مدارس کے معلّم، یونی ورسٹی کے پروفیسر، کتب خانے، تجربے خانے، کتابیں، رسالے، اخبار، اپنے زمانے کے مروّجہ خیالات مکتفی ہوتے ہیں۔ اگر معلّم اور پروفیسر نہ بھی ہوں تو صرف کتابیں اس غرض کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ لیکن اخلاق اور ذوقی صلاحیت اس طرح حاصل نہیں ہوتی۔ کوئی شخص لکچروں سے نیک و بد اور حسن و قبح میں تمیز پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک احساس ہے اور دُوسرا جاننا۔ یہ دماغ کی دو مختلف کیفیتیں ہیں۔

Marfat.com

ضابطے کی تعلیم جو عموماً امتحان پاس کرنے کرانے کی ہوتی ہے صرف ذہن تک پہنچتی ہے اخلاق اور ذوق کا احساس اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ ہمارے ماحول میں بسا ہوا ہو اور ہمارے روزمرّہ کی زندگی کا جزبن گیا ہو۔

محض ذہنی قابلیت بے کار ہے۔ اس کے سوا کچھ اور بھی درکار ہے اس کی تکمیل اخلاقی احساس، عزم، قوّتِ فیصلہ اور تخیّل سے ہوتی ہے۔ جو لوگ علم پر قدرت حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں بڑی کڑی تیاری اور سخت جفاکشی کی ضرورت ہے۔ یہ زاہد کا سازہد اور صوفی کی سی توجہ چاہتی ہے۔ اصل مقصد تک پہنچنے کے لیے اخلاقی قوت لازم ہے اسی قوّت سے فرض شناسی اور ذمّے داری عطا ہوتی ہے۔ جو ہمارے اُردو زبان کے متعلّم اور معلّم دونوں میں تقریباً مفقود ہیں۔

یہ کچھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ہی کا حال نہیں۔ اس صوبے میں ایک چھوڑ پانچ یونی ورسٹیاں ہیں اور ہر جگہ اُردو کی حالت نہایت پست اور ادنا ہے اور بعض جگہ تو ناگفتہ بہ ہے۔ اسکی حالت ایک ایسے یتیم کی سی ہے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری یونی ورسٹیوں نے اپنی زبان کی وسیع اور زبردست اہمیت کو جو اُسے ہندستان کے قومی مسائل میں حاصل ہے پوری طرح نہیں سمجھا۔ علی گڑھ موردِ الزام اس لیے ہے کہ کچھ دنوں پہلے مرجع اہلِ زبان رہ چکا ہے۔ اس کا فرض تھا کہ وہ سنّتِ سیّد کو قائم رکھتا اور اسے پستی سے بچاتا۔ یہی نہیں بلکہ اسے اور ترقّی دیتا اور

Marfat.com

یہ مقام اُردو کا سب سے بڑا مرکز ہوتا۔ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ یونی ورسٹی بننے پر اُردو کی حیثیت اور بھی کم ہو گئی ؛

یونی ورسٹی بننے کے بعد پہلا کام یہ ہونا چاہیے تھا کہ اُردو ذریعۂ تعلیم قرار دی جاتی۔ یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ سرسید پہلے شخص تھے جنھوں نے اُردو یونی ورسٹی کی تجویز پیش کی۔ میں نے وہ عرض داشت دیکھی ہے جو انھوں نے سنہ ۱۸۶۸ء میں حکومت ہند کو بھیجی تھی۔ یہ اس قدر معقول مدلل واضح اور روشن ہے کہ اس کے بعد سے اب تک جتنی تحریریں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس عرض داشت میں نہ ہو۔ اسے پڑھ کر مجھے ان کی دور بینی عالی دماغی اور اصابت رائے پر حیرت ہوئی۔ ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ ایسا نہیں جو زیادہ مدت تک ٹالا جا سکے۔ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انتظار کرنے اور مجبور ہو جانے سے پہلے کام شروع کر دیں۔ اندور میں یونی ورسٹی کی تجویز ہو چکی ہے راجپوتانے کے لیے جے پور میں بھی یہ مسئلہ در پیش ہے۔ یہ دونوں لازماً ہندی کی ہوں گی۔ مہاراشٹر میں بھی علاحدہ یونی ورسٹی قائم کرنے کے لیے حکومت بمبئی نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو تمام امور متعلقہ کی تحقیق کر رہی ہے اور ملک کے ممتاز لوگوں کی رائیں طلب کر رہی ہے اس میں ایک مسئلہ ذریعۂ تعلیم کا بھی ہے۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ آخری فیصلہ کیا ہو گا لیکن زیادہ میلان مرہٹی کی طرف ہے۔ ہندو یونی ورسٹی بنارس میں بھی یہ طے ہو چکا ہے کہ اس کا ذریعۂ تعلیم ہندی ہو گا۔ لکھنؤ یونی ورسٹی میں بھی یہ قرارداد منظور ہو چکی ہے۔ ہماری یونی ورسٹی جو اسلامی علم و

Marfat.com

تہذیب کا مرکز ہی ابھی تک تذبذب میں ہو۔ کچھ سوچ رہی ہے۔ سوچنا اور غور کرنا بے شک ایک مبارک فعل ہو اور اہلِ دانش کا شیوہ ہے لیکن سوچتے ہی رہ جانا اور عمل کی طرف قدم نہ اُٹھانا کاہلوں اور شیخ چلیوں کا کام ہو۔ شیخ چلی کوئی بُرا آدمی نہ تھا۔ اس میں تخیل بھی تھا اور سُوجھ بُوجھ بھی۔ اس کے منصوبوں میں کہیں منطقی ضعف نہیں پایا جاتا۔ صرف ایک کسر تھی کہ بے عمل تھا۔ اسی لیے ناکام رہا اور بدنام ہُوا :

اگر کسی یونی ورسٹی کو حق تھا کہ وہ ذریعہ تعلیم اُردُو قرار دیتی تو وہ علی گڑھ یونی ورسٹی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ اس کے پاس سرسید کی دستاویز موجود تھی، اس کے بعد کسی اور تصدیق کی احتیاج نہ تھی۔ دوسرے ایک اچھی مثال علی گڑھ کے پڑوس دلی میں موجود تھی، جہاں اب سے ایک صدی پہلے دہلی کالج میں جدید علوم اور سائنس کی تعلیم اُردُو کے ذریعے سے دی جاتی تھی اور اس وقت کے ماہرانِ تعلیم نے اعتراف کیا ہو کہ وہاں کے طلبا جو اُردُو میں سائنس پڑھتے ہیں، لیاقت میں کسی طرح کلکتہ یونی ورسٹی کے ان طلبا سے کم نہیں جن کو سائنس کی تعلیم انگریزی میں دی جاتی ہو۔ ان دونوں سے قطع نظر کیجیے، پرانی باتیں ہیں۔ ہماری خوش قسمتی سے حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کی زندہ مثال موجود ہو۔ جہاں تمام قدیم وجدید علوم وفنون اُردُو میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی وہی فرسودہ اور لچر عذرات پیش کرنا جو اس سے پہلے بارہا پیش کئے جا چکے اور رد ہو چکے ہیں، منطق سے بھی اور عمل سے بھی۔ اپنی کوتاہی اور نارسائی کا اشتہار اور اپنی

Marfat.com

بزدلی کا اظہار ہے۔ بات یہ ہے کہ انگریز سے زیادہ انگریزی ہمارے دل و دماغ پر مسلط ہے اور ہمارے جسم اور دماغ کے ایک ایک ذرّے میں رچی ہوئی ہے۔ اس لیے دلیل و منطق، مثال و مشاہدہ سب بے کار ہیں۔ یہ نہیں کہ نہ سمجھتے ہوں، خوب سمجھتے ہیں لیکن دل کے ہاتھوں لاچار ہیں :

خیر، یہ جب ہوگا تب ہوگا۔ اس وقت یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ یونی ورسٹی کے کارفرماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اُردو شعبے کو ایسا مستعد، کارآمد اور اعلا درجے کا بنائیں کہ دوسری یونی ورسٹیوں کے لیے مثال ہو۔ تعلیم و تحقیق کا بہترین سامان مہیا کیا جائے۔ کتب خانہ بہت معقول ہو۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر پروفیسر اور لکچرار ایسے ہوں جنھیں ادب سے سچا لگاؤ ہو، صحیح ذوق رکھتے ہوں۔ اُردو زبان اس کے قدیم و جدید ادب اور اس کی تاریخ کے عالم اور اس کی بڑھتی ہوئی اہمیت اور ضرورتوں سے واقف ہوں، اپنے کام سے محبّت اور اُردو زبان کی خدمت کی لگن ہو، جس سے ان کے شاگردوں کے دِلوں میں اُمنگ اور جوش پیدا ہو۔ شبلیؔ، آرنلڈ، حالیؔ، سرسید، کرامت حسین کچھ اُٹھا کے نہیں دے دیتے تھے یا کچھ گھول کر نہیں پلا دیتے تھے۔ ان کی زندگی، ان کے انہماک اور ان کی صداقت کا اثر نامعلوم طور پر خود بہ خود نوجوانوں کی زندگی پر پڑتا تھا۔ یونی ورسٹیاں قواعد و ضوابط، کونسلوں اور کورٹوں، کیلنڈروں اور امتحانوں سے نہیں بنتیں یہ ضمنی اور ذیلی چیزیں ہیں۔ یونی ورسٹیاں پروفیسروں سے بنتی ہیں۔ ایک کامل الفن کو لاکر بٹھا دیجیے اور پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ طالب علم پروانوں کی طرح اس کے

Marfat.com

گرد جمع ہو جائیں گے۔ لیکن مردِ کامل کو پہچانے کون؟ جہاں اہلِ علم کا انتخاب ہاتھ اُٹھانے اور ووٹوں پر ہو اور پروپیگنڈا اور "کان ویسنگ" اس پر مزید تو وہاں کسی کامل فن کے انتخاب کی توقع عبث ہے۔ مردِ کامل درخواست نہیں دیتا، وہ سفارشوں کے لیے در در نہیں مارا پھرتا۔ اس سے ہمیں درخواست کرنی چاہیے۔ اسے ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے پاس ہمیں جانا چاہیے۔ اس کی صحبت میں بیٹھ کر وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو پی۔ ایچ۔ ڈی صاحب کو برسوں یورپ میں پھرنے سے میسّر نہیں آسکتی۔ کس قدر افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ہمارے طالب علم، اور طالب علم ہی کیا اُستاد اور پروفیسر بھی اُردو کی ڈگری لینے لندن جاتے ہیں اور بیلی صاحب کی عطا کی ہوئی ڈگری فخر سے اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں اور بوالعجبی دیکھیے کہ ہماری یونی ورسٹیاں بھی اس ڈگری کو تسلیم کرتی ہیں۔ کیا ہم اپنی یونی ورسٹیوں میں اُردو تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے؟ کیا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا کہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، جامعہ عثمانیہ، اورنٹیل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں اُردو کی تعلیم کا ایسا بہتر انتظام ہوتا کہ یورپ والے ہماری ان یونی ورسٹیوں میں آتے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لے کر جاتے؟

شعبۂ اُردو کو بہتر اور اعلا بنانے میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اس زمانے میں زبان کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے۔ اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ آئندہ اس سے زیادہ مشکلات آنے والی ہیں۔ اس لیے ہمیں ایسے طالب علموں کی ضرورت ہے جن کے دلوں میں اپنی زبان کی وقعت اور اہمیت پورے طور پر جاگزیں ہو۔ انجمن اطبع کامل

Marfat.com

اور آسانی پسند واقع ہوا ہے اور خاص کر آج کل کے طالب علموں میں مطالعہ اور دل لگا کر کام کرنے کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی ہے۔ انھیں محنت اور جفاکشی کا عادی بنانا چاہیے۔ پیہم اور مسلسل محنت کرنے سے ہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ بے اعتنائی اور بے عملی زندگی کے ہر شعبے میں مصیبتوں کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے۔ ان کی تربیت ایسی ہونی چاہیے کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی ذوقِ ادب ساتھ لیتے جائیں اور اسے اپنی زندگی کا جز بنا لیں اور کسی حال میں ہوں اپنے غور و فکر اور کام سے ادب میں اضافہ کرنے اور اپنی زبان کی ترقی و اشاعت میں کوشاں رہیں :

اس کے علاوہ زبان کے مطالعے اور تعلیم میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے کہ ہمارے طلبا زبان کی اصل ماہیت اور اس کی فطرت سے بہ خوبی واقف ہوں اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں صحت و صفائی میں کافی قدرت رکھتے ہوں جس طرح اشیا اور ادویہ اور انسانوں کا مزاج ہوتا ہے اسی طرح زبان کا بھی ایک مزاج ہوتا ہے جو اس کی فطرت ہے۔ خلافِ مزاج دوا ہو یا بات ہمیشہ ناگوار یا مضر پڑتی ہے اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی یا لکھی جائے جو زبان کے مزاج یا اس کی فطرت کے خلاف ہو تو وہ بھی ناگوار ہوتی ہے اور اس کا کہنے یا لکھنے والا تعلیم یافتہ اور شایستہ نہیں سمجھا جاتا۔ آج کل ہمارے اکثر تعلیم یافتہ انگریزی کے ذریعے سے اپنی زبان سمجھتے ہیں اور اردو میں اپنے خیالات انگریزی کی وساطت سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان حضرات کی تحریریں اور خصوصاً ترجمے دیکھ کر غور کرنا پڑتا ہے کہ یہ کہتے کیا ہیں

Marfat.com

ان کے دماغ میں انگریزی ترکیبیں، جملے کی انگریزی ساخت اور انگریزی محاورے سمائے ہوئے ہیں۔ جب وہ انھیں اپنی زبان میں منتقل کرتے ہیں تو وہ ایک عجیب وغریب زبان ہو جاتی ہے جسے اُردُو داں مشکل سے سمجھ سکتا ہے اور بعض اوقات تو خود مترجم یا مولف بھی سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ علمی ترجموں کی تو بُری طرح مٹی پلید ہوتی ہے۔ ایک طرف تو وہ انگریزی کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے اور دوسری طرف وہ یہ نہیں جانتے کہ اُردُو میں خیال کس ڈھنگ سے ادا کیا جائے کہ وہ ہماری زبان کے روزمرّہ اور محاورے کے مطابق ہو اور زبان کی فطری ساخت کے مخالف نہ پڑے۔ انگریزی زبان کا علم ناقص، اپنی زبان پر عبور نہیں، اب جو کچھ تحریر میں آئے گا وہ کیسا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ بھی بہ خوبی کر سکتے ہیں۔ میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کر سکتا ہوں لیکن آپ کا وقت ضایع کرنا نہیں چاہتا جسے شبہ ہو وہ دارالترجمہ عثمانیہ کے بعض علمی کتابوں کے ترجمے دیکھ لے اور ان کا مقابلہ ان ترجموں سے کرے جو سو سال پہلے دہلی کالج میں ہوئے تھے ؛

۱۸۶۱ء کا واقعہ ہے مسٹر ایچ۔ بی بوُرونی انڈر سکریٹری فارن آفس نے ہیئت کی ایک انگریزی کتاب کے اُردُو ترجمے کے لیے اشتہار دیا اور ایک ہزار رُپیہ انعام مقرر کیا۔ مولوی نذیر احمد نے بھی اس کا ترجمہ کیا اور وہ انعام انھیں کو ملا۔ میں نے وہ ترجمہ دیکھا ہے پڑھتے چلے جائیے کہیں اُلجھن نہیں معلوم ہوتی۔ الفاظ اور اصطلاحات ایسی برجستہ اور برمحل ہیں کہ ترجمے کا گمان تک نہیں ہوتا، اصل تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اُردُو تعزیراتِ ہندی کو دیکھ لیجیے۔ ہے تو ترجمہ مگر

Marfat.com

تصنیف کی شان نظر آتی ہے۔ اس کی اصطلاحات ہماری زبان کا جز ہو گئی ہیں۔ مولوی نذیر احمد انگریزی کے عالم نہ تھے نہ ان کے پاس یونی ورسٹی کی سند تھی۔ بات کیا تھی وہ مفہوم کو سمجھ کر اس طرح اپنی زبان کے محاورے میں ادا کرتے کہ اصل کی رُوح کھینچ کر رکھ دیتے تھے۔ مولوی کرامت حسین فلسفہ اور سائنس کے مضامین کس خوبی سے لکھ گئے ہیں۔ بہت سی اصطلاحات جو اب ہماری زبان میں عام ہو گئی ہیں پہلے پہل انھیں کی بدولت ہم تک پہنچیں۔ اب جو ترجمے ہوتے ہیں وہ صحیح بھی ہوں تو رُوح مفقود ہوتی ہے۔ یہی علمی تالیفات کا حال ہے۔ یہ لسانی تعلیم کی خامی اور اپنی بے مائگی ہے۔ ہماری یونی ورسٹیوں میں اپنی زبان کا مطالعہ سرسری اور اوپری ہوتا ہے۔ اس نظر سے کیا ہی نہیں جاتا کہ اس کی تہ تک پہنچیں اور اس پر قدرت حاصل کریں ورنہ ہماری زبان ایسی کم مایہ نہیں جیسی خیال کی جاتی ہے۔ اس بے تہی اور خامی کو رفع کرنا اُردو شعبوں کا کام ہے۔

یہ شکایت صرف یونی ورسٹی سے نہیں۔ اس صوبے کی حالت بھی اُردو زبان کے معاملے میں روز بہ روز پست ہوتی چلی جاتی ہے (دلّی اگرچہ انتظامی اور سیاسی تقسیم کی بنا پر الگ ہے لیکن ادبی اعتبار سے اس کا شمار اسی صوبے میں ہے) یو۔پی والوں کا یہ فخر بجا ہے کہ اُردو کو ترقی اور عروج یہیں حاصل ہوا۔ یہیں کی زبان فصیح اور ٹکسالی مانی گئی اور ملک کے ہر علاقے میں رائج ہوئی۔ یہاں ایسے نامور اور ممتاز ادیب، شاعر اور مصنف ہوئے جن کے نام جب تک اُردو زبان قائم ہے زندہ رہیں گے۔ لیکن جب ہم صوبے کے موجودہ حالات

Marfat.com

پر نظر کرتے ہیں تو یہ سب فخر و امتیاز بے جا اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ یہی نہیں کہ ادبی تخلیق کے سوتے بند ہو گئے ہیں بلکہ زبان کی ترقی و اشاعت کے لوازم اور سامان بھی مفقود ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب سے بیس پچیس سال پہلے تک صوبۂ متحدہ اُردو کتابوں کی طباعت و اشاعت کا مرکز تھا۔ لکھنؤ، کان پور، الہ آباد، علی گڑھ، آگرہ میں بیسیوں اُردو کے اچھے چھاپے خانے تھے۔ کان پور کے رحمت اللہ رعد مرحوم کے نامی پریس کی چھپی ہوئی کتابیں مثلاً مثنوی مولانا روم، دیوانِ حافظ، وغیرہ حسنِ طباعت اور نفاست کا اعلا نمونہ تھیں۔ رعد مرحوم اپنے فن کے ماہر ہی نہ تھے انھیں اپنے فن سے عشق تھا۔ آگرہ کا ابوالعلائی اسٹیم پریس سنگی طباعت کے لیے صوبے بھر میں مشہور تھا۔ لکھنؤ میں ایک دو نہیں متعدد چھاپے خانے تھے جن کی چھپی ہوئی کتابیں خوبیٔ طباعت کی وجہ سے بہت پسند کی جاتی تھیں۔ الہ آباد کے بعض چھاپے خانوں کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔ آخر میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی پریس نے کتابت و طباعت کی حسن و خوبی کی وجہ سے بہت نام پایا اور بہت اچھی اچھی کتابیں چھاپیں افسوس ہے کہ چند ہی سال میں یہ مطبعے گم نام و بے نشان ہو گئے اور آج یہ روایتیں داستانِ پارینہ معلوم ہوتی ہیں۔ اب یہ حال ہے کہ اس صوبے کی چھپی ہوئی اُردو کتابیں طباعت و کتابت کے بھدے پن کے لیے مشہور ہیں۔ ایک نول کشور پریس ضرور باقی ہے لیکن اب اسے فارسی اُردو سے وہ شیفتگی نہیں رہی۔ رہا علی گڑھ جسے صحیح معنوں میں علم و تہذیب کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے وہ اُردو سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ یہاں اُردو کی دو ایک کتابیں چھپ جاتی ہیں تو ان کا چھپنا نہ چھپنا برابر ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہو کہ جب اس صوبے میں اُردو طباعت کے مرکز ہی نہ رہے تو زبان کی اشاعت میں بڑی رُکاوٹ پیدا ہوگئی :

اگرچہ اس صوبے کی دفتری اور عدالتی زبان اُردو کہی جاتی ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہو کہ حکومت کے تمام محکمے جن کا تعلق زبان کی ترقی و اشاعت سے ہو، قریب قریب سب کا رویّہ اُردو کے ساتھ غیر منصفانہ اور ایک حد تک معاندانہ ہو۔ محکمۂ تعلیم، محکمۂ توسیع تعلیم، محکمۂ دیہات سدھار اور اسی قبیل کے دوسرے محکمے اس روش میں متحد ہیں لیکن جہاں حکومت قابلِ الزام ہو وہاں ہماری اپنی کوتاہی کو بھی بڑا دخل ہو۔ سوال یہ ہو کہ آیا کبھی ہم نے موثر طور پر حکومت کی ان زیادتیوں کے خلاف آواز اُٹھائی۔ ہم نے کبھی بھول کر بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ محکمۂ توسیعِ تعلیم اور محکمۂ دیہات سدھار میں ہر سال کتنی کتابیں اور کس قسم کی خریدی جاتی ہیں۔ ان میں اُردو کی کتنی ہوتی ہیں اور ہندی کی کتنی۔ کیا کبھی ہم نے یہ جاننے کی زحمت گوارا کی کہ حکومت کے مدارس اور وہ تعلیم گاہیں اور ادارے جو حکومت سے امداد پاتے ہیں اُردو کی کتنی کتابیں خریدتے ہیں اور اگر اُردو کتابوں کی خریداری کا تناسب ہندی کتابوں کی خریداری سے کم ہو تو کیوں ؟

گزشتہ سال مَیں نے انھی امور پر غور کرنے کے لیے ایک مختصر کمیٹی لکھنؤ میں منعقد کی تھی جس میں صوبے کے اہلِ مطابع اور ناشرین نیز بعض ایسے اصحاب کو مدعو کیا تھا جو کتابوں کی اشاعت و تالیف کا تجربہ رکھتے ہیں۔ یہ ایک مختصر مشاورتی مجلس تھی۔ کافی بحث و گفتگو کے بعد جب تجویزیں منظور ہوئیں۔ انجمن ترقیٔ اُردو ہند انھیں عمل

Marfat.com

میں لانے کے لیے غور کر رہی ہے اور اس بارے میں بعض صحیح معلومات حاصل کرنے کے لیے خط وکتابت کی جا رہی ہے؛

یوپی کی زبوں حالت کا صحیح اندازہ اُردو مطبوعات کی روز افزوں کمی سے ہوتا ہے۔ میں یہاں چند سال کے اعداد پیش کرتا ہوں:-

	کُل ہند		یوپی	
	ہندی	اُردو	ہندی	اُردو
سنہ ۱۹۳۱ء	۶۳۱۹	۱۱۷۷	۱۷۵۹	۳۸۷
سنہ ۱۹۳۲ء	۲۸۲۳	۱۳۹۰	۲۰۹۰	۴۰۱
سنہ ۱۹۳۳ء	۲۹۶۹	۱۵۴۳	۲۲۳۲	۳۷۵
سنہ ۱۹۳۵ء	۲۸۸۶	۱۲۰۳	۲۰۹۶	۳۰۶
سنہ ۱۹۳۶ء	۲۹۴۱	۱۰۳۸	۲۰۹۸	۲۵۴
سنہ ۱۹۳۸ء			۱۷۸۵	۱۸۳
سنہ ۱۹۴۰ء		(نو مہینے میں)	۱۰۷۷	۱۵۹
سنہ ۱۹۴۱ء	۲۱۱۳	۱۳۲۰	۱۲۹۰	۱۹۸

یہ اعداد بہت ہمت شکن اور مایوس کن ہیں۔ انھی اعداد کو دیکھ کر بعض زمانہ شناس صاحبوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اُردو اس صوبے میں چند سال کی مہمان ہے۔ ایک مدت پہلے معاملہ اس کے برعکس تھا اور ہندی اُردو کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے اتنا وقت نہیں ملا کہ سنہ وار مسلسل اعداد جمع کرتا، جلدی میں جو چند اعداد دستیاب ہوئے وہ پیش کر رہا ہوں۔ جس سے آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا؛

سنہ ۱۸۵۱ء میں ہندی اُردو کی کل کتابیں ۱۲۶ شایع ہوئیں جن میں

Marfat.com

سے ۴۸ اُردو کی تھیں۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں صوبہ شمال مغربی میں ۱۷ اخبار تھے ان میں ۱۱ اُردو کے تھے اور ۶ ہندی کے۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں میٹریکولیشن کے امتحان میں ۲۵۲ طلبا اُردو کے تھے اور ۲۸ ہندی کے۔ ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ شمال مغربی کی رپورٹ سنہ ۱۸۶۹ء سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ سنہ ۱۸۶۸ میں کل کتابیں ۲۵۳ شایع ہوئیں جن میں ۱۴۶ اُردو کی تھیں اور ۱۰۸ ہندی کی۔ ہندی اُردو کے کُل اخبار ۲۴ تھے اُردو کے ۱۶ اور ہندی کے ۵۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں ۳۱ اخباروں میں سے ۲۶ اُردو کے تھے اور پانچ ہندی۔ اُردو اخباروں کے کئی اڈیٹر ہندو تھے۔

سنہ ۱۸۷۴ء میں آگرہ و اودھ سے (۲۵) اُردو کے اور صرف ۹ ہندی کے اخبار نکلتے تھے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں ۳۰ نئے اخبار شایع ہوئے جن میں ۱۸ اُردو کے تھے اور دو ہندی کے۔ ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ پنجاب کی رپوٹ سنہ ۱۸۶۷ء و سنہ ۱۸۶۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ۱۵۲ کتابیں شایع ہوئیں ان میں ۱۱۹ اُردو کی تھیں اور ۳۳ ہندی کی، ناظم تعلیمات صوبہ شمال مغربی کی رپوٹ سنہ ۱۸۶۹ء سے ظاہر ہوتا ہو کہ کل ۲۵۳ کتابیں شایع ہوئیں، ان میں ۱۴۶ اُردو کی اور ۱۰۷ ہندی کی تھیں۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں اُردو ہندی کے ۵۲ نئے اخبار اور رسالے نکلے ان میں ۴۴ اُردو کے تھے اور ۸ ہندی کے۔ ۸ر مئی سنہ ۱۸۷۲ء کے گورنمنٹ گزٹ میں انعامی کتابوں کی فہرست شائع ہوئی ہو، یہ کتابیں گورنمنٹ کے اعلان کے مطابق انعام کے لیے ہندی اُردو دونوں زبانوں میں لکھی گئی تھیں۔ ان کتابوں کی

Marfat.com

تعداد ۲۳ تھی۔ ان ۲۳ میں ۴ کتابیں ہندی کی تھیں اور باقی ۱۹ اُردو کی۔ ہندی کتابوں پر ادنیٰ انعام پچاس پچاس رُپے کا دیا گیا اُردو کتابوں پر چار ہزار ایک سو پچاس رُپے انعام دیا گیا۔ اُردو کتابوں کے مصنفین میں ۷ ہندو ایک انگریز اور ۸ مسلمان تھے۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں ۲۹ کتابیں انعامی تھیں۔ ان میں ۲۲ اُردو کتابوں پر اور ۷ ہندی کتابوں پر انعام ملا۔ ہندی کتابوں کے لکھنے والے سب ہندو تھے۔ اور اُردو کتابوں کے موئف ۱۰ ہندو ایک انگریز اور ۱۱ مسلمان تھے۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں درسی کتابوں کے علاوہ جو کتابیں شایع ہوئیں ان میں ۵۴ اُردو کی تھیں اور ۳۵ ہندی کی۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں انعامی کتب ۱۶ اُردو اور ۲ ہندی۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں چیف کمشنر اودھ نے اُردو ہندی کی بحث میں ایک چھٹی شایع کی تھی اس میں لکھا ہے کہ تنہا لکھنؤ میں اُردو کی ۲۰۷ کتابیں شایع ہوئیں اور ہندی کی صرف ۴۱ ؏

آپ نے دیکھا، حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ ان واقعات کے سامنے آپ کی زباں دانی شعروشاعری اور ترقی پسندی کے دعوے سب ہیچ ہیں۔ اعداد پکارے بول رہے ہیں کہ اگر آپ نے جلد خبر نہ لی تو حالت اس سے بدتر ہونے والی ہے۔ مانا کہ آپ میں ذہانت ہے، تھوڑی بہت جدّت بھی ہے، تخیل بھی ہے۔ لیکن یہ سب بے کار ہیں۔ اگر قوتِ عمل نہیں، بے عملی ذہانت اور جدّت کو فنا کردیتی ہے۔ افراد ہوں یا قومیں سب اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہی صورت اب ہمارے سامنے پیش ہے۔ اس کا علاج بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ سہل انگاری چھوڑ کر مستعدی کے ساتھ آمادہ عمل

Marfat.com

ہو جائیں۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور خاص کر صوبے کی کانفرنس کو پوری توجہ کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہیے۔ اور غور کرنے کے بعد جو تدبیریں تجویز ہوں ان پر فوراً عمل درآمد کیا جائے۔ یہ سرسری معاملہ نہیں ہے، بہت سنگین ہے ایسے معاملات میں تاخیر اور سہل انگاری موت کے دروازے تک لے جاتی ہے۔ اگر ایجوکیشنل کانفرنس آمادہ ہو تو انجمن ترقیٔ اردو تعاون کے لیے حاضر ہے:

اردو کو شکست پر شکست کیوں ہوئی۔ اس کی خاصی بڑی تاریخ ہے جو انجمن مرتب کرا رہی ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ اس میں ہماری غفلت کو بھی بہت کچھ دخل ہے، مگر دوسرے اسباب بھی ہیں۔ یہاں میں ان پر سرسری نظر ڈالنا چاہتا ہوں:

آپ کو معلوم ہے کہ نومبر سنہ ۱۸۳۷ء میں حکومت نے ایک بجٹ پاس کیا۔ جس کی رو سے دفتروں اور عدالتوں کی زبان فارسی سے اردو کر دی گئی۔ جب تک فارسی رہی کسی نے زبان کی شکایت نہ کی اور جب اردو ہوئی تو بھی کوئی شکایت پیش نہ ہوئی۔ ہندی اردو کی نزاع سنہ ۱۸۶۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ جب بنارس کے بعض معزز ہندوؤں نے تمام سرکاری عدالتوں میں اردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرنے اور اس کے بجائے ہندی بھاشا رائج کرنے کی کوشش کی۔ مولانا حالی 'حیاتِ جاوید' میں لکھتے ہیں کہ:-

"سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان کا بہ طور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔" ان کا بیان کہ "انھی دنوں

Marfat.com

ہیں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا، ایک روز مسٹر شیکسپیر سے جو اُس وقت بنارس میں کمشنر تھے، مَیں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سُن رہے تھے۔ آخر انھوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ مَیں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سُنا ہے، اس لیے کہ پہلے تو ہمیشہ تم عام ہندستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ مَیں نے کہا کہ اب مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں، بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔ انھوں نے کہا اگر آپ کی پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے، مَیں نے کہا مجھے بھی افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے" ؎

اس کی تصدیق سیّد صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو علی گڑھ کی تعلیمی سروے میں پایا جاتا ہے۔ یہ سروے انھوں نے خود کی تھی۔ لکھتے ہیں کہ "تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقّی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح میں کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندو صاحبوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشہی ہندستان کی باقی ماندہ نشانی ہے مٹا دیا جائے۔ اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان باہم متفق ہو کر کام نہیں کر سکتے۔ مَیں نہایت درستی اور اپنے

Marfat.com

تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہُوا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی"۔ یہ ہے اصل بنیاد ہندو مسلم تنازع کی۔ سیاسی مذہبی جھگڑے بعد کے ہیں اور اسی سے نکلے ہیں۔ اس وقت سے دلوں میں ایسا بل پڑا ہے کہ اب تک نہیں نکلا بلکہ دن بہ دن اور سخت ہوتا جاتا ہے ؎

سنہ ۱۸۶۸ء اور سنہ ۱۸۶۹ء میں اُردو ہندی کی بحث میں شدت شروع ہوئی۔ الہ آباد میں ہندی کی حمایت میں ایک صدر مجلس قائم ہوئی اور مختلف مقامات میں اس کی شاخیں بنائی گئیں۔ اس صدر مجلس کے سکریٹری ر بابو سرودا پرشاد سنڈیال، اور سر سید میں اسی تنازع کے متعلق مراسلت ہوئی۔ اخبار سائنٹی فک سوسائٹی' بنارس گزٹ'، رسالۂ جلسۂ تہذیب، لکھنؤ، نورالابصار، وغیرہ اخبارات میں دونوں طرف سے بڑے بڑے گرم مضامین نکلے ؎

اِدھر یہ بحث ہو رہی تھی کہ بہار میں حکومت بنگال نے زبردستی اُردو کی جگہ ہندی رائج کر دی۔ اُردو کے حامی کچھ نہ کر سکے۔ میں بہ خوفِ طوالت اس زبردستی کے متعلق اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ صرف اخبار "انگلش مین" کلکتہ کے ایک مضمون کا اقتباس جو اس نے اسی زمانے میں "ہندی یا اُردو" کے عنوان سے تحریر کیا تھا، پیش کرتا ہوں :-

"حکومت نے ارادہ کیا ہے کہ بہار کے دفتروں اور عدالتوں میں سرکاری کام ہندی زبان اور ناگری خط میں ہُوا کرے۔ اس بوالعجبی کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیوں کہ بہار

Marfat.com

کی رائے عامہ اس تبدیلی کے خلاف ہے۔ ایک تو یہ کہ صدیوں کے استعمال کی وجہ سے لوگ فارسی رسم الخط کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوسرے عدالتی یا تجارتی امور میں اُردو کا رواج زمانہ دراز سے ہے۔ ان اسباب کی بنا پر تبدیلی نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ بہت سے بااثر مسلمانوں اور ہندوؤں نے اس تبدیلی کے خلاف حکومت کو لکھا ہے۔ مسٹر ایڈی بنگال کے نئے لفٹننٹ گورنر حال میں بہار کا دورہ کر کے لوٹے ہیں وہ ازراہِ انصاف کہہ دیں کہ عوام کی زبان کونسی ہے۔ کیا انھوں نے پڑوس کے صوبے جات شمال و مغربی کی عدالتوں کی زبان نہیں دیکھی۔ اس شہادت کے بعد کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں رہتی" ؎

الغرض سنہ ۱۸۷۳ء میں جب سرسید کو یہ معلوم ہوا کہ مدرسوں اور دفتروں میں دیوناگری جاری کرنے کے لیے ایک درخواست ہندوؤں کے دستخطوں کے لیے گشت کرائی جا رہی ہے تو انھوں نے ۹ر دسمبر ۱۸۷۳ء کو الہ آباد میں ایک بڑا جلسہ کیا اور اُردو کی حفاظت کے لیے ایک صدر مجلس الہ آباد میں قائم کی جس کے سرسید سکریٹری قرار پائے اور اس کی شاخیں دُوسرے اضلاع میں قائم کی گئیں۔ سرسیّد نے ایک پُرزور اور مدلّل سرکلر جاری کیا جن میں ان نقصانات کو مفصّل طور پر بیان کیا جو اس تبدیلی سے پہنچیں گے۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں جب حکومت ہند کے مقرر کردہ مشہور ایجوکیشن کمیشن کا دورہ بہ غرض تحقیقات مُلک میں ہوا تو یہ جنون پھر بڑی شدت سے اُچھلا اور اضلاع شمال مغربی اور

Marfat.com

پنجاب کے ہندوؤں نے اُردو زبان کی بڑی زور شور سے مخالفت کی اور دونوں صوبوں کی بے شمار سبھاؤں اور انجمنوں کی طرف سے بڑے بڑے طولانی محضر پیش ہوئے۔ چناں چہ ڈاکٹر ہنٹر نے جو اس کمیشن کے صدر تھے۔ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کے اڈریس کے جواب کے ضمن میں کہا کہ روزانہ ڈاک میں ہمارے پاس بے شمار دستخطوں کے ساتھ ہندی کی حمایت میں میموریل وصول ہو رہے ہیں صرف ایک درخواست پر جو کل ہی وصول ہوئی تین ہزار دو سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔" کمیشن میں بھی یہ معاملہ پہنچایا گیا، لیکن سرسید نے اس بنا پر کہ یہ معاملہ اب تعلیمی نہیں رہا سیاسی ہو گیا ہے اس ناگوار بحث کو کمیشن میں نہ آنے دیا۔

یہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، مارچ سنہ ۱۸۹۸ء میں یکایک بھڑک اُٹھی۔ اشتعال کا باعث سر اینٹنی میکڈانل ہوئے جو اس صوبے میں لفٹننٹ گورنر ہو کر آئے تھے۔ اس سے پہلے صوبۂ بہار میں کلکٹر تھے۔ وہاں بھی اس آگ پر بہت تیل چھڑکا تھا۔ ان کے آنے سے ہندی کے طرف داروں کے حوصلے بڑھ گئے۔ معزز اور سربرآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک میموریل لفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "اگرچہ سرسید پر اس زمانے میں ہجوم رنج والم کے سبب ایسا سکتے کا عالم طاری تھا کہ وہ بالکل نقش دیوار بن گئے تھے مگر اسی حالت میں انھوں نے اس مضمون پر ایک آرٹیکل لکھا جو ۱۵ر مارچ کے 'انسٹی ٹیوٹ گزٹ' میں سرسید کی وفات سے نو دن پہلے شایع ہوا اور جو کمیٹی مسلمانوں نے الہ آباد میں اردو کی حمایت کے لیے قائم کی تھی اس کو اس باب میں بذریعہ تحریر کے کچھ مشورے دیئے

Marfat.com

اور لکھا کہ "اگرچہ مجھ سے اب کچھ نہیں ہو سکتا لیکن جہاں تک ممکن ہو گا میں ہر قسم کی مدد دینے کے لیے موجود ہوں" ٭

اسی سال ہندی والوں کا ایک ڈیپوٹیشن لفٹنٹ گورنر بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کو جواب دیتے ہوئے "ہز آنر نے موجودہ دستورِ عدالت میں جلد تبادلے کو ناپسند کر کے جس کے افسران گورنمنٹ عادی نہیں ہیں قبول کیا کہ سرکاری کاغذات میں ناگری حروف کے مزید استعمال سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔" ڈیپوٹیشن کی یہ بڑی کامیابی تھی کہ لفٹنٹ گورنر نے ان کے مطالبے کو قابلِ قبول سمجھا۔ جلد نہیں تو بہ دیر پوری کامیابی میں کچھ شک وشبہہ نہ رہا۔ چناں چہ گورنمنٹ کے ریزولیوشن مورخہ ۱۸ را پریل سنہ ۱۹۰۰ء میں ناگری حروف جاری کرنے کا قطعی فیصلہ کر دیا گیا لفٹنٹ گورنر نے تو صرف ناگری حروف کی قید لگائی تھی لیکن وائسرائے بہادر (لارڈ کرزن) نے اپنے احکام میں حروف کا لفظ بدل کر زبان کا لفظ بنا دیا۔ وہ جو ذرا سا تسمہ لگا رہ گیا تھا ظالم نے وہ بھی کاٹ کر رکھ دیا ٭

اس پر مسلمانوں میں بڑا ہیجان ہوا۔ نواب محسن الملک بہادر نے ان احکام کی ناانصافی کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلانے کی غرض سے ایک بڑا جلسہ منعقد کرنے کی تیاری کی اور ملک کے سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ اصحاب کو مدعو کیا۔ یہ جلسہ ۱۷ر، ۱۸ر اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو بہ مقام لکھنؤ بارہ دری قیصر باغ میں بڑی دھوم دھام اور جوش وخروش سے ہوا۔ ریزولیشن پاس ہوئے اور بہت مدلل اور سنجیدہ تقریریں ہوئیں خصوصاً پنڈت کدارناتھ صاحب بی۔ اے وکیل بنارس نے اس ریزولیشن کی مخالفت میں نہایت معقول اور پرجوش تقریر کی تھی

Marfat.com

کرامت حسین بھی اس جلسے میں شریک تھے۔ اپنی تجویز پیش کرتے وقت انھوں نے فرمایا "اے حضرات، میں اہلِ قنوط سے ہوں اور مجھ کو دل افسردہ کرنے والا پہلو بھی نظر آتا ہے، خدا کرے ایسا نہ ہو اور آپ حضرات دعا فرمائیں کہ میرا اندیشہ وسواس کی حد سے کبھی آگے نہ بڑھے۔ میرا اندیشہ یہ ہے کہ ہندی ریزولیوشن نے فی الحال مسلمانوں کے دِلوں میں دودھ کا سا اُبال پیدا کر دیا ہے جو نفسے چند کا مہمان ہے۔ اگرچہ خدا نہ کردہ موجودہ متحدہ کوشش کا یہی انجام ہونے والا ہے تو ہمارا ادبار مستمر ہے، ہماری جہالت، ہمارا افلاس، ہماری بے عزتی، ہماری تباہی دن دونی اور رات چوگنی ہوگی ہم ایسے ناشدنی دائرے میں ہوں گے جس کے ہر طرف ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ لکھا ہوگا۔" آخر وہی ہوا جس کا دھڑکا تھا۔ اور مولانائے مرحوم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ باوجودے کہ نواب محسن الملک نے اپنی تقریر میں کمال ادب وانکسار سے احکام پر نظرثانی کی گزارش کی تھی اور قدم قدم پر مہربان گورمنٹ اور حضور لفٹنٹ گورنر بہادر کے عدل وانصاف اور نیک نیتی کی مدح سرائی اور ان کے احسانات کا شکریہ ادا کیا تھا تو بھی حاکم کے جبروت اور غرور کو ذرا سا اختلاف رائے بھی گوارا نہ ہُوا اور ایسی سخت دھمکی دی کہ نواب صاحب کو یہ تحریک چھوڑتے بنی اور ساری کوشش پر پانی پھر گیا۔ یہ واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ یہ اُردو کی بہت بڑی شکست تھی۔

اس وقت سے یہ زبان جسے اب ہندی کہا جاتا ہے، ترقی کرتی چلی گئی۔ پنڈت مالویہ جی نے جب شدھی اور سنگھٹن کے ڈنگل قائم کیے تو اس کا زور اور بڑھا اور اس مذہبی جنون سے ہندی کی اشاعت

Marfat.com

کا خوب فائدہ اُٹھایا گیا۔ راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا کی ہندو ریاستوں میں اس وقت تک دفتروں اور عدالتوں کی زبان اُردو تھی۔ وہاں وفد بھیج بھیج کر اُردو کو اُکھڑوا اور ہندی کو جمایا۔ ایک جے پور ان کی گرفت سے بچ رہا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا وہ آپ نے دیکھ لیا۔ ایک پنڈت رام چندر شرما نامی نے مرن برت رکھا کہ جب تک تمام ریاست میں اور اس کے دفتروں اور عدالتوں میں ہندی دیوناگری حروف میں جاری نہ ہوگی اور اُردو کو دیس نکالا نہ دیا جائے گا میں برت نہیں توڑوں گا اور جان دے دوں گا۔ راجپوتانہ پراونشل ہندو سبھا اور جے پور ہندو سبھا نے اس کی حمایت میں زمین آسمان ایک کر دیا۔ اس قسم کی فاقہ کشی گاندھی جی کی ایجاد ہے۔ گاندھی جی اور ان کی تقلید میں بہت سوں نے مرن برت رکھے لیکن مرا ایک بھی نہیں۔ یہ مرن برت نہیں دھمکی برت ہے اور جس طرح راج کوٹ کے معاملے میں وائسرائے دھمکی میں آگئے تھے اسی طرح جے پور کے وزیر اعظم بھی دھمکی میں آگئے۔ سر اینٹنی میکڈانل نے ہندو ڈیپوٹیشن کے جواب میں کہا تھا کہ یہ تبدیلی جلد نہیں ہو سکتی۔ لیکن جے پور کے وزیر اعظم نے فرمایا جہاں تک جلد ممکن ہوگا ہندی جاری کر دی جائے گی۔ سر اینٹنی کو دیوناگری جاری کرنے میں دو سال لگ گئے۔ مگر جے پور کے وزیرِ باتدبیر نے چند ہی روز میں حکمِ ناطق نافذ کر دیا اور بے گناہ اُردو کے قتل کا فتوا سر مرزا اسمٰعیل کے دستِ مبارک سے لکھا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرات! پہلے یہ تنازع بہار، یوپی اور اس کے آس پاس کے اضلاع میں تھا۔ لیکن گاندھی جی نے اس میدان میں قدم رکھا

Marfat.com

اور انھوں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہندی کو اس ملک کی قومی زبان بنا کے رہوں گا اور اس کی اشاعت کا کام باقاعدہ تن وہی سے شروع کر دیا تو یہ آگ سارے ملک میں پھیل گئی اور جو نزاع ایک خاص علاقے میں محدود تھی وہ ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئی اور ایک مقدس صلح کل اور مقبول لیڈر کی بدولت مستقل بنیاد فساد کی قائم ہو گئی جس کے اثر زبان ہی تک نہ رہے۔ بلکہ دور دور تک پہنچے۔ اور زندگی کا ہر شعبہ اس میں اُلجھ گیا۔ گاندھی جی ہزار تاویلیں کریں جو کام انھیں کرنا تھا وہ کر چکے اور جو کاری ضرب اُردو پر لگانی تھی لگا چکے ؂

اب حالت یہ ہے کہ ہر شخص خواہ وہ اُردو یا ہندی جانے یا نہ جانے اس معاملے میں رائے دینے کو تیار ہے کیوں کہ یہ معاملہ اب صرف زبان کا نہیں رہا بلکہ لسانی تعلیمی، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی مذہبی سب ہی کچھ ہو گیا ہے۔ تقریباً دو ہفتے ہوتے ہیں آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ رائٹ آنریبل سری نواس شاستری نے مدراس میں اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ہندی ایک روز اس ملک کی قومی زبان بن کے رہے گی. یہ ایک نہایت نرم، حلیم الطبع اور اعتدال پسند سیاست داں کا قول ہے۔ جب اینٹی میکڈانل، گاندھی جی، شاستری جی اور مرزا جی جیسے بزرگوں کے ہاتھ میں ہماری زبان کی قسمت کا فیصلہ ہو تو جو نہ ہو کم ہے۔ کچھ دن ہوئے سر تیج بہادر سپرو نے، جو اُردو کے شیدائیوں میں ہیں، مجھ سے بڑے افسوس اور حسرت سے فرمایا "ہندو اُردو چھوڑتے جاتے ہیں۔ اب تک

Marfat.com

مجھے یہ توقع تھی کہ کایستھ اور کشمیری پنڈت ہمارا ساتھ دیں گے لیکن افسوس وہ بھی ہٹتے جاتے ہیں۔" اُردو جو ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلم اتحاد کی سب سے عظیم الشان اور مبارک یادگار ہے وہ بڑی بے دردی سے فرقہ داری سیاست کے بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے۔

حضرات، ہم میں ایک گروہ مذبذبین کا بھی ہے۔ وہ اُردو کے زباں داں اور قدر داں ہیں۔ انشا پرداز اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ ان میں سے بعض صاحب ادارہ بھی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں یا ان کے اثر میں اخبار یا رسالے بھی ہیں۔ ہر چند کہ ایک مدت سے اُردو پر پیہم حملے ہو رہے ہیں اور حالت نازک ہو چلی ہے۔ لیکن خدا کے یہ نیک بندے کچھ نہیں کہتے۔ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں مگر خاموش ہیں۔ وہ نہ اُس فریق کو ناخوش کرنا چاہتے ہیں نہ اِس فریق کو۔ وہ زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی شانِ غیر جنبہ داری میں جُھٹتے نہ پڑ جائیں۔ ممکن ہے کہ خاموشی میں وہ کوئی خاص مصلحت سمجھتے ہوں اور ان کے کام کا طریقہ کوئی ایسا ہو جس کا علم دوسروں کو نہ ہو لیکن یہ وقت کانا پھوسی کرنے یا پردے میں گفتگو کرنے کا نہیں، خلوت سرائے سے نکل کر دیوانِ عام میں آنے کی ضرورت ہے۔ آپ شخصی معاملات میں خاموش یا ناطرف دار رہ سکتے ہیں لیکن قومی معاملات میں خصوصاً ایسے امور میں جن پر قومی فلاح کا انحصار یا خیال کا اندیشہ ہو خاموش رہنا جُرم ہے۔ یونان کے مشہور مقنن لائی کرگس نے اپنے قانون میں نیوٹرل یعنی ناطرف دار کو غدار سے تعبیر کیا ہے اور اس کی سزا وہی مقرر کی ہے جو غدار کی ہوتی ہے۔ قوم کا معزز رُکن ہوتے

Marfat.com

ہوئے ایسے اہم معاملے میں کوئی رائے نہ رکھنا یا مصلحتاً اُس کا اظہار نہ کرنا بے معنی ہے:

ان حالات میں ہمارا فرض صاف اور واضح ہے۔ اب ہم تماشائی بن کر نہیں رہ سکتے۔ سکوت و سکون، بے عملی و بے اعتنائی انسانوں اور قوموں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ بقا کے لیے جدّ و جہد لازم ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں نے اپنی زبان کی بقا کے لیے بڑی بڑی صعوبتیں اور عقوبتیں جھیلیں اور جانیں کھپا دی ہیں۔ اگر ہم اپنی زبان کی بقا اور ترقی کے خواہاں ہیں تو ہمیں لگاتار کوشش اور محنت سختیوں اور قربانیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بڈھا سرسیّد آخر دم تک اپنی زبان کی حفاظت کے لیے لڑتا رہا۔ ہمیں آج اسی سیداحمد خانی خلوص و درد اور جوش و ہمّت کی ضرورت ہے۔ اب سنّتِ سیّد کو زندہ کرنا لازم ہوگیا ہے اور اس کے لیے علی گڑھ سے بڑھ کر کون سا مقام ہو سکتا ہے جہاں وہ اپنی قوم کے لیے مردانہ وار بلکہ دیوانہ وار لڑتا رہا اور اسی دُھن میں یہیں کام کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آج ہی اُس کے مزار پر ہمیں اس عہد کو استوار کرنا چاہیے۔ جب زندوں میں ایسا کوئی نہیں تو پھر اس شہید مرد کے مزار ہی سے ہمّت کیوں نہ طلب کریں؟

صاحبو۔ آخر میں اس طولِ بیانی کی معافی چاہتا ہوں۔ اگر کسی کو اس سے ملالِ طبع ہوا ہو تو اس الزام میں میرے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر بھی شریک ہیں جن کی محبت اور شفقت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں اس تلخ نوائی کے لیے بھی عذرخواہ ہوں جو اس تقریر میں کہیں کہیں

Marfat.com

آگئی ہے لیکن اس معاملے میں، میں مجبور ہوں۔ حیدرآباد کے ایک کرم فرمانے میرے مقدمات جمع کر کے مرتب کیے اور نواب صدر یار جنگ سے ان پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی۔ نواب صاحب اپنے اس مقدمہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں "اور زور ایسا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ لکھتے نہیں لڑتے ہیں۔" مجھے اس کا اعتراف ہے۔ میں ہمیشہ لڑتا رہا ہوں اور یہ لڑائی اب بھی جاری ہے اور جس بات کو حق سمجھتا ہوں اس کے لیے آیندہ بھی لڑتا رہوں گا۔

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

Marfat.com

خطبۂ صدارت

شمالی بنگال اُردو کانفرنس دیناج پور بنگال

(۷ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء)

اے صاحبو! میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی عنایت سے مجھے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں بنگال کے حالات سے کماحقہٗ واقف نہیں اور اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ اس خدمت کو جو آپ نے میرے سپرد کی ہے خاطر خواہ اور آپ کی آرزو کے مطابق انجام نہ دے سکوں۔ مگر سب سے بڑھ کر میں اس بات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اُردو زبان کی طرف توجہ فرمائی ہے اور اس کی ترویج کے لیے آپ جو کوشش اور جدوجہد فرما رہے ہیں وہ ہر اعتبار سے قابلِ قدر اور موجب تحسین و آفرین ہے۔ اگر آپ نے استقلال کے ساتھ یہ کوشش جاری رکھی تو آپ ایسی بڑی قومی اور ملکی خدمت انجام دیں گے جس کے لیے تمام ہندستان اور خصوصاً اُردو داں طبقہ آپ کا ہمیشہ ممنونِ احسان رہے گا۔ اور آپ اپنی اس تحریک سے اُس مجرمانہ غفلت کی تلافی فرمائیں گے

Marfat.com

جو انگریزی حکومتِ بنگال نے ابتدا سے اب تک اُردو کے حق میں برتی ہو۔

حضرات! مُلکِ بنگال سے مسلمانوں، فارسی اور اُردو کا تعلق زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اس کی تاریخ نہایت دل چسپ اور سبق آموز ہے۔ یہ تاریخی زمانہ نامور جنرل بختیار خلجی یعنی تیرھویں صدی سے شروع ہوکر اٹھارویں صدی تک رہتا ہے۔ اس میں بہت سے انقلاب رونما ہوئے۔ غلام بادشاہوں، پٹھانوں، مغلوں کی حکومت کے دور دورے رہے۔ درمیانی زمانے میں تقریباً دو صدی تک دلی کی مرکزی حکومت سے قطع تعلق کرکے خود یہاں آزاد خود مختار حکومتیں رہیں۔ باوجود ان تمام تغیرات و ردّ و بدل کے اگر تاریخ کا مطالعہ بے لاگ اور صحیح نظر سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی عہد اس مُلک کے لیے بڑی خوش حالی اور خیر و برکت کا باعث ہُوا ہے۔ یہ موقع ان امور پر بحث کرنے کا نہیں ہے۔ یہاں ہمیں صرف زبان سے بحث ہے جس کا میں بہت مختصر طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

اُس زمانے میں جب مسلمان یہاں آئے، بنگالی زبان نہایت حقارت سے دیکھی جاتی تھی اور یہاں کے اہلِ علم اور پنڈت اسے ایک گنواری اور ناشُستہ بولی خیال کرکے ناقابلِ التفات سمجھتے تھے۔ بارھویں صدی کے کرشنا پنڈت نے اسے "پیشاچی پراکرت" یعنی بھوتوں کی بولی کا لقب دیا ہے۔ سنسکرت کے ایک مشہور اشلوک سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اٹھارہ پران اور راماین کو بنگالی زبان میں پڑھتے سُنے گا تو وہ جہنّم کے درجۂ اسفل میں جھونک دیا جائے گا۔" یہ بولی جو اس قدر حقیر اور ناپاک سمجھی جاتی

Marfat.com

تھی، صرف مسلمان فرماں رواؤں اور امراکی بدولت زبان بنی اور یہ عروج حاصل ہُوا جو ہم اس وقت دیکھتے ہیں ورنہ پنڈتوں نے اس کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ بنگالی زبان و ادب کے مورخ ڈاکٹر دنیش چندر سین لکھتے ہیں:" بنگالی کو ادبی رتبے تک پہنچانے میں متعدد اثرات نے کام کیا۔ لیکن اس معاملے میں اسلامی فتح کو سب سے بلند اور مقدم درجہ حاصل ہے۔ اگر ہندو راجا مطلق العنان فرماں روا رہتے تو بنگالی زبان کا بادشاہوں کے دربار تک رسائی پانا مشکل ہو جاتا۔" یہی ڈاکٹر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں" پٹھان فرماں رواؤں نے ان کتابوں (رامائن اور مہابھارت) کے ترجمے کے لیے ایسے علما مقرر کیے جو ان کا ترجمہ ایسی بنگالی میں کریں جو وہ بولتے اور سمجھتے تھے۔ مہابھارت کا پہلا بنگالی ترجمہ نصیر شاہ شہنشاہِ گور کے حکم سے سنہ ۱۳۲۵ء میں ہُوا نصیر شاہ اس ملک کی دیسی زبان (بنگالی) کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ مشہور شاعر ودیاپتی نے اپنا ایک قصیدہ اُس کے نام سے معنون کیا ہے اور سلطان غیاث الدین کا نام بھی وہ بڑے احترام سے لیتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ حسین شاہ نے سنہ ۱۴۸۰ء میں مالا دھر واسو کو بھاگوت کے بنگالی ترجمے پر مامور کیا اور اُسے گُن راج خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ حسین شاہ کے سپہ سالار پراگل خاں نے بھی کورندا پرمیشور کو حکم دیا کہ وہ مہابھارت کا ترجمہ بنگلہ میں کرے۔ یہ ترجمہ بہت جامع اور بہتر ہے اور پندرھویں صدی کے شروع میں کیا گیا تھا۔ چند سال بعد پراگل خاں کے فرزند چھوٹے خاں نے ایک دوسرے شاعر شری کرن نندی سے 'اشومید پردا' کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرایا۔ سترھویں صدی عیسوی

Marfat.com

میں علاول شاعر نے حاکم اراکان کے مسلمان وزیر ماگن ٹھاکر کے حکم سے ملک محمد جائسی کی مشہور کتاب پدماوت کا ترجمہ اعلا درجے کی سنسکرت آمیز بنگالی میں کیا جو بنگالی کی" قدیم بیش بہا عالمانہ نظموں میں شمار کیا جاتا ہے۔" نیز اسی وزیر کی فرمائش پر "سیف الملوک" و "بدیع الجمال" کا بھی کچھ حصہ بنگالی میں ترجمہ کیا۔ علاوہ اس کے ایک مسلمان امیر سلیمان کے حکم سے دولت قاضی کی نظموں (چندرانی اور ستی مینا) کے تتمے لکھے۔ اور نظامی کی مثنوی "ہفت پیکر" کا ترجمہ بنگالی میں کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں لکھیں۔ علاول کا درجہ بنگالی شاعروں میں بہت اعلا ہے۔ لکھا ہے کہ اسے سنسکرت زبان پر اس قدر قدرت تھی کہ بنگالی ادب میں شاید ہی کسی ہندو شاعر کو حاصل ہو۔ ایسی بیسیوں مثالیں ہیں۔

مسلمان فرماں رواؤں اور امیروں کی علمی سرپرستی اور قدردانی سے یہ ہوا کہ دیگر والیانِ ملک اور ماتحت راجاؤں نے باوجود متعصب برہمنوں کی مخالفت کے ایسی مثالوں کی تقلید کے بغیر چارہ نہ دیکھا۔ اس طرح قدیم بنگالی علم و ادب کو خوب ترقی ہوئی۔ اور مسلمان حکمرانوں کے زمانے میں اسے بے حد عروج حاصل ہوا۔ اس زبان دری اور آپس کے میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کے ہزاروں لفظ بنگالی زبان میں گھل مل گئے بہت سے سنسکرت الفاظ کی جگہ فارسی نے لے لی مثلاً ٹاکا کی جگہ خزانہ۔ بھومی کی جگہ زمین، بھوسیا کی جگہ زمین دار، پرجا کی جگہ اسامی یا رعیت۔ دھرمادھیکار کی جگہ قاضی، نشاناتھ کی جگہ کوتوال، پاترکی جگہ وزیر، نگر کی جگہ شہر، اٹالی کا کی جگہ عمارت، اسی طرح عطر، جھاڑ، دیوارگیری، مکتب، تعلیم وغیرہ وغیرہ سیکڑوں فارسی لفظ داخل ہو گئے۔ بہ قول ڈاکٹر سین کے" اب

Marfat.com

ہزاروں فارسی لفظ بنگالی زبان میں رائج ہیں اور اکثر دیگر الفاظ کے ساتھ جو سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ روزمرہ کی بات چیت میں استعمال ہوتے ہیں ملک کے علم ادب میں اس کا بڑا دخل ہے"۔

اس سرسری اور نہایت مختصر بیان سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے کیسی بے مثل رواداری اور عالی ظرفی سے کام لیا اور بنگالی زبان کو موت کے پنجے سے نکال کر علم و ادب کی مسند پر لا بٹھایا اور ان کی بدولت فارسی زبان کے اثر نے اس میں نئی قوت و زیبایش پیدا کی یہ اثر قدیم بنگالی ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ بہت زمانۂ بعد تک پایا جاتا ہے۔ چناں چہ سنہ ۱۸۵۰ء کے 'کلکتہ ریویو' میں ایک انگریز نقّاد رام رام باسو کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس کا طرزِ تحریر ایک قسم کی پچّی کاری ہے جس میں آدھی بنگالی اور آدھی فارسی پائی جاتی ہے۔" جسے وہ مسلمانوں کے مضر اثر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کی یہ رائے لغو ہے اس لیے کہ جنگ کے ہنگاموں اور درباری معاملات کے بیان کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اسلوب بیان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ رام رام باسو فورٹ ولیم کالج کے متوسّلین میں سے تھے اور علاوہ سنسکرت کے فارسی اور عربی میں پوری دست گاہ رکھتے تھے۔

جب تک بنگال کا تعلق دہلی کی مرکزی حکومت سے رہا۔ دہلی کے تمدن و تہذیب اور زبان کا اثر مسلسل پڑتا رہا۔ بنگال کے صوبہ داروں کے دربار دہلی دربار کا نمونہ تھے، سرکاری اور درباری زبان فارسی تھی۔ جو لوگ دربار اور سرکار میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے تھے انھیں فارسی سیکھنی پڑتی تھی۔ علاوہ اس کے صوبہ داروں کے مصاحب، ملازم اور

Marfat.com

درباری، بہت سے فوجی پیشہ دہلی اور اس کے اطراف وجوانب کے ہوتے تھے۔ بہت سے غیر ملازم اور تجارت پیشہ لوگوں کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔ ان وجوہ سے فارسی اُردو کا اثر بنگالی زبان پر پڑتا رہا۔ اور دوسرے صوبوں کی طرح بنگال بھی دہلی کی تہذیب اور زبان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جب مغلیہ حکومت میں انحطاط اور ضعف پیدا ہوا تو مختلف صوبوں نے آزاد ہو کر خود مختاری حاصل کی۔ ان کے درباروں میں فارسی کے ساتھ اُردو کو بھی فروغ ہوا اور یہ فارسی اُردو کے اچھے خاصے مرکز بن گئے۔ چناں چہ مرشد آباد کے دربار نے اُردو کے بہت سے ممتاز شعرا کی سرپرستی کی۔ علی نقی خاں انتظار، سید امام الدین فدا، سید عبدالولی عزلت، شیخ فرحت اللہ فرحت، مرزا ظہور علی خلیق، محمد فقیہ دردمند، مخلص علی خاں مخلص، ہردے رام جودت، نقی علی فراق، مرزا محمد ولی علی وغیرہ نے اپنے افکار و اشعار سے اُردو زبان و ادب کا ذوق پھیلایا اور شعر و سخن کی بزموں کی رونق بڑھائی۔ انشاء اللہ خاں کے والد ماشاء اللہ خاں نواب مرشد آباد کے ملازم تھے اور انشاء اللہ خاں یہیں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ مرشد آباد کے علاوہ ہگلی، بردوان، ڈھاکہ وغیرہ مقامات میں بھی اس کا اثر پہنچا اور وہ بھی چھوٹے چھوٹے ادبی مرکز بن گئے۔

بنگال میں جب انگریزی اقتدار بڑھا تو کلکتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی۔ اور یہ سیاست اور ادب کا صدر مقام بن گیا۔ ہندستان کے رئیسوں کے نائب اور سفیر یہاں رہنے لگے۔ ان کے ساتھ ان کے درباری، مصاحب اور ملازم بھی آئے جن کی وجہ سے اُردو زبان کا

Marfat.com

خوب چرچا ہوا۔ نہ صرف بنگالی زبان پر بلکہ اہلِ بنگال کی معاشرت اور تہذیب پر بھی اس کا بہت اثر ہوا۔

بنگال میں اُردو کے اثر کی کئی وجوہ ہیں۔ یہ اثرات طرح طرح کے ہیں۔ ان میں کچھ تو بالواسطہ ہیں اور کچھ بلاواسطہ۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے ہمیں دُور و نزدیک کے تمام اُن حالات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جو کسی طرح اس میں ممد و معاون ہوئے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے ہم وشنویوں یعنی وشنو کے پرستاروں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے سولھویں صدی میں اسلام سے متاثر ہو کر اتحاد و اخوّت کو قومی تنظیم کا بنیادی اصول قرار دیا۔ وشنویوں کے ادب کے حسن و لطافت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور بھی اسی کے خوشہ چیں ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں نے بھی علم و ادب کی ترقی میں ساتھ دیا۔ اُس زمانے میں ہندو مسلمانوں میں رواداری اور یگانگت کے ایسے تعلقات تھے جن سے آج کل ہم لوگوں کو عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا اثر زبان و معاشرت ہی پر نہیں بلکہ مذہب پر بھی ہوا۔ ایک بنگالی فاضل کا قول ہے کہ "اگر شبو پنتھ اپنی تمام صفات کے ساتھ اب بھی باقی رہتا تو یقیناً بنگالہ کے تمام ہندو مسلمان ہو گئے ہوتے۔" وشنویوں کے بڑے بڑے بزرگ اور شاعر بندرابن جا کر رہے اور وہاں والوں کی صحبت اور میل جول سے برج بھاشا کا اثر ان کی زبان پر نمایاں طور پر ہوا۔ اور ان کی وساطت سے برج بھاشا اور ہندستانی کے بہت سے لفظ بنگالی میں داخل ہو گئے، جو مسلک مسلمان صوفیا کا تھا وہی ان لوگوں کا تھا۔ ابتدا میں

Marfat.com

جو صوفی ہندستان میں آئے، وہ ہندستان کی زبانوں سے بالکل بے بہرہ تھے چوں کہ وہ عوام میں اپنے خیالات اور عقائد کی تلقین کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے وہ زبان سیکھی جس کی آواز عوام وخواص دونوں تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ زبان اُس وقت کی اُردو تھی جسے اب ہندستانی بھی کہنے لگے ہیں۔ انھی کی بدولت ابتدائی اُردو کو اشاعت نصیب ہوئی اور مُلک کے مختلف علاقوں میں پہنچی۔ یہی طریقہ وشنویوں نے اختیار کیا۔ وہ اپنا عقیدہ سارے ہندستان میں پھیلانا چاہتے تھے اور اس کے لیے ایسی زبان کی ضرورت تھی جو ہر جگہ نہیں تو اکثر جگہ سمجھی جائے۔ اسی لیے جن لوگوں کو اس نئی تعلیم کی اشاعت کی خدمت سپرد ہوتی تو انھیں لامحالہ وہ زبان سیکھنی پڑتی جو بہ قول ڈاکٹر سین "اُس تمام ہندستان کی جو دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے زیرِ حکومت تھا، لنگوا فرینکا بن گئی تھی۔" ڈاکٹر سین نے اس زبان کا نام ہندی لکھا ہے لیکن وہ ہندی نہ تھی جسے ہم آج کل ہندی کہتے ہیں۔ بلکہ یہ اُردو (یا ہندستانی) تھی جسے ابتدا میں فارسی سے امتیاز کرنے کے لیے ہندی کہتے تھے۔ یہ وشنوی بہت سے ہندستانی لفظ تحفے کے طور پر لائے اور اپنی مادری زبان کے نذر کیے وشنوں کے پرستاروں کی اکثر کتابیں برج بولی میں ہیں جو اُردو کی اشاعت کا ذریعہ بنیں :

۲۔ ہندوؤں کے بعض نہایت مقدس مقامات اس علاقے میں ہیں جو اب یو۔ پی کہلاتا ہے۔ پریاگ (الہ آباد) اور کاشی (بنارس) وہیں ہیں۔ یہ ہندستان بھر کے ہندوؤں کی تیرتھ گاہیں، جن کی زیارت ثواب بلکہ نجات کا موجب ہے۔ ان مقامات سے وہ تمدن کی نشانیاں اور زبان

Marfat.com

کے الفاظ اپنے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں. معلوم ہوتا ہے کہ بنگالی ان مقامات میں کثرت سے جاتے رہے ہیں. کیوں کہ ان شہروں میں ان کی اچھی خاصی بستیاں موجود ہیں. بنگال پر ان مقامات کی زبان کا اثر ہونا لازم تھا ؛

۳. بنگال کے مسلمان فرماں رواؤں اور امرا کا جو اثر تمدّن اور زبان پر پڑا اس کا ذِکر پہلے ہو چکا ہے ؛

۴. زبان کے معاملے میں مدرسۂ عالیہ کلکتہ نے بھی کام کیا. اگرچہ وہاں عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے لیکن ذریعۂ تعلیم ہمیشہ اُردو رہا. وہاں جو طلبا پڑھنے آتے تھے اُن کی وساطت سے اُردو کا رواج بنگال کے مختلف اضلاع میں ہُوا ؛

۵. ایک دُوسرا ادارہ جس نے فی الحقیقت اُردو زبان اور ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی وہ کلکتہ کا فورٹ ولیم کالج تھا. اس کالج میں اُردو کے اچھّے اچھّے ادیب اور اہلِ زبان ملازم رکھے گئے. ان لوگوں نے اُردو نثر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا. اور فصیح اور سلیس اُردو اور بول چال کی زبان لکھنے کا ڈول ڈالا. اس وقت کی لکھی ہوئی کتابیں اب بھی مطالعے کے قابل ہیں اور بعض تو ایسی ہیں کہ اُردو زبان کے دل دادہ انھیں ہمیشہ شوق سے پڑھیں گے. کلکتہ میں جب یہ قابلِ قدر خدمت انجام پا رہی تھی تو ممکن نہیں کہ یہ صوبہ اس سے متاثر نہ ہُوا ہو ؛

۶. اس کے علاوہ واعظ اور مبلّغ، صوفی اور علمائے دین جو بنگال کے مختلف حصّوں میں آتے رہتے تھے ان کی وجہ سے اردو دُور دُور

Marfat.com

کے دیہات تک میں پہنچ گئی اور اس طرح گانو والے بھی اُس کے سُننے کے عادی ہو گئے اور ان میں اس کے سمجھنے اور بولنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس بارے میں مولانا سید احمد، مولانا شاہ اسمٰعیل اور مولوی کرامت علی اور ان کے پیرووں نے بڑا کام کیا۔ یہ اہلِ حدیث یا وہابی کہلاتے تھے۔ انھوں نے گانو کے گانو مسلمان کر لیے۔ ان کی تعلیم و تلقین کا ذریعہ اُردو تھا۔ ان کی اکثر کتابیں سادہ اُردو میں ہیں تاکہ لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔ واعظ جو یہاں آتے تھے وہ بھی اُردو میں وعظ کہتے تھے۔ بنگال میں اب تک میلاد وغیرہ اُردو ہی میں پڑھے جاتے ہیں۔

۷۔ بعد کے زمانے میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ بنگال سے جو طالب علم وہاں پڑھنے آئے تھے وہ تھوڑے ہی دنوں میں ایسی اچھی اُردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے لگتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ اب بھی یہ خدمت مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ انجام دے رہی ہے۔ اس وقت وہاں کم و بیش ایک سو پچاس بنگالی اور آسامی طالب علم موجود ہیں۔

۸۔ صدہا بنگالی طالب علم یو۔پی اور بہار کے عربی مدارس میں تعلیم کے لیے جاتے ہیں اور اُردو کے ذریعے سے تحصیل علم کرتے ہیں وہ جب اپنے وطن لوٹ کر آتے ہیں تو درس و تدریس اور وعظ و پند میں اُردو ہی استعمال کرتے ہیں۔

۹۔ تاجر اور مزدوری پیشہ بھی ایک طرح اس کام میں مدد دے رہے ہیں۔ یو پی وغیرہ کے بہت سے تاجر پیشہ مارواڑی وغیرہ یہاں کاروبار کرتے

Marfat.com

ہیں اور کثرت سے اُدھر کے مزدوریلوں اور کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ یہ سب اپنی زبان بولتے ہیں اور لازم ہے کہ اس کا اثر یہاں کی زبان پر ہو۔

اے صاحبو! جب شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں بنگالہ کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کی گئی تو منجملہ دیگر شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فارسی بہ دستور سرکاری زبان رہے گی۔ کچھ دنوں تک تو اس کی پابندی کی گئی لیکن جب فارسی کی جگہ اُردو نے لے لی اور تمام صوبوں کے دفتروں اور عدالتوں میں جہاں پہلے فارسی تھی اُردو کا رواج ہو گیا تو حکومت بنگال نے اُردو کی طرف سے سخت بے اعتنائی کی اور اس کی ناانصافی صرف بنگال ہی تک محدود نہ رہی بلکہ بہار میں بھی (جو اس وقت احاطۂ بنگال میں شامل تھا) حکماً اُردو کی جگہ ہندی رائج کردی۔ لیکن باوجود اس کے اپنی ذاتی صفات اور صلاحیت کی بدولت اس کی ہردل عزیزی پھر بھی باقی رہی۔ پرانے حالات اور اخبارات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بنگال میں ہندو مسلمان دونوں یہ زبان ایک مدت تک استعمال کرتے رہے۔ گارساں دتاسی اپنے ایک لکچر بابت سنہ ۱۸۶۲ء میں لکھتے ہیں: "جس وقت سر جے۔ پی گرانٹ سابق لفٹنٹ گورنر یورپ واپس جارہے تھے کلکتہ کے باشندوں نے ۱۶ر اپریل کو ایک جلسہ منعقد کیا جس میں موصوف کی ہردل عزیزی اور خلوص کا اظہار کیا۔ جلسے کی صدارت راجا رادھا کانت دیو بہادر نے کی۔ موصوف بڑے فاضل آدمی ہیں اور ایک ضخیم سنسکرت لغت کے مصنف ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے جو تقریر کی وہ اُردو میں تھی۔ ان کی تقریر کے بعد راجا کالی کرشن بہادر

Marfat.com

کھڑے ہوئے یہ بھی مشہور مصنف ہیں اور آپ نے (۶۸۲) کی کہاوتوں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا۔ آپ نے حسب موقع اُردو میں تقریر کی، نہ کہ بنگالی میں۔ ہندستان کے اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرجان گرانٹ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا جس میں تشکر و احترام کے جذبات کا اظہار تھا اور ان کی گراں قدر خدمات کا ذکر تھا۔ یہ سپاس نامہ تجویز کی شکل میں جلسے میں متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اس کے بعد راجا پروا کرشن نے اُردو میں تقریر کی۔" وہ اپنے ایک دوسرے لکچر (سنہ ۱۸۶۵ء) میں لکھتے ہیں" اسی طرح کلکتے کے ایک اور جلسے میں جو اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ انگلستان کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں سے اظہارِ ہم دردی کیا جائے۔ مختلف مقررین نے ہندستانی میں تقریریں کیں۔ 'فرینڈ آف انڈیا' میں اس کا ذکر ہے کہ راجا نرائن سنگھ نے اس جلسے میں تجاویز کی تائید اُردو زبان میں کی۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُردو زبان اور اسلامی تہذیب کا اہلِ بنگال پر کس حد تک اثر تھا۔ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی تخصیص نہ تھی دونوں یکساں طور پر اس کے زیرِ اثر تھے۔ ہندو راجاؤں کے زمانے میں بھی ایک عالم کے لیے عربی فارسی ہندستانی کا علم لازم تھا۔ جو برہمن درباروں میں رسائی اور رسوخ حاصل کرنے کے متمنی ہوتے تھے وہ سنسکرت کے ساتھ عربی فارسی ہندستانی کی بھی تحصیل کرتے اور اپنی تصانیف میں عربی فارسی ہندستانی لفظ بلا تکلف استعمال کرتے تھے۔ اسی کا اثر ہے کہ اب بھی بنگلہ زبان میں بے شمار

Marfat.com

الفاظ عربی فارسی اُردو کے پائے جاتے ہیں، گو ان کی صورت شکل بہت مسخ ہوگئی ہے۔ یہ سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا ؂

لیکن اس کے بعد زمانے نے پلٹا کھایا اور نیا دور شروع ہوا۔ انگریزی حکومت کے استقلال کے بعد زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ قدیم معاشرت کے جو آثار باقی رہ گئے تھے وہ بھی مٹ گئے۔ نئی تہذیب اور تمدن کا آغاز بڑی سرعت سے ہوا اور اخباروں اور انجمنوں اور سیاسی تحریکوں نے پَر لگا دیے۔ فارسی کے خارج ہونے کے بعد اُردو کے لیے ایک موقع تھا لیکن ایک طرف انگریزی کے سیلابی زور نے اور دوسری طرف بنگالی زبان کی نئی تحریک نے اسے پنپنے نہ دیا۔ اور یہ چکّی کے دو پاٹوں میں پس کے رہ گئی۔ مسلمان زمانے کے جدید حالات اور تغیرات سے بے خبر رہے اور ایک مدت کے لیے بنگال میں ان کی کوئی ہستی نہ رہی۔ بنگالی ہندوؤں نے زمانے کا ساتھ دیا اور فارسی اُردو اور اسلامی تہذیب کو خیر باد کہا۔ یہ ان کی باخبری اور زمانہ شناسی تھی لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس وقت کی حکومت نے اُردو کی طرف سے بے اعتنائی ہی نہیں کی بلکہ مخالفت اور عداوت کا رویہ اختیار کیا۔ یہ بھی عجیب داستان ہے کہ ایک معمولی واقعے کو بہانہ بنا کر اُسے کچلنے کی کوشش کی گئی ؂

۷ نومبر سنہ ۱۸۷۱ء کو مظفر پور کے سنٹرل کالج کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد مسٹر جی کیمبل لفٹننٹ گورنر بنگال نے رکھا۔ اس میں تین تقریریں ہوئیں۔ مولوی سید امداد علی نے اُردو میں اور ڈاکٹر فیلن اور مسٹر کیمبل نے انگریزی میں تقریر کی۔ دورانِ تقریر میں لفٹننٹ گورنر

Marfat.com

نے مولوی سید امداد علی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ چوں کہ میں زبان سے ناواقف ہوں اس لیے تقریر کا بہت کم حصہ سمجھ سکا اور مشکل سے یہ فرق کر سکا کہ اُن کی تقریر اُردو زبان میں تھی یا فارسی میں۔ اس ضمن میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ اُردو دیسی زبان نہیں اور تعلیم عامہ میں اسے رواج نہیں دیا جا سکتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا جہالت ہو سکتی ہے کہ زبان کی ناواقفیت کا اعتراف ہے اور پھر اس پر تنقید کی جاتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ستم ظریفی یہ ہے کہ اُردو دیسی زبان نہیں۔ اس کے بعد ہی انھوں نے ۴ر دسمبر سنہ ۱۸۷۱ء کو ایک عجیب و غریب سرکاری یادداشت شائع کی اس کا ایک اقتباس میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جسے سن کر آپ کو حیرت ہوگی۔ فرماتے ہیں:۔

"فارسی زبان کو جو ہندستان کے قدیم حکمرانوں کی زبان تھی، کلیتہً ترک کر دیا گیا ہے۔ سرکاری زبان کی حیثیت سے میرے ہندستان آنے سے قبل یہ زبان ترک کر دی گئی تھی میری خدمت کے ابتدائی ایام میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی کہ سرکاری قوانین میں اس دوغلی زبان کے الفاظ مستعمل نہ ہوں جو فارسی انشا پردازوں کو بہت عزیز تھے۔ میرا خیال تھا کہ یہ زبان متروک ہو چکی ہے اور ہمیں ایسا کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن پچھلے دنوں جب مجھے بہار جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ دوغلی زبان پھل پھول رہی ہے۔ اور ہمارے قوانین میں اس کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں اور مدرسوں میں بھی اس کی تعلیم کا انتظام ہے۔ بہار میں جو زبان میں نے سنی وہ نہایت خراب اور مصنوعی تھی۔ ایسی مصنوعی زبان میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ مجھے یہ

Marfat.com

دیکھ کر تعجب ہُوا کہ اس قسم کی زبان کو ہمارے مدارس میں دلیسی زبان کہا جاتا ہے۔ مولوی لوگ جو زبان۔ مروّجہ زبان کی بجائے ہمارے مدارس میں سکھاتے ہیں وہ زبان کہلانے کی مستحق نہیں اس زبان کے لیے "اُردو" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو نہایت غیر موزوں ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ لفظ بنگال کے محکمۂ تعلیمات نے رائج کیا ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی متعین نہیں کیے جاسکتے۔ کتابوں میں چاہے اُس زبان کے متعلق کوئی کچھ لکھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان اہلِ دربار اور دہلی کی طوائفوں کی زبان ہے۔ اس کو ملک کی مروّجہ زبان نہیں کہہ سکتے۔ میں نے پُورا ارادہ کر لیا ہے کہ جہاں تک میرا بس چلے گا اس زبان کی تعلیم کو جو ہمارے مدرسوں میں دی جاتی ہے رد کرنے کی کوشش کروں گا مَیں فارسی زبان کے مدّاحوں میں ہوں۔ یہ ایک نفیس اور پُرتکلف زبان ہے۔ اگر فارسی زبان کی تعلیم دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، بہ شرطے کہ حالات ایسا کرنے کے مُوافق ہوں لیکن بگڑی ہوئی عربی اور بگڑی ہوئی فارسی کے میل جول سے جو زبان تیار کی گئی ہے جس میں ہندُستانی کے کچھ تھوڑے سے افعال و حروفِ فجائیہ شامل کر لیے گئے ہیں جسے اُردو کہتے ہیں، ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی تعلیم دی جائے .... ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بچّوں کو جو زبانیں سکھائی جاتی ہیں وہ ملک کی حقیقی زبانیں ہونی چاہییں جو عام طور پر بولی جاتی ہیں اور جنھیں عوام سمجھ سکیں۔ مصنوعی زبانیں سکھانے سے کوئی فائدہ نہیں جنھیں عام لوگ نہیں بولتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اگر جدید الفاظ کی ضرورت ہے تو مَیں سمجھتا ہوں یہ بہتر ہوگا کہ انگریزی

Marfat.com

الفاظ رائج کیے جائیں۔ بجائے اس کے کہ کسی اجنبی زبان کے اجنبی الفاظ قبول کیے جائیں۔

میں ڈائرکٹر تعلیمات کی توجہ مندرجۂ ذیل امور کی طرف مبذول کراتا ہوں:۔ (۱) اُردو زبان ہمارے مدرسوں اور تعلیمی اداروں میں قطعی طور پر متروک ہو چکی ہے (۲) ڈائرکٹر تعلیمات اور انسپکٹر ان مدارس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس بات کو دیکھیں کہ ہمارے مدرسوں میں کوئی ایسی کتاب تو نہیں پڑھائی جاتی جو ملک کی اصلی اور خالص زبان میں نہیں لکھی گئی ہے جس کے متعلق اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ" آخر میں لکھتے ہیں:" میں نے اوپر جو کچھ ہدایات دی ہیں ان کی تعمیل تمام سرکاری عہدہ داروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے دفاتر میں سوائے مروّجہ زبان کے دوسری زبان کا استعمال نہ کریں۔ اِلّا انگریزی زبان کے۔ انگریزی زبان جن دفاتر میں استعمال ہوتی ہے وہ علیٰ حالہ رہے گی۔ مجھے توقع ہے کہ ہائی کورٹ کے جج میری طرح دیسی زبانوں کے غلط استعمال کے خلاف ہوں گے"۔

یہ یادداشت اس قدر جاہلانہ اور مضحکہ خیز ہے کہ اس کے متعلق کچھ کہنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ یہ اس شخص کی تحریر ہے جو دُنیا کی سب سے بڑی دوغلی زبان کا بولنے والا تھا۔ یہ سرکاری تحریر نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا کوئی متعصب جاہل شخص ہے جسے اُردو سے بغضِ للّٰہی ہے اور اُردو کو مٹانے پر تُلا ہوا ہے۔ سر جارج کیمبل نے اُردو کو بنگال اور بہار سے خارج کر کے چھوڑا یہ پہلی ضرب تھی جو اُردو پر لگائی گئی اور اس وقت سے

Marfat.com

لے کر اب تک اس پر برابر مخالفتوں کی بوچھاڑ رہی ہے اور کوئی کوشش اور سازش ایسی نہیں جو اس کے خلاف نہ کی گئی ہو اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حیرت یہ ہے کہ باوجود اس طوفانِ مخالفت کے یہ اب تک کیسے باقی رہی اور بڑھتی رہی؟ اسے اس کی فطری صلاحیت کہیے یا سخت جانی کہ یہ اب تک زندہ ہے۔ اور اگر ہمیں نے ہمت نہ ہاردی تو انشاء اللہ یہ زندہ رہے گی۔ ترقی کرے گی اور پھولے پھلے گی ؂

لیکن بنگال کی حالت دوسری ہے۔ بنگال کے مسلمان انگریزی اور بنگالی کی روز افزوں ترقی اور قوت سے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ان میں ایک بڑا گروہ ایسا پیدا ہو گیا جو اُردو سے نفرت کرنے لگا اور اس کا نام تک سُننا گوارا نہ تھا لیکن اب رنگ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ بعض انجمنوں اور طالب علموں کی بزموں کی قراردادوں اور تجویزوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ایک مدت کے بعد یہ سمجھے ہیں کہ اُردو کے بغیر وہ شیرازۂ قومیت اور مُلکی اتحاد کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ یہ زندگی کے آثار ہیں۔ اُردو بنگال میں اب بھی مُردہ نہیں۔ آپ کے تعلیم یافتہ طبقے کی زبان اب بھی اُردو ہے۔ اب بھی یہاں ایسی تعداد ہے جس کی مادری زبان اُردو ہے ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو اُردو سمجھتی اور بولتی ہے۔ اب بھی یہاں ایسے مقامات ہیں جیسے کلکتہ، مرشدآباد، ڈھاکہ، مدناپور، مالدا، چاٹ گانو وغیرہ جہاں اُردو بولی جاتی ہے۔ یہاں اب بھی ایسے مدرسے ہیں جہاں تفسیر وحدیث وفقہ اُردو کے ذریعے پڑھائی جاتی ہے۔ یہاں

Marfat.com

اب بھی اُردو کی انجمنیں اور کتب خانے موجود ہیں۔ یہاں اب بھی اُردو کے اخبار جاری ہیں۔ یہاں کی میلادوں اور وعظوں کی مجلسوں میں اب بھی اُردو کی آواز سنائی دیتی ہے اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک کثیر تعداد اُردو کی حمایت پہ مائل ہے اور اس کی اشاعت کی شائق ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ دل پر رکھ لیں کہ یہ کام ہر حال میں آپ کو کرنا ہے اور اس کا کرنا سب سے مقدم اور ضروری ہے لیکن یہ معمولی اور آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ بہت کچھ سر مغزن اور تردّد کرنا پڑے گا بہت سی مخالفتوں کو سر کرنا اور بہت سی رُکاوٹوں کو دُور کرنا ہوگا اور سخت محنت اور مشقت سہنی پڑے گی۔ اگر آپ اس کے لیے تیار ہیں تو فوراً خاص تنظیم اور سرگرمی سے اس کا آغاز کر دینا چاہیے۔ کام شروع کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا ضروری ہے کہ کام کس ڈھنگ سے شروع کیا جائے اور کون سی تدبیریں ایسی ہیں جو کارگر ہو سکتی ہیں۔ مجھ سے بہتر آپ اِن باتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم بعض تجویزیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ پسند کریں اور اسے قابلِ عمل خیال فرمائیں:۔

۱۔ سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور مدرسوں میں اُردو کی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں۔ مدرسۂ عالیہ کلکتہ بھی اس سے بری نہیں۔ اُردو کی تعلیم بطور ثانوی زبان کے باقاعدہ ہونی چاہیے۔ گورنمنٹ کو اس طرف خاص طور پہ توجہ دلائی جائے۔

۲۔ محض فارسی عربی پڑھنے سے اُردو نہیں آجاتی۔ تمام کالجوں

Marfat.com

اسکولوں اور مدرسوں میں عربی فارسی کے معلموں کے لیے حکومت بنگال کا مقرر کردہ اُردو ڈپلوما کے امتحان کی کام یابی لازمی قرار دی جائے اور بغیر اس امتحان کی کام یابی کے کسی شخص کا تقرر عربی فارسی کی خدمت پر نہ کیا جائے :

۳۔ اُردو ڈپلوما کے امتحان میں اوّل آنے والے کے لیے تمغہ تجویز کیا جائے :

۴۔ نیز جو طالب علم یونی ورسٹی یا مدارس کے امتحان میں اُردو میں خاص امتیاز حاصل کریں۔ انھیں انعامات اور وظائف دیے جائیں :

۵۔ سرکاری دفتروں میں اُردو درخواستوں یا اُردو مراسلت کی اجازت ہونی چاہیے۔ نیز بنگالی زبان کی ایسی درخواستیں جو اُردو رسم خط میں لکھی ہوں قبول کر لی جائیں۔ اس کے متعلق گورنمنٹ سے پُرزور درخواست کی جائے :

۶۔ مکاتب کے نصابِ تعلیم میں اُردو زبان بھی ہے لیکن اس کے پڑھانے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں۔ حکومت کو اس طرف متوجہ کیا جائے :

۷۔ گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ وہ اُردو مدرّسین کے لیے ٹریننگ اسکول قائم کرے :

یہ سات تجویزیں ایسی ہیں جن کا تعلق زیادہ تر حکومت سے ہے اب میں تین تجویزیں ایسی پیش کرتا ہوں جو اُردو کی ترویج کے لیے آپ اپنی ذاتی کوشش سے عمل میں لا سکتے ہیں :-

۱۔ جہاں جہاں حالات اجازت دیں اُردو پڑھانے کے لیے دن کے اور رات کے مدرسے قائم کیے جائیں اور جو طالب علم اُردو

Marfat.com

نوشت و خواند سیکھ لیں انھیں انجمنِ ترقیٔ اُردو کی طرف سے سندیں دی جائیں اور اُن میں جو اچھے نکلیں انھیں انعام دیے جائیں ؛

۲۔ مناسب مقامات پر انجمن کی شاخیں اور اُردو کے چھوٹے چھوٹے کتب خانے قائم کیے جائیں ؛

۳۔ مکاتب میں کلام پاک کے جو پارے داخلِ نصاب ہوں وہ بنگالی ترجمے کے ساتھ پڑھائے جائیں یعنی ترجمہ متن کے ساتھ ہر سطر کے نیچے ہو لیکن یہ ترجمہ اُردو رسم خط میں ہو یعنی زبان بنگالی اور رسم خط اُردو۔ اس سے بچے بہت جلد اُردو رسم خط سے مانوس ہو جائیں گے۔ اس کے بعد انھیں اُردو کی آسان کتابیں پڑھنے میں کوئی دقّت نہ ہوگی ؛

میں اس تجویز کو سب سے مقدم خیال کرتا ہوں۔ اگر اس پر عمل شروع کر دیا جائے تو اُردو کا رواج بہت جلد اور آسانی سے ہو جائے گا ؛

بنگال کے مسلمانوں کے لیے اُردو کا سیکھنا مشکل نہیں۔ ایک تو مسلمان بنگلہ میں ہزار ہا فارسی، عربی اُردو کے لفظ پہلے سے موجود ہیں۔ دوسری آسانی ان کو یہ ہے کہ وہ اُردو رسم خط سے بھی کسی قدر آشنا ہیں، کیوں کہ ہر مسلمان بچّے کو ابتدا میں کلام مجید پڑھایا جاتا ہے۔ اگر تھوڑی کوشش کی جائے تو اُردو پڑھنا لکھنا بہ خوبی سیکھ سکتے ہیں۔

مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ دلّی میں متعدد عربی مدرسے ہیں اور ان میں بنگالی طالب علم بھی پڑھتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ شہر والوں سے ان کے بہت کم تعلقات ہیں۔ آپس ہی میں ملتے جلتے ہیں اور بنگالی زبان

Marfat.com

میں بات چیت کرتے ہیں۔ میں نے ان سب کو اپنے ہاں بلایا اور سمجھایا کہ یہ کس قدر افسوس اور عیب کی بات ہے کہ تم کئی کئی سال یہاں رہتے ہو اور پھر بھی اُردو لکھنا پڑھنا بہ خوبی نہیں جانتے۔ اتنی مدت یہاں رہنے سے کیا فائدہ۔ اُن کا عذر یہ تھا کہ اُن کے مدرسوں میں اُردو نہیں پڑھائی جاتی اس لیے میں نے ان کی تعلیم کا انتظام کیا۔ ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تھی۔ ان کی کئی جماعتیں بنائیں اور تعلیم کے لیے معلم مقرر کیے۔ ہم رات کے وقت ڈیڑھ گھنٹہ اُردو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ چند ہی مہینوں میں وہ لکھنے پڑھنے میں خوب مشاق ہو گئے اور تقریریں کرنے لگے اور مضمون لکھنے لگے۔ بعض مضمون تو ایسے اچھے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کسی شمالی ہندوالے کے لکھے ہوئے ہیں۔

حضرات! زبان کے معاملے میں انجمن ترقّیٔ اُردو کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے انجمن کسی زبان کی حریف یا مخالف نہیں۔ مقامی اور صوبائی زبانوں کو ترقّی کرنے کا وہی حق حاصل ہے جو دُنیا کی دوسری زبانوں کو ہے۔ ہماری عین خوشی ہے کہ یہ سب زبانیں بڑھیں اور پھلیں پھولیں۔ آپ شوق سے بنگالی زبان سیکھیے۔ یہ آپ ہی کی ساختہ پرداختہ ہے۔ آپ ہی نے اسے ترقّی دی ہے۔ اب بھی آپ اس کی ترقّی میں ویسی ہی کوشش کیجیے جیسی آپ نے پہلے کی تھی۔ ہم جو آپ سے اُردو کے لیے اصرار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم خدانخواستہ بنگالی یا کسی زبان کے مخالف ہیں بلکہ اس اصرار کی بڑی قوی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں جہاں سیکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں یہی ایک ایسی زبان ہے

Marfat.com

جو سارے مُلک کی مشترکہ اور عام زبان ہونے کا حق رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ ہندستان کی سب سے بڑی دو قوموں اور دو تہذیبوں سے مل کر بنی اور ہندو مسلمانوں کی متّفقہ کوشش سے بڑھی اور اس بلند رتبے کو پہنچی۔ اس نے اس وسیع برِّ اعظم کو جو منتشر حالت میں تھا ایک ملک بنایا، نئی تہذیب اور نیا خیال دیا۔ قومیت کی بنیاد ڈالی اور مختلف قوموں کو ایک جا کرنے میں جادو کا سا کام کیا۔ جو کام حکومتیں نہ کر سکیں، جو کام مذہبوں سے نہ ہو سکا وہ اس نے کر دکھایا۔ کیا اس کے بعد بھی ہم آپ سے یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ اس کی اشاعت و ترقّی کو آپ اپنا قومی فرض خیال کیجیے؟

حضرات! کانفرنسیں کر لینا اور تجویزیں منظور کرا لینا آسان ہے۔ کام کرنا مشکل ہے۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ آپ نے یہ کانفرنس خلوصِ نیت اور دلی جوش سے کی ہے۔ لیکن یہ خلوص اور جوش پائے دار اور مستقل ہونا چاہیے۔ جو تجویزیں آپ اس وقت متّفقہ طور سے منظور کریں، اُن پر فوراً عمل درآمد شروع کر دینا چاہیے۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بہت سی مزاحمتیں، بہت سی مشکلیں اور بہت سی تکلیفیں ہیں۔ لیکن مشکل کام بھی تو انسان ہی کرتے ہیں۔ پھر ایسا مبارک کام جس میں قومی اور مُلکی اتحاد کا راز ہے۔ اس موقع کو غنیمت جانیے۔ زمانہ نازک ہے اور وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ اگر اس وقت کچھ نہ کیا تو یاد رکھیے کہ ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ اسی وقت یہ ٹھان لیجیے کہ کیسی ہی مشکلات پیش آئیں اور کچھ بھی ہو جائے اسے آپ کر کے رہیں گے۔ اور ان پست ہمت بھائیوں کو جو اسے

Marfat.com

ناممکن اور محال سمجھتے ہیں، ممکن اور کامیاب کرکے دکھا دیجیے۔ اور سر دلفرڈ بلنٹ کا یہ شعر بھی نہ بھولیے :-

What is the life's wealth?
to do:- ——— its loss?
to dream and wait.

خواب دیکھنے اور انتظار کرنے کا وقت گیا۔ اب کام کا وقت ہے۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس کالی کٹ (ملیبار)

(۷ر نومبر سنہ ۱۹۴۳ء)

صاحبو! یہ مقام جہاں ہم آج جمع ہیں ایک تاریخی یادگار ہے جس زمانے میں اِس ارضِ ماپلا پر مصائب و آلام کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا یہاں کی مخلوق پر آسمان و زمین تنگ ہو گئے تھے اور سیکڑوں خاندان برباد ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئی تھیں، جن کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ اُس وقت اللہ کے ایک نیک بندے کی دینی حرارت نے جوش مارا اور اس نے بگھروں کے لیے گھر، بھوکوں کے لیے کھانے اور ان کی رُوحانی، دماغی اور اخلاقی تربیت کے لیے تعلیم کا انتظام کیا۔ مولانا عبدالقادر مرحوم ہماری قوم میں ایک پختہ فکر، صائب الرائے اور ہمدرد انسان تھے۔ انھوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور ان کے لائق، باحمیت اور پُرجوش فرزندوں یعنی مولوی سید محی الدّین اور مولوی محمّد علی نے اس کی غور و پرداخت اور تنظیم و ترقّی اپنے ذمّے لی۔ ان دونوں بھائیوں نے جس خلوص اور ایثار سے اس خدمت کو انجام دیا وہ نہایت قابلِ قدر ہے۔ اس گھر کو جس کی بنیاد خالص ہمدردی اور خدمت پر ہے، قائم رکھنا اور ترقّی دینا اور حوادث سے بچانا ہم سب پر فرض ہے۔ اس سے غفلت

Marfat.com

برتنا صریح ظلم اور کفرانِ نعمت ہوگا۔

میں اس تعلیم گاہ کی خاص طور پر اس لیے قدر کرتا ہوں کہ اس نے اُردو کو اپنے نصابِ تعلیم میں لازم قرار دیا ہے اور یہ امر بانیانِ مدرسہ کی دانش مندی اور دُور اندیشی پر دلالت کرتا ہے اس خطّے سے باہر بہت کم لوگ ماپلوں کے حالات اور معاشرت سے واقف ہیں جنوبی ہند کو چھوڑ کر باقی تمام ہندستان اس بہادر اور شریف قوم سے بے خبر ہے۔ البتہ سنہ ۱۹۲۱ء کے سانحہ جاں گزا کی وجہ سے اخباروں کے ذریعے لوگوں کو معلوم ہؤا کہ ماپلا بھی ایک قوم ہے اور اسی ملک میں رہتی ہے۔ بہ قول ڈاکٹر عبدالحق صاحب (پرنسپل محمڈن کالج مدراس) کے جس قدر یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے اہم ہے اسی قدر مسلمانانِ ہند اس سے ناواقف ہیں۔ اس میں قصور کسی کا نہیں، قصور ہے تو صرف اتنا کہ آپ کی اور ہماری زبان ایک نہیں۔ زبان کی مغایرت بہت بڑی مغایرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں بانیانِ مدرسہ کی دانش مندی اور دُور اندیشی کی قدر کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے تمام طلبہ کے لیے اُردو زبان کا پڑھنا اور سیکھنا لازم قرار دیا ہے۔

حضرات! اقلیم ہند میں اس خطّے کو کئی باتوں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ عرب تاجروں کی یہاں زمانۂ قدیم سے آمد و رفت رہی۔ دوسری صدی ہجری میں مسلمان عرب تاجر یہاں پہنچے اور یہیں بس گئے۔ ملیبار کی تجارت کلیتہً عربوں کے ہاتھ میں آگئی۔ تمام ساحلوں پر ان کی زبردست آبادیاں تھیں جن میں سب سے اہم اور وسیع کالی کٹ میں تھی جو مسلمان عربوں کی تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کالی کٹ کے راجا زمورن کی بحری

Marfat.com

فوج انھیں کے زیرِ کمان تھی اور راجا رجو ملیبار میں سب سے بڑا اور قومی فرماں روا تھا) انھیں کی جنگی قوت اور مدد سے اپنے حریفوں کو زیر کرنے میں کام یاب ہُوا۔ یہ مسلمان بلا شرکتِ غیرے ساری بحری تجارت کے مالک تھے۔ اور ان کے تجارتی تعلقات طرابلس اور مراکش تک پھیلے ہوئے تھے۔ ابنِ بطوطہ کا بیان ہے کہ ملیبار کے عرب تاجر نہایت متموّل تھے اور ان کا ایک ایک ملک التجّار ان تمام کشتیوں اور جہازوں کا مال خرید سکتا تھا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور پھر اتنے ہی مال سے لدے ہوئے جہاز تیار کر سکتا تھا۔ ان تاجروں کے واسطے سے زمورن کے تعلقات مصر، ایران اور شمالی ہند کی حکومتوں سے بہت گہرے ہو گئے تھے۔ جیسا کہ شیخ زین الدّین نے اپنی تصنیف تحفۃ المجاہدین۔ میں لکھا ہے مسلمانوں کی خوش حالی اور ان کی تجارت کی ترقّی ان راجاؤں کے الطاف و التفات کی بدولت تھی وہ مسلمانوں کے عقائد و رسوم کا احترام کرتے تھے اور کبھی جبر و زیادتی نہ کرتے۔ حال آں کہ مسلمانوں کی تعداد ان شہروں میں دسویں حصّے سے زائد نہ تھی۔ مسلمان بھی اپنے راجاؤں کے نہایت وفادار اور خیر خواہ تھے اور لڑائیوں میں راجاؤں کے مخالفوں سے بڑی شجاعت اور جواں مردی سے لڑے اور بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ ہندو رعایا سے بھی ان کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔ ہمیشہ باہم صلح و آشتی اور رواداری سے رہتے۔ ان کے مذہبی رسوم اور آداب کا پاس رکھتے اور کبھی دل آزاری کے مرتکب نہ ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے تموّل و اقتدار اور اثر پر کبھی رشک و حسد نہ ہُوا اور نہ ان سے کسی

Marfat.com

قسم کا اندیشہ تھا۔ بلکہ ملیبار کے راجا اُن کو تجارتی مرکز قائم کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اس سے ان کے ملک کی خوش حالی اور آبادی تھی ؛

یکایک جب پندرھویں صدی عیسوی کے آخری ایام میں پرتگالیوں کا قدم ملیبار میں آیا تو اس مرفہ الحالی اور شادمانی پر اوس پڑگئی خاص کر مسلمانوں کی تجارت و دولت کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ سنہ ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما کا بیڑا ساحلِ کالی کٹ پر پہنچا تو سب سے پہلے گاما کی اجازت سے ایک پرتگالی (سزایاب قیدی) نے جہاز سے اُتر کر ارضِ ملیبار پر قدم رکھا۔ پہلا شخص جس سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی ایک تونسی مسلمان تھا۔ اس نے اس پرتگالی کو دیکھتے ہی پوچھا "تجھ پہ خدا کی مار، تو یہاں کیسے پہنچا۔" پرتگالی ہکا بکا اُسے دیکھنے لگا وہ حیران تھا کہ جہاں کہیں ہم جاتے ہیں مور (مسلمان) پہلے سے موجود۔ پرتگال میں مور، سواحلِ افریقہ پر مور، اور وہی مور پھر ہندُستان میں۔ جب اس کی حیرت ذرا کم ہوئی تو سوال کا جواب اس نے یہ دیا کہ "ہم یہاں عیسائیوں اور گرم مسالوں کی تلاش میں آئے ہیں" مطلب یہ کہ "ہم عیسائی مذہب پھیلانے اور گرم مسالو پر قبضہ کرنے آئے ہیں" یعنی وہ مبلّغ اور مجاہد بھی تھے اور مہم جُو تاجر بھی۔ انھوں نے یہ دو مقصد صلح و آشتی سے نہیں بلکہ تلوار کے زور اور عیاری و مکاری سے حاصل کیے۔ گوا کے گورنر نے (۱۵۴۵ء میں) بہت ٹھیک کہا تھا کہ ہم ایک ہاتھ میں صلیب اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لیے ہندُستان وارد ہوئے ہیں۔ ہندستان کی پرتگالی

Marfat.com

حکومت کا صحیح تصور اس سنگی تصویر سے بہ خوبی ہوتا ہے جو گوا میں ایوان وائسرائے کی محراب پر بنی ہوئی ہے۔ وہ ایک سینٹ (یعنی ولی) کی تصویر ہے جس کا مقدس قدم منہ کے بل پڑے ہوئے غریب ہندستان کی گردن پر ہے اور دستِ مبارک میں ننگی تلوار ہے جس کی نوک ہندستان کی جانب ہے۔ اب آپ سمجھ لیجیے کہ جن کے ولی ایسے ہیں ان کے شیطان کیسے ہوں گے؟

ملیبار کے راجاؤں نے ان پرتگالیوں سے لطف و مہربانی کا برتاؤ کیا۔ مناسب رعایتیں کیں اور تجارت کے لیے آسانیاں دیں۔ لیکن انھوں نے اِن رعایتوں اور عنایتوں کا بہت بُرا بدلا دیا۔ اوّل اوّل زمینیں حاصل کیں اور تجارتی مرکز قائم کیے۔ پھر کوٹھیاں بنائیں۔ کوٹھیاں بناتے بناتے قلعے تعمیر کرنے لگے اور فوجیں بھرتی کرنی شروع کر دیں۔ جب تھوڑی بہت قوت حاصل ہو گئی تو راجاؤں سے باقاعدہ معاہدے ہونے لگے۔ معاہدے کی شرطیں بڑی کڑی اور عجیب ہوتی تھیں۔ منشا یہ تھا کہ ملک میں سارا سیاسی اور تجارتی تسلط ان کا ہو اور راجا ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہیں۔ جو یہ قبول نہ کرتا اُس پر چڑھائی کر دیتے۔ ان شرائط میں سب سے مقدم اور اہم شرط یہ ہوتی کہ مسلمانوں سے تجارتی اجارے چھین لو اور انھیں اپنے ملک سے خارج کر دو۔ کالی کٹ کے راجا زمورن سے پرتگالیوں کی کبھی نہ بنی اور اُن کے لڑائی جھگڑے آخر تک رہے۔ ایک بار واسکوڈی گاما اپنا بیڑا لے کر کالی کٹ پر چڑھائی کے لیے نکلا۔ زمورن نے اسے یکے بعد دیگرے چار پیام بھیجے۔ آخری پیام اُس وقت بھیجا جب بیڑا کالی کٹ سے چار پانچ میل رہ گیا تھا۔ ان پیاموں میں یہ تھا کہ شکایت کا موقع ہی تو مجھے ہے نہ کسی اور کو۔ گاما سمجھوتے پر رضامند ہو گیا۔

Marfat.com

لیکن اس کا اصرار یہ تھا کہ صلح نامہ لکھے جانے سے پہلے راجا اس بات کا اقرار کرلے کہ تمام مسلمان شہر سے نکال دیئے جائیں گے۔ زمورن نے صاف انکار کردیا کہ یہ بالکل ناممکن ہے۔ گاما نے فوراً شہر پر گولے برسانے شروع کردیئے۔ اس طرح جب شاہ پرتگال نے اپنا پہلا وائسرائے بھیجا تو اسے ہدایت کی وہ مسلمانوں کی تجارت کو نیست و نابود کردے اور مسلمان تاجروں کو کالی کٹ سے نکلوا دے اور سلطانِ مصر کی بحری قوت کو بے کار کردے۔ وجہ یہ تھی کہ بغیر اس کے وہ اپنے قومی حریف راجا زمورن پر غلبہ نہیں پاسکتے تھے۔ مسلمان سب اس کے ساتھ تھے :

پرتگالیوں کو مسلمانوں سے قلبی عداوت تھی۔ تجارتی رقابت تو تھی ہی لیکن یوں بھی مسلمانوں سے ان کا پرانا بغض چلا آرہا تھا کیوں کہ یورپ میں مسلمان مسیحی قوت کے قدرتی دشمن سمجھے جاتے تھے اور اس لیے وہ نہ صرف مسلمانوں کی تجارت بلکہ ساری قوم کے مٹا دینے کی فکر میں تھے اور اسے وہ اپنا قومی اور مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ چناں چہ جہاں کوئی مسلمان ان کے ہاتھ پڑ جاتا تو اسے طرح طرح کی اذیتیں اور عقوبتیں پہنچا کر یا تو مار ڈالتے یا غلام بنا لیتے۔ پرتگالی نامور مورخ بیردز (BARROES) لکھتا ہے کہ "مسلمان خدا کے دشمن ہیں" یہ ہندستان کی پرتگالی تاریخ کا نچوڑ ہے۔ سنہ ۱۵۰۲ء کا واقعہ ہے کہ ایک بہت بڑا پرتگالی بیڑا ہندستان آرہا تھا۔ راستے میں اسے کالی کٹ کے خواجہ قاسم کے بھائی کا جہاز ملا جو مکہ سے واپس آرہا تھا۔ واسکوڈی گاما نے اسے گھیرا کر سارا مال واسباب لوٹ لیا۔ پرتگالی مورخ بڑے فخر و شان سے لکھتا ہے کہ کپتان میجر (واسکوڈی گاما) نے جہاز مال اسباب سے خالی

Marfat.com

کرانے کے بعد سخت تاکید کی کہ اس میں سے کوئی مسلمان باہر نکلنے نہ پائے اور اس کے بعد حکم دیا کہ جہاز کو آگ لگا دی جائے۔" اگرچہ مسلمانوں نے اپنا سارا سامان اُن کے حوالے کر دینا منظور کر لیا تھا مگر ان کی خونی پیاس کو اس سے تسکین نہ ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک وحشیانہ حرکت اور سُن لیجیے۔ زمورن کی پرتگالیوں سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ انھی ایام میں چاول بھرے جہاز کالی کٹ آ رہے تھے۔ جہاز لوٹ لیے گئے اور جہازی گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے بعد کیپٹن میجر (گاما) نے حکم دیا کہ" تمام جہازیوں کے ہاتھ، پانْو، ناک، کان کاٹ لیے جائیں اور ایک کشتی میں بھر دیے جائیں اور اسی میں زمورن کے سفیر برہمن کو جو پرتگالی بدرقے کی حفاظت میں آیا تھا، سوار کر دیا جائے۔ اس کے بھی ناک، کان، ہاتھ کاٹ لیے گئے۔ ان سب ناک، کان، ہاتھ، پانْوؤں کا ہار گوندھ کر برہمن کے گلے میں پہنا دیا اور اس میں ناریل کا ایک پتا بھی لگا دیا۔ یہ گویا راجا کے لیے تحفہ بھیجا جا رہا تھا کہ وہ اس کا قورما پکا کر نوشِ جان کرے۔" اس کے بعد کشتی کو آگ لگا دی گئی۔ اس قسم کے شرم ناک مظالم اور تعصب و غارت گری کے واقعات سے ان کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

پرتگالیوں نے مسلمانوں کی ثروت و اقتدار اور تجارت کو مٹا دیا، لیکن وہ خود بھی مٹ گئے۔ اب ہندستان میں ان کی دو یادگاریں باقی ہیں۔ ایک تو پرتگالی زبان کے کچھ لفظ جو بعض ہندستانی زبانوں میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ حال آں کہ یہ بگڑی ہوئی پرتگالی وہ بولی تھی جو ایک مدت تک بندرگاہوں اور یوروپین ساحلی آبادیوں میں لنگوا فرینکا کا درجہ رکھتی تھی۔ نہ صرف دلیسیوں اور یوروپینوں میں بلکہ مختلف قومیں

Marfat.com

کے یورپینوں میں بھی بول چال کا ذریعہ یہی بولی تھی۔ لارڈ کلائو جن کے لب و دہن کبھی کسی ہندستانی زبان سے آشنا نہ ہوئے وہ بھی اس کے جاننے والوں میں تھے۔ لیکن اب ہماری بعض زبانوں میں اس کے صرف چند لفظ رہ گئے ہیں اور ان کی نسبت بھی بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ یہ کہاں سے آئے ہیں۔ ان کی دوسری یادگار ان کی ذریات ہے جو کہیں عزت و وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی۔ برخلاف اس کے ان عرب مسلمانوں کی یادگار موپلا قوم اس وقت بھی ملیبار میں اٹھارہ لاکھ سے کم نہیں اور اپنی شجاعت و شرافت، جفاکشی و محنت، غیرت و ہمت کے لیے مشہور ہے۔ مگر باوجود اس سیرت و شمائل کے بہت پست حال اور درماندہ ہیں اور افلاس و جہالت میں مبتلا۔ اور نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ ہندستان کے دوسرے حصوں سے کوئی لگاؤ نہیں۔ لگاؤ ہو کیسے، لگاؤ اور یک جہتی پیدا کرنے والی چیز یہاں نہیں ہے یعنی اردو زبان کا رواج بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، ابتدا میں پرتگالیوں کے دو مقصد تھے۔ گرم مسالوں کی تجارت پر قبضہ اور عیسائی مذہب کی تبلیغ۔ مذہب کی اشاعت حکومت کے زور سے تھی یا دنیاوی لالچ سے۔ مثلاً نو عیسائیوں کو بعض محکموں میں ملازمتیں دی جاتیں۔ بحری و برّی فوج کی بھرتی سے مستثنیٰ کر دیا جاتا اور چاول تقسیم کر کے ان کی امداد کی جاتی اس قسم کے عیسائی "چاول عیسائی" (RICE CHRISTIANS) کے معزز لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان ترکیبوں سے بھی کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ ابتدا میں جو مبلغین آئے ناکام رہے۔ البتہ سنہ ۱۵۴۲ء میں جب

Marfat.com

فرانسس زیویر رجو بعد میں بیلنٹ زیویر کے نام سے مشہور ہُوا) یہاں پہنچا تو ہندوؤں پر اُس کے زہد و ریاضت کا بہت اثر ہُوا اور ایک اچھی تعداد عیسائی ہوگئی۔ لیکن یہ عیسائی برائے نام تھے۔ زیویر ہندُستان کی زبانوں سے ناواقف تھا وہ صرف عقائد، دس احکام، دُعا رٹوا دیتا تھا۔ بے چارے نو عیسائی اس کے ساتھ ساتھ توتے کی طرح ان الفاظ کو دُہراتے جاتے تھے۔ آخر وہ مایوس اور بیزار ہوکر جاپان چل دیا۔ اس کا قول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کے سامنے عیسائی مذہب پیش کرنا موت کا فتوا پیش کرنے کے برابر ہے۔ لیکن اس کے جانشین جے سوائٹ مشنری انسانی فطرت کو اس سے بہتر سمجھتے تھے۔ انھوں نے یہاں والوں کا سا طرزِ ماند و بود اختیار کیا اور بڑی بات یہ کی جو کامیابی کا اصل گر ہے۔ یعنی یہاں کی زبانیں سیکھنی شروع کردیں جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہزارہا آدمیوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا ؂

یہی دشواری اُن قدیم عربوں کو پیش آئی تھی جو ملیبار میں بس گئے تھے اُنھوں نے اس مشکل کو یوں آسان کیا کہ ایک طرف تو نومسلموں کو عربی سکھانی شروع کی اور دوُسری طرف مقامی لوگوں میں کام کرنے کے لیے خود ملیالم زبان سیکھی۔ چونکہ ملیالم رسمِ خط مسلمان عربوں کے لیے بالکل غیرمانوس اور اجنبی تھا اس لیے انھوں نے یہ ترکیب نکالی کہ ملیالم عربی خط میں لکھنے لگے۔ اس وقت بھی بعض مساجد میں ملیالم زبان کا خطبہ عربی رسمِ خط میں لکھا ہُوا پڑھا جاتا ہے۔ یہی طریقہ ہمارے صوفیوں اور درویشوں نے اختیار کیا تھا۔ جب وہ اس ملک میں آئے تو بالکل اجنبی تھے وہ اجنبی، ان کی زبان اجنبی، ان کے طور و طریق اجنبی۔ وہ مُلک کے دور دراز مقامات

Marfat.com

میں پہنچے۔ جہاں ماحول، طرزِ معاشرت اور حالات ان کے لیے بالکل نئے تھے۔ وہ وہاں گئے، وہاں کی زبان سیکھی اور اسی میں تعلیم و تلقین کی، جس کے اثر سے لاکھوں بندگانِ خدا حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان واقعات کے بیان کرنے سے میرا منشا یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ دین و دنیا دونوں کے معاملات میں زبان کا کس قدر دخل ہے۔ زبان اور ادب جن میں سے خیالات ڈھل کر نکلتے ہیں۔ دماغی اور ذہنی تہذیب و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ زبان کے علم اور مطالعے نے قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور ملانے میں بڑا کام کیا ہے جہاں زبان ایک نہیں وہاں خیالات ایک نہیں وہاں دل بھی ایک نہیں ؛

ہمارے ہندستان جنت نشان میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں کچھ عیب بھی ہیں اور سب سے بڑا عیب زبان کا ہے۔ دس بیس نہیں سیکڑوں بولیاں بولی جاتی ہیں۔ یہ مصیبت آج کی نہیں صدہا ہزار سال سے چلی آ رہی ہے پہلے زمانے میں ایک مشترک اور عام زبان کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہر علاقہ بجائے خود ایک ملک تھا۔ اس کی زبان بھی الگ تھی، آمد و رفت کے وسائل بھی محدود تھے۔ اس لیے مختلف علاقوں کے تعلقات بھی باہم بہت کم رہے۔ ان وجوہ سے نہ تو کوئی ایسی زبان بننے پائی اور نہ کسی کو اس کا خیال آیا۔ ضرورت ستاتی ہے تو طرح طرح کی سوجھتی ہے، ضرورت کی خلش نہیں ہوتی تو تدبیر کی سوتیں بند ہو جاتی ہیں۔ لیکن زمانہ دراز کے بعد حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ نامعلوم طور پر خود ہمارے ہاتھوں اس کا سامان ہو گیا۔ جس طرح دراوڑی، آریائی، یونانی، ایرانی وغیرہ قومیں اس ملک میں

Marfat.com

آئیں۔ اسی طرح مسلمان بھی یہاں پہنچے۔ جب دہلی میں ان کی حکومت کو استقلال ہوا تو وہ یہیں بس گئے اور اسی ملک کے ہو گئے، تو ملک والوں سے میل جول بڑھنے، دن رات ایک ساتھ اُٹھنے بیٹھنے، کاروبار اور معاملات میں ملنے جلنے، درباروں، لشکروں، دفتروں میں ساتھ ساتھ رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کی اور مسلمانوں نے ہندوؤں کی زبان سیکھنی شروع کی۔ مسلمان ہندی لفظ اور ہندو فارسی لفظ اپنی بول چال میں استعمال کرتے کہ ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھ سکیں۔ جب دو مختلف زبانوں کے بولنے والوں کو ایک جا رہنے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ اسی قسم کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ آج کل چھاؤنیوں میں دیکھتے ہیں۔ غرض یہ قدرت نے سامان بہم پہنچایا۔ ضرورت نے اس سے کام لیا اور ایک ایسی زبان کا ڈول پڑا جس میں ہندو مسلمان برابر کے شریک تھے۔ اس کے بننے میں نہ کسی حکومت کا ہاتھ تھا، نہ کسی بادشاہ کی اُپج، نہ پنڈتوں اور مولویوں کا فتوا اور نہ کسی انجمن یا بزم کی سعی۔ اسے ضرورت نے پیدا کیا۔ یہ وقت کا تقاضا تھا اور وقت کا تقاضا اٹل ہوتا ہے۔

ایک بڑی بات اُردو کے حق میں یہ ہے کہ جہاں گئی مقبول ہوئی۔ اس کی مقبولیت فارسی اور انگریزی کی سی مقبولیت نہیں۔ فارسی حکومت کی زبان تھی۔ اس کی بدولت دربار سرکار میں رسائی ہوتی اور چھوٹے بڑے عہدے اور منصب ملتے۔ یہی حال اب انگریزی کا ہے۔ اس کی پشت پر حکومت ہے۔ دولت ہے اور دنیاوی فائدے ہیں۔ یہ دونوں باہر سے آئیں اور اہلِ ملک نے ان کی تحصیل حکومت تک پہنچنے اور دفتری خدمات

Marfat.com

حاصل کرنے کے لیے کی۔ قطع نظر ان مادی فوائد کے ان میں علمی اور تہذیبی پہلو بھی تھا۔ برخلاف اس کے اُردو ابتدا میں ان سب فضیلتوں سے محروم تھی۔ یہ حکومت کی سرپرستی کی کنوڈی تھی نہ حصولِ دولت وجاہ کا ذریعہ اور نہ اسے علمی، ادبی یا تہذیبی شان کا شرف حاصل تھا لیکن باوجود اس کے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ مُلک کے دُور دراز گوشوں میں جا پہنچی۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں پہنچی قبولِ عام سے سُرخ رُو ہوئی۔ مقبولیت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ اکثر صوبے اس کے جنم بھومی کے دعوے دار ہیں۔ اہلِ پنجاب کا دعوا ہے کہ اس کی آنول نال یہیں گڑی ہے۔ غزنوی حکومت پنجاب میں آئی تو اس وقت اس نے وہاں جنم لیا۔ دہلی اور یو۔پی والے کہتے ہیں کہ دلّی میں جب اسلامی حکومت کو استقلال حاصل ہُوا تو دلّی میرٹھ کی آس پاس کی بولی پر فارسی کی قلم لگی اور ایک نئی بولی وجود میں آئی۔ اہلِ گجرات کہتے ہیں کہ یہ بیج یہیں اُگا، یہیں اس میں کلّے پھوٹے اور یہ سوغات یہاں سے مُلک کے دُوسرے حصوں میں پہنچی۔ اہلِ دکن کا دعوا ہے کہ دکن میں اوّل اوّل اس نے ادبی حیثیت حاصل کی اور یہاں سے شمالی ہند پہنچی۔ بعض دُوسرے صوبوں کو بھی اس قسم کا دعوا ہے۔ ان سب کے دعوے حق بہ جانب ہیں، کیوں کہ یہ کسی ایک کی زبان نہیں۔ سب کی ہے اور پھر آپ کی کیوں نہ ہو؟

سب کی کیوں کر؟ ــــــ اگرچہ ابتدا میں ہندو مسلم میل جول سے بنی لیکن جب اس کا رواج بڑھا تو دُوسری قوموں نے بھی اسے خوشی خوشی قبول کیا۔ سکھ، پارسی، انگریز، یورپین، اینگلو انڈین سب ہی

Marfat.com

نے اس سے کام لیا، اس میں کام کیا اور اس کی اشاعت و ترقی میں مدد دی۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ ایک سو سے زیادہ یورپین اور اینگلوانڈین اُردو کے شاعر ہیں جن میں سے بعض کے ضخیم دیوان موجود ہیں ہندُستان کی کوئی دوسری زبان قبولِ عام کا یہ دعوا نہیں کر سکتی۔ اس لیے ہمارا یہ دعوا ہے کہ یہ سب کی زبان ہے اور ہندُستان کی اگر کوئی مشترک اور عام زبان ہو سکتی ہے تو یہی ہے۔

اس بنا پر ہماری یہ آرزو ہے بلکہ مصمم ارادہ ہے کہ ملیبار کی ماپلا آبادی کو ہم اس وسیع برادری میں شامل کریں جو ہندُستان کے ہر حصے میں آپ کو خیر مقدم کہنے کے لیے تیار ہے۔ اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اُردو زبان ہے۔ اس سے اخوت کا رشتہ زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو جائے گا اور اس سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بہت دُور رس کارگر اور سُود مند اور ہم سب کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوں گے۔ اس کی بدولت آپ ایسے سرچشمۂ علم و ادب تک پہنچ جائیں گے۔ جہاں آپ اپنی تاریخ، تہذیب و تمدن اور مذہب کے معلومات سے جی بھر کے سیر ہو سکتے ہیں۔ یہ بات آپ کو کسی دُوسری زبان میں میسّر نہیں آسکتی۔ اُردو کا علمی ذخیرہ روز بہ روز بڑھتا جاتا ہے اور ادبی اور علمی ذوق رکھنے والے کے لیے معقول سامان موجود ہے۔ یہ بہت شیریں، لچک دار، موہنی زبان ہے۔ اس میں ہر قسم کے خیالات ادا کرنے کے اسلوب موجود ہیں۔ اس زمانے میں اس کی قوت اور وسعت میں بہت اضافہ ہوا ہے اور آیندہ اس کے امکانات اور بھی زیادہ ہیں۔

حریفوں نے اُردو زبان کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈا کر رکھا

Marfat.com

ہے۔ اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ بہت مشکل زبان ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ بہت آسان زبان ہے اور آسان نہ ہوتی تو اتنی جلدی سارے ملک میں کیسے پھیل جاتی اور آپ کے لیے تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ چوں کہ آپ رسمِ خط سے پہلے ہی واقف ہیں اور آپ کے کئی مدرسوں میں اُردو کی تعلیم جاری ہے اور عام میلان اس کی طرف پایا جاتا ہے۔

سنہ ۱۹۳۷ء میں میں نے ڈاکٹر عبدالحق صاحب پرنسپل گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس کی معیت میں اسی غرض سے ملیبار کے بعض مقامات کا دورہ کیا۔ کالی کٹ ہمارا صدر مقام تھا اور یہاں سے ہم ہر صبح روانہ ہوتے اور شب کو واپس آتے۔ حالات اور اشخاص سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نے اس علاقے میں اُردو کی ترویج کی کوشش کی۔ اس وقت یہاں انجمن کے نو مدرسے ہیں اور ٹیلیچری میں انجمن کی ایک شاخ بھی ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہ مدرسے جیسا کہ چاہیے ویسا کام نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کی وجہ سے اُردو کا شوق پیدا ہو چلا ہے اور ملیبار کے اکثر مقامات سے اُردو مدارس کے قیام کے لیے درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ مگر بغیر کسی تنظیم اور معقول نگرانی کے مدرسے قائم کرنا مفید نہیں ہو سکتا۔ یہ کانفرنس جو یہاں منعقد کی گئی ہے اس کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ملیبار میں باقاعدہ طور پر اشاعتِ اُردو کے متعلق تدابیر سوچیں اور انھیں عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ یہ امر باعث مسرت و اطمینان ہے کہ یہاں ایسے اصحاب موجود ہیں جو اس علاقے کے حالات سے باخبر ہیں۔ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کے مقاصد سے پوری ہمدردی رکھتے ہیں

Marfat.com

اور جنھیں ایسے کاموں کا کافی تجربہ ہے۔ اگر ہم نے آپس کے مشورے اور اتفاق سے کام کا کوئی ایسا خاکہ مرتب کرلیا جو قابلِ عمل ہو تو یہ بڑی کام یابی ہوگی اور اس کانفرنس کے منعقد کرنے میں جو محنت اور تگ و دو آپ نے کی ہے وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس مقصد میں بڑی اعانت اس مدرسے سے ملے گی جہاں ہم جمع ہیں۔ اس نے اُردو کی اشاعت میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔ ملیبار کے لیے مناسب مدرّسین کا دست یاب ہونا مشکل ہے۔ یہ مشکل بھی اسی مدرسے کے ذریعے حل ہوسکتی ہے ؛

آخر میں سب صاحبوں سے میری یہ عرض ہے کہ اس کام کو سرسری اور اس کانفرنس کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ یہاں ہم ایک ایسی مہم کا آغاز کرنے والے ہیں جو اپنی اہمیت اور نوعیت کے اعتبار سے بہت بڑا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں اخلاص، محنت اور سرمائے کی ضرورت ہے۔ اس تجویز کے یہ تین بڑے ارکان ہیں۔ اگر ہم نے صحیح اصول پر اپنے منصوبے کی داغ بیل ڈال لی اور عملی دشواریوں پر قابو حاصل کرکے اس مہم کو سر کرلیا تو یہ کانفرنس ایک یادگار کانفرنس ہوگی ؛

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس بمبئی

(سنہ ۱۹۴۵ء)

دسمبر سنہ ۱۹۰۳ء میں جسے اب کچھ اوپر اکتالیس برس ہوتے ہیں، اسی شہر بمبئی میں کُل ہند مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ تھا۔ مرحوم جسٹس بدرالدین طیب جی اس کے صدر تھے۔ ہندستان کے دُور و نزدیک مقامات کے اصحاب اس میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے۔ بزرگانِ قوم کا بڑا ستھرا مجمع تھا۔ مولوی نذیر احمد ہر سال کانفرنس میں ایک لیکچر دیا کرتے تھے۔ سرسید احمد خاں ان کا لیکچر کانفرنس کے آخری دن رکھتے اور لوگ اس کے اشتیاق میں آخر تک ٹھیرے رہتے۔ اس روز خاص طور پر بڑی رونق ہوتی تھی۔ مولوی نذیر احمد یوں تو شاعر نہ تھے۔ لیکن زورِ طبیعت سے شعر کہنے لگے تھے اور ان کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ لیکچر سے پہلے اپنی طبع زاد نظم پڑھ کر سُناتے۔ بمبئی کے اجلاس میں جو نظم انھوں نے پڑھ کر سُنائی اس کا پہلا شعر یہ تھا: ؎

سُن اے بمبئی تجھ پہ پیرِ دں کا سایا
تجھے جیسا سُنتے تھے ویسا ہی پایا

مولانا کو اُردو زبان پر حیرت انگیز قدرت تھی اور اس کے ساتھ

Marfat.com

ظرافت اور شوخی بھی تھی۔ ان دو لفظوں "پیردں کا سایہ" میں بمبئی کے مسلمانوں کی اس وقت کی عام معاشرت اور توہم پرستی کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ آج اکتالیس برس کے بعد میں اس شہر میں خفیف سا تصرف کرکے بمبئی کی ایک دوسری اور نئی حیثیت کو پیش کرنا چاہتا ہوں؎

خوشا بمبئی تجھ پہ "اردو" کا سایا
تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا

بمبئی کی یہ حیثیت نئی نہیں ہے۔ بمبئی کی اردو سے وابستگی خاص پرانی ہے۔ نوّے سال پہلے بھی یہاں سے اردو اخبار نکلتے تھے جن میں 'کشف الاخبار'، 'روضۃ الاخبار'، 'ریاض الاخبار'، 'برق خاطف' کے نام اب تک ملتے ہیں۔ ایک اخبار "پریم گوپال پرکاش" نام کا بھی تھا جو اردو زبان میں شائع ہوتا تھا۔ 'کشف الاخبار'، سنہ ۱۸۵۵ء میں نکلنا شروع ہوا تھا جب میں سنہ ۱۸۹۵ء میں یہاں آیا تو اس وقت بھی جاری تھا اور میں اس کے اڈیٹر سے ملا تھا۔ اخباروں کا یہ سلسلہ کم و بیش اب تک جاری تھا اور اس وقت تو ماشاء اللہ اردو کے اخبارات ایسے اچھے اور اتنی تعداد میں شائع ہوتے ہیں کہ دیکھ کر رشک آتا ہے۔

اگرچہ بمبئی میں گجراتی اور مرہٹی کا زیادہ رواج ہے پھر بھی یہاں بہت سی اردو کتابیں چھپتی رہیں۔ مطبع کریمی نے بمبئی میں وہی کام کیا جو مطبع نول کشور نے شمالی ہندوستان کے لیے کیا تھا۔ اور آج کل بمبئی سے جو اردو کتابیں شائع ہو رہی ہیں وہ بہت قابلِ قدر ہیں ؛

اس موقع پر پارسیوں نے جو اردو کی خدمت کی اس کا ذکر بہ خصوصیت سے کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے ناٹک کے ذریعے اردو کا خوب چرچا

Marfat.com

کیا۔ پسٹن جی فرام جی، اُردو اسٹیج کے پہلے بانی ہیں وہ صرف اُردو شاعری کے قدردان ہی نہ تھے، خود بھی اُردو شاعر تھے۔ رنگ و پرورین تخلص کرتے تھے اور نواب علی نفیس سے اصلاح لیتے تھے۔ انھوں نے ارجنل تھیٹریکل کمپنی کے نام سے ایک تھیٹر قائم کیا۔ اس کمپنی کے ڈرامے جو تیس چالیس سے کم نہ ہوں گے اُردو زبان میں تھے۔ اس کمپنی کو خوب فروغ ہوا۔ پسٹن جی کی وفات کے بعد بالی والا نے وکٹوریہ تھیٹریکل کمپنی اور کاؤس جی کھٹاؤ نے الفریڈ تھیٹر قائم کیا۔ یہ دونوں بہت مشہور ایکٹر تھے۔ ان کے علاوہ نیو الفریڈ اور بمبئی پارسی تھیٹریکل کمپنیاں بنیں جو پارسیوں کی ہمت اور جدت کی رہینِ منت تھیں۔ ان کمپنیوں میں بعض بڑے پائے کے منشی اور شاعر تھے۔ طالب، احسن، بے تاب، حشر کے نام ڈراما نویس کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ یہ کمپنیاں تمام بڑے بڑے شہروں میں جاتیں وہاں عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی تھی جب کوئی بڑھیا گانے والا یا ایکٹر آتا تھا تو خلقت تماشا دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑتی تھی اور "ونس مور" کی تابڑ توڑ فرمائشوں سے بعض ایکٹر بے حال ہو جاتے تھے۔ جوں جوں ان تھیٹروں کو ترقی ہوتی گئی۔ ان کے ڈرامے بھی زبان کے اعتبار سے بہتر ہوتے گئے۔ آج کل ان کی جگہ فلموں نے لے لی ہے اور ان کا بھی یہی حال ہے۔ فلم کے مرکز تو بمبئی کے سوا اور مقامات بھی ہیں لیکن اُردو ڈرامے کی بنا اور فروغ کا فخر بمبئی ہی کو حاصل ہے۔ ان تھیٹروں کی بدولت سیکڑوں ڈرامے لکھے گئے اور اُردو کی آواز گھر گھر پہنچ گئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب پچاس برس قبل میں بمبئی آیا اور ایک تھیٹر میں گیا تو عجیب نظارہ دیکھا۔ جوں ہی ایک ایکٹر نے اُردو غزل

Marfat.com

شروع کی نیچے درجے کے سارے تماشائیوں نے بے تکلف اس کے ساتھ گانا شروع کر دیا، گویا اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اُردو کی یہ مقبولیت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ پارسیوں نے صرف تھیٹروں کے ذریعے اُردو نہیں پھیلائی بعض ان میں اُردو کے اہلِ قلم بھی ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں ڈوسا بھائی سہراب جی نے ہندستانی انگریزی میں اُردو محاورات اور بول چال پر ایک کتاب لکھی۔ حال میں انجمن ترقّیٔ اُردو ہند نے دستور بہرام جی کا اُردو دیوان شایع کیا ہے۔ اگر تلاش کی جائے تو ایسے اور بہت سے پارسی اہلِ قلم نکلیں گے:۔

بمبئی میں اُردو کی تعلیم کی داستان بھی کچھ کم دل چسپ نہیں۔ ابتدا میں سرکار نے اُردو تعلیم کے بارے میں بہت بے توجہی کا برتاؤ کیا۔ گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی میں اس صوبے کے ڈائرکٹر تعلیمات مسٹر ای، آئی، ہاورڈ ایم۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا نے گورنمنٹ میں رپوٹ کی کہ یہاں کے مسلمان بمبئی کی مقامی زبان نہیں بلکہ اُردو بولتے ہیں اور اس لیے ان کے لیے خاص مدارس کی ضرورت ہے لیکن اس وقت گورنمنٹ نے اس پر کوئی توجہ نہ کی:۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں لارڈ میو کے زمانے میں حکومتِ بمبئی نے مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق اس مضمون کا ایک ریزولیشن جاری کیا کہ تمام مدارس اور کالجوں میں مسلمانوں کی زبان کی تعلیم کا منظّم طور پر انتظام کیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو کے چند مدرسے کھولے گئے۔ اس وقت کے عہدہ دارانِ تعلیم اس تجویز کے حق میں نہ تھے اور انھوں نے اس معاملے میں بہت کوتاہی کی۔ اس لیے اکثر مسلمان بچے بُرے بھلے خانگی مدرسوں میں پڑھتے

Marfat.com

رہے. چناں چہ مسٹر پیل ڈائرکٹر تعلیمات کی رپورٹ بابت ۱۸۷۱ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوبۂ بمبئی میں اُردُو کے مدرسے کل ہم دس تھے۔ مرہٹی مدارس میں صرف چار مقامات پر ہندُستانی زبان کی جماعتوں کا انتظام کیا گیا جن میں تقریباً سات سو طالب علم ہندُستانی پڑھتے تھے۔ پونا کے نارمل اسکول میں ہندُستانی زبان کی علاحدہ جماعت کھولی گئی جس میں گیارہ طالب علم شریک تھے۔ خاندیس میں ہندُستانی کی تعلیم کے لیے رمدرسے نہیں) اٹھارہ جماعتیں اور احمد آباد کے سارے ضلع میں صرف چار جماعتیں علاحدہ کھولی گئیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ باوجود ہدایت کے سرکاری عہدہ داروں نے اُردُو زبان کی تعلیم کے بارے میں سخت غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا:

۱۸۸۲ء میں مشہور انڈین ایجوکیشن کمیشن قائم ہُوا جس کے صدر سر ولیم ہنٹر تھے. آنریبل مسٹر بدرالدین طیّب جی، آنریبل خان بہادر قاضی شہاب الدّین، آنریبل مسٹر سپاتی نے اس کمیشن کے رُوبرُو شہادتیں دیں اور ان سب نے اپنی شہادتوں میں بالاتفاق یہ بیان کیا کہ صوبۂ بمبئی کے کثیر التعداد مسلمانوں کی مادری زبان اَردُو ہے. اور اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ مسلمان بچّوں کی تعلیم لازمی طور سے اُردُو کے ذریعے ہونی چاہیے. اور اُردُو اسکول کافی تعداد میں کھولے جائیں. اگرچہ حکومتِ بمبئی نے کمیشن کی بہت سی سفارشوں کو داخلِ دفتر کر دیا تھا تاہم کچھ اور اُردُو اسکول کھولے گئے اور ان کی نگرانی کے لیے دو مسلمان تعلیم یافتہ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرّر کیے گئے. بعد میں یہ دو عہدے موقوف کر کے صوبۂ بمبئی میں

Marfat.com

(بہ استثنائے سندھ) خاص مسلمانوں کی تعلیم کے لیے انیس اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر ہوئے یعنی ہر ضلع کے لیے ایک، جب منٹو مارلی اصلاحات کا زمانہ آیا اور مسلمانوں کو جداگانہ حق نیابت ملا تو ان کی کوشش سے ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر کا عہدہ اردو اسکولوں کے لیے پھر قائم کیا گیا اور متعدد اردو اسکول کھولے گئے۔ اس سے اردو زبان کی تعلیم کو بہت کچھ تقویت ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت بمبئی نے مسلمان ماہرانِ تعلیم کی ایک کمیٹی مسٹر شارپ ڈائرکٹر تعلیمات کی صدارت میں اس غرض سے قائم کی کہ وہ اس مسئلے پر غور کرکے رپوٹ پیش کرے کہ اس صوبے میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ کمیٹی نے اپنی رپوٹ ۱۹۱۴ء میں پیش کردی ۱۹۱۶ء میں کمیٹی کی تجاویز کی بنا پر احکام جاری ہوئے لیکن اصل تجویز جو ان تمام سفارشوں کی جان تھی حکومت نے منظور نہ کی وہ یہ تھی کہ اردو اسکولوں میں تمام مضامین کی تعلیم اردو کے ذریعے دینے کا تجربہ سارے صوبۂ بمبئی میں جاری کیا جائے۔ اس تجویز کے منظور نہ ہونے پر مسلمانوں نے بہت واویلا مچائی۔ اور مولوی رفیع الدین احمد صاحب نے بڑی قابلیت سے 'ٹائمز آف انڈیا' میں ایک سلسلۂ مضامین لکھا اور اعداد و واقعات کی رو سے یہ ثابت کیا کہ حکومت کو مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کا مطلق اندازہ نہیں انھوں نے بہ دلائل یہ ثابت کیا کہ یہاں کے مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے اور اس پر اصرار کیا کہ ان کی تعلیم اردو کے ذریعے سے ہونی چاہیے۔ مشہور جرنلسٹ مسٹر کے نٹ راجن نے

Marfat.com

اپنے اخبار "سوشل ریفارمر" میں مولوی رفیع الدین احمد کی پُرزور تائید کی اس احتجاج کا یہ نتیجہ ہوا کہ گورمنٹ نے مسلم ہمدردانِ تعلیم اور سرکاری عہدہ داران کی ایک کانفرنس کی اور لارڈ ولنگڈن نے اس کی صدارت فرمائی۔ اُردو کے مسئلے پر خوب گرماگرم بحث ہوئی۔ لارڈ ولنگڈن، مسٹر جی۔ ایس کرٹس، سر مہادیو چوبال، مولوی سر رفیع الدین احمد، سر ابراہیم رحمت اللہ اور مسٹر کوورنٹن ڈائرکٹر تعلیمات نے اس بحث میں حصہ لیا۔ مولوی سر رفیع الدین احمد اپنی پُرجوش وکالت اور پُرزور دلائل سے کانفرنس پر چھاگئے اور اس کی کامیابی کا سہرا انھیں کے سر رہا۔ اسی اثنا میں سر ابراہیم رحمت اللہ ممبر تعلیمات ہوگئے جن کے عہد میں اُردو کو نہ صرف پہلی سی اہمیت حاصل ہوگئی بلکہ ترقی بھی ہوئی۔ اس وقت سے اُردو کا قدم آگے ہی بڑھتا رہا۔ یہ بہت سرسری اور مختصر خاکا ہے اُردو کی تعلیمی تاریخ کا۔ اس ضمن میں تین بزرگوار خاص طور پر قابلِ ذکر اور لائق شکریہ ہیں، جسٹس بدر الدین طیب جی جو اُردو کے بہت بڑے حامی تھے، سر ابراہیم رحمت اللہ جنھوں نے باوجود اپنے منصب کی پابندیوں کے اس کام میں مدد دی، مگر سب سے بڑھ کر ہم مولوی سر رفیع الدین احمد کے شکرگزار ہیں جن کی مخلصانہ اور مردانہ کوششوں نے صوبہ بمبئی میں اُردو کی جڑوں کو مضبوط کردیا۔ موجودہ زمانے میں خان بہادر ہدایت اللہ خان صاحب باقر علی صاحب، خان بہادر پروفیسر عبدالقادر شیخ کی مساعی بھی ہمارے شکریے کی مستحق ہیں۔

اس ضمن میں شاید یہ ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں

Marfat.com

میں نے مارچ کا پورا مہینہ بمبئی کے ایک علاقے کے دَورے میں صرف کیا۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی صاحب میرے ہم سفر تھے۔ ہم نے سورت، راندیر، بھڑوچ، انکلیشور، ہنوٹ، احمد آباد، پونا، دھارواڑ، ہبلی، بلگام، شولاپور، دھولیا، مالی گانو کا دَورہ کیا اور تمام اُردو مدارس کا معائنہ کیا۔ اُردو مدارس اور اُردو تعلیم کے متعلق جو نقائص نظر آئے اور جو اصلاحیں ضروری معلوم ہوئیں ان کی رپوٹ مسٹر کھیر کی خدمت میں بھیجی جو اس وقت وزیر اعظم تھے۔ اس سے قبل سڈنہم کالج کے ان طلبہ نے جنھوں نے اُردو لے رکھی تھی مجھے لکھا کہ ان کے کالج میں اُردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں میں نے مسٹر کھیر کو لکھا اور اس کے بعد دو بار ملاقات کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سڈنہم کالج میں اُردو لکچرار کا تقرر ہوگیا اور بعدازاں الفنسٹن کالج کو بھی ایک لکچرار مل گیا۔

تعلیم کا ذکر آیا تو معاً ذہن آپ کے صوبے کی ایک نئی تعلیمی تجویز کی طرف منتقل ہوا۔ پونا میں مہاراشٹر یونی ورسٹی کا ڈول ڈالا جا رہا ہے۔ یہ کھچڑی بہت دنوں سے پک رہی تھی۔ حکومت نے اس پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے ماہرانِ تعلیم اور مُلک کے دُوسرے اہل الرائے سے رائیں طلب کیں شہادتیں لیں اور رپوٹ تیار کی۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ اس یونی ورسٹی کا ذریعۂ تعلیم مرہٹی ہو۔ اس میں ایک ایسی زبان کو نظر انداز کر دینے سے جو ملک کی عام زبان کی حیثیت رکھتی ہے، صرف اس علاقے کے اُردو داں طبقے یا زبان کا زیاں نہیں بلکہ سارے ہندستان کا

Marfat.com

زبان ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو اختلاف بڑھاتی اور بدگمانیاں پیدا کرتی ہیں۔ میں اس وقت اس پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا۔ اس بارے میں میں اپنی رائے بھیج چکا ہوں۔ نیز اس پر بہت کچھ احتجاج ہو چکا ہے اور نہایت مدلل طریقے سے اُردُو کی اہمیت کو پیش کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ جب وقت آئے گا تو اُردُو اپنے حق سے محروم نہ رہے گی۔ اور اُردُو کو وہی حق دیا جائے گا جو مرہٹی کے لیے تجویز کیا ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر اور موجودہ تعلیمی نظام کی بوقلمونی اور بے ترتیبی سے بے زار ہو کر میں نے حال میں اُردُو یونی ورسٹی کی ایک تجویز پیش کی تھی۔ انگریزی تعلیم کے اثرات ہمارے دل و دماغ پر بے طرح مسلط ہو گئے ہیں۔ ہمارے قوائے ذہنی، ہمارے خیالات کی روش، ہماری طرزِ فکر، ہمارے تخیلات اس تعلیم کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس سے باہر ہو کر نہ کچھ سوچ سکتے ہیں اور نہ کوئی نئی بات پیدا کر سکتے ہیں۔ جو اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں وہ بھی مجبور ہیں۔ ان کے گرد طلسم کا ایک حصار کھنچا ہوا ہے جس سے باہر نکلنا ان کے بس کی بات نہیں۔ بعض جو صاحبِ فکر ہیں اور جنھیں قدرت نے آزاد خیالی عطا کی ہے وہ مقدور بھر بہت کچھ پرواز کرتے ہیں لیکن ہر پھر کے وہیں آجاتے ہیں۔ اس میں ان پر کوئی دوش نہیں۔ وہ ڈھالے ہی ایسے گئے ہیں۔ ابتدا سے ہمیں تعلیم و تربیت اور ماحول ایسا ملا ہے کہ اس سے بچ نکلنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اُردُو یونی ورسٹی کا منشا اس میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ تعلیم و تربیت میں بھی اور ماحول

Marfat.com

میں بھی اس کی اہم اور مقدم شرط یہ ہے کہ تعلیم ہماری زبان میں ہو۔ یہ ایسی کھلی اور بدیہی بات ہے کہ اب اس پر بحث اور دلیل و حجّت کی حاجت نہیں۔ اگرچہ اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا، لیکن صرف ذریعۂ تعلیم کا بدلنا کافی نہیں۔ یہ مکھّی پہ مکھّی مارنا ہے نقل اور اصل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس عیب کو دُور کرنے کے لیے ہمیں طریقۂ تعلیم اور نصاب میں تبدیلی کرنی ہوگی تمام مضامین حتّٰی کہ انگریزی زبان کی تعلیم بھی اُردو ہی کے ذریعے دینی ہوگی۔ طالب علم کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنے ذوق کی تکمیل یہ درجۂ اتم کر سکے جدید خیالات اور علوم کے جذب کرنے کی اس ڈھنگ سے کوشش کی جائے گی کہ وہ اپنے ہو جائیں، غیر کے نہ رہیں۔ اصل مدعا جو طالب علموں اور اساتذہ کے پیشِ نظر ہوگا وہ یہ کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن، اپنے علم و ادب، اپنے فنونِ لطیفہ اور السنہ اور اپنی تاریخ کا نہایت عالمانہ اور محققانہ مطالعہ کریں اور اپنی تحقیق کے نتائج سے اہلِ ملک کو بہرہ ور کریں۔ یہ تمام افکار و خیالات ہماری تہذیب کے رنگ میں رنگے ہوں گے۔ طلبہ کی رہنمائی اور مدد کے لیے سچے عالم اور محقق، اعلیٰ درجے کا کتب خانہ اور شعبۂ تصنیف و تالیف مہیّا کرنا ہوگا۔ اس شعبے سے قدیم و جدید علوم و ادب پر عالمانہ اور تحقیقی کتابیں شایع ہوں گی۔ یہ شعبہ جس طرح ارکانِ یونی ورسٹی اور طلبہ کے لیے ہوگا اسی طرح ان اہلِ علم کا بھی خادم ہوگا جو اپنی ایسی علمی تحقیقات شائع کرانا چاہتے ہیں جو ہمارے اصول اور مقصد کے مطابق ہیں۔ ان کے لیے یونی ورسٹی میں تحقیقِ علم کی آسانیاں

Marfat.com

مہیا کی جائیں۔ ہمارا مقصد صرف امتحان پاس کرانا ہوگا اور نہ ہمیں یہ ہوس ہوگی کہ اس یونی ورسٹی میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ شریک ہوں اور نہ ہماری یہ خواہش ہے کہ اس میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔ ہماری رائے میں ہر یونی ورسٹی کو اپنے لیے کوئی خاص مضمون یا مضامین مختص کر لینے چاہییں۔ اس سے ایک تو مصارف کم ہوں گے، دوسرے مخصوص مضامین کی تعلیم و تکمیل کے لیے اعلا پیمانے پر سامان ہو سکے گا اور پروفیسر بھی اپنے فن کے ماہر مل سکیں گے اور وہاں سے جو طالب علم نکلیں گے وہ حقیقی معنوں میں طالب علم ہوں گے۔ ہر یونی ورسٹی میں ایک سے سب مضامین پڑھانا اسراف ہی نہیں فعلِ عبث ہے۔ اُردو یونی ورسٹی کا مقصد اُردو زبان کو ادبی اور علمی اعتبار سے کامل اور اعلا پائے کی بنانا ہے۔ اس کی بنیاد ہماری تہذیب پر ہوگی، باقی شعبے اس محور کے گرد گھومیں گے علمی و ادبی تحقیق کے ڈھنگ ہم بہت کچھ یورپ سے حاصل کریں مگر اس کی روح اپنی ہو۔ مختصر یہ کہ ہمیں اپنی زبان اور تہذیب کو جو نڈھال پڑی ہے چونچال بنانا ہے۔ یہ دلِ دردمند کی آرزو ہے، ایک خواب ہے۔ شاید حالات مساعدت نہ کریں اور یہ آرزو پوری نہ ہو جو اکثر ایسی آرزوؤں کا حشر ہوتا ہے۔ تو بھی ہم اصل مقصد کو انجمنِ ترقیٔ اُردو ہند کی وساطت سے عمل میں لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

ممکن ہے آپ اسے خبط سمجھیں۔ اگر خبط ہی سہی تو بھی اچھا خبط ہے، بُرا نہیں۔ اس لیے کہ منجملہ ان اسباب کے جو قومی ترقی کا

Marfat.com

موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اسی قدر اس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اسی قدر تہذیب و شائستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ علمائے فلسفہ و لسانیات نے اعتراف کیا ہے کہ زبان خیال اور خیال زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم زبان کی تاریخ کے مطالعے سے ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسے آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لیے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی، قومیت کی ترقی اور انسانیت کی ترقی ہے۔

ایک بات خوب یاد رکھیے کہ اپنی زبان کی خدمت میں کسی کام کو خواہ وہ کیسا ہی چھوٹا اور ادنا کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھیے گا۔ جو شخص اُردو زبان کی ابتدا اور تدریجی نشوونما سے واقف ہے وہ کبھی بھول کر بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ اگر اس وقت جب کہ یہ زبان حقیر، ادنا، عامیانہ اور سوقیانہ سمجھی جاتی تھی ہمارے بزرگ اس کی غور و پرداخت نہ کرتے تو ہمیں ایسی پاکیزہ، شیریں، لچک دار اور ہمہ گیر زبان کہاں نصیب ہوتی۔ خدمت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کیسا ہی ادنا اور حقیر کام کیوں نہ ہو آدمی اس کے کرنے میں نہ جھجکے۔ خدمت ہی ادنا کو اعلا اور حقیر کو عزیز بنا دیتی ہے۔ کچھ دن ہوئے ہمارے ایک فاضل پروفیسر نے اپنے فصیح و بلیغ خطبے میں اُردو شینہ

Marfat.com

مدرسوں، چندوں اور جلسوں کا ذکر کس قدر حقارت سے کیا اور فرمایا کہ ہمارا کام علمی تحقیق یعنی" ری سرچ " ہے۔ کاش ایسا ہی ہوتا۔ ری سرچ جو ان کا محبوب مشغلہ ہونا چاہیے تھا اس لیے نہیں کرتے کہ اس سے لگاؤ نہیں۔ چندوں، شبینہ مدرسوں اور جلسوں سے بے زار ہیں کہ ان کی شان کے خلاف ہیں۔ یہ ان پروفیسر صاحب کا قول ہے جن کی یونی ورسٹی چندے سے بنی۔ جہاں تنخواہیں چندے کی رقم سے دی جاتی ہیں۔ جہاں روزانہ چندے اور جلسے ہوتے رہتے ہیں یہ آسایش پسند حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُسے جانتے نہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی طنز و ظرافت، فصاحت و ذہانت سے اپنی بے علمی اور کاہلی پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ جب وہ کسی کو والہانہ جدوجہد کرتے اور حصولِ مقصد کے لیے مجاہدانہ کش مکش کرتے دیکھتے ہیں تو یہ فعل ان کی آسایش پسند طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ وہ اس پر فقرے کستے اور ہنسی اڑاتے ہیں اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی کوششوں کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں۔ غلط بیانیوں اور پروپیگنڈے سے کام لیتے ہیں اور اچھے بھلے کام کی تخریب کے لیے سازشوں کا جال بچھا دیتے ہیں۔ یہ باتیں ان کے مزاج کے بہت مناسب ہیں۔ یہ لوگ اپنے حال اور اپنے کام پر قانع ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ اس لیے جب کسی کو آگے نکلتا ہوا دیکھتے ہیں تو جھنجھلاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایسا فرقہ ہر ملک میں اور ہر عہد میں ہوا ہے خصوصاً زوال آمادہ اور زوال یافتہ قوموں میں یہ خوب چمکتا ہے۔ شبینہ مدرسہ قائم کرنا تو خیر بڑا کام ہے ایک

Marfat.com

ان پڑھ کو پڑھا دینا ان معمولی "رسی سرچوں" سے جیسی کچھ وہ ہوتی ہیں، کہیں زیادہ قابلِ قدر ہے۔ علم و فضل کا غرور بغیر عمل کے خالی ڈھول پیٹنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

اُردو کے مخالفوں نے ایک الزام اُردو پر اور لگایا ہے کہ یہ درباری زبان ہے یا مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی ہے۔ گاندھی جی نے یہ فرمایا تو معذور سمجھے جا سکتے ہیں کہ وہ اُردو زبان کی تاریخ سے ناواقف ہیں لیکن جب یہی باتیں بعض تعلیم یافتہ اور ادیبوں کی زبان اور قلم سے نکلتی ہیں تو افسوس اور تعجب ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے کبھی اسے منہ نہیں لگایا تھا بلکہ وہ ہندی اور سنسکرت کی سرپرستی کرتے رہے۔ چناں چہ ہندی اور سنسکرت کے شاعر مغلیہ حکومت میں خوب پھولے پھلے اور ان زبانوں کے اکثر نامور شاعر اسی عہد میں ہوئے۔ یہ بادشاہ فارسی کے دل دادہ رہے۔ آخر تک درباری اور سرکاری زبان فارسی رہی۔ شاہ عالم ثانی نے جب احاطۂ بنگال کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کی تو معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دفتروں اور عدالتوں کی زبان بہ دستور فارسی رہے گی۔ بہادر شاہ ظفر جو مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ تھے ان کا کاروبار بھی فارسی میں ہوتا۔ ان کا درباری اخبار "سراج الاخبار" بھی فارسی میں شائع ہوتا تھا۔ مرزا غالب سے اپنے خاندان کی تاریخ بھی انھوں نے فارسی میں لکھوائی اس زبان کو بادشاہوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ بیان سراسر غلط اور محض افترا ہے جو لوگوں کو اُردو سے بدگمان کرنے کے لیے تراشا گیا ہے۔

حضرات! یہ زبان عوام کی زبان تھی۔ وہ عوام میں پیدا ہوئی اور

Marfat.com

عوام کی گودوں میں پلی اور عوام سے خواص میں گئی۔ بازاروں اور گلی کوچوں سے محلوں میں پہنچی۔ فقیروں کے تکیوں اور غریبوں کے جھونپڑوں سے نکل کر انگریزی عہد میں درباروں، عدالتوں اور دفتروں میں رسائی حاصل کی۔ وہ بولی جسے اہلِ علم حقارت سے دیکھتے تھے اور جس میں لکھنا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے آج مسندِ ادب و انشا پر جلوہ فرما ہے۔ وہ سنسکرت عربی فارسی اور جدید ہندی کی طرح اوپر سے ہمارے سر پر نہیں تھوپی گئی بلکہ نیچے سے اوپر آئی ہے۔ اور اب اس لیے اسے عوام اور خواص سے یکساں تعلق ہے۔ اسی بنا پر ہمارا یہ دعوا ہے کہ اگر کوئی ہندستان کی مشترک اور عام زبان ہو سکتی ہے تو یہی غریب زبان ہے جو آج کل بعض حلقوں میں نادانی یا کم فہمی سے ہدفِ ملامت ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے ان تک عام طور پر پہنچانے کی کوشش کریں جن سے ہمیں یہ ملی تھی۔ یہ فرض ہے جس کی ادائی ایک شریف انسان کی طرح ہم پر واجب ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمیں اس دعوے سے دست بردار ہونا چاہیے کہ یہ ملک کی عام زبان ہے۔

میں ایک اور بات آپ کی خدمت میں صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم کسی زبان کے مخالف نہیں ہیں۔ ہر زبان کو دنیا میں بڑھنے اور ترقی کرنے کا حق ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی زبان کے رستے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں اس کا قائل ہوں کہ ملک میں کسی ایک زبان کا مشترک ہونا لازم ہے۔ ہندستان ایک رہے یا دو تین حصوں میں تقسیم ہو مشترک زبان کی ضرورت ہر حال میں باقی رہے گی تاکہ ایک دوسرے سے

Marfat.com

ملنے جلنے، بات چیت کرنے، کاروبار کرنے اور ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے میں آسانی ہو۔ اگر یہ نہ ہوا تو ذرا ذرا سی بات کے لیے ترجمان کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ ہم اپنے ہاتھوں ایک اور آفت مول لے لیں گے۔ ایسی زبان اگر ہو سکتی ہے وہ اُردو ہی جو ہماری مشترکہ وراثت ہے اور جس کے بنانے اور ترقی دینے میں ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، آریہ سماج، عیسائی، اینگلو انڈین اور یورپین سب شریک ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابیں اُردو میں موجود ہیں، سکھوں اور آریہ سماجوں کا مذہبی لٹریچر اُردو ہی کے ذریعے ملک میں پھیلا۔ یہاں تک کہ ان مذاہب نے اپنے مذہب کی تبلیغ اُردو کے ذریعے سے کی۔ ہمارا دعوا بے دلیل نہیں اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اُردو ہی اس ملک کی عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے تو ہم حق بہ جانب ہیں۔

جب پہلے پہل میں بمبئی آیا (جسے پچاس برس سے زیادہ ہوتے ہیں) اور یہاں کے گلی کوچوں بازاروں تھیٹروں میں پھرا تو میں نے دیکھا کہ اس غدار شہر میں ہر قوم، ہر مذہب، ہر تہذیب اور ہر خیال اور ہر زبان کے لوگ موجود ہیں اور بے تکلف ایک دوسرے کی بات چیت سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے وہ سماں پھر گیا جب دلی میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مختلف خیال و مذہب و مختلف زبان و تہذیب کے لوگ ایک جا جمع ہوئے ہوں گے۔ کاروبار کی ضرورت، میل جول کی فطری خواہش، بات چیت کے شوق نے اُبھارا ہوگا اور ایک دوسرے کی زبان کے لفظ سیکھے ہوں گے اور ان کو ملا جلا کر ایک نئی بولی کا ڈول

Marfat.com

ڈالا ہوگا۔ آپ نے پُرانی کہانی سُنی ہوگی، چڑا لایا دال کا دانہ، چڑیا لائی چاول کا دانہ اور دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی۔ اسی طرح ہندو مسلمانوں نے یہ کھچڑی پکائی اور یہ ایسی سوندھی اور لذیذ پکی کہ اس کی مہک سارے ہندستان میں پھیل گئی، اس وقت میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ زبان دلّی میں نہ بنی ہوتی تو شاید بمبئی میں بنتی۔ وہ موقع تو نکل گیا لیکن دُوسرا موقع آپ کے لیے باقی ہے دیکھیے اگر آپ چاہیں اور دل پہ رکھ لیں تو بمبئی کو اُردُو کا ایسا اچھا مرکز بنا سکتے ہیں جیسا لاہور یا حیدر آباد۔ اس لیے اے اہلِ بمبئی میں آپ سے بڑے خلوص اور عجز سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیے۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے اور یہ وقت اس کے لیے بہت سازگار ہے۔ آپ کے بزرگوں اور سرداروں نے بڑی جاں فشانی اور جد و جہد بلکہ لڑ بھڑ کر اُردُو کو یہاں قائم رکھا اور فروغ دیا۔ اور ابتدائی مشکلات کو دُور کر کے آپ کے لیے رستہ صاف کیا۔ پہلی سی دشواریاں اب نہیں رہی ہیں۔ زمانے کا رنگ بدل چکا ہے اب صرف توجہ اور عمل کی اور خاص کر تنظیم کی ضرورت ہے ـــ اور تنظیم کا گُر جیسا اہلِ بمبئی سمجھتے ہیں ہندُستان میں دُوسرا کوئی شہر نہیں سمجھتا۔

اے صاحبو! میں آپ کا سچّے دل سے شُکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی عنایت سے مجھے ایسے کام میں شرکت کی دعوت دی جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے ـــ آج ہم یہاں اُردُو کے شوق اور ترقّی کو دیکھ کر خوش ہیں لیکن وہ دن دُور نہیں جب ہم بمبئی کو اُردُو کا حقیقی مرکز دیکھ کر کہیں زیادہ خوش ہوں گے اور ہندستان کے ہر کونے سے یہ آواز آئے گی۔ ع

"خوشا بمبئی تجھ پہ اُردُو کا سایا"

خدا آپ کو اس کی توفیق دے ـــ اور آپ کی ہمت میں برکت۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت
پنجاب یونی ورسٹی اُردو کانفرنس لاہور

(۲۶ ر ۲۷ ر مارچ سنہ ۱۹۴۸ء)

جناب سر شیخ عبدالقادر، وائس چانسلر صاحب، حضرات و خواتین، اقلیمِ پاکستان میں یہ پہلی اُردو کانفرنس ہے۔ پنجاب یونی ورسٹی جس کی سرپرستی میں اس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اور اس کے کارپرداز اور خصوصاً وائس چانسلر ڈاکٹر عمر حیات ملک صاحب قابلِ مبارک باد ہیں کہ انکی بدولت یہ سعادت پنجاب کو حاصل ہوئی ہے۔ میں تہ دل سے ان صاحبوں کا شکرگزار ہوں کہ اس سعادت میں شرکت کی دعوت دے کر میری عزت افزائی فرمائی ہے۔

قدرت نے برّاعظم پاک ہند کا سرملک پنجاب کو بنایا ہے۔ وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کے آثار اسی زمین کی تہوں میں مدفون ہیں۔ قدامت کے غبار میں انسانوں کے غول کے غول کابل و قندھار سے آتے اور ہند کی ماقبل تاریخ تمدّن کی بستیاں یہیں بساتے ہیں۔ یہ آریہ نسل کے لوگ تھے جن کی تہذیب اور مذہب و معاشرت کی تشکیل پنجاب میں ہوئی۔ رگ وید کے توحیدی نغمے اصل الفاظ اور خاص لہجے میں یہیں گائے گئے۔ قدیم ترین دینی روایات سے ان کی خوخصلت کا جو نقشہ تصوّر میں کھنچتا ہے وہ سرحدی افاغنہ سے مشابہت رکھتا ہے

Marfat.com

اور بہ قول ایک مورخ کے یہ ہندی آریہ پنجاب میں ہندو نہیں بنے تھے بلکہ یہ تغیر مدت بعد برہمنی دور اور برہم ورت یعنی ستلج پار وادی جمنا کے علاقے میں واقع ہوا ؂

قومی تہذیب کی عمارت زبان کی بنیادوں پر چُنی جاتی ہے۔ نوآباد آریوں کی بولی کو یہ مرتبہ پنجاب ہی میں حاصل ہوا۔ پانینی نے سنسکرت کی سب سے پہلی صرف و نحو یہیں مرتب کی ؂

اسی کے قریب (یعنی پانچویں صدی قبلِ مسیح) میں داریوش اوّل (اسفندار) نے ملکِ پنجاب کو سلطنتِ ایران میں شامل کیا۔ اس فتح کی علمی یادگار خارشتی تحریر تھی جس سے دیوناگری نے جنم لیا۔ اسی ایرانی تعلق سے یونانی فاتح سکندر اعظم نے پنجاب پر فوج کشی کی۔ اور بعد میں پہلے نیم یونانی اور پھر خالص تاتاری قومیں ہجوم در ہجوم ہندستان میں داخل ہوئیں۔ یعنی یوچی، گورجر، جاٹ اور آخر میں گورے ہنوں کا سیلاب آیا۔ ان میں یوچی قوم کا کُشان خاندان مشہور ہے جس نے پہلی صدی عیسوی میں پشاور کو تخت گاہ بنایا۔ اور ہندستان کا سال واہن سمت اپنی یادگار چھوڑی ؂

ان یورشوں کے صدیوں بعد باقاعدہ فوج کی پہلی آمد بھی تاتاری نسل والوں کی، اسی علاقے میں ہوئی اور سلاطینِ غزنی نے اسے اپنی سلطنت کا جُز بنالیا۔ لاہور کو انھیں بادشاہوں نے رونق دی۔ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلسِ ارشاد اور فارسی ادیبوں نے بزمِ سخن یہاں آراستہ کی۔ مسعود سعد سلمان کا دیوان معدوم و موہوم سہی لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ہندی بولیوں سے فارسی آمیزش کی ابتدا پنجاب

Marfat.com

میں ہوئی اور یہیں اس مخلوط "ہند اسلامی" تہذیب کا قالب تیار ہوا جس میں انگریزوں کے استیلا سے پہلے سارے ہندستان کی زندگی ڈھلتی رہی ؛

تین صدی بعد وسطِ ایشیا سے مغلوں کی جو آندھی چلی اُس کے جھکّڑوں نے لاہور کو بھی برباد کر دیا تھا۔ لیکن تیموری سلاطین کے عہد میں اُسے حیات تازہ حاصل ہوئی جہاں گیر اور اس کی محبوب ملکہ کے مقبرے، عمارتیں، باغ آج بھی لاہور کے بادشاہی شہر ہونے کے گواہ ہیں۔ بہادر شاہ اوّل کی وفات پر مغلیہ تخت نشینی کے معرکے اِنھیں گلی کوچوں میں لڑے گئے۔ وہ ضعیف ہوئے تو یہ ملک ابدالیوں نے دبا لیا۔ اور آگے چل کر انہیں کے بادشاہ زمان شاہ نے لاہور کی گدی رنجیت سنگھ کو تفویض کی۔ اُس کی آنکھ بند ہوئی تو انگریز آدھمکے۔ اُن کے صد سالہ تسلّط اور خون کی تازہ ندیاں بہنے کے بعد اب تین چوتھائی پنجاب پھر پاک ہوا ہے۔ خدا اسے چمکائے اور ہر جملہ آفتوں سے بچائے ؛

یہ سرزمین قدیم سے معرکہ خیز اور انقلاب انگیز رہی ہے۔ وہ انقلاب بادشاہوں اور کشور کشاؤں کے انقلاب تھے۔ یہ تازہ انقلاب جس سے آپ کو آزاد مملکت حاصل ہوئی ہے قومی انقلاب ہے۔ یہ پہلا وقت ہے کہ قوم نے اپنے عزم واستقلال اور ایثار کے بل پر غیروں کے پنجے سے خلاصی حاصل کر کے نئی زندگی اور آزادی حاصل کی ہے اور قومی حکومت کی بنیاد ڈالی ہے۔ اب زندگی اپنی زندگی ہوگی اور حکومت اپنی حکومت۔ اب تک ہماری زندگی اپنی نہیں تھی۔ محض نقالی تھی۔ دوسروں کے

Marfat.com

رحم و کرم پر تھی۔ اپنے ہونے کا اطلاق اس پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہماری اپنی تہذیب اور روایات میں رنگی ہوئی نہ ہو۔ ہمیں یہ تہذیب اور روایات اس لیے عزیز ہیں کہ ان میں قومیت کی بُو باس ہے۔ ہمیں ان کی قدر اس لیے بھی ہے کہ ان میں قومی ترقی کی بڑی گنجائش اور زندگی کی تکمیل کے لیے بہت بڑی وسعت ہے۔ اگر ہماری زندگی اس رنگ سے محروم ہے تو وہ مستعار، مصنوعی، بے رنگ اور بے معنی ہے۔ قومیت کے لیے یک رنگی کی، یک رنگی کے لیے ہم خیالی کی اور ہم خیالی کے لیے ہم لسانی کی ضرورت ہے۔ جہاں زبان ایک نہیں وہاں خیال کا رنگ ایک نہیں۔ جہاں خیال ایک نہیں وہاں دل بھی ایک نہیں۔ یہ دلوں کو جوڑتی اور بیگانوں کو یگانہ بنا دیتی ہے۔ اُردو نے بہ درجۂ کمال یہی خدمت انجام دی ہے۔ اور یہ اُس کی بڑی کرامات ہے۔

اُردو پنجاب کے لیے کوئی نئی زبان نہیں۔ پنجاب سے اُردو کا تعلق قدیم سے ہے۔ اور یہ آج سے نہیں صدیوں سے یہاں رائج ہے۔ اور اگر پنجاب میں اُردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر عہد میں یہاں اُردو کے ادیب اور شاعر ہوئے ہیں اور اُردو لکھنے پڑھنے کا شوق یہاں ہمیشہ سے رہا ہے۔ آپ کے شاعر مراد (متوفی سنہ ۱۲۱۵ھ) اُن پہلے چند حضرات میں سے ہیں جنھوں نے اُردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔ اُردو نے اگر یہاں جنم نہیں لیا تو بھی اس کا بیج یہیں پڑا ہے۔ یہ صدیوں پہلے سے اسی طرح پنجاب کی تہذیبی زبان رہی ہے جیسی آج کل ہے۔

سنہ ۱۸۴۰ء سے جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں انگریزی

Marfat.com

اثر اور تسلط پنجاب میں ہوا تو اُردو یہاں کی سرکاری زبان ہوگئی۔ اور تھوڑے ہی عرصے بعد یہاں کی تعلیمی زبان قرار پائی۔ سر جان لارنس جنھیں برٹش قوم نے محافظِ ہند کا خطاب عطا کیا تھا، پنجاب کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ اس نام ور مدبر نے اپنی خداداد فراست اور وسیع تجربے سے بہ خوبی سمجھ لیا تھا کہ برٹش انڈیا ایک وسیع ملک ہے اور اس کی وسعت روز افزوں ترقی کرے گی۔ یہاں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں حکومت کے انتظام میں بڑی دشواری پڑے گی اور ملک کبھی علمی ترقی نہ کر سکے گا۔ جب حکومت ایک ہے تو ہندستان بھر میں ایک ہی زبان رائج ہونی چاہیے۔ اور ہندستان میں جتنی زبانیں رائج ہیں ان میں سب سے زیادہ مقبولِ عام ہونے اور تمام ہندستان کی مشترکہ اور علمی زبان بننے کی صلاحیت صرف اُردو زبان میں ہے۔ چناں چہ انھوں نے اپنی ابتدائی رپورٹ پنجاب میں تحریر فرمایا:-

"فی الحال جو بڑا مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم اُردو میں دی جائے اور سب سے پہلا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ہمارے علوم کے آسان اور ابتدائی اصول انھیں کی زبان میں سکھائے جائیں۔ اس زمانے میں جب کہ ترجموں کا عام چرچا ہے یہ کام ہونا ممکن ہے۔ صوبہ پنجاب کے لیے ورنیکلر کتابوں کا ذخیرہ قائم کرنے میں حتی الامکان کوشش کی جائے گی۔ جو زبان کہ عام طور پر استعمال کی جائے گی وہ اُردو زبان ہے۔ اس زبان کا استعمال تمام قوموں میں عجلت کے ساتھ پھیلتا جاتا ہے اور یہ زبان لنگوا فرینکا ہے۔"

سر جان لارنس خود بھی اُردو اچھی جانتے تھے۔ چناں چہ جب وہ

Marfat.com

وائسرائے کے اعلا عہدے پر فائز ہوئے تو اس تقریب میں ایک بڑا شاندار دربار آگرہ میں ہُوا۔ اس میں انھوں نے تمام حاضرین کے رُو بہ رُو اُردُو زبان میں تقریر کی۔

اسی زمانے میں سر رابرٹ منٹگمری جوڈیشنل کمشنر نے تمام کمشنروں اور بعض قابل ڈپٹی کمشنروں سے رائے طلب کی کہ پنجاب میں متعدد بولیاں مروّج ہیں ان میں سے کون سی زبان اور کس رسم الخط کو عدالتوں میں رواج دیا جائے۔ سب نے اُردُو زبان اور فارسی رسمِ خط رائج کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ سب تجربہ کار اور بے لاگ افسر تھے۔ ان کی رائے تھی کہ پنجابی زبان کو گورمکھی حروف میں رائج کرنا بڑی دُشواریوں کا موجب ہوگا اور ایک پولیٹیکل غلطی ہوگی۔ اور خصوصاً سررشتۂ تعلیم کی حالت بالکل ابتر ہو جائے گی۔ ان عہدہ داروں نے اپنے تجربے کی بنا پر یہ بیان کیا کہ اُردُو زبان تمام صُوبے میں سمجھی جاتی ہے۔ ایک ڈپٹی کمشنر نے لکھا کہ یہ زبان جدید نسل کے تعلیم یافتہ اشخاص کی "ورنیکلر" ہوتی جاتی ہے۔ ملتان کے کمشنر نے بیان کیا کہ اُردُو کو حکماً کچہری کی زبان بنا لیا گیا ہے۔ نتیجے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تجویز نہایت عمدہ تھی۔ اُردُو کچہریوں کی زبان ہے اور تمام کاروبار میں یہی زبان استعمال ہونے لگی ہے۔ ڈیرہ جات کے کمشنر نے لکھا کہ پنجابی سرکاری دفاتر کے قابل نہیں۔ اُردُو ایک اعلا درجے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ جو ترقّی اس نے کی ہے اس میں خلل انداز ہونا نہ چاہیے۔" کرنیل ٹیلر کمشنر پشاور نے اپنی رائے میں لکھا کہ "قسمت پشاور کے ہر سہ اضلاع میں کچہریوں کی زبان اُردُو ہونی چاہیے۔ اس زبان نے ضلع کوہاٹ اور پشاور میں بہت ترقی کی ہے اور اس کی ایک

Marfat.com

آسان بولی ہزارہ میں بولی جاتی ہے پشتو کچہریوں کے قابل نہیں۔ بہت کم آدمی ہیں جو پشتو لکھ سکتے ہیں۔ اگر اس غرض سے لوگوں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اُردُو زیادہ پھیلنے سے رہ جائے گی اور تہذیب اور درستیٔ اخلاق بند ہو جائے گی"۔ غرض سب نے اُردُو کے حق میں رائے دی اور اس زبان کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

انھیں ایام میں انگریزی تعلیم، جدید خیالات اور نئی نئی آزادی نے ہندوؤں میں قومی احیا کی تحریک پیدا کی جس کا مقصد ماضی کی شان دار قومیت کا خواب اور ویدک مذہب، ویدک کلچر اور سنسکرت زبان کا فروغ تھا۔ اس تحریک کی بنیاد ماضی کے فخر اور قومی برتری پر تھی۔ یہ آندھی بنگال سے اُٹھی اور وہاں سے بہار اور یو۔ پی میں پہنچی۔ قومیت اور زبان لازم وملزوم ہیں۔ بہار اور یو۔ پی میں سرکاری زبان اُردُو تھی۔ نئی قومیت کے مدعی کسی ایسی زبان کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ جس میں کچھ بدیسی عنصر بھی ہو۔ حال آں کہ اُردُو ٹھیٹ ہندستانی زبان ہے اور اس روشن عہد اور ناقابلِ فراموش تمدن کی یادگار ہے۔ جو ہندو مسلم اتحاد سے وجود میں آیا۔ اور جس نے اس مُلک کو ایسی شستہ، من موہنی، صالح اور ہمہ گیر زبان عطا کی جس کی کمی صدہا سال سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی مخالفت صریح کفران نعمت تھا۔ تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور وہ پرائی بدشگونی کے لیے اپنی ناک کاٹنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ غرض سنہ ۱۸۶۷ء میں اُردُو کی مخالفت میں الہ آباد، بنارس وغیرہ مقامات میں انجمنیں اور سبھائیں قائم ہوئیں۔ اخباروں میں پراپیگنڈا کیا گیا۔ تحریری تقریری مباحثے ہوئے۔ سرکار میں اُردُو کو مدارس

Marfat.com

دفاتر اور عدالتوں سے خارج کرنے اور اس کی بجائے ہندی رائج کرنے کی درخواستیں اور یادداشتیں بھیجی گئیں۔ سرسید احمد خاں نے اس جھگڑے کو روکنے کی کوشش کی اور آخر دم تک اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس آندھی کا گرد و غبار پنجاب میں بھی پہنچا، سنگھ سبھا لاہور نے ایک عرض داشت پنجاب کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچیسن کی خدمت میں پیش کی جس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ سرکاری مدارس میں پنجابی زبان کی تعلیم رائج کی جائے۔ سر چارلس ایچیسن نے اس عرض داشت کا بہت معقول جواب دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ "اس صوبے میں جہاں مختلف قومیں آباد ہیں اور بہت سی بولیاں مروج ہیں۔ طریقۂ تعلیم کو ایسا بنانا ناممکن ہی کہ تمام قوموں کے لوگ اپنی اپنی بولیاں سیکھ سکیں۔ عام تعلیم ضرور اُردو میں ہونی چاہیے۔ یہ میری خوش نصیبی ہی کہ صوبۂ پنجاب میں اس زبان کو صفائی کے ساتھ استعمال کرنا بہت آسان ہی ــــــ سکھوں کو اُردو کی تعلیم سے مستثنیٰ کرنا اُن کے حق میں مُضر ہوگا۔ یہ لوگ ایک عمدہ، وسیع اور ہر روزہ ترقی پذیر لٹریچر سے محروم رہ جائیں گے اور دُنیاوی کاروبار میں اپنے ہم وطنوں کے مقابلے میں نقصان اُٹھائیں گے۔ صاحبو! مجھے اندیشہ معلوم ہوتا ہی کہ اگر میں تمھاری اس درخواست کو منظور کرلوں میں یقینی نہیں بلکہ ایک مشتبہ اور مشکوک فائدہ تم کو پہنچاؤں گا۔ اور آیندہ نسل کے لوگ یہ افسوس کریں گے کہ میں نے یہ درخواست کیوں منظور کی" ؛

آپ کے صوبے میں تو الحمدللہ اب یہ اختلاف نہیں رہا لیکن پاکستان کے بعض علاقوں میں ابھی تک اس پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں

Marfat.com

اور زبان کے معاملے میں وہ ابھی تک ڈانواں ڈول ہیں۔ مقامی یا مادری زبان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے اور ہونی چاہیے لیکن اس کے علاوہ ایک اور زبان بھی ہے جس کا درجہ مادری یا مقامی زبان سے بڑھ کر ہے اور وہ قومی زبان ہے۔ مقامی بولی ایک خاص رقبے میں محدود ہوتی ہے اس لیے اُس کا اثر بھی محدود ہوتا ہے۔ قومی زبان کی حدود زیادہ وسیع ہوتی ہیں اس لیے اس کا حلقۂ اثر بھی وسیع ہوتا ہے۔ مقامی بولی صرف ایک مقام کی ہے۔ قومی زبان ساری قوم کی ہے۔ قومی زبان کے ذریعے قوم کا ہر فرد اپنی آواز ساری قوم تک پہنچا سکتا ہے۔ مقامی بولی میں یہ قوت اور دم کہاں۔ قومی زبان پوری قوم کے خصائص اور اس کی روایات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مقامی بولی صرف ایک جزُ کی نمایندگی کرتی ہے اور بس۔ قومی زبان قوم کے شیرازے کو مضبوط کرتی اور اُسے منتشر ہونے سے بچاتی ہے اور قومیت کے ولولے کو زندہ اور تازہ رکھتی ہے۔ اگر اس مسئلے کو گہری نظر سے دیکھا جائے اور اس کی تہ تک پہنچا جائے تو معلوم ہوگا کہ قومیت اور زبان ایک ہیں، جُدا جُدا نہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ اس آزاد مملکت کے بعض علاقے اس معاملے میں متذبذب ہیں یا حیل حجت کرتے ہیں وہ قومی زبان کی قوت سے واقف نہیں۔ ان کی حالت کنویں کے مینڈک کی سی ہے۔ انھوں نے سمندر دیکھا ہی نہیں۔ وہ معذور ہیں۔ جس دن دیکھ لیں گے، تو کنواں اگرچہ مفید اور عزیز ہے، ان کی نظروں سے گر جائے گا۔ ایک موٹی سی مثال عرض کرتا ہوں۔ اگر علامہ اقبال اپنی مقامی زبان میں شعر کہتے تو کیا ان کو یہ عام مقبولیت حاصل ہو سکتی تھی؟

Marfat.com

کیا وہ اپنی قوم میں ایسی زبردست تحریک پیدا کر سکتے تھے؟ یہ نعمت اور سعادت ہمیں قومی زبان ہی کی بدولت حاصل ہوئی۔ مَیں ان صاحبوں سے جواب تک قومی زبان کی برکت اور قوت کے قائل نہیں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں۔ کیا گاندھی جی کی زبان ہندی تھی؟ کیا سردار پٹیل ہندی زبان بولتے ہیں؟ کیا مسٹر کھیر وزیر اعظم صوبۂ بمبئی کے وطن میں ہندی زبان بولی جاتی ہے؟ کیا سری گوپال اچاریہ گورنر بنگال کی مادری زبان ہندی ہے؟ یہ نہیں تو پھر یہ کیوں ہندی کے اس قدر دل دادہ و شیدائی و حامی و سرپرست ہیں۔ خصوصاً جب کہ ان صاحبوں کی مقامی زبانیں اس جدید ہندی سے ہر اعتبار سے برتر اور افضل ہیں؟ —— اس لئے کہ وہ قومی زبان کی حقیقت اور قوت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زبان قومیت کی جان ہے۔

حال ہی میں کراچی میں ایک صاحب نے جن کے دل میں اپنے وطن کی محبت ہے مجھ سے فرمایا کہ اگر اُردو ہمارے صوبے میں مروّج ہوگئی تو اس سے ہماری زبان کو نقصان پہنچے گا۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ خیال صحیح نہیں بلکہ اس سے آپ کی زبان کو فائدہ پہنچے گا۔ اُردو نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اس میں مذہب، تاریخ، ادب اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کی جو بہتات ہے، وہ ہماری کسی صوبائی زبان میں نہیں۔ یہ سارا علمی اور ادبی ذخیرہ بنا بنایا آپ کی ملک ہو جائے گا۔ اور آپ آسانی سے اپنی زبان میں منتقل کر سکیں گے۔ ویسے آپ کی زبان کو اس درجے تک پہنچنے میں سالہا سال درکار ہوں گے اور

Marfat.com

پھر بھی شبہ ہے کہ اُس درجے تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ اس کے علاوہ اُردو زبان میں جو حُسنِ بیان اور ادائے مطلب کے نئے نئے اسلوب ہیں وہ سب آپ کی زبان میں آجائیں گے۔ قطع نظر اس کے، مانا کہ آپ کی زبان ترقی کرکے اُردو اور دوسری مقامی بولیوں سے آگے نکل جائے تو بھی وہ صوبائی کی صوبائی ہی رہے گی آگے نہیں جاسکتی ہمیں ضرورت ہے بین صوبائی اور بین اقوامی زبان کی۔ یہ حق صرف اُردو کو پہنچتا ہے۔ ایک اور بات ہے جو خاص طور پر قابلِ التفات ہے وہ یہ کہ جہاں جہاں جس حد اور جس درجے تک اُردو مروّج ہے وہاں مسلمانوں میں اسی حد اور درجے تک شائستگی، روشن خیالی اور قومی شعور پایا جاتا ہے۔ جہاں اُردو کا رواج کم ہے یا نہیں ہے، وہاں اُسی حد اور درجے تک شائستگی، روشن خیالی اور قومی جذبہ مفقود ہے۔ یہ زبان ہماری قوم کا آلۂ ترقی پیما ہے۔ تھرما میٹر کی طرح اسے لگا کر آپ فوراً معلوم کرسکتے ہیں کہ کون سا علاقہ تہذیب و ترقی میں کس درجے پر ہے۔

لاہور کے بعض ایسے صاحبوں نے جو ان معاملات میں صاحب رائے ہیں یہ فرمایا کہ زبان جب تک بول چال میں نہ آئے یا جب تک بول چال کی زبان لوگوں میں رائج نہ ہو، اس وقت تک زبان کسی مُلک میں صحیح طور سے رواج نہیں پاسکتی۔ کتابی، اخباری یا دفتری زبان کتابوں، اخباروں، دفتروں میں رہ جائے گی ملک کی زبان نہ ہونے پائے گی۔ وہ لوچ اور لطافت، وہ وسعت و روانی اور وہ خاص خاص لفظ جو بول چال کی زبان میں پائے جاتے ہیں، اخباری اور دفتری

Marfat.com

زبان میں کہاں۔ یہی بات میرے ایک دوست نے مجھ سے دلّی میں کہی کہ اُردو یو۔پی سے یک قلم نکال دی گئی جو اس کا جنم بھوم ہے۔ یہی حشر اس کا ہندستان کے دوسرے صوبوں میں ہوا جہاں یہ مروج تھی۔ اب رہا پاکستان تو وہاں یہ کسی علاقے کی بھی زبان نہیں، اس لیے ان علاقوں میں اس کا پنپنا محال ہے۔ میں نے کہا اس میں شک نہیں کہ اُردو پاکستان کے علاقوں میں بول چال کی زبان نہیں، لیکن یہ علاقے اس سے بیگانے بھی نہیں۔ اس زمانے میں پنجاب نے جو اُردو کی خدمت کی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا حد درجہ ناشکری ہوگی۔ حق یہ ہے کہ اس نے اُردو کوشی اور اُردو نوازی کا وہ کام کیا ہے جو برِ اعظم پاک ہند کا کوئی صوبہ نہ کرسکا۔ جس کثرت سے اُردو کے اخبار اور رسالے یہاں سے نکلتے ہیں کہیں اور سے نہیں نکلتے۔ اور کمیت ہی میں نہیں کیفیت میں بھی دوسرے سب اخباروں پر سبقت لے گئے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر، مولوی ظفر علی خاں، مہر، میاں بشیر، حمید نظامی جیسے اخبار نویس اور کہاں ہیں۔ 'نوائے وقت' کے بعض مضامین پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ قطع نظر معلومات کے ان کی زبان و بیان کی روانی اور قوت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اُردو زبان ان کی نہیں ہے۔ یہ تو اس وقت کی باتیں ہیں۔ اس سے بہت پہلے بھی پنجاب کے اُردو اخبار 'کوہِ نور'، 'پنجابی اخبار'، 'اخبارِ عام' اور ان کے بعد 'رفیقِ ہند'، 'وکیل'، 'وطن'، 'پیسہ اخبار' وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے زمانے میں بہت مقبول اور با اثر رہے ہیں۔ اس وقت یہاں بہت سے نئے ادیب اور شاعر اور انشا پرداز ایسے ہیں کہ جن کے

Marfat.com

کلام اور افکار کو پڑھ کر مسرت ہوتی ہے۔ ان میں جدّت اور تازگی ہے۔ یہ ہونہار نوجوان آئندہ اُردو ادب میں نام پیدا کریں گے۔ علاوہ عام ادبی رسالوں کے مثلاً 'ہمایوں'، 'ادبی دُنیا'، وغیرہ جو یادش بخیر مرحوم 'مخزن' کی ذرّیات ہیں، علمی رسالوں کی طرف بھی توجّہ ہو رہی ہے۔ ابھی حال میں رسالہ 'نفسیات'، اور نفسیات پر چند کتابیں میری نظر سے گزریں جو بعض نوجوانوں نے لاہور سے شائع کی ہیں۔ ان میں علمی مطالب مناسب سادہ اور صاف زبان میں ادا کئے ہیں۔ "اُردو بولو" کی تحریک کچھ عرصے سے پنجاب کے شہروں میں مقبول ہوتی جارہی ہے۔ یہ مبارک تحریک ہماری قومی زبان کے حق میں بڑا کام کرے گی۔ آپ میں مولوی محمدّ شفیع، پروفیسر ڈاکٹر اقبال اور ان کے شاگرد اور اب استاد ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے اہلِ تحقیق اور مولوی ظفر علی خاں، پطرس، احمد شجاع، تاج، سالک، عابد علی وغیرہم جیسے ادیب بھی موجود ہیں۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ہم کیسے کہیں کہ اُردو پنجاب کی زبان نہیں۔ زبان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے نہ اس کی کوئی ذات اور قوم ہوتی ہے اور نہ کوئی وطن ہوتا ہے۔ جو کوئی اس کی تحصیل میں محنت کرتا ہے، اسے بولتا ہے اور صحت اور فصاحت سے لکھتا ہے اسی کی زبان ہے اور وہی زبان دان اور اہلِ زبان ہے۔ وہ پودا جسے مولوی محمدّ حسین آزاد، مولانا حالی، ماسٹر پیارے لال، ارشد گورگانی وغیرہ بزرگوں نے سینچا تھا آج آپ کی کوششوں سے تناور درخت ہوتا نظر آتا ہے۔ اس پر بھی کہنے والے کا یہ کہنا کہ اہلِ پنجاب کی اصل

Marfat.com

زبان اُردو نہیں، غلط نہیں ہے۔ لیکن میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کیا عربوں کی آمد سے قبل اہلِ مصر کی زبان عربی تھی۔ کیا عراق و شام اور مراکش اور شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں کے باشندے عربی بولتے تھے؟ لیکن آج ان تمام ممالک کے باشندوں کی مادری زبان عربی ہے۔ اسی طرح ایک دن آنے والا ہے جب اہلِ پنجاب کی زبان اُردو ہوگی، اور یہ ہو کے رہے گا۔ مجھے اور آپ میں سے بہت سوں کو یہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ لیکن میرے اس قول کی تصدیق آپ کی آئندہ نسلیں اپنے عمل سے کریں گی ؛

ترقی کی یہ رو جو اس وقت ہم پنجاب میں دیکھتے ہیں اس کے سرچشمے کا سُراغ اگر تلاش کیا جائے تو "انجمنِ پنجاب" میں ملے گا۔ جو سنہ ۱۸۶۵ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد علومِ مشرقی کی تعلیم کا از سرِ نو جاری کرنا، اور دیسی زبانوں کے ذریعے سے مُلک میں علومِ مفیدہ کی اشاعت تھا۔ اس نے مشرقی علوم والسنہ کی تعلیم و ترویج کے لئے نہایت قابلِ قدر کوشش کی۔ سب سے اوّل اس نے مدرسۂ علومِ مشرقی قائم کیا اور اس کی مسلسل سعی کی بدولت پنجاب کو یونی ورسٹی کالج ملا۔ علومِ مشرقی کا مدرسہ کالج ہوگیا۔ اس کالج نے مشرقی زبانوں کے مروّج اور مقبول کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔ اس سے صرف پنجاب ہی کے نہیں بلکہ دوسرے علاقوں کے لوگ بھی فیض یاب ہوئے۔ جن اہلِ علم کا یونی ورسٹی اورنٹیل کالج سے تعلیمی یا تدریسی تعلق رہا ہے ان میں بعض ایسے نامور فاضل گزرے ہیں جو اپنے علم و فضل اور علمی کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ عزّت کے ساتھ یاد کیے جائیں گے۔ ان میں مولوی محمد حسین آزاد، مولانا

Marfat.com

فیض الحسن، سر محمد اقبال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں. کالج کے پرنسپلوں میں ڈاکٹر لائٹنز، سر آرل سٹائن، میکڈانلڈ، سر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ مسٹر وُلز، مولوی محمد شفیع، لکشمن سروپ جیسے صاحب علم وفضل ہیں۔ اور اب ان کے جانشین پروفیسر ڈاکٹر اقبال اس مسند پر فائز ہیں۔ کالج کے تعلیم یافتہ سابق طلبہ میں بھی ایسے اصحاب کی ایک خاصی جماعت ہی جو علمی و ادبی دُنیا میں خاص شہرت رکھتے ہیں. مثلاً مولوی وحیدالدین سلیم، مولوی سید ممتاز علی، پیرزادہ محمد حسین، مولوی مقبول احمد ہمدانی خلیفہ محمد حسن. مولوی محبوب عالم. مولوی انشاءاللہ خاں. مولوی محرم علیؒ پروفیسر محمود خاں شیرانی، اختر شیرانی، محمد دین فوق، سعید احمد اکبرآبادیؒ ڈاکٹر زبید احمد، مولانا عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر زبیر، مولوی خلیل الرحمٰنؒ خان بہادر مولوی محمد شفیع، پروفیسر اقبال، مہیش پرشاد۔ ان صاحبوں نے علوم والسنۂ مشرقی کے ساتھ ساتھ اُردُو زبان کی بھی بڑی خدمت کی ہے ؏

یہ سب کچھ جو اب تک پنجاب میں ہُوا ہی اور ہو رہا ہی، بہت حوصلہ افزا اور قابلِ تحسین ہے. لیکن یہ کافی نہیں. آپ کی یہ ساری کوششیں اور سرگرمیاں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتیں جب تک پنجاب کے مدارس اور کالجوں میں اُردُو ذریعۂ تعلیم نہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں. مدت دراز سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے. اور اب مزید بحث کی گنجایش نہیں. انجمن پنجاب نے جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں سنہ ۱۸۶۵ء میں اپنے ایک جلسے میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک یونی ورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی. اس تجویز کے

Marfat.com

متعلق کئی سال تک سرکار سے مراسلت ہوتی رہی۔ انجمن کا منشا یہ تھا کہ مشرقی زبانوں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم سے اُردو ہندی کو تقویت پہنچائی جائے۔ اور ان کے ذریعے سے علوم وفنون کی انگریزی کتابوں کے ترجمے اپنی زبان میں کرائے اور ان کی اشاعت مُلک میں کرے۔ اسی زمانے میں ہماری قوم کے عالی دماغ مصلح (سر) سیّد احمد خاں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی طرف سے جس کے وہ بانی اور آنریری لائف سیکریٹری تھے، اُردو یونی ورسٹی کے قیام کے لیے گورمنٹ آف انڈیا میں ایک عرض داشت پیش کی۔ اس کا منشا یہ تھا کہ "گورمنٹ اعلا درجے کی تعلیمِ عام کا ایسا انتظام کرے کہ جس میں بڑے بڑے علوم وفنون کی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے ہُوا کرے اور دیسی زبان میں انھیں مضمونوں کا امتحان سالانہ ہُوا کرے جن میں کہ اب طالب علم کلکتہ کی یونی ورسٹی میں انگریزی زبان میں امتحان دیتے ہیں۔ اور جو سندیں اب انگریزی زبان کے طالب علموں کو علم کی مختلف شاخوں میں لیاقت حاصل کرنے کے عوض میں عطا ہوتی ہیں، وُہی سندیں اُن طالب علموں کو عطا ہُوا کریں جو انھیں مضمونوں کا دیسی زبان میں امتحان دے کر کام یاب ہوں۔ حاصل یہ کہ خواہ ایک اُردو فریق کلکتہ کی یونی ورسٹی میں قائم کیا جائے یا ممالکِ مشرقی ومغربی میں ایک یونی ورسٹی دیسی زبان کی علاحدہ قائم کی جائے"۔

ان دونوں تجویزوں کا حشر ایک ہی ہُوا۔ وہی شبہات اور اعتراضات پیش آئے جو اب بھی کبھی کبھی بعض انگریزی تعلیم یافتہ اور خاص کر وہ اصحاب جن کے ہاتھ میں نظامِ تعلیم ہے کرتے ہیں یعنی ابھی

Marfat.com

ہماری زبان میں اتنی سکت نہیں کہ جدید علوم کی تعلیم کا بار اُٹھا سکے تعلیمی سامان یعنی علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں نہیں۔ پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بالکل وہی بات ہوئی کہ مرغی پہلے تھی یا انڈا۔ جب تک آپ اُردو کے ذریعے سے تعلیم کا آغاز نہیں کریں گے، اس وقت تک نہ کتابیں مہیا ہوں گی، اور نہ اُستاد میسّر آئیں گے۔ اسّی سال اسی بحث اور سوچ میں گزر گئے اور اگر تذبذب اور بحث و تکرار کی یہی شان رہی تو ایک صدی اور گزرنے پر بھی صورتِ حال جوں کی توں رہے گی۔ اور ہم جہاں تھے وہیں رہیں گے۔ اس لیے بلا تاخیر اس مہم کو شروع کر دینا چاہیے۔ اس میں زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہماری رہنمائی کے لیے دو روشن مثالیں موجود ہیں۔ ایک سو سوا سو برس پہلے کی اور ایک زمانۂ حال کی۔ پہلی مثال دہلی کالج کی ہے جس میں تمام جدید علوم و فنون کی تعلیم اُردو کے ذریعے سے دی جاتی تھی۔ ابتدا میں ان کے پاس بھی اُردو میں علمی کتابیں نہ تھیں۔ اُستاد انگریزی کتاب کے مطالب اُردو میں بیان کرتا اور شاگرد یادداشتیں لکھ لیتے۔ بعد میں مستعد طلبہ اور اساتذہ نے باہمی تعاون سے تقریباً سوا سو کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ اس وقت کے ماہرانِ تعلیم اور افسرانِ سررشتۂ تعلیم نے اس طریقۂ تعلیم کو بہت سراہا۔ مسٹر فریڈرک موات ایم۔ ڈی، ایل۔ ایل۔ بی فسٹ فزیشن میڈیکل کالج کلکتہ و سیکرٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال نے اپنی رپورٹ میں دہلی کالج کے مشرقی شعبے کے طلبہ کی استعداد اور قابلیت اور خاص کر ان کی سائنس کی واقفیت کی بہت

Marfat.com

قابلِ تحسین الفاظ میں تعریف کی۔ گورنمنٹ مغربی شمالی نے جنرل کمیٹی تعلیمِ عامہ کی رپوٹ سنہ ۱۸۵۳ء پر جو ریز ولیوشن لکھا اس میں اس کی طرف اِن الفاظ میں اشارہ کیا ہے" اُردو کے ذریعے سے دہلی کالج میں جو سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی مسٹر مواٹ نے بہت تعریف کی ہے۔ ہز آنر ایسی تعلیم کی جو اس ذریعے سے دی جاتی ہے، اور خاص کر سائنس کی تعلیم کی بہت قدر کرتے ہیں "۔ جب ایک صدی قبل سائنس اور دیگر علوم کی تعلیم اُردو کے ذریعے سے کام یاب ثابت ہوئی، تو آج ہم اس طریقے کو اختیار کرتے ہوئے کیوں جھجکتے ہیں۔ حال کی مثال جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن ہے۔ جب اس کے قیام کی تجویز ہو رہی تھی۔ اس وقت بھی وہی پُرانے اور فرسودہ شبہات ظاہر کئے گئے تھے لیکن کام کرنے والوں نے کرکے دکھا دیا اور ثابت کر دیا کہ جو کام اس قدر دُشوار سمجھا جاتا تھا وہ ایسا دُشوار نہ تھا۔ سب سے بڑی دُشواری اس میں علمی اصطلاحات کی بتائی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے دُشواری ضرور ہے مگر نہ ایسی کہ ہم مایوس ہو کے بیٹھ رہیں۔ اس برِعظیم کی زبانوں میں اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں ایک مدّتِ دراز سے اصطلاحاتِ علمیہ کے متعلق کام ہوتا چلا آرہا ہے۔ دہلی کالج نے یہی نہیں کیا کہ ذریعۂ تعلیم اُردو کر دیا، اور مختلف علوم و فنون پر کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ اس کی مجلسِ ترجمہ نے علمی اصطلاحات کے اصول بھی وضع کیے۔ جو اب بھی کچھ نہ کچھ کام دے سکتے ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں حیدر آباد دکن کے امیرِ کبیر نواب شمس الامرا کی زیرِ نگرانی سائنس کی مختلف شاخوں پر چھ رسالے ترجمہ کئے گئے جو

Marfat.com

سنہ ۴۰-۱۸۳۹ء میں شائع ہوئے۔ یہ رسالے ریورنڈ چارلس کی تالیف تھے۔ اصطلاحات کے لیے عربی فارسی کے مروّجہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اور جن اصطلاحات کے لیے عربی فارسی لفظ نہیں ملے وہاں اصل انگریزی الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً پچھتر سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ حکومتِ بنگال نے دیسی زبانوں میں طبی رسائل کی تالیف کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی کے دو ارکان نے مصطلحات کے متعلق اپنی تجویزیں پیش کیں۔ ان میں سے ایک اس وقت کے فاضل اور ماہر علم اللّسان بابو راجندر لال متر تھے۔ اور دوسرے وہاں کے نامور طبیب مولوی تمیزالدّین خان، بابو راجندر لال متر نے بڑی جامعیت کے ساتھ اصول وضع اصطلاحات پر بحث کی۔ وہ اپنی زبان میں اصطلاحات کے ترجمے کے بہت بڑے حامی تھے۔ مگر وہ محض لفظی ترجمے کے قائل نہ تھے۔ یہ مکھی پہ مکھی مارنی ہے۔ بلکہ ترجمے سے الفاظ پیدا ہونے چاہییں جو اشیا کے لیے علامات کا کام دیں۔ مولوی تمیز الدّین خاں کی رائے ہے کہ دیسی زبان میں جو اصطلاحات ملیں وہ ضرور اختیار کر لی جائیں۔ لیکن وہ نئے الفاظ وضع کرنے کے مؤید نہ تھے۔ عربی سنسکرت سے الفاظ وضع کرنے کی بجائے وہ مغربی اصطلاحات اختیار کرنے کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک تجویز رائے سوہن لال منتظم نارمل اسکول پٹنہ نے پیش کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ادق اور ثقیل اصطلاحات ترک کر دی جائیں اور ان کی بجائے عام لوگوں کی بول چال کے لفظ اختیار کر کے سائنس کی تعلیم میں آسانی پیدا کی جائے۔ ان

Marfat.com

صاحبوں نے اپنی اپنی تجویز میں تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے اصولوں کی تائید میں اصطلاحات کی مثالیں پیش کی ہیں. نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے ایک عالمانہ اور جامع مقالہ وضع اصطلاحات پر لکھا اور ان سب تجویزوں پر مفصل تبصرہ کرنے کے بعد خود وضع اصطلاحات کے اصول قائم کیے۔ اس مقالے میں نواب صاحب مرحوم نے بڑی وسعت اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ اور موضوع کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انجمن پنجاب، پنجاب یونی ورسٹی کالج، سائنٹی فک سوسائٹی علی گڑھ نے بھی علمی ادبی کتابیں ترجمہ یا تالیف کرکے شائع کیں۔ اگرچہ ان اداروں نے وضع اصطلاحات کے کوئی اصول قائم نہیں کیے لیکن بہت سی اصطلاحات ان کی کتابوں میں ایسی آگئی ہیں جو کار آمد ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد شائق نے کیمیا پر ایک کتاب لکھی اور بڑی قابلیت سے اصطلاحات وضع کرنے کے اصول قائم کیے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں انگریزی کیمیاوی سابقوں اور لاحقوں کے مطابق اُردو میں سابقے اور لاحقے معین کر کے اصطلاحات بنانے کا ڈھنگ ڈالا۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے رکن چودھری برکت علی نے بھی اسی ڈھنگ پر اپنے قاعدے متعین کیے تھے۔ تقریباً ستائیس سال کا عرصہ ہوا، میری درخواست پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے وضع اصطلاحاتِ علمیہ پر بہت اچھا اور دل چسپ مضمون لکھا۔ اُن کی رائے میں یورپی زبانوں یا انگریزی زبان کی اصطلاحات کو بہ جنسہٖ اپنی زبان میں اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ جس قدر اصطلاحیں ہمیں اپنی قدیم عربی فارسی اور اُردو

Marfat.com

زبانوں کی کتابوں میں مل سکتی ہیں تلاش کر کے لے لی جائیں۔ اور جن اصطلاحات کے لیے لفظ نہ ملیں وہ خود بنالی جائیں۔ اس کے بعد انجمنِ ترقیٔ اُردو کی فرمایش پر مولوی وحید الدّین سلیم نے ایک بہت محققانہ اور جامع کتاب لکھی جو اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ہے اور ہمارے ادب میں خاص اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ انجمن ترقیٔ اُردو نے بھی اس سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔ اوّل فرہنگ اصطلاحاتِ علمیہ شایع کی۔ اس کے بعد چار جلدیں کیمیا، طبیعیات، معاشیات، عمرانیات و تاریخ اور فلکیات و جغرافیہ پر شایع کیں۔ ان کے علاوہ انجمن نے پیشہ وروں کی اصطلاحات آٹھ جلدوں میں شایع کی ہیں۔ جو بڑی تحقیق اور محنت سے مرتّب کی گئی ہیں۔ یہ زمانہ صنعت و حرفت کا ہے اس غرض کے لیے بہت کار آمد ہوں گی۔ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کے دار الترجمہ نے مختلف علوم وفنون پر بہ کثرت اصطلاحات جمع اور وضع کی ہیں لیکن افسوس کہ اب تک ان کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ جو کتابیں جامعہ کی طرف سے شایع ہو رہی ہیں اُن کے آخر میں اصطلاحات درج کر دی گئی ہیں جن سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

اصطلاحات کے متعلق جو کام ہماری زبان میں ہو چکا ہے اس پر یہ سرسری نظر میں نے اس لیے ڈالی ہے کہ آپ جب یہ کام شروع کریں تو اسے پیش نظر رکھیں۔ کیوں کہ اب تک یہ ہُوا ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں یہ کام شروع ہُوا تو ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی پچھلوں کے کام پر نظر نہ ڈالی۔ ضرورت

Marfat.com

اس بات کی ہو کہ جو اصطلاحی لفظ ہماری قدیم کتابوں میں آئے ہیں وہ تلاش کرکے جمع کیے جائیں، اور گزشتہ سو ڈیڑھ سو برس میں جو کام ہُوا ہو اُسے بہ نظرِ غور دیکھا جائے اور جو کام کے لفظ ملیں۔ انھیں لے لیا جائے۔ اکثر ایسا ہُوا ہو کہ ایک لفظ جو پہلے سے مروّج تھا اس پر نظر نہیں پڑی اور نیا لفظ بنا لیا گیا جو پہلے کے مقابلے میں بھدّا اور ناموزوں تھا۔ یا مثلاً معاشیات میں بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کا تعلق تجارت سے ہو یا بازاروں منڈیوں اور ساہوکارے میں بولے جاتے ہیں، لاعلمی کی وجہ سے نئے لفظ بنا لیے گئے تو مقبول نہ ہوں گے۔ ان لفظوں کو وہیں جاکر تلاش کرنا چاہیے جہاں یہ کام میں آرہے ہیں۔ اصطلاحات بنانے کا کام ایسے ماہرانِ فن اور قابل ادیبوں کے تعاون سے ہو سکتا ہو جو اپنے فن اور اپنی زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ پہلے سے جو سامان موجود ہو اُسے مُرتّب کرنا اور جو کمی ہو اسے پورا کرنا ہو۔ البتہ جو اصطلاحیں "انٹرنیشنل" ہیں وہ ہمیں بہ جنسہٖ لینی ہوں گی۔ انٹرنیشنل کا لفظ آج کل بہت بُری طرح استعمال ہو رہا ہو۔ اس کے برتنے میں احتیاط کی ضرورت ہو۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی دیسی زبانوں میں اصطلاحات کے متعلق ایک مجلس بنا رکھی ہو میں بھی اس کا ایک رُکن ہوں۔ اس کا آخری جلسہ بنگلور میں گزشتہ ماہِ جون میں ہُوا تھا۔ وہاں بھی یہ بحث آئی۔ نامور سائنس دان سر رامن بھی اس میں شریک تھے۔ فرمانے لگے کہ سب انٹرنیشنل الفاظ ہمیں اپنی زبانوں میں اختیار کر لینے چاہییں۔ میں نے کہا اس کی تصریح ہونی چاہیے کہ انٹرنیشنل الفاظ کون کون سے ہیں

Marfat.com

فرمایا کہ ہر لفظ انٹرنیشنل ہے۔ میں نے کہا تو پھر کوئی لفظ بھی انٹرنیشنل نہیں ہے۔ انٹرنیشنل الفاظ کے انتخاب کے لیے ہمیں چند ایسے فاضل سائنس دان انتخاب کرنے پڑیں گے جو یورپ کی متعدد زبانوں سے واقف ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اس وقت تک اپنا کام روکے رکھیں۔ کم سے کم اس شعبے میں جو "آرٹس" کے نام سے موسوم ہے آپ فوراً ذریعۂ تعلیم اُردو کر سکتے ہیں۔ سائنس میں بھی کام چل سکتا ہے۔ فی الحال جہاں اصطلاحات کی مشکل پیش آئے انگریزی اصطلاحات سے کام لیا جائے۔ بعد میں نظرِ ثانی ہوتی رہے گی۔ غرض یہ کہ کام کسی حال میں رُکا نہ رہے +

کسی قوم کو اگر علم سے محروم رکھنا مقصود ہو تو سہل طریقہ یہ ہے کہ اُسے غیر زبان کے ذریعے سے تعلیم دی جائے۔ ہمارے مُلک میں بھی یہی ہُوا۔ غیر زبان میں تعلیم دینے سے یہی نہیں ہوتا کہ ذہنی ترقی رُک جاتی، جدّت مفقود، قوّتِ مشاہدہ کُند ہو جاتی اور ذوقِ تحقیق پیدا نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ اس کا اخلاق پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس تعلیم کا بڑا وصف نقّالی ہے جو بدترین بداخلاقی ہے۔ آدمی انسان سے کھلونا بن جاتا ہے۔ زبان کے ہر ہر لفظ اور جُملے میں قومی روایات، تہذیب و تمدن، ذہنی اور رُوحانی تجربے پیوست ہوتے ہیں قوم کی ذہنیت اور اس کی زبان میں ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ انتہائی تعلیم تک ہر مضمون انگریزی زبان اور انگریزوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعے پڑھنے سے اس قوم کی روایات و اخلاق، تہذیب و تمدن اس کی زبان کی تلمیحات، تشبیہات و استعارات اور محاورات جن میں

Marfat.com

عیسائی مذہب اور تہذیب کا بڑا جزو ہے۔ ہمارے طلبہ کے دماغ میں رچ جاتے ہیں اور وہ غیر محسوس طور پر اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور ان کا طرزِ فکر اور خیالات کی روش، اُن کے تخیلات اور ذوق اسی رنگ ڈھنگ کے ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں ہمارے اخلاق اور ہماری تہذیب، ہمارا تمدن اور ہماری روایات حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس نقلی تعلیم نے زیادہ تر نیم مُلا، خام فکر ہمہ دان و ہیچ مدان، سطحی معلومات کے لوگ پیدا کیے۔ اب اگرچہ بہ ظاہر اس میں کمی ہوتی جاتی ہے لیکن باطنی اثر اب تک قائم ہے۔

اِن حالات کی اصلاح نہایت ضروری ہے اور جلد ہونی چاہیے سب سے مقدم اور اہم کام یہ ہے کہ تمام علوم و فنون حتیٰ کہ انگریزی بھی اپنی ہی زبان کے ذریعے پڑھائی جائے جیسا کہ دنیا میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ کیا کسی انگریزی یونی ورسٹی میں گوئٹے یا خیام پر جرمن یا فارسی زبان میں لیکچر دیے جاتے ہیں۔ کیوں نہ ہم شیکسپیر، شیلے یا دانتے پر اُردو زبان میں لیکچر دیں۔ اس سے ہماری زبان میں وسعت، پختگی اور قوت کا اضافہ ہوگا۔ اگر ہم ابتدا سے اس پر کاربند ہوتے تو اس وقت ہماری زبان کہاں سے کہاں پہنچ جاتی مگر حالات سے مجبور تھے۔ اب آپ آزاد ہیں اور آپ پر پہلی سی پابندیاں نہیں۔ لہٰذا قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لیجیے کہ آپ کی تعلیم کا ذریعہ ابتدا سے انتہا تک اُردو ہوگا اور کوئی دوسری زبان نہ ہوگی۔ اس کا درجہ سب سے برتر اور اعلا ہوگا اور وہ کسی کی تابع نہ ہوگی بلکہ دوسرے تمام شعبے اس کے تابع ہوں گے۔ حکومت پاکستان کو سب سے پہلے یہی مہم سر کرنی ہوگی۔

Marfat.com

اس غرض کے لیے دار الترجمہ، تصنیف و تالیف کا شعبہ، علمی ادبی تحقیق کے لیے اکیڈیمی، وضع اصطلاحات کی مجلس اصلی اور بنیادی کام ہیں۔ بہ قول اطالوی فلسفی کروچے کے "ترقی ایک نئے دوٗر کے آغاز سے شروع ہوتی ہے۔" قدرت کی طرف سے آپ کو یہ زرّیں موقع ملا ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اور اس نئے دوٗر کا آغاز تعلیمی اصلاح سے کیجیے۔ ذریعہ تعلیم کی تبدیلی ہمارے لیے بلاشُبہ بہت بڑی اور انقلابی اصلاح ہے لیکن اسی پر قناعت نہ کیجیے۔ ہمیں اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم اور ہمارے قومی ادارے اب تک کیوں ناکام رہے اور اب انھیں کس رنگ میں ڈھالا جائے کہ ہمارے حق میں موجبِ خیر و برکت ہوں محض نقالی اور تقلید کام نہیں آئے گی۔ یہ دساوری مال نہیں جو باہر سے کارخانوں میں بن کر آتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں خود کرنا ہوگا۔ اس کے لیے بڑے غور و خوض اور ہمّت و استقلال کی ضرورت ہوگی۔ یہ ضرور ہے کہ علمی و ادبی تحقیق کے طور طریقے ہمیں بہت کچھ مغرب سے لینے پڑیں گے۔ لیکن اس کی روٗح ہماری اپنی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے وائس چانسلر جو تعلیم کا وسیع تجربہ اور اخلاقی جرأت رکھتے ہیں۔ اور آپ کے وزیرِ تعلیم جنھیں ان خیالات سے کامل ہم دردی ہے اس کام کے سر انجام دینے میں سعی بلیغ فرمائیں گے۔ پنجاب بلکہ پاکستان کی تعلیمی تاریخ میں یہ ان کی شان دار یادگار ہوگی۔

حضرات! آپ کے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں پناہ گزین آئے ہیں۔ اس میں ہر طبقے، ہر حیثیت اور ہر سن و سال کے اشخاص ہیں

Marfat.com

آپ نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن کے آنسو پونچھے، اُن سے ہم دردی کی، اُن کی دِل جوئی کی۔ نگھروں کو گھر اور بھوکوں کو کھانا دیا۔ ان مصیبت کے ماروں کے ساتھ ایک اور پناہ گزین بھی آیا ہے جو بہت قابلِ قدر اور لائقِ احترام ہے۔ یہ ہماری قومی زبان ہے۔ وہ بھی پناہ گزینوں کی طرح مظلوم ہے۔ اسے بھی دوسروں کی طرح دیس نکالا مِلا ہے۔ اب اس نے آپ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی ہے۔ یہ آپ کے لیے اجنبی نہیں۔ آپ سے اس کا قدیمی رشتہ ہے۔ پہلے یہاں اور حیثیت سے تھی، اب یہ دوسری حیثیت سے آئی ہے۔ اس کی قدر کیجیے۔ یہ آپ کے بہت کام آئے گی۔ آپ کی بہت خدمت کرے گی۔ یہ فرقہ داری اور صوبہ داری رشک و حسد کو مٹائے گی۔ نفاق و افتراق کی آگ کو بجھائے گی۔ دلوں کو مِلائے گی اور پاکستان کی رعایا کو یک دل و یک جان کر دے گی۔ اُس نے ہمیشہ یہی خدمت انجام دی ہے لیکن افسوس ہندُستان نے اس کی قدر نہ کی۔ ایسی زبان جو خالص ہندُستانی اور ہندو مسلم تہذیب و اتحاد کی عظیم الشان اور مبارک یادگار ہے اُس نے بڑی بے دردی سے اسے نکالا ہے۔ ہندُستان کا یہی شیوہ رہا ہے۔ بدھ مت والوں کا اور اُن کی زبان پالی کا ان کے ہاتھوں یہی انجام ہوا۔ ہندُستان اُردو کو شوق سے اپنی حدود سے خارج کر دے لیکن وہ ان کے خارج کیے سے خارج نہیں ہو سکتی۔ اس کے قدر دان اب بھی دُنیا میں بہت ہیں۔ وہ زندہ رہے گی، ترقی کرے گی اور اوجِ کمال پر پہنچے گی۔ اور برِ عظم پاک و ہند ہی کی نہیں سارے ایشیا کی عام زبان ہو کے رہے گی۔ لیکن ہندُستان کی فردِ جرم میں ایک جُرم کا اور اضافہ ہو گیا۔ جسے وہ

Marfat.com

ہزار پردے ڈال کر بھی نہیں چھپا سکتا۔ یہ معمولی جرم نہیں۔ یہ قتلِ عمد ہے تاریخ کے اوراق پکار پکار کر اس کے قاتلوں پر نفرین کریں گے۔

اے اہلِ پنجاب! آپ کو یاد ہو ہماری قوم کے مصلحِ اعظم سرسیّد احمد خاں نے آپ کو "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب دیا۔ یہ خطاب معمولی نہیں ہے آپ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ مرحوم نے اس بدنصیب برِّ اعظم میں صرف آپ کو اس خطاب کا سزاوار سمجھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے دل میں آپ کی کس قدر محبت اور قدر تھی۔ اگر آپ کے دل میں بھی سیّد مرحوم کی کچھ قدر و محبت ہے تو اس خطاب کی لاج رکھیے۔ اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے جو عمر بھر اُردو کی مخالفت کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ اور مرنے سے چند روز پہلے جب کہ وہ بسترِ مرگ پر تھا اُس کی آخری تحریر اُردو کی حمایت میں تھی۔ اب آپ اس کی حمایت کر کے اس کی روح کو خوش کیجیے اور اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیجیے۔ اُردو کی حمایت قوم کی حمایت اُردو کی ترقی قوم کی ترقی اور اُردو کی زندگی قوم کی زندگی ہے۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت کُل گجرات اُردو کانفرنس احمد آباد

(۳؍ اپریل سنہ ۴۸ ۱۹ء)

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو
ورق جب اُس کے اُڑا لے گئی ہوا ایک ایک

دوستو اور عزیزو! آپ نے ایسے وقت میں جب کہ ہندوستان میں اُردو کے کچلنے اور مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، کُل گجرات اُردو کانفرنس کا انعقاد اپنے تاریخی شہر احمد آباد میں کیا ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ حکومت کے ڈر سے اس کے خلاف اجتماعی طور پر آزادی سے اظہار رائے کرتے ہوئے لوگ بچتے اور گھبراتے ہیں آپ نے جرأت سے کام لے کر پہل کی ہے۔ میں آپ کی اس ہمت، اخلاقی جرأت اور اصول پرستی پر آپ کو سچے دل سے مبارک باد دیتا ہوں، ہندوستان میں آزادی ملنے کے بعد یہ اُردو کی پہلی کانفرنس ہے۔ اور مجھے اس پر فخر ہے کہ اس کا اہتمام انجمن ترقیٔ اُردو ہند کی شاخ احمد آباد کی زیر سرپرستی انجام پایا ہے۔ کارپردازانِ انجمن ترقیٔ اُردو احمد آباد نے جس شوق اور

Marfat.com

کاوش اور شب و روز کی محنت سے اس خدمت کو انجام دیا ہے اس کی میں تہِ دل سے قدر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کانفرنس بعض خاص حالات کی وجہ سے مدّتوں یاد رہے گی۔

مجھے ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ ہم نے اپنی قومی زبان کی کبھی وہ قدر و منزلت نہ کی جس کی وہ مستحق ہے اور اس اہمیت کو جو اُسے قوم کے بنانے اور ایک کرنے میں حاصل ہے، ہم کبھی پورے طور پر یہ نہ سمجھے۔ میں کم و بیش پینتیس ۳۵ سال سے جیسی کچھ بن پڑی بُری بھلی اُردو کی خدمت کر رہا ہوں اور بزعم خود یہ سمجھتا رہا کہ میں اُردو زبان کی قدر و قیمت اور اہمیت کو سمجھتا ہوں۔ لیکن آج میں آپ کے سامنے نہایت صاف دلی سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں بھی اب تک اس کی قدر و منزلت کو نہیں سمجھا تھا۔ اور سمجھا تو کب؟ جب پنڈت روی شنکر شکلا وزیر اعظم حکومتِ سی پی نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ ہم تمھاری وفاداری کے زبانی دعووں کو نہیں مانتے۔ اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دو۔ اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ **اُردو زبان کو قطعاً ترک کردو۔** اللہ اللہ! مخالف آپ کی قوت، آپ کے اتحاد، آپ کی تلوار و بندوق اور بمب سے نہیں ڈرتا۔ اور ڈرتا ہے تو کس سے؟ آپ کی زبان سے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ زبان قومیت کی جان ہے۔ اگر زبان مٹا دی تو قوم کی روایات، اُس کی تہذیب، اس کی تاریخ، اس کی قومیت سب کچھ مٹ جائے گا۔

میں آپ کو ایک فاضل یورپین کا قول سُناتا ہوں۔ میں آل انڈیا اینگلو انڈین اینڈ یوروپین ایجوکیشن بورڈ کی لینگوایج کمیٹی کا ممبر ہوں۔ ظاہر

Marfat.com

ہے کہ میں نہ اینگلو انڈین ہوں نہ یورپین۔ لیکن چوں کہ میں نے ان لوگوں میں اُردو زبان کی اشاعت کی کوشش کی ہے اس لیے انھوں نے خاص طور پر مجھے اپنی کمیٹی کا ممبر انتخاب کیا۔ کئی سال ہوئے۔ اس کمیٹی کا جلسہ دلّی میں ہوا۔ میں نے ارکانِ کمیٹی کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ایک مشہور مشنری کالج کے پرنسپل بھی ہیں۔ وہ کسی قدر وقت سے پہلے آگئے اور مجھ سے باتیں کرنے لگے باتوں باتوں میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک بات کبھی نہ بھولنا۔ وہ یہ کہ اپنی زبان کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت کرنا۔ اس لیے کہ جب ایک قوم کسی دوسری قوم کو فتح کر لیتی یا اس پر غالب آجاتی ہے تو سب سے پہلے وہ مفتوح یا مغلوب قوم کی زبان پر حملہ کرتی اور اُس کے مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ کیوں کہ وہ خوب سمجھتی ہے کہ زبان کے مٹ جانے سے قومیت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ کہنے لگے جب انگریزوں نے آئرستان (یہ صاحب آئرستان کے باشندے ہیں) کو فتح کیا تو سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ ہماری زبان کو ہم سے چُھڑانا شروع کیا اور تمام سرکاری کاروبار اور تعلیم گاہوں میں انگریزی زبان رائج کر دی۔ تاکہ ہم اپنی قومی روایات و تہذیب سے بیگانہ ہو جائیں اور ہم میں انگریزی خوبُو اور انگریزی تہذیب سرایت کر جائے۔ اگرچہ حکومت کے مقابلے میں ہم بے بس تھے لیکن ہم نے اپنی زبان کو نہیں بھُلایا اور اُسے زندہ رکھا۔ چناں چہ یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ جب انگریزی راج ہمارے مُلک سے اُٹھ گیا تو اب انگریزی کی بجائے ہماری زبان کا راج ہے۔

یوں تو اُردو کی مخالفت اسّی برس سے مسلسل ہوتی چلی آرہی ہے

Marfat.com

کبھی کم کبھی زیادہ اور اس عرصے میں اس پر بہت سی آفتیں نازل ہوئیں۔ لیکن باوجود مخالفتوں کے بڑھتی اور ترقی کرتی رہی۔ مگر اب اس پر ایسا بُرا وقت آیا ہے جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ کیوں کہ اس وقت حکومت میں ان کا عمل دخل ہے جو سالہا سال سے اس کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ انھوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہندستان سے اُردو کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ ابھی ملک کی تقسیم بھی عمل میں نہیں آئی تھی کہ ان محبانِ وطن نے سب سے پہلے اُردو کے گلے پر چُھری پھیرنی شروع کی۔ گویا حکومت و سیاست میں سب سے مقدّم اور اہم یہی ایک مسئلہ رہ گیا تھا۔ اس میدان کے سب سے من چلے شہسوار آپ کے مردم خیز خطّے کے سردار ہیں۔ جنھوں نے ریڈیو میں وہ زبان چلائی جو سوا ریڈیو کے اور کہیں سُننے میں نہیں آتی۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ ہندی ساہتیہ سمّیلن کے ارکان اور ہندی کے دُوسرے حامی برسوں اس بات کے لیے لڑتے رہے کہ خبریں ریڈیو سے اُردو اور ہندی میں الگ الگ سُنائی جائیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے ناظم اور اُردو کے حامیوں کا منشا یہ تھا کہ خبریں ایسی سادہ اور سہل زبان میں ہونی چاہییں جسے سب سمجھ سکیں۔ مگر وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے اور مصر تھے کہ دو الگ الگ زبانوں میں نشر ہونی چاہییں۔ جس طرح ان صاحبوں نے دو قومی نظریے قائم کر کے ہندو مسلمانوں میں افتراق و نفاق پیدا کیا تھا اسی طرح وہ دو زبانوں کو الگ الگ رواج دے کر اس نظریے کو اور مستحکم کرنا چاہتے تھے لیکن جب انھیں اس کی سُن گُن معلوم ہوئی کہ کچھ دنوں کے بعد حکومت ان کے ہاتھ میں آنے والی ہے تو جھٹ بدل گئے۔ اب جو اُردو

Marfat.com

والوں نے کہا کہ اچھا صاحب آپ کا اسی پر اصرار ہے کہ اُردو اور ہندی میں خبریں الگ الگ نشر ہوں تو یہی سہی، ہمیں اس میں کوئی عذر نہیں تو فرمانے لگے نہیں ایک ہی زبان میں ہونی چاہییں دو کی ضرورت نہیں۔ چناں چہ یہی ہوا۔ حکومت بدلتے ہی نشر و اشاعت کا شعبہ خاص طور پر کوشش کر کے سردار پٹیل صاحب کو دیا گیا۔ اب آپ دیکھ لیجیے کہ یہ کیا زبان ہے۔ آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن کبھی کبھی اسے بھی ضرور سن لیا کیجیے تاکہ معلوم رہے کہ یہ کیسی زبان ہے اور کس دیس کی بولی ہے کہیں اور کی ہو یا نہ ہو مگر اس میں مطلق شبہ نہیں کہ یہ سردار پٹیل کے وطن کی بولی تو ہرگز نہیں۔ اس زبان کے اجنبی اور مصنوعی ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب لوگوں نے واویلا مچائی کہ ریڈیو کی یہ زبان سمجھ میں نہیں آتی تو اس کے عجیب الفاظ کی شرح اخباروں میں شایع کی جا رہی ہے اور ان کے معنی اردو میں بتلائے جاتے ہیں۔ یہ مزید شہادت اس بات کی ہے کہ اُردو عام فہم زبان ہے اور یہ نئی بولی اس ملک کی بولی نہیں۔ خیر ان صاحبوں نے اپنی زبان کو تو بگاڑا ہی ہے لیکن اس سے ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ اس سامعہ خراش زبان کی اذیت سے بچنے کے لیے لوگ پاکستان اور حیدر آباد ریڈیو کی زیادہ قدر کرنے لگے کیوں کہ ان کی زبان شستہ سادہ اور فصیح ہوتی ہے۔ اور کچھ نہ سہی سمجھ میں تو آتی ہے؛

اس معاملے میں جس غیر معمولی عجلت سے کام لیا گیا ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ ہر صوبہ پہل کی عزت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ پنڈت شکلا وزیر اعظم سی۔ پی نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اس صوبے میں

Marfat.com

سرکاری زبان ہندی ہوگی۔ ناگ پور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے ان کا ساتھ دیا اور ہندی ذریعۂ تعلیم قرار پائی۔ میں نے اسی وقت مہاتما گاندھی کو لکھا کہ آپ نے ایک مدت کے غور و فکر اور مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ملک کی عام زبان ہندستانی ہونی چاہیے۔ اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بڑی تاکید کے ساتھ اس کی تلقین کی ہے اور اپنی ہندستانی میں ایک اخبار بھی جاری کر کے اس کا عملی ثبوت دیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت تک ملک کی زبان نہیں ہو سکتی جب تک تعلیم گاہوں میں ذریعۂ تعلیم اور دفتروں اور عدالتوں میں سرکاری زبان نہ قرار پائے اور اردو اور ناگری دونوں خط جائز نہ رکھے جائیں۔ لہذا آپ مہربانی فرما کر سی۔ پی کے وزیر اعظم اور ناگ پور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کو ہدایت فرمائیے کہ وہ ہندی کی بجائے ہندستانی کو رواج دیں۔

اس کے بعد یوپی کی حکومت نے اعلان کیا کہ ہندی حکومت کی دفتری اور عدالتی زبان ہوگی اور رسم خط ناگری ہوگا۔ اور صوبے کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری محکموں کو اطلاع دی گئی کہ ہندی زبان اور ناگری رسم خط فوراً جاری کر دیا جائے۔ اور ان سرکاری ملازموں کو جو ہندی نہیں جانتے ہدایت کی گئی کہ وہ تین مہینے کے اندر ہندی سیکھ لیں اور آئندہ کوئی شخص جو ہندی نہیں جانتا ملازمت کا حق دار نہ ہوگا مدارس میں ہندی کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور ذریعۂ تعلیم بھی یہی زبان ہوگی۔ عدالتی اصطلاحیں ملک میں اس قدر عام ہو گئی ہیں کہ ایک گنوار بھی بلا تکلف سمجھتا ہے۔ اب سنسکرت آمیز یا خالص سنسکرت

Marfat.com

کی اصطلاحیں گھڑی جا رہی ہیں جنھیں نہ مدعی سمجھتا ہے نہ مدعا علیہ، وکیل سمجھتا ہے نہ مجسٹریٹ۔ رہا صوبہ بہار سو وہ پہلے ہی سے آمادہ تھا۔

اگرچہ زبان کے مسئلے کا فیصلہ مجلس آئین ساز پر رکھا گیا تھا لیکن ان صوبوں نے اس فیصلے کا مطلق انتظار نہ کیا اور بڑی چالاکی اور عجلت سے ہندی کے حق میں احکام جاری کر دیئے۔ آئین ساز مجلس کے بہت سے ممبروں کو اپنا ہم خیال بنا لیا تاکہ جب مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہو تو کثرتِ رائے ہندی کے حق میں ہو۔ مرکزی حکومت یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور خاموش رہی۔ ادھر مجلس آئین ساز نے یہ ہوشیاری کی کہ گزشتہ اجلاس میں یہ مسئلہ آیا تو آئندہ اجلاس پر ملتوی کر دیا تاکہ اس عرصے میں ہندی کافی طور پر رواج پا جائے اور جب مسئلہ مجلس میں آئے تو فیصلے کے لیے کسی بحث و تکرار کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بہ فرضِ محال اگر مجلس آئین ساز نے ہندی کے خلاف ہندستانی کے حق میں فیصلہ کیا بھی تو یہ لازم نہیں کہ صوبے اس کی تعمیل کریں۔ تعلیم اور زبان صوبوں کے اختیاری مسئلے ہیں۔ اس میں وہ مجبور نہیں کیے جا سکتے۔ اس سے قطع نظر ایک دیرینہ تجویز جو سالہا سال سے انڈین نیشنل کانگریس کے پیشِ نظر ہے اور جس کی تائید مہاتما گاندھی بھی فرما چکے ہیں یعنی صوبوں کی تقسیم لسانی اعتبار سے۔ اب تک اسے عمل میں لانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب حکومت اپنی ہے۔ بہ ظاہر کوئی امر مانع نہیں۔ اور نہ زیادہ دشواری پیش آئے گی۔ اگر یہ تجویز عمل میں آ گئی، اور ایک نہ ایک دن ضرور عمل میں آ کے رہے گی، تو اس ہندستان جنت نشان میں اردو یا ہندستانی کا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔

Marfat.com

گاندھی جی اپنے عبادتی جلسوں میں نیز ریڈیو کی تقریروں میں یہ فرماتے رہے کہ اُردو کو بھی مُلک میں رہنے کا ویسا ہی حق ہے جیسا ہندی کو، کیوں کہ اس کے بولنے اور جاننے والے صرف مسلمان ہی نہیں ہندو اور سکھ بھی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ملک کی عام زبان ہندُستانی ہونی چاہیے اور دونوں رسمِ خط (ناگری اور اُردو) میں لکھی جائے۔ یہ خدا لگتی بات تھی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کہاں سُنائی پڑتی ہے گاندھی جی لکیر پیٹتے رہ گئے، سانپ کبھی کا نکل چکا تھا۔

پنڈت شکلا نے اُردو زبان کے ترک کرنے کو "وفاداری" کی شرطِ اوّل قرار دیا ہے۔ اور اس کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ زبان ہندو مسلم اتحاد میں حائل ہے۔ وہ زبان جو ہندو مسلمانوں کے میل جول اور اتحاد سے وجود میں آئی اور جس کے خمیر میں اتحاد و یک جہتی ہے۔ جس نے اس ملک کی ایسی بڑی کمی کو پورا کیا جو ہزاروں سال سے چلی آرہی تھی یعنی اس سے پہلے مُلک کی کوئی مشترکہ زبان نہ تھی۔ اس کی بدولت یہ کمی پوری ہوئی جس نے ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور اُن کو ایک کرنے کا حیرت انگیز کام انجام دیا تھا، اُسے یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے منافی ہے۔ یوں تو اس زمانے میں اُردو کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا گیا اور اُس میں طرح طرح کے عیب نکالے گئے۔ لیکن یہ الزام سب سے انوکھا ہے۔ یہ جس قدر عجیب و غریب ہے اسی قدر غلط اور بے بنیاد ہے۔

ایک ایسی زبان کو جس نے ایسی عظیم الشان قومی خدمت انجام دی ہے اور جو کئی صدی کی مسلسل محنت اور سعی سے اپنے ادبی

Marfat.com

محاسن، علمی ثروت اور عام مقبولیت کی بدولت اس برِ عظم میں اُس بلند رتبے کو پہنچ گئی ہے جس پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے، ایک قلم نہایت بے دردی سے تمام تہذیبی، تعلیمی اور حکومتی اداروں سے خارج کر دینا انتہا درجے کی ناانصافی اور ایک بہت بڑی اور باوقار جماعت کے حقوق کی پائمالی ہے۔ ناسمجھی سے ایسا کیا گیا ہے۔ یہ ہم ماننے کو تیار نہیں اور اگر سوچ سمجھ کر یہ سب کارروائی کی گئی ہے، تو نہایت قابلِ افسوس اور پرلے درجے کی نامصلحت اندیشی ہے۔

آخر اُردو سے اس قدر بَیر کیوں ہے؟ یہ بات تو بے شک سمجھ میں آتی ہے اور دُنیا میں ایسا ہُوا ہے کہ جب کسی قوم نے کسی دوسری قوم کو فتح کیا اور اپنی زبان زبردستی مفتوح قوم کے سر مڑھ دی تو جب کبھی اس کا بس چلا اس نے فاتح کی زبان کو اپنے مُلک سے نکال باہر کیا۔ مسلمان بے شک فاتح کی حیثیت سے آئے تھے جیسے آریا اور دوسری قومیں آئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد وہ اسی ملک میں بس گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ اُن کی زبان اُردو نہ تھی اور نہ یہ زبان کسی غیر مُلک سے آئی تھی۔ یہ تو ٹھیٹ ہندستانی زبان ہے۔ یہیں پیدا ہوئی پلی اور بڑھی اس کے بنانے اور ترقی دینے میں ہندوؤں کا بھی اسی قدر حصّہ ہے جتنا مسلمانوں کا۔ پھر اس پر اتنا عتاب کیوں ہے؟ اور آزادی ملتے ہی سب سے پہلے اسی پر کیوں ہاتھ صاف کیا گیا؟ انگریزی جو ہر اعتبار سے غیر اور پہلے درجے کی اجنبی زبان ہے وہ تو پھر بھی گوارا ہے مگر گوارا نہیں تو اُردو۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہوسکتی ہے جس کا اظہار سر سید احمد خاں برسوں پہلے کر چکے ہیں۔ وہ اپنی علی گڑھ کی تعلیمی

Marfat.com

سروے رپورٹ میں لکھتے ہیں:

"تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اُس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح میں کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندو صاحبوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشئ ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے، مٹا دیا جائے۔ اُس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا کام نہیں کر سکتے ہیں نہایت درستی اور اپنے تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہوا ہے، اس کی ابتدا اسی سے ہوئی"۔

گویا اس کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ اُس نے اسلامی عہد میں جنم لیا۔ یہ دراصل ایک کڑی ہے اُس بڑی تحریک کی جو ہندو قومی احیا کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا آغاز ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری ایام اور خاص کر سنہ ۵۷ کے بعد بنگال سے ہوا جب کہ ہندوستان پر بہ راہِ راست برٹش گورمنٹ کا تسلّط ہو گیا تھا۔ اس نئی قومی بیداری کے دو عنصر تھے۔ ایک جدید اور دوسرا قدیم۔ جدید عنصر انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کا تھا جو اس قومی احیا کا محرک ہوا، اور قدیم عنصر یعنی ویدک کلچر، ویدک مذہب اور سنسکرت زبان کا دوبارہ زندہ کرنا جو اس کا نتیجہ تھا۔ یہ تحریک مذہب، سیاست، کلچر غرض زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو گئی تھی۔ کہاں کہاں، کس کس طرح پھیلی، کیا کیا صورت اختیار کی، کن کن اسباب سے اسے تقویت پہنچی اور ملک پر اس کے کیا

Marfat.com

اثرات ہوئے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ میں اپنے موضوع سے دُور جا پڑوں گا۔ اس طرف اشارہ کرنے سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ اس تحریک سے جس کی بنا پر ہندو اپنے آپ کو ایک الگ اور برتر قوم سمجھنے لگے تھے، زبان کا مسئلہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ؛

غرض جب ہندو قومی احیا کی لہر شمالی ہند میں پہنچی تو سب سے پہلے زبان پر آفت آئی۔ زبان قومیت کے لیے ایسی ہی لازم ہے جیسے جسم کے لیے روح۔ قومیت کی تکمیل بغیر زبان کے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے جدید قومیت کے مدعیوں نے اُردو کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس کے بجائے ہندی کے رواج دینے کی کوشش کی۔ چناں چہ سنہ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سربر آوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے اُردو زبان اور فارسی خط موقوف کرانے میں کوشش کی جائے اور بجائے اس کے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔" اس غرض کے لیے ایک صدر مجلس الٰہ آباد میں قائم کی گئی اور" رفتہ رفتہ جا بہ جا اُس کے لیے کمیٹیاں مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم ہوگئیں" ؛

سرسیّد کا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ" ہندستان کی بھلائی بغیر اس کے کہ ہندو مسلمان بہ طور ایک قوم کے مِل جُل کر کام کریں ممکن نہیں"۔ چناں چہ اس سے قبل ان کی ملکی خدمات اور تحریکیں سب اسی اصول پر مبنی تھیں۔ مولانا حالیؔ 'حیاتِ جاوید' میں لکھتے ہیں" سرسیّد کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بہ طور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا

Marfat.com

محال ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انھیں دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپیر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سُن رہے تھے۔ آخر انھوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سُنا ہے۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ اب مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا انھوں نے کہا کہ اگر آپ کی پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔ آج جو ہم زندہ ہیں وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ؛

ہمیں خدانخواستہ ہندی سے کوئی عداوت نہیں اور نہ ہم نے کبھی ہندی کی مخالفت کی۔ چھیڑ دوسری طرف سے شروع ہوئی۔ ہم تو کسی حال میں بھی ہندی کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ ہماری زبان کی بنیاد ہی اسی پر ہے۔ اور یہ ہماری دست پروردہ ہے۔ یہاں تک کہ یہ لفظ بھی ہمارا ہی دیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل یہ تھا ہی نہیں اور نہ اس نام کی کوئی زبان تھی۔ مسلمانوں کی آمد پر گرد و پیش کے علاقوں میں یہ بولیاں رائج تھیں۔ پنجابی شمالی حصے میں، برج متھرا آگرہ وغیرہ علاقے میں، راجستانی راجپوتانے میں، اودھی یا پوربی مشرق میں بولی جاتی تھی ہندی نام کی کوئی بولی نہ تھی۔ البتہ دلی، میرٹھ اور آس پاس

Marfat.com

کے علاقے میں ایک بولی مروج تھی جسے امیر خسرو "دہلوی" کہتے ہیں۔ اور ابوالفضل نے بھی 'آئینِ اکبری' میں اُسے "دہلوی" لکھا ہے۔ شیخ باجن (متوفی سنہ ۹۱۲ ھ) بھی اپنی زبان کو دہلوی کہتے ہیں۔ ان کے کلام کے جو کچھ متفرق ٹکڑے ملے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ جسے ہم اُردو کہتے ہیں اُس کی اصل یہی بولی ہے۔ مسلمانوں نے اسی کو اختیار کیا اور اسی کو ہندی کا نام دیا۔ ہندی کا نام ایک تو فارسی سے امتیاز کرنے کے لیے دیا۔ دُوسرے چوں کہ مسلمان اس دیس کو ہند کہتے تھے اس لیے اس زبان کا نام بھی اس دیس کی مناسبت سے ہندی تجویز کیا۔ یہ بولی ایک خاص حلقے میں محدود تھی۔ مسلمانوں کے طفیل مُلک کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ یہ عوام کی زبان تھی اور ایک مدت تک عوام ہی میں رہی۔ مسلمان بادشاہوں، امرا یا اہلِ علم نے اسے کبھی منہ نہ لگایا۔ فارسی کے میل سے (جو مسلمانوں کی زبان تھی) اس میں وسعت، قوت اور دل آویزی پیدا ہوئی۔ اور ایک زمانہ گزرنے کے بعد عوام سے خواص میں پہنچی۔ صوفیا نے اور ان کے بعد اور شعرا نے سب سے پہلے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں لیا۔ اسے نہ کسی نے بنایا اور نہ بننے کے دوران میں کسی کو یہ خیال آیا کہ کوئی نئی زبان بن رہی ہے۔ معاشرتی ضروریات اور وقت کے تقاضے کی بدولت خود بہ خود وجود میں آگئی۔ اس ملک میں ایک ایسی ہمہ گیر قومی زبان کی جگہ خالی تھی، اس کے آنے پر یہ خلا ہوگیا۔ یہ صلاحیت اس میں اس لیے پیدا ہوئی کہ اس کے قوام میں ہندو مسلم دونوں کی زبانوں اور تہذیبوں کے عنصر تھے۔ اس لیے دونوں میں مقبول ہوئی۔ ہندی کا لفظ مبہم تھا۔ اس کا اطلاق مُلک

Marfat.com

کی ہر زبان پر ہو سکتا تھا چناں چہ قدیم عربی تاریخوں اور تصانیف میں سنسکرت وغیرہ زبانوں کو بھی ہندی کے نام سے یاد کیا گیا ہی. جب اس نے نیا رنگ دروپ نکالا اور قبولیت بڑھنے لگی اور ایک خاص حیثیت اور ادبی اہمیت حاصل ہونی شروع ہوئی تو اس کا نام ہندی سے ریختہ اور بعد میں اُردُو ہُوا جو اب مقبولِ خاص و عام ہی. یہ کسی خاص فرقے یا جماعت کی زبان نہیں. یہ ہم سب کی ہے اور اُن سب کی ہی جنھوں نے اُس کے بنانے اور ترقی دینے میں ہاتھ بٹایا ہی. اس میں ہندوُ مسلم، عیسائی، سکھ، انگریز سبھی ہیں. یہ زبان اپنے پیچھے ایک تاریخ رکھتی ہی اور یہ تاریخ ایسی شان دار ہی کہ ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے؛

اس لیے ہمیں اس بات کا سخت رنج اور صدمہ ہی کہ ہندُستان کے اُس صوُبے کی حکومت نے جو اُردُو کی جنم بھوم ہی اور ان علاقوں کی حکومتوں نے جو اُردُو کے مرکز اور جولان گاہ رہے ہیں اور جہاں ہندوُ مسلمانوں کے اسلاف نے صدہا سال کی سعی اور جاں کاہی سے اُس قومی زبان کو شستہ اور شایستہ بنایا اُس کے حق میں نہایت غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے. یہ اُس قومی جماعت کا فعل ہے جس کی قرار داد اور آئین میں درج ہی کہ اُس کی اور ہندُستان کی قومی زبان ہندُستانی ہوگی جو اُردُو اور ناگری دونوں حروف میں لکھی جائے گی. انڈین نیشنل کانگریس نے بار ہا علی الاعلان کہا ہی کہ وہ اقلیتوں کی زبان، کلچر اور مذہب کی حفاظت کرے گی. اُردُو تو کسی اقلیت یا خاص فرقے کی زبان نہیں. اس کے سمجھنے بولنے لکھنے پڑھنے والے سب ہی قسم کے لوگ ہیں اور سیکڑوں ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں ہیں. یہ زیادہ بہتر برتاؤ کی مستحق تھی لیکن

Marfat.com

برخلاف اس کے اِسے خارج کر کے ایک ایسی زبان کو رائج کیا گیا ہے جسے دیکھ کر سب حیران ہیں کہ یہ کہاں کی بولی ہے اور اسے کون سی مخلوق بولتی ہے۔ اس کے بانی اور مجوّزہ وہ لوگ ہیں جن کی انصاف پسندی، رواداری اور نیک دلی کے صوبے بھر میں گیت گائے جا رہے ہیں۔

اب آپ کو یو۔پی حکومت کے اس حکم کے کچھ الفاظ اور فقرے پڑھ کر سناتا ہوں جو اس زبان کو سرکاری طور پر جاری کرنے کے متعلق تمام سرکاری اور نیم سرکاری محکموں کو بھیجا گیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ چوں کہ یہ پہلا اعلان ہے اس لیے نکتہ چینیوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے ضرور یہ کوشش کی گئی ہوگی کہ سرکاری منشا سادہ سے سادہ زبان میں ادا کیا جائے تاکہ سب سمجھ سکیں۔ اب آپ بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے:

جلسے کا لفظ ان اہلِ زبان کے ہاں کبھی کا ترک ہو چکا ہے۔ اس کی بجائے بیٹھک استعمال ہونے لگا تھا۔ اس اعلان سے معلوم ہوا کہ یہ بھی مردود ہو گیا اب اس کی جگہ "ادھیوشن" تجویز فرمایا گیا ہے۔ خواندہ تو خیر فارسی لفظ ہے وہ کیوں پسند آنے لگا، لیکن 'پڑھا لکھا'، تو ہندی ہے، یہ کیوں نامقبول ہے۔ شاید اس لیے کہ اس میں شانِ سنسکرت نہیں۔ چناں چہ 'پڑھا لکھا ہونے' کے لیے "ساکچھرتا" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح اعلان کے لیے "گھوسڑا" خاص حالتوں کے لیے "اسادھانڑ پرستھ" ترمیم کے لیے "سنودھیت" "تمام محکموں کے افسروں' کے لیے "سمست دی بھاگیوں کے ادھیکشن" اب ایک جملہ سنیے "سرکار نے یہ نشچے کیا ہے کہ یہ کاروائی اس پرکار کی جائے کہ پرورتن کال میں سنکار ادیستھا نہ ہونے پائے اور

Marfat.com

اسودھا بھی کم سے کم ہو۔" اس زبان کو ہندی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ؎

خدارا انصاف کیجیے کہ یہ کس دیس کی بولی ہے۔ ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ اعلان میں اسے یوپی کی جنتا یعنی عام لوگوں کی زبان بتایا گیا ہے میں یو۔پی کے ہندو مسلمان دونوں کو "چنوتی" (چیلنج) دیتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ یو۔پی کے کس علاقے، کس شہر یا کس قصبے یا گانو میں یہ بولی بولی جاتی ہے۔ یہ یو۔پی کی جنتا کی بولی تو ہرگز نہیں جنات کی ہو تو ہو۔ اسے ہندی کہنا ہندی زبان کی توہین ہے کوئی شخص بہ ثباتِ ہوش و حواس ایسے احکام جاری نہیں کر سکتا لیکن یہ ان کا کام ہے جن کے ہوش و حواس اور عقل و فہم کا سارا اصول یہ قائل ہے۔ یہ بات ہے تو یہ ناشدنی کارروائی کیوں عمل میں آئی ؟ یہ سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے۔ کہیں اس کی تہ میں وہ جذبہ تو کارفرما نہیں جس کے ہاتھوں غریب بدھ مت والوں اور ان کی زبان پالی کو برا دن دیکھنا پڑا اور اپنے عزیز وطن سے ہجرت کر کے پردیس میں جا کر پناہ لی۔ بدھ مت والے باہر کے نہ تھے۔ ان مظلوموں کا گوشت پوست خون انھیں کا گوشت پوست خون تھا جنھوں نے ظلم و جبر سے انھیں دیس نکالا دیا۔ بدھ مت کوئی بدیسی مذہب نہ تھا۔ اسی بھارت ماتا کی پیداوار اور اسی کے نامور اور شہرۂ آفاق سپوت کے دماغ کا نتیجہ تھا۔ پالی کہیں باہر سے نہیں آئی تھی، ٹھیٹ ہندستانی زبان تھی۔ دونوں تہس نہس کر دیے گئے اس برِاعظم میں نہ کوئی بدھ مت کا پیرو رہا نہ پالی بولنے والا۔ اپنے بھائیوں سے یہ ظالمانہ سلوک! کیوں ؟ اس کے جواب کے لیے

Marfat.com

ہندُستان کی تاریخ آنکھیں کھول کر پڑھیے اور دیکھیے کہ یہ کیوں ہُوا اور کیا پھر بھی ایسا ہونے کا امکان ہے؟ سارے ہندُستان میں صرف ایک ہستی تھی جو باوجود مخالفت کے انصاف کی بات کہہ گزرتی تھی۔ افسوس کہ وہ مقدّس ہستی اِس دُنیا میں نہیں۔ اس کے بعد اب کوئی ایسا نہیں رہا جو انصاف کی بات زبان سے نکال سکے ؎

انصاف کہاں سے ہو کہ دل صاف نہیں ہے

آپ لوگ خوش نصیب ہیں کہ ابھی آپ پر یہ وقت نہیں آیا اور شاید نہ آئے۔ کیوں کہ آپ کی حکومت ایسی تنگ نظر نہیں ہے جیسی یو۔پی اور سی پی کی۔ اس نے دوسروں کی طرح زبان کے مسئلے کو سیاسی نہیں بنایا۔ آپ کے وزیرِ اعظم مسٹر کھیر بھی زیادہ وسیع مشرب ہیں۔ گزشتہ عہدِ وزارت میں بھی اس معاملے میں اُن کا برتاؤ بہت ہمدردانہ رہا اور جب کبھی ہمیں اپنی زبان یا تعلیم کے متعلق کوئی شکایت ہوئی تو اس کے رفع کرنے میں انھوں نے حتی الامکان مدد دی۔ امید ہے کہ اس وقت بھی حکومت اُسی پالیسی پر قائم رہے گی اور اس پر شمال و وسط کی مکدّر فضا کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

آپ کا صوبہ تعلیمی اعتبار سے ترقی پذیر ہے۔ ابھی حال میں ایک نئی یونی ورسٹی قائم ہوئی ہے۔ یہ تجویز پُرانی تھی اور بہت دنوں پہلے گورنمنٹ نے اس کے قیام و نظام پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی، اور اس نے اپنا کام ختم کر کے رپوٹ بھی پیش کر دی تھی۔ لیکن جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اس کمیٹی میں زبان کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا اور اس پر بہت کچھ گفتگو رہی۔ اُردو کے

Marfat.com

حامیوں نے امکان بھر کوشش کی کہ اُردو کو بھی اس یونی ورسٹی میں وہی درجہ دیا جائے جو مرہٹی کو دیا گیا ہے لیکن کمیٹی کی رپوٹ نیز دیگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس یونی ورسٹی میں اُردو کا کوئی خاص لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ توقع کہ اس میں اُردو زبان کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جائے، بے جا نہ ہوگی۔ کیوں کہ سرکاری طور پر صوبے کی جو زبانیں تسلیم کی گئی ہیں ان میں اُردو بھی داخل ہے۔ اور اب تو اُردو نے اس صوبے میں بڑی ترقی کی ہے۔ بمبئی کا شمار اب ان شہروں میں ہونے لگا ہے جو اُردو کے مرکز سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں کے اُردو کے اخبار شمالی ہند کے اخباروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اُردو کتابیں یہاں بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ اُردو کے مشاعرے بڑے اہتمام سے اور اعلا پیمانے پر ہوتے ہیں۔ بمبئی ہمہ پرور شہر ہے جس میں مختلف ملت کے اور مختلف زبانیں بولنے والے رہتے ہیں۔ کاروبار کے لحاظ سے بھی یہ شہر دوسرے شہروں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے کاروبار کے سلسلے میں یا کسی دوسری تقریب سے ایک جا جمع ہوتے ہیں تو وہاں اُردو ہی کام آتی ہے اور اسی کا بول بالا رہتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ جب تعلیمی سرپرستی کا وقت آتا ہے تو اس کے حقوق نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔

سنہ ۱۸۸۲ء کے مشہور انڈین ایجوکیشن کمیشن میں جس کے صدر سر ولیم ہنٹر تھے، آنریبل مسٹر بدرالدین طیب جی، آنریبل خان بہادر قاضی شہاب الدین اور آنریبل مسٹر سیانی نے اپنی شہادتوں میں بالاتفاق یہ بیان کیا کہ صوبۂ بمبئی کے کثیر التعداد مسلمانوں کی مادری زبان اُردو ہے۔

Marfat.com

اور اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ مسلمان بچّوں کی تعلیم لازمی طور پر اُردو کے ذریعے ہونی چاہیے۔ یہ بہت معزز باخبر اور باوقار اصحاب تھے اور کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتے تھے جو حقیقت پر مبنی نہ ہو۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں مولوی رفیع الدّین احمد نے ٹائمز آف انڈیا، میں ایک سلسلہ مضامین کا شایع کیا جس میں بہ دلائل اور اعداد و واقعات سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کی مادری زبان اُردو ہے اور ان کی تعلیم اُردو ہی کے ذریعے ہونی چاہیے۔ بمبئی کے مشہور جرنلسٹ کے نٹ رنجن نے اپنے اخبار 'سوشل ریفارمر' میں اس کی پُر زور تائید کی تھی۔ جب بمبئی کی اُردو کانفرنس میں جو سنہ ۱۹۴۵ء میں ہوئی اُردو یونی ورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو تمام حاضرین نے بڑے جوش اور مسرت کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے بعد ملک کے حالات کچھ ایسے ناساز گار ہو گئے کہ اس کے متعلق کچھ کام نہ ہو سکا۔

اب سُننے میں آیا ہے کہ علاقہ گجرات میں ایک اور یونی ورسٹی کا ڈول ڈالا جا رہا ہے جس کا ذریعۂ تعلیم گجراتی ہوگا۔ اس کا کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ اس یونی ورسٹی میں اُردو کو وہی درجہ دیا جائے جو گجراتی کو دیا جائے گا۔ کیوں کہ اُردو سے گجرات کا تعلق زمانہ قدیم سے ہے۔ اور یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ اُردو ادب کا نشو و نما سب سے پہلے گجرات میں ہُوا۔ یہاں پانسو سال سے اُردو زبان کا سکہ رائج ہے۔ سب سے اوّل درویشوں اور صوفیوں نے یہیں اس زبان میں نغمے سُنائے۔ اسی سرزمین کو اس شخص کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے جو اُردو کا باوا آدم کہلاتا ہے اور جس نے

Marfat.com

اپنے کلام سے ہندو دکن کو مسحور کر دیا تھا۔ اور آج تک اُردو کے غزل گو شعرا اس کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اس وقت سے برابر یہاں علم و ادب اور شعر و سخن کا چرچا رہا اور اس کی گود کبھی اُردو کے قدر دانوں سے خالی نہ رہی۔ اس میں کسی قسم کے شبہے کی گنجایش نہیں کہ گجرات کے مسلمانوں کی مادری زبان آج سے نہیں صدیوں سے اُردو ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم میں ان کی مادری زبان کا خاص طور پر خیال رکھے۔ ان کو اس حق سے محروم رکھنا صریحاً انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت اس معاملے میں تنگ نظری یا تعصّب سے کام نہ لے گی اور اسی فراخ دلی اور انصاف پسندی کا ثبوت دے گی جس پر وہ اب تک کاربند رہی ہے۔

زبان کی خاطر دُنیا میں بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئی ہیں، جنگ و جدل ہوئے ہیں عقوبتیں اور اذیتیں پہنچائی گئی ہیں۔ لیکن جن کو اپنی زبان عزیز تھی انھوں نے سب کچھ سہا، طرح طرح کی قربانیاں کیں مگر اپنی زبان کو نہ چھوڑا اور مرتے مرتے اپنے سینے سے لگائے رہے۔ سزائیں بھگتیں، قیدیں جھیلیں، سختیاں برداشت کیں، ذلتیں سہیں، پر اپنی قومی زبان سے منہ نہ موڑا۔ ہم پر ابھی ایسا وقت نہیں آیا۔ لیکن اس کے آثار کچھ ابھی سے نظر آ رہے ہیں۔ اگر ہمیں اپنی قومی زبان کی بقا منظور ہے تو ہمیں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اسے خوب سمجھ لیجیے کہ کامیابی بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکلیف اور دُکھ اُٹھائے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ انسان کے مقدّر میں ہے۔ جو جتنا بڑا کام ہوتا ہے اُس کے لیے اُسی قدر زیادہ کوشش و کاوش، جاں فشانی اور قربانی درکار

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے لیے یہ بہت ہی الم ناک حادثہ ہے۔ لیکن ہمیں ہراساں نہیں ہونا چاہیے۔ ہراس اور یاس بُزدلوں کا کام ہے۔ جواں مردوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ ہمیں زندہ رہنا ہے تو ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور ہر آفت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ حُسنِ تدبیر اور حُسنِ عمل آئی بلا کو ٹالنے کے لیے یہی دو ہتھیار ہیں۔ اس لیے اس کانفرنس میں ہم اپنی قومی زبان کی بقا اور ترقی کے لیے باہم مشورے سے جو تدبیریں سوچیں اور طے کریں، انھیں بلا تاخیر عمل میں لانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیوں کہ بغیر عمل کے بہتر سے بہتر قرار دادیں اور تجویزیں بھی بے کار ہیں۔ ہم سوچتے بہت ہیں، کرتے کم ہیں۔ سوچنا اور غور کرنا خصوصاً ایسے معاملات میں مستحسن اور لازم ہے۔ لیکن سوچتے ہی رہ جانا اور کچھ نہ کرنا نا اہلوں اور ناکاروں کا فعل ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیے کہ اب جو کچھ کرنا ہے وہ ہمیں خود کرنا ہے۔ حکومت سے امداد کی توقع نہیں۔ یہ مہم ہمیں خود ہی سر کرنی ہوگی۔

لہٰذا اب میں آپ کی خدمت میں چند ایسی تجویزیں پیش کرتا ہوں جن پر عمل کرنے سے ہم اپنی زبان کو نہ صرف زندہ و قائم رکھ سکتے ہیں بلکہ اُسے وسعت و ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

ہم صدقِ دل سے یہ اقرارِ صالح اور عہدِ واثق کریں کہ کچھ بھی ہو جب تک ہمارے دم میں دم ہے:۔

۱۔ ہم اُردو بولیں، پڑھیں اور لکھیں گے۔

۲۔ ہم اپنے محلوں یا مسجدوں میں اُردو پڑھانے کا کوئی نہ کوئی ضرور

Marfat.com

انتظام کریں گے ؛

۳۔ اپنے خاندان میں کسی فرد کو اُردو لکھنے پڑھنے سے محروم نہیں رکھیں گے۔ یہاں تک کہ اپنے ملازموں کو بھی اُردو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے ؛

۴۔ اپنے شہروں اور قصبوں میں اُردو کتب خانے اور مطالعہ خانے قائم کریں گے ؛

۵۔ خط و کتابت اُردو میں کریں گے۔ سوا ایسی صورت کے جب کسی دوسری زبان میں مراسلت ناگزیر ہو ؛

۶۔ اپنے دفتروں اور دکانوں وغیرہ کے تختے اُردو میں لکھیں گے اور اپنا حساب کتاب اُردو میں رکھیں گے ؛

۷۔ اپنے اپنے شہر اور قصبے میں اُردو تقریروں، مباحثوں اور مشاعروں کا انتظام کریں گے ؛

۸۔ اپنے اپنے شہر اور قصبے میں کُل ہند انجمن ترقیِ اُردو کی شاخیں قائم کریں گے اور اس کی ہدایات پر عمل کریں گے ؛

۹۔ تاحدِ استطاعت اُردو اخبار، رسالے اور کتابیں خریدیں اور پڑھیں گے اور دوسروں کو خریدنے اور پڑھنے کی ترغیب دیں گے ؛

۱۰۔ ہم اپنے شہر یا قصبے کی انجمن کے تحت ایک مختصر کمیٹی اس غرض سے بنائیں گے کہ وہ نگرانی رکھے کہ ان تجویزوں پر عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہ ہوتا ہو تو ہم اپنے شہریوں کو ان کے عمل میں لانے کی ترغیب دیں گے اور اگر امداد کی ضرورت ہو تو مدد بھی دیں گے ؛

یہ تجویزیں ایسی نہیں ہیں جو ناقابلِ عمل ہوں اور نہ ایسی ہیں کہ ان کا عمل میں لانا قانونِ نافذ الوقت کے خلاف ہو۔ تھوڑی سی توجہ کی ضرورت

Marfat.com

ہے۔ کیا اپنی زبان اور اپنی قوم کو بچانے کے لیے اتنی سی توجہ بھی نہیں کرسکتے ؟
اگر ہماری طرف سے ذرا بھی کوتاہی یا غفلت ہوئی تو خیر نہیں ؎

غیر کا ڈر نہیں، جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے
ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے

صاحبو! جب ہم ایسی زبانیں دیکھتے ہیں جو صدیوں سے مُردہ ہو چکی ہیں۔ جن کے بولنے والے اب دُنیا میں کہیں نہیں ملتے۔ مگر ایک اعتبار سے اب تک زندہ ہیں۔ یعنے اُن کے مطالعہ کرنے والے اور ان سے استفادہ کرنے والے اور اُن کے دِل دادہ و شیدائی اب تک دُنیا میں بہت سے موجود ہیں۔ تو ایک ایسی زندہ زبان جس کے بولنے لکھنے پڑھنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہوں کیوں کر مُردہ ہو سکتی ہے۔ سنسکرت، لاطینی، یونانی کو چھوڑیئے، عبرانی کو لیجیے کس ملک کی زبان ہے کہاں بولی جاتی ہے۔ لیکن یہودیوں کی ایک قلیل جماعت نے اپنے عزم و استقلال اور قومی حمیت کے بل پر اس مُردے کو زندہ کر دکھایا ہے۔ اب فلسطین میں یہودیوں نے جو یونی ورسٹی بنائی ہے اس کی زبان عبرانی ہے اور تمام علوم و فنون کا ذریعۂ تعلیم بھی یہی زبان ہے۔ یہودی اب وہاں یہی زبان بولتے اور لکھتے پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے وہاں کی حکومت کو مجبور کر دیا کہ جو احکام اور اعلانات حکومت کی جانب سے جاری ہوں وہ عربی کے ساتھ عبرانی میں بھی جاری کیے جائیں۔ جب ایک مٹھی بھر یہودی صدیوں کے مُردے کو زندہ کر سکتے ہیں تو کیا آپ ایک اچھے بھلے تنومند ہونہار زندہ کو زندہ نہیں رکھ سکتے ؟ کیا آپ اس کا زندہ درگور ہونا گوارا کریں گے ؟

Marfat.com

مصیبت بعض وقت رحمت ثابت ہوتی ہے۔ دُنیا میں اکثر بڑے بڑے کام مصیبت کے وقت انجام پاتے ہیں۔ یہ تازیانے کا کام دیتی ہے جس سے سوتی ہوئی قوتیں جاگ اُٹھتی ہیں اور اَٹی ہوئی سوتیں کھل جاتی ہیں۔ بجھے ہوئے دِلوں میں ایک تازہ توانائی اور دماغوں میں ایک نئی جِلا پیدا ہو جاتی ہے۔ اختلاف اور نفاق مٹ جاتے ہیں اور اُن کی جگہ یک جہتی اور اتحاد کی برکت آجاتی ہے۔ جو کام پہلے اَن ہونے معلوم ہوتے تھے وہ آسان نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ وقت ہم پر بھی ایسا ہی آیا ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے امتحان کا وقت ہے۔ اگر ہم ہمت نہ ہارے اور استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا تو انشاء اللہ ہم اس امتحان میں ضرور پورے اُتریں گے ؎

مدد اے ہمتِ دشوار پسند
کام آسان ہُوا جاتا ہے

Marfat.com

خطبۂ صدارت

سالانہ جلسہ بلوچستان ٹیچرز ایسوسی ایشن

(۲۶ جولائی سنہ ۴۸ ۱۹ء)

جناب پرنسپل صاحب و اساتذۂ بلوچستان!

مَیں آپ کے ارشاد پر یہاں حاضر ہُوا ہوں اور آپ کی اس عنایت آمیز دعوت کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں. مَیں بھی آپ کی برادری کا ایک فرد ہوں. اگرچہ بوڑھا ہوں لیکن ابھی مَیں نے کام سے ہاتھ نہیں روکا ہے اور کام وہ اکسیر ہے جو بڈھے کو بھی جوان بنائے رکھتی ہے. مَیں وہ سب منزلیں طے کرچکا ہوں جن میں آپ گام زن ہیں. لیکن جب اپنے زمانۂ طالب علمی کا خیال کرتا ہوں اور آج کل کا رنگ دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے. یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک نئی دُنیا میں آگیا ہوں. نہ پہلے سے طالب علم ہیں اور نہ ویسے معلّم. نہ اُستادوں میں وہ شفقت ہے اور نہ شاگردوں میں وہ سعادت مندی. طالب علموں کی جماعت بدتمیزی ہوگئی ہے. یہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں. ہڑتالیں کر بیٹھتے

Marfat.com

ہیں۔ اس میں ایک تو زمانے کا عام رنگ ہے۔ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ مگر بعض اوقات اُستادوں کی طرف سے بھی کوتاہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ہمارے بعض معزز لیڈروں کا بھی کچھ ہاتھ ہے۔ وہ اپنے پروپیگنڈے اور شہرت کے لیے طالب علموں کی پیٹھ ٹھوکتے اور انھیں اُکسا کر خوب کام لیتے ہیں۔ بڑے بڑے جلوس نکلواتے ہیں جن میں طرح طرح کے نعروں اور سرگرمیوں سے عجیب ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے۔ ہنگامہ پسندی اب ہمارا شعار ہو گیا ہے۔ لیکن ایک بات میں آج کل کے طالب علموں کے حق میں ضرور کہتا ہوں۔ وہ میرے زمانے کے طلبا۔ کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار، زیادہ مستعد اور پُرجوش اور زیادہ باخبر ہیں۔ ان کی نظر صرف اپنے نصاب کی کتاب اور اپنے کالج تک محدود نہیں بلکہ اپنے مُلک اور دُنیا کے حالات سے بھی بہ خوبی واقف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی معلومات بہت زیادہ ہیں۔ اور اس میں انھوں نے خاص ترقی کی ہے لیکن کیا علم میں بھی ترقی اسی نسبت سے ہوئی ہے؟ اس میں مجھے شُبہ ہے۔

بات یہ ہے کہ انگریزی حکومت میں ہماری تعلیم کا جو ڈول ڈالا گیا تھا اس کا مقصد ہمیں علم سکھانا نہ تھا۔ بلکہ اس کی تہ میں زیادہ تر سیاسی اغراض تھیں۔ بہت دنوں کے بحث مباحثے کے بعد جب میکالے کی یادداشت کی بنا پر گورنر جنرل کی تائید سے یہ قطعی طور پر طے پایا کہ انگریزی زبان اور تمام یورپی علوم کی تعلیم انگریزی کے ذریعے سے دی جائے تو اس میں حکومت کی خاص مصلحت تھی۔ اہلِ حکومت صاف صاف کہتے تھے کہ "ہم مٹھی بھر آدمی ایک ایسے وسیع مُلک اور ایسی وسیع آبادی

Marfat.com

یں ہیں جن کی کوئی بات ہم سے نہیں ملتی۔ رنگ روپ، مذہب و اخلاق، رسم و رواج، تہذیب و تمدن، غرض ہر چیز میں ہم سے مغائر ہیں۔ ایک قوم کو بہ زورِ شمشیر فتح کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے مغائرت اور نفرت کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ نفرت اور مغائرت دور کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ امورِ سلطنت کے انجام دینے اور عام برتاؤ میں مفتوح قوم کے طبائع، رسم و رواج اور جذبات کا خیال رکھا جائے اور بلا وجہ ایسے قانون اور قاعدے نافذ نہ کیے جائیں جو دل آزاری اور نفرت کا باعث ہوں۔ اس قسم کی تدبیریں ایک حد تک کارگر ہو سکتی ہیں۔ لیکن ادھوری اور اوپری ہیں۔ پائے دار نہیں۔ اصل خطرہ تہذیب و تمدن کے اختلاف اور مغائرت کا ہے جس کی وجہ سے مفتوح فاتح سے الگ الگ اور دور دور رہتا ہے اور باہمی ارتباط نہیں ہونے پاتا۔ اس خطرے سے بچنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ اہلِ ہند کو فاتح کی تہذیب اور تمدن میں ڈھال لیا جائے اور یہ تہذیبی فتح انگریزی زبان کے ذریعے یورپی علم و حکمت کی تعلیم دینے سے ہو سکتی ہے۔ ہماری زبان اور تہذیب اختیار کرنے کے بعد وہ ہمیں غیر نہیں سمجھیں گے۔ ہماری جیسی تعلیم پانے کے بعد اُن کا ذوق ویسا ہی ہو جائے گا جیسا ہمارا ہے اور ان کے مشاغل وہی ہو جائیں گے جو ہمارے ہیں۔ اُن کا قومی رُخ بدل جائے گا اور ہم سے نفرت کرنے کی بجائے وہ اپنا مربی اور محافظ سمجھنے لگیں گے۔ یہ لوگ ہماری حکومت کے خیر خواہ اور وفادار اور برٹش ایمپائر کے استحکام و بقا کا باعث ہوں گے چناں چہ میکالے نے اپنی یادداشت میں اس خیال کا اظہار ان الفاظ

Marfat.com

میں کیا ہے" ہمیں فی الحال انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ایک ایسی جماعت پیدا کریں جو ہمارے اور ہماری رعایا کے لاکھوں انسانوں کے درمیان ترجمان کا کام دے۔ یہ لوگ خون اور رنگ میں ہندستانی لیکن ذوق، خیالات اور ذہنیت میں انگریز ہوں گے"۔

عیسائی مشنریوں نے بھی انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے میں ہر در تائید اور سعی کی۔ انھیں اس کا یقین تھا کہ یورپی سائنس کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے حاصل کرنے کے بعد ہندستانیوں کے اعتقاد میں تزلزل پیدا ہو جائے گا اور وہ اپنے مذہب سے منحرف ہو کر عیسائی گلے میں آملیں گے۔

کمپنی کے حکام بہ ظاہر مذہب کے معاملے میں ناطرف دار تھے۔ لیکن یہ ناطرف داری دکھاوے کی تھی۔ وہ بھی دل سے مشنریوں کی تائید میں تھے۔ چناں چہ میکالے نے اپنی یادداشت کے دوسرے سال سنہ ۱۸۳۶ء میں اپنے والد کو ایک خط میں لکھا "اگر تعلیم کی تجاویز پر عمل کیا گیا تو تیس سال کے بعد بنگال کے معزز طبقے میں ایک شخص بھی بُت پرست نہیں رہے گا"۔

ایک اور بات جو انگریزی کی تعلیم کی محرک ہوئی وہ یہ تھی کہ دفتروں میں انگریزی داں کلارکوں اور اسی قسم کی چھوٹی موٹی ملازمتوں کی ضرورت تھی۔ انگریز کم تنخواہ پر کہاں ملتے۔ انگریزی پڑھے لکھے ہندی بہت سستے ملنے لگے۔ اس میں سرکاری کفایت مدِ نظر تھی۔

یہ تو تھی حکومت کی مصلحت۔ لیکن اس فیصلے نے کہ تمام مضامین اور علوم انگریزی زبان کے ذریعے سکھائے جائیں۔ علم کی جڑ کاٹ

Marfat.com

دی غیر زبان کے ذریعے سے علوم کی تعلیم اور وہ بھی ایسی اجنبی اور بیگانہ زبان کے ذریعے سے جیسی انگریزی ہے، علم سے محروم رکھنے کے برابر ہے۔ اس سے طلبا کے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی نظام پر جو مضر اثر پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کا تلخ تجربہ ہم ایک صدی سے جھیل رہے ہیں۔ ایک دقت تو خود زبان کے محاورے اور اس کی نزاکتوں پر عبور حاصل کرنے کی ہے اور دوسری اس کے ذریعے سے مضمون سمجھنے کی۔ نتیجہ یہ کہ نہ تو زبان پر پوری قدرت حاصل ہوتی ہے اور نہ مضمون پر۔ اور وقت دُگنا بلکہ کئی گُنا زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اور عمر کا سب سے عزیز حصّہ اسی الجھن میں بے کار جاتا ہے۔ قوائے جسمانی و ذہنی مضمحل اور جدّت و جودت مفقود ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑا نقص جو اس تعلیم میں ہے وہ یہ کہ اس تعلیم کے بندے اپنی روایات و تہذیب اور اپنے اخلاق اور تاریخ سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ چیزیں جو قومیت کی بنیاد ہیں اُن کی نظروں میں حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ وہ مغربی تہذیب و رسوم کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور مغرب کی نقالی ان کا سب سے بڑا ہُنر ہوتا ہے۔ ان کا اب ایک فرقہ بن گیا ہے جو قومی نظام کے لیے نہایت خطرناک ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر بعض ہم دردانِ قوم نے قومی مدرسے اور کالج قائم کیے۔ مگر افسوس کہ انھیں پوری کام یابی نہ ہوئی۔ وہ اپنے طالب علموں میں قومی اور اسلامی روح پیدا نہ کر سکے۔ اس لیے کہ تعلیم کا نظام حکومت کے ہاتھ میں تھا اور اس کی پابندی اُن پر اس لیے لازم تھی کہ وہ سرکاری امداد کے محتاج تھے جس کے بغیر ان کا چلنا مشکل

Marfat.com

تھا۔ غرض طالب علموں کا مقصد تعلیم سے صرف امتحان میں کام یابی حاصل کرنا اور اُستادوں کا امتحانوں میں کام یاب کرنا رہ گیا اور امتحان میں کام یابی کے معنی سوا حصولِ ملازمت کے اور کچھ نہ تھے ؛

اس تعلیم سے بیزار ہو کر بعض جدید خیال کے قوم پرست اصحاب نے ایسے مدرسے کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد ملّتِ اسلامیہ کو حکومت کی تعلیمی پابندیوں سے آزاد قومی اصول پر تعلیم دینا تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ ادارہ بھی باوجود معقول مالی امداد اور سعی کے ناکام رہا ؛

ان جدید انگریزی مدرسوں کے علاوہ ہمارے قدیم عربی مدارس ہیں۔ جو ایک زمانے سے تعلیم و تعلّم کا فرض ادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور سرکاری امداد سے بے نیاز اور اپنے معاملات میں آزاد ہیں۔ لیکن ان کا نصابِ تعلیم قدیم سے ایک سا چلا آ رہا ہے جو بہت محدود ہے اور اس کے اکثر علمی مسائل اب غلط اور بے کار ہو گئے ہیں۔ ان طلبا کی عمر کا اکثر حصّہ زیادہ تر ایسے علوم کے حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے جن کا اب کوئی مصرف نہیں۔ اس نقص کو محسوس کر کے بعض روشن خیال علما نے ان کی اصلاح کی سچے دل سے اور بڑی سرگرمی سے کوشش کی اور معزز جماعت ندوۃ العلما نے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں قدیم نصاب کی اصلاح کی اور بعض جدید چیزیں داخل کیں۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کی حالت سقیم ہو گئی اور یہ مدرسہ نہ تو قدیم طرز کا رہا نہ جدید کا اور اس کے طالب اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ؛

قدیم عربی مدارس میں باوجود نقائص دو بڑی خوبیاں تھیں۔ ایک مطالعے کا شوق اور دوسرے کسی ایک فن میں کمال حاصل کرنے کی سعی۔

Marfat.com

مثلاً فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ وغیرہ میں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا علم حاضر ہوتا تھا اور جو کچھ وہ پڑھتے تھے (خواہ کیسا ہی غلط سہی) اُسے وہ سمجھتے تھے اور اس پر قدرت رکھتے تھے۔ اس کے برخلاف انگریزی مدارس میں نہ تو مطالعے کا شوق ہے اور نہ کسی ایک فن میں کمال کا موقع۔ یہ ضرور ہے کہ بعض علوم اور مضامین تک اُن کی رسائی ہو جاتی ہے اور مختلف قسم کے معلومات ان کے دماغ میں جمع ہو جاتے ہیں جسے ایک قسم کی ذہنی اور دماغی ورزش سمجھنا چاہیے۔ حافظہ اس میں زیادہ کار فرما ہوتا ہے۔ بعض زبانوں میں بھی شُد و بُد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ان میں حسن و خوبی اور فصاحت کے ساتھ لکھنا بہت کم کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ قابلیت ایسی ہے کہ اگر کالج کے داخلے کا اعزاز اور پروفیسروں کی خدمت کا شرف نہ بھی حاصل ہو تو بھی ایک اوسط درجے کی استعداد کا طالب علم خود اپنے مطالعے اور کتب خانوں، رسالوں اور اخباروں کی مدد سے اس قدر قابلیت حاصل کر سکتا ہے جو کالج کے ایک سند یافتہ کے لیے لازم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس تعلیمی نقص کے رفع کرنے کے لیے قدیم تعلیم اور جدید انگریزی تعلیم کی اصلاح کی خاطر جو دو تین قسم کے نئے مدرسے بنائے گئے وہ ناکام کیوں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بانیوں اور چلانے والوں میں ایسے اشخاص نہیں تھے جو ایک طرف تو اپنے قدیم علوم اپنے مذہب و اخلاق اور اپنی تہذیب و روایات کے بنیادی اصولوں پر نظر رکھتے ہوں اور دوسری طرف جدید تمدن اور جدید علوم پر اس قدر حاوی ہوں کہ ان کے عیب و صواب کو کامل طور پر پرکھ سکیں۔ اور پھر دونوں کے بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ان میں ایسا امتزاج پیدا

Marfat.com

کریں کہ اسلامی تہذیب و روایات اور مذہب و اخلاق کی اصل خصوصیات قائم رہیں اور ہم جدید تمدّن اور جدید علوم کی خوبیوں سے پورے طور پر متمتع ہو سکیں۔ یہ وہی عظیم الشان کام ہے جو ایک زمانے میں مسلمانوں نے بغداد و غرناطہ میں انجام دیا تھا اور جس کی بدولت یورپ اور دوسرے ممالک میں علم و حکمت کی روشنی پھیلی۔ یہ بہت مشکل کام ہے لیکن ہمارے تعلیمی مسئلے کا حل اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہم فروعات میں اُلجھ کر بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں ہمیں ابھی انتظار کرنا ہوگا کہ پاکستان اپنے تعلیمی نظام کو کس نہج پر مرتب کرتا ہے۔ لیکن اس انتظار میں ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے۔ ابتدائی کام جو بڑے کام کا مقدمہ ہوگا برابر جاری رہنا چاہیے اور اس میں اُن اصولوں پر کاربند رہنا ضروری ہے جو قوم کی تنظیم کے لیے (خواہ وہ تعلیمی کام ہو یا کوئی دوسرا) لازم ہیں ❖

جب ہم قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قوموں کے زوال کے زمانے میں ایسے ایسے شجاع، صاحب کمال، فن کار، صناع، ادیب، شاعر، فلسفی، حکیم پائے جاتے ہیں، جن پر بجا طور پر فخر کیا سکتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس قوم میں ایسے صاحب کمال، ذی عقل اور فرزانہ اشخاص موجود ہیں وہ کیوں زوال کی طرف جا رہی ہو۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کے اخلاق گر جاتے ہیں تو کوئی قوت، کوئی تدبیر اسے زوال کی گرفت سے نہیں بچا سکتی۔ عقل و حکمت، ذہانت و ذکاوت، فن کا کمال کچھ کام نہیں آتا جب تک اخلاقی قوت ان کے ساتھ

Marfat.com

نہ ہو۔ اخلاق تمدن کی بنیاد ہے۔ اخلاق سے مراد صداقت، جسرأت، ارادی قوت اور ایثار ہے۔ اخلاق میں ایثار کا درجہ سب سے اول ہے۔ انسانی ترقی کے لیے ایثار لازمی شرط ہے۔ الوالعزم قوموں کی تاریخ میں آپ کو ایسی ہستیوں کے نام ملیں گے جنھوں نے اپنی قوم کی نجات کے لیے اپنی ہر چیز کو قربان کر دیا ہے۔ سچی عزت اور عظمت انھیں کا حق ہے۔

اس زمانے میں زندگی کی ہر چیز مصنوعی اور تجارتی ہوگئی ہے۔ دوستی و محبت، اخلاق و مذہب، عصمت و عفّت، علم و حکمت سب تجارتی ہیں۔ یہی تعلیم کا حال ہے۔ یہ بھی ایک تجارتی شعبہ ہوگیا ہے۔ آج کل دُنیا میں مادّیت کا اس قدر زور ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں پر چھاگئی ہے۔ اخلاق و مذہب اور رُوحانیت سب پس پشت جا پڑے ہیں۔ جدید تمدن سراسر مادّی ہے جو انسان نے اس لیے اختیار نہیں کیا کہ وہ اس کے مزاج اور فطرت کے مطابق ہے بلکہ مشینی اور سائنسی ایجادات اور مادّی ترقی کے سیلاب نے سوچنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا اور وہ اس میں بے تحاشا بہتا ہوا چلا گیا ہے۔ ہوس ناکی، مال و زر کی محبت، جنسی خواہشات میں بڑے چھوٹے (الا ما شاء اللہ) سب مبتلا ہیں۔ جدید نفسیات کی رُو سے جنسی یا دُوسری مذموم خواہشات کو روکنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ نفس آزاد ہے۔ صبر و سکون، ضبط و تحمل راندۂ درگاہ ہیں۔ تعلیم کی ہر طرف پکار ہے۔ مدرسوں اور کالجوں کا شمار بڑھتا جاتا ہے۔ طالب علموں کی تعداد روز افزوں ہے، کتب خانوں، کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی ریل پیل ہے لیکن ادبی ذوق اور مطالعے کا

Marfat.com

شوق پہلے سے کم ہے۔ یہ نہیں کہ لوگ پڑھتے نہیں، بہت پڑھتے ہیں لیکن گھٹیا قسم کی کتابیں، ادنا درجے کے ناول اور فسانے، رسالے ہوس ناکی اور شہوانی جذبات کے اُبھارنے والے زیادہ مقبول ہیں۔

ایسی تعلیم جو اخلاق و مذہب اور روحانیت سے خالی ہو ایسے انسان نہیں پیدا کر سکتی جن کی اس وقت قوم کو ضرورت ہے۔ اس تعلیم کی پیداوار آپ کے سامنے ہو۔ حکومت سے لے کے نیچے تک ہر طبقے پر نظر ڈالیے اور دیکھیے وہ کس رنگ میں ہیں جن خرابیوں اور بد اخلاقیوں کو آپ دیکھتے اور سُنتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ اُن خرابیوں اور بد اخلاقیوں کی تعداد ہے جو ہمارے سُننے اور دیکھنے میں نہیں آتیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں۔ ان کو تعلیم ہی ایسی دی گئی ہو جس میں نیک اور بد، نفس پرستی اور ایثار، خود غرضی اور خدمتِ خلق میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ ان کو صحبت ہی ایسی ملی ہو جہاں سب ایک حمام میں ننگے نہا رہے ہیں۔ یہ جدید تعلیم کی آزادیاں ہیں ؎

ہم مجبور تھے محکوم تھے۔ اپنی تعلیم میں کوئی حقیقی اصلاح کرنے پر قادر نہ تھے۔ اُن حالات میں جو اصلاح بھی ہوئی وہ ادھوری رہی۔ اب ہم آزاد ہیں۔ آزادی بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے۔ خصوصاً جب کہ ایک مدّت کی محکومی کے بعد نصیب ہوئی ہو۔ اس کی اصلی قدر اس میں ہے کہ ہم قومی تعمیر میں اس سے صحیح طور پر کام لیں۔ قومی تعمیر میں تعلیم کا بڑا دخل ہے۔ مروجہ تعلیم کا ڈھچر بہت پُرانا اور فرسودہ ہو گیا ہے۔ نہ یہ پہلے کچھ زیادہ کام کا تھا نہ اب کسی کام کا ہے۔ یہ زبردستی ہم پر مڑھا گیا تھا۔ یہ ہمارے مزاج، ہماری فطرت اور ہماری تہذیب

Marfat.com

اور آداب سے مناسبت نہیں رکھتا ہمیں زبردستی اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالنا پڑا جس سے ہماری فطرت اور دماغی قوا مسخ ہو گئے۔ ان کو اصلاح پر لانا دو چار دن کا کام نہیں۔ پرانی عادات اور خیالات کا جو دل و دماغ میں بسے ہوئے ہیں، نکالنا آسان نہیں۔ لیکن اس کی داغ بیل ابھی سے ڈالنی چاہیے۔ ذریعۂ تعلیم کا بدلنا، نئے نصاب تعلیم کا مرتب کرنا بلاشبہ بہت بڑی اصلاح ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں، پورے ماحول کو بدلنا پڑے گا۔ ماحول کا انسانی تربیت اور نشو و نما میں بہت بڑا دخل ہے۔ ادنا ناسازگار ماحول اعلا سے اعلا دماغی صفات کو زائل کر دیتا اور اخلاق بگاڑ دیتا ہے اور ایک صالح ماحول یا صحبت انسان کو درجہ (بشرطے کہ اس میں صلاحیت ہو) کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ میں نے بعض ایسے ان پڑھ لوگ دیکھے ہیں جو اچھی صحبت کی بدولت اپنی گفتگو اور برتاؤ میں ایسے شایستہ اور مہذب معلوم ہوتے تھے کہ کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا کہ وہ ان پڑھ یا جاہل ہیں۔ ہماری زبان میں ان پڑھ شاعروں کی کمی نہ تھی، یہ محض صحبت کا فیض تھا۔

نصابِ تعلیم کے بدلنے اور اپنے خیالات اور تہذیب کے خیال سے اُسے بہتر بنانے کی شدید ضرورت ہے لیکن اس سے زیادہ اچھے اُستادوں کی ضرورت ہے۔ نصابِ تعلیم کیسا ہی اعلا درجے کا کیوں نہ ہو اگر اُستاد اس درجے کے نہیں تو بے کار ہے۔ کالج اور یونی ورسٹیاں، قواعد ضوابط، کمیٹیوں، کونسلوں، امتحانوں اور عمارتوں سے نہیں بنتیں۔ یونی ورسٹیاں پروفیسروں سے بنتی ہیں۔ ایک کامل الفن کو لاکر بٹھا دیجیے اور پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ طالب علم اس کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو جائیں گے۔ قدیم

Marfat.com

زمانے میں جب طالبِ علم کسی کاملِ فن کا شہرہ سُنتے تھے تو دُور دُور سے سیکڑوں کوس کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگ کسبِ فیض کرتے تھے۔ کچھ دنوں پہلے ہمارے ہاں بھی ایسے بزرگ موجود تھے۔ مثلاً مولوی عبدالحق خیرآبادی، مولوی فیض الحسن پروفیسر عربی اورنٹیل کالج لاہور، مولانا فاروق، مولوی نذیر حسین محدث دہلوی وغیرہ وغیرہ جن کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے اس برِ عظیم کے دُور دُور کے علاقوں بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی طالبانِ علم جمع ہوتے تھے۔ ان کے دلوں میں اپنے اُستادوں کی جو عزت و عظمت ہوتی تھی وہ کسی دوسرے کی نہیں ہوتی تھی۔ ایسے بزرگوں کی مثال اور صحبت طلبا کے دلوں میں نیا ولولہ اور اُمنگ پیدا کرتی اور سارے ماحول کو بدل دیتی تھی۔ ایک کاملِ فن کا اپنے فن سے عشق اور دوسرے معاملات سے بے نیازی خود ایک نیکی ہے اور اخلاق میں بڑا درجہ رکھتی ہے۔ اخلاق، جغرافیہ، صرف و نحو اور ریاضی کی طرح پڑھنے اور رٹنے سے نہیں آتے۔ یہ مدرسوں کی بنچوں پر بیٹھ کر سبق پڑھنے یا کالجوں میں پروفیسروں کے لکچر سُننے سے میسر نہیں ہوتے۔ یہ صالح ماحول اور اچھی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں ؂

تعلیم گاہوں کا ماحول بدلنے کے لیے ہمیں ایسے ذی کمال اور صاحبِ اخلاق معلموں کی ضرورت ہے جو اپنے فن میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ جن کے انہماک کی یہ حالت ہو کہ ان میں اور ان کے فن میں کوئی دوئی باقی نہ رہے۔ یہ صاحبِ کمال گو دُنیاوی اعتبار سے ناقص انسان ہوتے ہیں مگر یہ وہ لوگ ہیں جن سے انسانی تمدّن اور ترقّی کو عظیم الشان فائدہ پہنچا ہے ہماری تعلیم گاہوں اور یونی ورسٹیوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے اہلِ کمال کو

Marfat.com

ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائیں۔ ان کے آنے سے ہماری تعلیم گاہوں کی فضا کچھ اور ہی ہو جائے گی۔ لیکن ایسے لوگ، اخباروں میں اشتہار دینے اور درخواستیں طلب کرنے سے نہیں ملتے۔ وہ درخواستیں نہیں دیتے، سفارشیں بہم نہیں پہنچاتے، وہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے در بہ در نہیں پھرتے۔ ہمیں ان سے درخواست کرنی چاہیے۔ انھیں ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں، ان کے پاس جانا چاہیے۔ ان کی عزت سے ہماری عزت اور علم کی عزت ہے۔ ہمیں ایسے استادوں کی ضرورت نہیں جنھیں علم سے زیادہ اپنی تنخواہ عزیز ہے اور جو شب و روز اپنی تنخواہوں کے اضافے اور ترقی کے لیے اپنے افسروں اور وزیروں کی دربارداری کرتے ہیں اور سفارشوں اور سرٹیفکیٹوں کے بل پر ترقیاں حاصل کرنے کی دُھن میں رہتے ہیں۔ اس میں علم کی بے وقری ہے۔ خود شاگردوں کے دل میں بھی ایسے اُستادوں کی عزت نہیں رہتی۔ وہ اس مغالطے میں نہ رہیں کہ طالب علم ان ترکیبوں کو نہیں سمجھتے۔ طالب علموں سے بڑھ کر اُستادوں کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اگر اُستادوں کو کوئی ایسا موقع ملے کہ وہ شاگردوں سے اوجھل رہ کر اپنے شاگردوں کی رائیں اپنے متعلق سُن سکیں تو انھیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ان کی رائیں باول تولے پاؤ رتی صحیح ہیں۔

اے حضراتِ اساتذہ! آپ قومی معمار ہیں۔ قوم کی تعمیر کا کام جو درپیش ہے اس میں آپ کا بھی حصّہ ہے اور بہت بڑا حصّہ ہے۔ آئندہ نسلوں کی تربیت کی بنیاد آپ ہی کے ہاتھوں پڑے گی۔ آپ اپنی مثال اور نمونے، اپنی رفتار و گفتار سے ان کے بہت سے توہمات رفع کر سکتے، غلط خیالات کی اصلاح کر سکتے اور نئے رجحانات پیدا کر سکتے ہیں۔ اخلاق

Marfat.com

سکھانے کے دو ہی موثر طریقے ہیں۔ ایک تو اچھی صحبت اور ماحول کے ذریعے، دوسرے ان برگزیدہ ہستیوں کے سوانح زندگی کے ذریعے سے جنھوں نے دنیا کی مخالفتیں اور سختیاں جھیل کر اپنے نفس کو مار کر تن من دھن سے اپنے ملک یا قوم کی خدمت کی اور اس کی خاطر اپنی ہر عزیز چیز کو قربان کر دیا اور ایسے کام کر گئے جو کبھی مٹنے والے نہیں یہ لوگ مرے نہیں، زندہ ہیں اور ہمیشہ اپنے بعد کی آنے والی نسلوں کی رہ نمائی کرتے رہیں گے۔ خالی وعظ اور نصیحت یا تنبیہ اور ہدایتیں کارگر نہیں ہوتیں۔ ایسی باتیں دل میں جڑ نہیں پکڑتیں۔ بلکہ بعض طبائع پر اس کا اُلٹا اثر ہوتا ہے۔ البتہ جو ڈھنگ شیخ سعدیؒ، مولانا رومؒ جیسے بزرگوں نے اختیار کیا وہ بہت دل آویز اور موثر ہے۔ وہ حکایت یا نقل کے پیرایے میں کہنے کی بات اس طرح کہہ جاتے ہیں کہ سننے والے کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کوئی نصیحت یا تنبیہ کر رہا ہے اور اثر اس کا واعظوں کے وعظ اور ناصحوں کی نصیحت سے کہیں زیادہ اور پائے دار ہوتا ہے۔ یہ بزرگ اس نفسیاتی گر کو خوب سمجھتے تھے۔ الہامی صحیفوں میں بھی بعض اوقات یہی پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ آپ کو تعلیم کے دوران میں بہت سے ایسے موقعے آئیں گے جب کہ صاف صاف کہنا خلاف مصلحت ہوگا۔ اُس وقت یہ طریقہ بہت کام دے گا۔ اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات اکھڑپنے سے دوسرے کے مزاج یا جذبات کا خیال کیے بغیر پھٹ سے کہہ دی جاتی ہے تو اکثر اوقات، باوجودے کہ بات سچی ہوتی ہے، سننے والے کے دل میں بغاوت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن جب وہی بات اس پیرائے میں کہی جاتی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو دل آزاری کی تلخی خوش گواری میں

Marfat.com

بدل جاتی ہے اور بات دل میں اُتر جاتی ہے۔

انسان بالطبع کاہل واقع ہوا ہے اور آج کل عام طور پر اور خاص طور پر ہمارے طالب علموں میں آسانی پسندی اور آرام طلبی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ وہ نصاب کی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ اس کے نوٹ اور خلاصے ملاحظہ فرماتے ہیں۔ وہ مضمون کے سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے بلکہ رٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں، امتحان پاس کرنا ہے۔ اس لیے طالب علموں میں محنت کرنے، سختی برداشت کرنے، دل لگا کر کام کرنے اور یک سوئی کی عادت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو لوگ اور قومیں سختی برداشت کرنے اور دل لگا کر مسلسل کام کرنے سے جی چُراتی ہیں۔ انھیں کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی وہ ہمیشہ غلام رہیں گی۔ سختی برداشت کرنے، محنت اور استقلال سے کام کرنے ہی سے انسان انسان بنتا ہے اور اس کی سیرت، اخلاق اور انسانیت میں جِلا اور ترقی ہوتی ہے۔ کاہلی بہت سی خرابیوں، مصیبتوں اور بد اخلاقی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس سے بچیے اور اپنے طالب علموں کو بچائیے۔

اے صاحبو! میں نے بار بار اخلاق کی درستی پر زور دیا ہے۔ آپ اس سے بیزار نہ ہوں۔ میں اس لئے اس پر اصرار کرتا ہوں کہ ہمارے نظام تعلیم میں اس کی بڑی کمی ہے اور یہ بہت بڑا عیب ہے۔ اس لیے کہ جب کسی کے اخلاق گر جاتے ہیں تو اس کے اثر سے جسمانی اور دماغی قوا سبھی زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ اخلاق ہی کا دوسرا نام نیکی ہے۔ نیکی کے بھی مدارج ہیں۔ اس کا فیصلہ کہ کون سی نیکی سب سے بڑی ہے یا کون سی نیکی

Marfat.com

دوسری نیکیوں پر ترجیح رکھتی ہے، کمروں میں بیٹھ کر منطقی دلیلوں سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ ہر زمانے کے حالات اور ضروریات پر منحصر ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی وقت مُلک میں قحط پڑ جائے تو اس وقت سب سے بڑی نیکی بھوکوں کو کھانا کھلانا اور ان کی تکلیفوں کو کم کرنا ہوگی۔ یا خدا نہ خواستہ کبھی طاعون یا کوئی اور وبا پھیل جائے تو اُس وقت بیماروں کی دوا دارو اور ان کی غور پرداخت بڑی نیکی ہوگی۔ یا فرض کیجئے کسی مُلک میں جہالت ہے تو وہاں تعلیم کی اشاعت بڑی نیکی کا کام سمجھا جائے گا۔

پاکستان سال ہا سال کی جدوجہد، بے مثل قربانیوں، ہزارہا جانیں کھپانے اور تباہیوں اور بربادیوں کے بعد حاصل ہُوا ہے۔ اب اس کی تنظیم، اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنا اور ان نقائص اور خرابیوں کو دُور کرنا جو گزشتہ دَور سے چلی آرہی ہیں ایسا غیر معمولی بڑا کام ہے جس کا انجام پانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قوم کا ہر فرد اسے اپنا مقدم اور مقدس فرض نہ قرار دے لے۔ ان حالات میں سب سے بڑی نیکی قومی خدمت ہے۔ قومی خدمت کی بیسیوں، سیکڑوں صورتیں ہیں۔ تاجر اپنی تجارت سے عالم اپنے علم سے، طالب علم تحصیلِ علم سے، پیشہ ور اپنے پیشے سے، سرکاری عہدہ دار اپنے فرضِ منصبی کو ایمان داری سے ادا کرنے سے یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ قومی تعمیر میں آپ کا بڑا حصّہ ہے۔ آپ اپنی تعلیم کے ذریعے سے اپنے طالب علموں میں یہ جذبہ پیدا کرسکتے ہیں۔ یہ آپ کی سب سے بڑی قومی خدمت ہوگی۔

آپ کا صوبہ تعلیم میں بہت پیچھے ہے۔ اس معاملے میں حکومت نے آپ کے ساتھ سخت ناانصافی کی ہے۔ اب اس کی تلافی کے لیے آپ کو

Marfat.com

معمول سے زیادہ محنت مشقت کرنی پڑے گی۔ لیکن ہر برائی کے ساتھ کوئی نہ کوئی خوبی بھی آجاتی ہے۔ اس برائی میں جو آپ کے حق میں کی گئی ہے، برائے نام تھوڑی سی خوبی بھی آگئی ہے۔ وہ یہ کہ اب جو بچے آپ کے مدرسہ میں آئیں گے ان کے دل گزشتہ تعلیم اور ماحول کی آلائشوں سے پاک ہوں گے۔ اس لئے ان کی تربیت اور ان کے دلوں میں قومی جذبہ پیدا کرنا آپ کے لیے نسبتاً آسان ہوگا۔ بچوں کی تربیت میں زیادہ مشکل نہیں پڑتی۔ ان میں سیکھنے کی بے انتہا صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ زبانیں جلد سیکھ لیتے ہیں۔ جس کام میں لگا دیا جائے۔ بڑے شوق سے اس میں لگ جاتے ہیں۔ ایک اور فائدہ آپ کو یہ حاصل ہے کہ قدرت نے آپ کو ایسی صحت آور اور توانائی بخش آب وہوا عطا کی ہے۔ جو اس برعظیم میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ انسان کی تربیت اور ترقی میں آب و ہوا کا بھی اثر ہوتا ہے۔ جسم و دماغ الگ الگ نہیں۔ شدید موسموں کی سختی برداشت کرنے اور گرمی سردی کا مقابلہ کرنے سے جسمانی قوت ہی کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اخلاقی اور دماغی قوا میں بھی توانائی پیدا ہوتی ہے۔

میں اس موقع پر معلمینِ بلوچستان اور خاص کر پرنسپل خان محمد سرور اور ان کے مددگاروں کو دل سے مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ان حالات کا اندازہ کر کے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ اس سے آپ کی پیش بینی اور دانش مندی ہی کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس میں آپ کے اتحاد اور یک جہتی کا ثبوت بھی پایا جاتا ہے۔ اگر آپ نے اسی طرح یک جہتی سے کام کیا تو یہ ایسوسی ایشن آگے چل کر آپ کے لئے بڑی تقویت کا باعث ہوگی۔ آپ اس کے ذریعے باہمی

Marfat.com

مشورہ اور تعاون سے تعلیمی اصلاح کے لیے بڑے کام کر سکتے ہیں جو اس وقت بہت دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اب آپ سب ایک رشتے میں منسلک ہیں۔ آپ میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ کیوں کہ سب کا مقصد ایک اور سب کی خدمت ایک ہے۔ یہ خدمت پاکستان کی اصلاح اور استحکام میں خاص درجہ رکھتی ہے۔ اور ہر اعتبار سے قابلِ احترام ہے۔ آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے آپکو اس مبارک خدمت کے انجام دینے کی صلاحیت دی ہے۔

لیکن ایک بات جس سے آپ کو احتراز کرنے کی خاص طور پر ضرورت ہے، یہ ہے کہ ہماری مجلسوں اور قومی اداروں میں یہ بڑا عیب ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں بحث و تکرار بڑھا کر اور اختلاف رائے کو مخالفت اور نزاع کا رنگ دے کر سارا کام بگاڑ دیتے ہیں۔ ذاتی رنجشوں کو بروئے کار لانا، دوسروں کے کاموں کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنا یا ان کی نیت پر عیب لگانا، اپنے معمولی فائدے کی خاطر قومی مفاد کو قربان کر دینا ایسے عیوب ہیں جو سارے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور تباہی کا باعث ہوتے ہیں

ہم نے ہندوستان میں رہ کر ایک اور بری عادت سیکھی ہے۔ وہ ذات پات کا امتیاز ہے۔ پہلے سید، شیخ، مغل، پٹھان کی ذاتیں تھیں۔ اب ہندستانی پنجابی، سندھی، بلوچی، بنگالی، غیر بنگالی، پاکستانی، غیر پاکستانی نئی ذاتیں قائم کی گئی ہیں۔ یہ شعار اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام نے ذات، نسب، رنگ اور جغرافی امتیازات کا سختی سے قلع قمع کیا ہے۔ یہ سب جھوٹے امتیازات ہیں۔ اور ان امتیازات پر اپنی بڑائی یا فضیلت جتانا جھوٹی بڑائی اور فضیلت ہے۔ آپ ہرگز ہرگز ان باتوں سے اپنے دلوں اور خیالات کو ملوث نہ کیجیے گا

Marfat.com

کیجئے گا۔ یہ بات سب کے لیے بُری لیکن آپ کے لئے زیادہ بُری ہے کیوں کہ خدانخواستہ یہ زہر آپ کے ذریعے سے آپ کے طالب علموں میں پہنچا تو اس سے نہ صرف قومی اخلاق بگڑنے اور آپس میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے بلکہ پاکستان کا اصل منشا اور مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور یہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا مصداق ہو گا۔ آپ مجھے معاف فرمائیں گے کہ مجھے اس جلسے میں بعض ایسی باتیں کہنی پڑیں جو آپ میں سے بعض صاحبوں کو ناگوار گزریں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ محض آپ کی خیر سگالی کی غرض سے کہا ہے۔ میں نے یہ سب رنگ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور بڑے بڑے قابلِ قدر کاموں کو ان حرکتوں کی وجہ سے بگڑتے اور تباہ ہوتے دیکھا ہے۔ اس لئے اس سے آگاہ کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

حضرات! یہ اہم خدمت جو آپ کو انجام دینی ہے، اس میں آپ کو بہت کچھ زحمت برداشت کرنی پڑے گی۔ اور بعض اوقات اپنی آسائش اور ذاتی ضرورتوں کو بھی قربان کرنا پڑے گا۔ لیکن جب کوئی اعلا مقصد پیشِ نظر ہوتا ہے تو زحمت، رحمت اور قربانی اطمینانِ قلب کا باعث ہو جاتی ہے جو مسرت کا اصلی سرچشمہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے تعلیمی اصلاح کا کام اسی نہج پر کیا تو آپ کے اعلا افسرِ تعلیم اور خاص کر وزیرِ تعلیم پاکستان جو اصلاحِ تعلیم کے دل سے کوشاں ہیں آپ کے کام کی قدر کریں گے اور مناسب اعانت کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں گے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ہمت میں برکت اور اس مبارک خدمت کے انجام دینے کی مزید توفیق عطا کرے۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت مجلس ادب لاہور

(سنہ ۱۹۴۹ء)

دوستو اور عزیزو! جس وقت آپ کا دعوت نامہ مجھے پہنچا تو میں اُس وقت انجمن اور اُس کے کالج اور بعض دوسرے نہایت ضروری اور اہم کاموں میں مصروف تھا لیکن میں نے اُن سب پر آپ کی خواہش کو ترجیح دی اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں یہاں حاضر ہو گیا ہوں۔ کیوں کہ جو خدمت آپ نے دفاتر میں اُردو رائج کرنے کی پیش نظر رکھی ہے وہ ایسی خدمت ہے جسے پاکستان کے اس دور میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ میں آپ کی مجلس کو اپنی طرف سے نیز انجمن ترقی اُردو پاکستان کی طرف سے مُبارک باد دیتا ہوں۔ آپ ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ آپ نے وقت کے تقاضے کو صحیح طور پر سمجھ کر اس کام کا آغاز کیا ہے۔

قومی زبان کی اہمیت اور قوّت و اثر کو بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ اس کا ہر لفظ، ہر جملہ، ہر محاورہ اور روزمرّہ، اس کی ہر ترکیب ہماری تہذیب، ہمارے آداب اور ہماری معاشرت کی

Marfat.com

جڑوں اور ریشوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور اس کے ایک ایک لفظ کے پیچھے ہماری تاریخ و تہذیب کا ایک بڑا سلسلہ ہے جس کی تہ میں ہماری زندگی کے نقوش کا ایک نسا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی صدہا سال کی دماغی و ذہنی، اخلاقی و روحانی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس زبان نے جسے ہماری قومی زبان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ہر دور میں زمانے کا ساتھ دیا اور ادب و معاشرت، سیاست اور علم و فن کی ضروریات کو کما حقہٗ پورا کیا اور کبھی اس کی طرف سے کوتاہی نہیں ہوئی۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی عہد میں سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں بھی ایک مدت تک فارسی ہی رہی۔ لیکن بعد میں فارسی کی جگہ کسی دیسی زبان کا اختیار کرنا تجویز ہوا۔ ہندوستان بھر میں جتنی زبانیں تھیں اُن میں اُردو ہی ایسی زبان پائی گئی جو ملک میں عام طور پر رائج تھی اور تقریبًا ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے فارسی کی جانشینی کا فیصلہ اسی کے حق میں ہوا۔ انگریزوں کو اُردو سے کوئی خاص محبت نہ تھی۔ یہ اس زبان کی ہمہ گیری کی صفت تھی جس نے اُسے اس رتبہ پر پہنچایا۔ چناں چہ سنہ ۱۸۳۷ء سے وہ سرکاری زبان قرار پائی۔ عدالتوں کے فیصلے اور دفتروں کی کارروائی اردو میں ہونے لگی۔ پنجاب میں بھی سکھوں کی عمل داری میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ انگریزی تسلط کے بعد یہاں اُردو کا رواج شروع ہو گیا۔ جب اس بارے میں اعلیٰ حکام سے رائے طلب کی گئی تو سب نے بالاتفاق اُردو کے حق میں رائے

Marfat.com

دی اور لکھا کہ اردو کے سوا کوئی دوسری زبان ایسی نہیں جو عدالتوں اور دفتروں کی کارروائی کے لئے کار آمد ہو۔

اُردو کے لئے انگریزی قانون اور مختلف محکموں کے جدید قواعد و ضوابط نئی چیز تھی۔ لیکن وہ اس میں بھی ہیٹی نہیں رہی اور ثابت کر دیا کہ اس کی جولانی صرف شعر و سخن تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر فن اور زندگی کے ہر شعبے کی کیفیتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ فارسی عربی کے قانونی الفاظ جو پہلے سے موجود تھے مناسب موقع و محل پر استعمال کئے گئے اور انگریزی کے ایسے الفاظ یا اصطلاحات کے لئے جن کے مترادف ہماری زبان میں نہیں تھے ایسے الفاظ وضع کئے گئے جو انگریزی مفہوم کو پوری طرح ادا کرتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہمارے لفظ انگریزی الفاظ سے زیادہ موزوں اور خوبصورت ہیں۔ تعزیراتِ ہند، قانونِ شہادت، ضابطۂ فوجداری، قانونِ مال گزاری وغیرہ اس کے شاہد ہیں

حیدر آباد دکن میں تمام عدالتوں، دفتروں، محکموں، سررشتوں اور مختلف اداروں کا کام اُردو میں ہوتا تھا اور ہم اس کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہمارے بھائی اُردو کو استعمال کرتے ہوئے شرمائیں گے یا اُن کے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا ہوں گے کہ یہ زبان ہمارے محکموں اور دفتروں کے کام نہیں آسکتی۔ یہ اُردو پر بہتان ہے۔ ہندستان میں جو کچھ ہوا تھا وہ تو تھا ہی، حیدر آباد نے اس میں ایسی توسیع اور ترقی کی کہ انگریزی کی کسی موقع پر بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی ایسی

Marfat.com

ستھری اور خوب صورت اصطلاحیں اور الفاظ وضع کیے کہ جنھیں دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوتی تھی کہ ہماری قومی زبان میں یہ گُن بھرے ہوئے ہیں۔ کچھ دن ہوئے کہ اس بارے میں ایک دفتری افسر سے گفت گو ہوئی وہ اپنی مشکلات کا ذکر کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ انگریزی میں مقررہ اور جچے تلے دفتری الفاظ و اصطلاحات پہلے سے موجود ہیں، ہم بلا تامل لکھتے چلے جاتے ہیں اور کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ میں نے عرض کیا کبھی اس پر بھی غور کرنے کی زحمت فرمائی کہ اردو بھی اس خدمت کو اسی خوبی سے انجام دے سکتی ہے۔ یہ ناواقفیت لاعلمی اور کاہلی کا نتیجہ ہے۔ لاعلمی اس لئے کہ آپ اپنی زبان سے واقف نہیں اور نہ اس کے مطالعے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور کاہلی اس لئے کہ آپ اپنی زبان کے الفاظ و اصطلاحات کی تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کہنے لگے کہ اور تو میں کیا کہوں چند معمولی فقرے عرض کرتا ہوں جو ہم روزانہ اپنی مراسلت میں استعمال کرتے ہیں۔ اب آپ بتلائیے کہ اردو میں انھیں کیوں کر لکھیں گے چنانچہ وہ انگریزی جملے اور لفظ بولتے گئے اور میں اس کے جواب میں اردو ہم معنی الفاظ اور جملے عرض کرتا گیا۔ چوں کہ آپ کی مجلس کا تعلق ایک بہت بڑے دفتر سے ہے اس لئے اُن میں سے چند الفاظ اور جملے آپ کی دلچسپی کے لئے لکھتا ہوں :-

Please refer to your letter No

تعارف کارروائی کے لئے ملاحظہ ہو مراسلہ نشان ...... مورخہ ......

Please put up with file

مسل کے ساتھ پیش ہو۔

Marfat.com

بالمشافہ	BRING UP.
بہ ملاحظہ جناب معتمد صاحب	SUBMITTED TO SECRETARY.
گنجایش	PROVISION.
مسودہ پیش ہو	PUT UP DRAFT
مسل پر تجویز	ENDORSEMENT ON FILE.
بسلسلۂ......	INCONTINUATION OF.

انصاف شرط ہے اُردو کے جملے اور لفظ انگریزی سے کس بات ہیں کم ہیں ۔ مانا کہ انگریزی میں نت نئے الفاظ داخل ہوتے جاتے ہیں اور اُردو میں ان کے مترادف پہلے سے موجود نہیں۔ انگریزی میں پہلے سے یہ لفظ کب موجود تھے۔ نئی چیزیں ضرورت پیدا کرتی ہے۔ نئے الفاظ بھی ضرورت سے بناتے جاتے ہیں۔ انگریزی میں بنائے جاسکتے ہیں تو اُردو میں کیوں نہیں بن سکتے ۔ ہمیں اپنی زبان میں الفاظ بنانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریزی اصطلاحات اور الفاظ ایک خاص اور قلیل طبقے تک محدود رہتے ہیں۔ ہم جو الفاظ اپنی زبان میں بنائیں گے وہ خواص اور عوام دونوں میں مقبول ہونگے لوگوں کے ذہن میں ان الفاظ کے مفہوم تک یا کم از کم مفہوم کے قریب تک تو ضرور پہنچیں گے۔

پنجاب میں پھر بھی حالت اُمید افزا ہے کہ یہاں مدت دراز سے اُردو مروج ہے اور یہاں کے اسکولوں اور اکثر دفتروں میں ایک حد تک اُردو کا رواج ہے۔ لیکن سندھ کی حالت بہت افسوس ناک ہے وہاں زندگی کے ہر شعبے پر انگریزی مسلط ہے۔ عجیب بات یہ کہ انگریزی

Marfat.com

کو روا رکھا جاتا ہے لیکن اُردو کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ کا تعلق ایک مدت تک بمبئی سے رہا اور ہندو زندگی کے ہر شعبے پر چھائے ہوئے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی سنتِ قدیم باقی رہی۔ انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان کو اس میں سخت مشکل پیش آئی۔ انجمن نے اکثر دفاتر کو اس طرف توجہ دلائی۔ بعض نے کچھ توجہ فرمائی۔ بعض نے حامی بھری مگر کچھ نہ کیا۔ ایک دفتر کے افسرِ اعلا نے اسکا بہت بُرا مانا گویا ہم ایک بدعت کے مرتکب ہوئے اور انگریزی جیسی مقدس زبان کے حق میں ہم نے بڑی گستاخی کی۔ اس بارے میں ہم تین محکموں کے افسروں کے خاص طور پر شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری درخواست کو لبیک کہا۔ پاکستان ریلوے کے ڈائرکٹر جنرل نظام الدین صاحب اور محمد خورشید صاحب پبلک ری لیشن افیسر نارتھ ویسٹرن ریلوے نے ریلوے ٹائم ٹیبل اور ریلوے کے ضوابط و قواعد اور قوانین کا مجموعہ ہمارے پاس ترجمے کے لئے بھیج دیا۔ ہم نے دن رات محنت کر کے ان کا ترجمہ کر ڈالا۔ وہ انگریزی الفاظ اور اصطلاحات جو ناقابلِ ترجمہ سمجھی جاتی تھیں ہم نے اُن کے لئے اپنے لفظ وضع کئے جو انگریزی سے بہتر نہیں تو کم بھی نہیں۔ دوسرے ناظمِ بلدیہ کراچی سیّد ہاشم رضا صاحب ہیں جنھوں نے اپنا دفتر اُردو میں کر دیا۔ زاہد حسین صاحب گورنر اسٹیٹ بنک دولتِ پاکستان ریزرو بنک کی رپورٹ کا اُردو ترجمہ اور بنک کی اصطلاحات کی لغت اپنی نگرانی میں تیار کرا رہے ہیں۔ بعض اور دفتروں نے کچھ کچھ انگریزی الفاظ بھیجے کہ اُن کے لئے اُردو مترادف ڈھونڈ کر یا وضع کر کے دیں:۔

Marfat.com

ہمارے دفتروں کے حکام کو اپنی قومی زبان کی قدر و قیمت معلوم نہیں اس لئے اس کا احساس بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہمارے دفتروں کے اعلا حکام وہی حضرات ہیں جو انگریزی عہد میں یہی کام کرتے تھے۔ انگریزی حکومت سے اُن کو جو برکات ورثے میں ملی ہیں ان میں سے ایک انگریزی زبان بھی ہے۔ بنے بنائے الفاظ اور اصطلاحات، بنے بنائے فارم، نقشے اور رجسٹر وغیرہ پہلے سے چلے آرہے ہیں وہ آنکھ بند کر کے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے الفاظ تلاش کرنے یا وضع کرنے میں محنت پڑتی ہے۔ آسانی طلب اور راحت پسند طبائع اسے گوارا نہیں کرتیں۔ وہ چاہیں تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ انھیں پسند نہیں۔ انگریزی کے جو لفظ وہ لکھتے آئے ہیں وہی مرغوبِ خاطر ہیں۔ ان لفظوں سے انھیں ایسا اُنس ہو گیا ہے کہ ان کا ترک کرنا شاق ہوتا ہے۔

دوسری وجہ جو اس ذہنیت کی ذمہ دار ہے اور اس کا جزِ لاینفک وہ ہمارا طریقۂ تعلیم ہے جو اب تک جاری ہے، جس کو ہمارے سابق فرماں رواؤں نے ایک خاص سیاسی مصلحت سے ہمارے لئے بہت سوچ سمجھ کر تیار کیا تھا، ہم انگریز کی فکرِ بلیغ اور دور بینی کی داد دیتے ہیں کیا کام کر گیا ہے کہ بناتے نہیں بنتی۔ وہ چلا گیا۔ ہم آزاد ہیں۔ مگر وہ اپنا ایک ایسا قائم مقام چھوڑ گیا ہے جو اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ ہم انگریزی کے مخالف نہیں۔ ہم اُس کی خوبیوں کے مداح ہیں۔ اس سے ہمیں بہت کچھ فائدہ پہنچا ہے۔ اسے بین اقوامی حیثیت حاصل ہے۔ اب بھی اس کا پڑھنا ہمارے لئے مفید ہے۔ لیکن ہم اسے یا کوئی غیر زبان ہو زبان کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں

Marfat.com

یہ گوارا نہیں کہ وہ زبان ہمارے ذہن و دماغ، آداب و اخلاق، تہذیب و تمدن، معاشرت و سیاست پر مسلط ہو جائے۔ اور ہم سب کچھ کھو کر اس کے بندے ہو جائیں۔ ہمارے اعلا تعلیم یافتہ انگریز کی طرح سوچتے اور فکر کرتے، انگریز کی طرح پڑھتے اور لکھتے، انگریز کی طرح اٹھتے اور بیٹھتے، یہاں تک کہ انگریز کی طرح ہنستے اور روتے تھے اور خفا ہوتے تو اینگلو انڈین گالیاں دیتے۔ خیر سے اس زمانے کے یادگار بزرگ اب بھی موجود ہیں۔ انگریز کیسا خوش قسمت اور خوش اقبال تھا کہ اُسے ایسے نیک اور وفادار بندے ملے۔

میں ایک بار سر سکندر حیات خان مرحوم کے عہدِ وزارت میں یہاں آیا۔ اور وزیرِ تعلیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ یونی ورسٹی میں نہیں تو کم سے کم میٹرکولیشن کی جماعتوں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم کر دیا جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ یونی ورسٹی کے درجوں میں بھی اُردو ذریعۂ تعلیم ہو جائے گی۔ یہ سننا تھا کہ ان پر جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمانے لگے کہ اُردو ہو یا ہماری کوئی اور زبان ہرگز ذریعۂ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کوئی زبان انگریزی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ اس زمانے میں ایسی باتیں کرتے ہیں جب کہ لوگ کوٹ پتلون پہنتے اور ہاٹ پر بیٹھتے ہیں۔" اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "اگر میرا بس چلے تو کشمیر سے لے کر راس کماری تک انگریزی ہی انگریزی کر دوں۔" اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ○

بہت دنوں کا ذکر ہے کہ سر اکبر حیدری، سر سید راس مسعود اور میں میسور گئے اور سر دیس وے مس ورا عیا دیوان ریاست میسور کے مہمان

Marfat.com

رہے۔ ایک دن وہ سر اکبر حیدری سے کہنے لگے۔ کہ آج سہ پہر کو آپ میرے ساتھ چلئے گا۔ سر اکبر کپڑے پہن کر تیار بیٹھے تھے کہ دیوان صاحب اندر سے آئے اور بیٹھ گئے۔ چلنے کو اٹھے ہی تھے کہ ان کی نظر سر اکبر حیدری کے جوتے پر پڑی۔ حیرت سے کہنے لگے کہ یہ سہ پہر کا جوتا نہیں، آپ نے اس وقت کیسے پہن لیا۔ سر اکبر مغرب کے بعد جب واپس آئے تو میں نے کہا آپ کے میزبان تو غضب کے فیشن ایبل معلوم ہوتے ہیں کہنے لگے جب ہندوستانی انگریزی فیشن پر اتر آتا ہے انگریزوں کو بھی مات کر دیتا ہے۔

ایک نوجوان جو ایک نامور مولوی خاندان کے چشم و چراغ تھے علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے۔ انگریزیت کا خبط تھا۔ تعطیل کے زمانے میں اپنے وطن سہارن پور گئے تو ایک روز کلکٹر صاحب کی ملاقات کو بھی جا پہنچے۔ کلکٹر صاحب اس وقت ایک پرانی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کے کفوں کے پھوسڑے نکلے ہوئے تھے۔ فیشن کے اس دلدادہ طالب علم نے یہ خیال کر کے کہ اتنا بڑا صاحب پرانی قمیص کیوں پہننے لگا، یہ سمجھا کہ ہو نہ ہو آج کل کا نیا فیشن یہی ہے۔ بس پھر کیا تھا گھر پہنچتے ہی ساری قمیصیں نکالیں اور ایک ایک کے پھوسڑے نکال ڈالے۔

ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ یہ جنون نہیں تو کیا ہے۔ ایسے مجنونوں کی تعداد پہلے بہت تھی۔ اب کم ہو چلی ہے۔ پھر بھی کم نہیں۔ انگریزیت کے پرستار اب بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں ہم انگریزی کے مخالف نہیں۔ انگریزیت کے البتہ مخالف ہیں۔ جس میں وہ تمام

Marfat.com

عادات وخصائل، رعایات وخرافات آجاتی ہیں، جو انگریزی طریقۂ تعلیم اور انگریزی ماحول سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طریقے نے ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا تھا جو نہ انگریز تھا نہ ہندی۔ انگریزوں سے ان کا تعلق جیسا کچھ تھا مگر اپنے بھائیوں سے بالکل بے تعلق تھے۔ وہ اپنی تہذیب اپنے آداب و اخلاق سے بیگانہ ہو گئے تھے اور اپنی زبان اور ہر چیز کو حقارت سے دیکھنے لگے تھے۔ اس طریقے نے ہم سے بہت سی قابل جوہر چھین لئے اور ان کی زندگی بے کیف کر دی۔ اس سے خاص کر ہماری قوم کو جو نقصان پہنچا اس کا اثر اب تک باقی ہے ؎

نہیں خالی خطر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اُس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گُل چھوڑا نہ برگ و بار چھوڑا تو نے گلشن میں
یہ گُل چینی ہے یا لُٹس ہے گُل چیں! یا ہے قزاقی!

صاحبو! زبان کسی ایک شخص کی ایجاد نہیں ہے۔ اس کے بنانے اور ترقی دینے میں ساری قوم نے کام کیا ہے اور جب تک قومی زبان میں جان باقی ہے یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس لئے قومی زبان، قومی خصائص اور قومی اتحاد کا نشان ہے۔ اور جیسا کہ ایک ادیب نے لکھا ہے "کوئی شے قوم کے کیریکٹر اور اس کی ذہنی اور روحانی قوت کو اس صفائی سے ظاہر نہیں کرتی جیسا کہ اُسکا اظہار قومی زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے" اس کھوئے ہوئے اثاثے کو حاصل کرنے اور انگریزیت کے اثر کو زائل کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہماری تعلیم قومی زبان کے ذریعے سے ہو اور تمام علوم وفنون اپنی

Marfat.com

زبان میں منتقل ہوں۔ ورنہ جو زنگ لگ چکا ہے وہ اور گہرا ہوتا جائے گا۔
کہا جاتا ہے کہ ہماری زبان میں یونی ورسٹی کی تعلیم کے لئے علوم فنون کی کتابیں نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ذریعہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہ عذر نیا نہیں۔ جب کبھی ایسا موقع آیا تو یہی عذر کیا گیا۔ تقریباً سوا سو سال ہوتے ہیں جب دہلی کالج میں جدید علوم کو اُردو کے ذریعے سے پڑھانے کی تجویز کی گئی تو اس وقت بھی یہی کہا گیا کہ اُردو زبان میں نہ تو کتابیں ہیں نہ پڑھانے والے، یہ کام کیوں کر انجام پائے گا۔ لیکن کالج کے فاضل پرنسپل اور پروفیسروں نے اس اعتراض کی کچھ پرواہ نہ کی اور اردو میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کتابیں تالیف و ترجمہ کرنے کا کام بھی ہوتا رہا۔ تقریباً سوا سو کتابیں مختلف علوم و فنون پر تالیف و ترجمہ کر ڈالیں۔ اگر سنہ ۵۷ کی شورش حالات کو درہم برہم نہ کر دیتی تو یہ کالج اُردو کی پہلی یونی ورسٹی ہوتا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۶۷ء میں سر سید احمد خاں نے اُردو یونی ورسٹی کی اسکیم گورنمنٹ میں پیش کی۔ حکّام نے بہت ہمدردی کا اظہار کیا۔ لیکن وہی عذر کیا گیا کہ اُردو میں کتابیں نہیں ہیں حال آں کہ سر سیّد نے اپنی درخواست میں بہ صراحت کر دی تھی کہ سائنٹفک سوسائٹی اس خدمت کے انجام دینے کے لئے آمادہ ہے۔ انجمن پنجاب نے بھی اسی زمانے میں اسی قسم کی درخواست کی تو اسے بھی قسمت کا لکھا وہی جواب ملا۔ جب حکومت حیدرآباد نے ایک ایسی یونی ورسٹی بنانے کا قصد کیا جس میں تمام علوم و فنون کی تعلیم کا ذریعہ اُردو زبان ہوگا تو وہی فرسودہ اور پامال اعتراض کئے گئے۔ حیدرآباد کی حکومت جاری

Marfat.com

تہذیب وزبان کی سچی حامی اور سرپرست تھی۔ جو بات ناممکن نظر آتی تھی اور جس کے اقدام کی جرأت کسی کو نہ ہوئی وہ اس نے ممکن کر دکھائی اور ثابت کر دیا کہ ہماری قومی زبان میں ہر علم اور فن کی اعلا سے اعلا تعلیم کی صلاحیت ہے۔ تیس سال تک برابر تمام علمی شعبوں میں اُردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی رہی۔ اور وہاں سے سیکڑوں قابل نوجوان تعلیم پا کر نکلے جن میں سے بعض نے ہندستان اور یورپ میں نام پیدا کیا۔

کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ اس کے بعد بھی وہی عذر لنگ پیش کیا جاتا ہے جو سوا سو برس پیشتر کیا گیا تھا۔ حالاں کہ کتابیں موجود ہیں۔ پڑھانے والے موجود ہیں۔ ان کتابوں اور استادوں کے پڑھائے ہوئے سند یافتہ اشخاص موجود ہیں جو کیمبرج و آکسفورڈ کی یونی ورسٹیوں میں بے چون وچرا داخل کیے گئے اور وہاں بھی امتیاز حاصل کیا۔ ہندوستان اور یورپ کی یونی ورسٹیوں نے جامعۂ عثمانیہ اور اس کے امتحانات کو تسلیم کیا۔ ان ماہرانِ تعلیم نے جو اس طریقۂ تعلیم کی جانچ کے لیے آئے تھے۔ جامعہ کی کارگزاری اور طریقۂ تعلیم کی داد دی۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے آج بھی ہمارے بزرگ یہی کہے جاتے ہیں کہ کتابیں نہیں، اس لیے اُردو ذریعۂ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ انگریزی ہی ذریعۂ تعلیم رہے گی۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ یہ صورتِ حال کب تک رہے گی؟ کتابیں کب تیار ہوں گی؟ پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے؟ اگر یہی حالت رہی تو کوئی توقع نہیں کہ ہماری قومی زبان ذریعۂ تعلیم ہو سکے۔ ہر بار جب یہ مطالبہ

Marfat.com

کیا جائے گا کہ اُردو ذریعۂ تعلیم ہو تو اس کا یہی جواب ملے گا کہ اُردو میں کتابیں نہیں اُردو میں تعلیم نہیں ہوسکتی۔ انگریزی ہی رہے گی۔ اور یہ سلسلہ یونہیں جاری رہے گا، ایک محدود مدت تک جس کی انتہا ہمیشہ نامعلوم رہے گی۔

جامعۂ عثمانیہ کی مطبوعات کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ کیوں نہ فی الحال اس سے وہی کام لیں جو حیدرآباد میں لیا جارہا تھا۔ جب جامعہ عثمانیہ کا آغاز ہوا تو کتابیں وہاں بھی نہیں تھیں۔ اس لئے تالیف و ترجمہ کا سررشتہ قائم کیا گیا اور دو سال تک لگاتار کام کرکے میٹرکولیشن اور انٹرمیڈیٹ کے لئے ہر علم و فن کی کتابیں اُردو میں تالیف و ترجمہ کی گئیں اور تعلیم شروع ہوگئی۔ اس کے بعد بی۔ اے، ایم۔ اے اور دوسرے شعبوں کے لئے تیار ہوگئیں۔ اب ان کتابوں میں خامی ہے تو اسے رفع کیجئے۔ کمی ہے تو اسے پورا کیجئے، اسے اور ترقی دیجئے۔ تالیف و ترجمے کے ادارے قائم کیجئے۔ علم و حکمت کا دریا بہا دیجئے۔ حکومت حیدرآباد کی طرح عالی ظرفی، فراخ حوصلگی اور جراءت سے بے دریغ روپیہ صرف کیجئے خلافت عباسیہ نے یہی کیا۔ جاپان نے یہی کیا۔ حیدرآباد نے یہی کیا۔ کیوں پاکستان یہی نہ کرے۔ اور کیوں نہ اپنی مملکت اور قومی زبان کو علم و حکمت سے مالا مال کرے۔ یہ قوم کا تعمیری کام ہے اس میں جھجک اور تذبذب ناجائز ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے، جان مال عزت آبرو، کوئی چیز محفوظ نہیں۔ ایذا دینے نقصان

Marfat.com

پہنچانے اور تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر روز نئے نئے ضابطے اور قاعدے وضع کئے جاتے ہیں۔ ضابطے سے الگ اور بے ضابطہ طور پر اس سے زیادہ پامال کئے جا رہے ہیں۔ پاکستان کی تحریک کے وقت ہمارے ان بھائیوں نے کیا کیا مصیبتیں نہیں جھیلیں اور قربانیاں نہیں کیں! اور پاکستان بننے کے بعد تو ان پر مصائب و آلام کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ یہ سیکولر، گورمنٹ ہے۔ سب سے پہلے زبان پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ مدرسوں سے، کالجوں سے، دفتروں سے، عدالتوں سے، دوسرے نیم سرکاری اور سرکاری اداروں سے، اسٹیشنوں سے سڑکوں سے غرض ہر جگہ سے نہایت سفاکی کے ساتھ اُسے نکالا گیا۔ کیوں! — اس لئے کہ زبان قومیت کی جان ہے۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ زندہ ہے تو مسلمان بھی زندہ ہیں۔ اس کا گلا گھونٹنا مسلم تہذیب، تمدن، اخلاق و آداب، مسلم معاشرت و روایات کا گلا گھونٹنا یعنی مسلمانی کو فنا کر دینا ہے

صاحبو! اُردو نے ہر مسلم تحریک کی مدد کی ہے۔ وہابی تحریک کو اس نے مدد دی۔ سر سید کے مشن کو اس نے چمکایا۔ سر خلافت کا پیغام اسی نے گھر گھر پہنچایا۔ لیگ کی آواز اس نے شہر شہر اور گانو گانو پہنچائی۔ پاکستان کا پروپیگنڈا جس برق رفتاری اور قوت سے اس نے اس برِ عظیم کے کونے کونے تک میں کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں جو نیا ولولہ اور جوش اور نئی زندگی پیدا کر دی، ہمارے اس زمانے کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ کیا اب ایسے وقت میں جب اسے اپنے وطن سے دیس نکالا ملا ہے پاکستان اس کی کچھ بھی مدد

Marfat.com

نہ کرے گا؟ کیا آزادی اور حکومت ملنے کے بعد وہ اپنے اس محسن کو بالکل بھول جائے گا؟

آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ ہو۔ کہ ہندو مسلم اختلاف کی ابتدا سیاست سے نہیں بلکہ اردو کی مخالفت سے ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں جب کہ نیشنل کانگریس کا وجود تھا نہ کسی دوسری سیاسی تحریک کا، ہندوؤں نے اردو کی مخالفت کا آغاز اور اسے دفتروں عدالتوں اور دوسرے اداروں سے خارج کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ سرسید احمد خان نے اردو کی حمایت میں اس مخالفت کا توڑ کیا اور مرتے دم تک اردو کی حفاظت و حمایت میں مردانہ وار لڑتے رہے۔ ہندوؤں کی کوششیں اس وقت سے برابر جاری رہیں اور اسّی سال تک مسلسل اردو دشمنی پر تلے رہے اور مختلف صورتوں اور ترکیبوں سے اس آگ کو سلگاتے رہے۔ اور دو قومی نظریہ قائم کر کے ہندو مسلم اختلاف کو بڑھاتے رہے۔ دو قومی نظریئے کے بانی ہندو تھے نہ کہ قائد اعظم یا مسلم لیگ۔ یہ قائد اعظم پر ہندوؤں کا بہتان ہے یہ بڑی طولانی داستان ہے یہ موقع تفصیل کا نہیں۔ مختصر یہ کہ نیرنگیٔ تقدیر سے جو دشمن تھے حاکم ہو گئے اور انھوں نے جی بھر کر انتقام لیا۔ ان حالات پر غور کرنے کے بعد اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قصر پاکستان کی تعمیر میں سب سے پہلی اینٹ جس نے رکھی وہ اردو زبان ہے۔ اس لئے پاکستان پر اردو کا بہت بڑا حق ہے اور ہمارا مطالبہ ہے کہ پاکستان اس کا حق اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک شریف انسان اپنے محسن کا حق ادا کرتا ہے۔

Marfat.com

زبان کے بارے میں قائدِ اعظم کا ارشاد قولِ فیصل ہے۔ مرحوم نے نہایت صاف صریح واضح اور پُر زور الفاظ میں ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا :۔

لنگوا فرینکا صرف ایک ہی ہو سکتی ہے یعنی وہ زبان جو مختلف صوبوں کے مابین استعمال ہو سکے اور وہ اردو ہوگی اور کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔

مملکتِ پاکستان کی سرکاری زبان بلاشبہ اُردو ہونی چاہئے یہ وہ زبان ہے جس کی اس برِ عظیم کے دس کروڑ مسلمانوں نے غور و پرداخت کی ہے اور جو پاکستان کے طول و عرض میں ہر جگہ سمجھی جاتی ہے۔ مزید برآں یہ وہ زبان ہے جس میں بہ نسبت کسی دوسری صوبائی زبان کے سب سے زیادہ اسلامی تہذیب و اسلامی روایات کا بہترین ذخیرہ ہے اور جو دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے قریب ترین ہے"

ایک اور موقع پر فرمایا :۔

"میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور کوی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔ جو کوئی اس بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پاکستان کا صریح دشمن ہے۔ بغیر ایک سرکاری زبان کے کسی قسم کا رشتۂ اتحاد مضبوطی سے قائم نہیں رہ سکتا اور نہ وہ اپنے فرائض منصبی انجام دے سکتی ہے۔

ان زرّیں قول میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ پاکستان میں

Marfat.com

اُردو ہی بین صوبائی زبان ہے اور کوئی دوسری زبان نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہی سرکاری زبان ہے۔ تیسرے یہ کہ اس میں سب سے زیادہ اسلامی تہذیب و روایات کا ذخیرہ ہے۔ چوتھے یہ دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے قریب ترین ہے۔ یہ کس قدر جامع قول ہے۔ قائدِ اعظم نے صرف چند جملوں میں ہماری قومی زبان کی فضیلت اور خصوصیتوں کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کہاں تک ہوا ہے۔ سچ کہنا پڑتا ہے، کچھ نہیں ہوا۔ مطلق نہیں ہوا۔ آپ کہیں گے اس میں قصور حکومت کا ہے۔ ضرور ہے لیکن ہمارا بھی ہے ہم اگر عمل پر کمربستہ ہو جائیں تو حکومت کو کوئی چارہ اور کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے آپ کی تحریک سے کامل ہم دردی ہے۔ اور میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپنے صحیح قدم اٹھایا ہے اور صحیح قدم منزل مقصود کا پیغام دیتا ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھیئے کہ نرے جلسے کرنے قرار دادیں یا رزولیوشن منظور کرنے، پروگرام بنانے، ہنگامے کرنے، نعرے لگانے کام نہیں آتے۔ اصل چیز عمل ہے۔ اور اسی کی کمی ہے۔ آپ نے اس وقت ایک خاص مقصد پیش نظر رکھا ہے۔ اب اسی کے ہو جائیے۔ ادب ادیب والوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ زبان کی ترقی لسانیات والوں کے لئے رہنے دیجئے۔ آپ صرف ایک ہی کام کیجئے۔ یہ معمولی کام نہیں، بہت بڑا کام ہے۔ اگر آپ کی جدوجہد سے دفتروں میں اُردو رائج ہو گئی تو آپ کی مجلس پاکستان میں بڑا نام پیدا کرے گی۔ اب آپ اپنے دوسرے بھائیوں یعنی دوسرے دفتر والوں سے تعلقات بڑھایئے ترغیب سے

Marfat.com

اپنے قول و عمل سے، سمجھانے بجھانے سے اور ضرورت ہو تو خوش مد در آمد سے انھیں راستے پر لائیے۔ بعض اوقات آپ کو اس میں مشکلات اور ناگوار حالات پیش آئیں گے۔ آپ ہمت نہ ہاریئے گا۔ اپنا کام برابر کئے جائیے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ آپ کی کامیابی پاکستان کی کامیابی ہوگی۔ کسی کام کا اس سے بڑھ کر کیا صلہ ہو سکتا ہے۔ انجمن ترقیٔ اردو پاکستان کی طرف سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس کام میں آپ کی ہر قسم کی مدد کرے گی۔

ہر کام کا انحصار حکومت پر رکھنا اچھی بات نہیں۔ یہ بے عملی کی دلیل ہے۔ حکومت کے پاس کچھ کم نہیں ہیں۔ خصوصاً اس نازک وقت میں اس کی مصروفیتیں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں بھی تو ہاتھ پانو ہلانے چاہئیں، اور حکومت کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ اگر آپنے یہ کام سچائی، خلوص، ہمت اور بے غرضی سے کیا تو اس کا ضرور اثر ہوگا اور بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔

یہ زبان کی خدمت نہیں، پاکستان کی خدمت ہے۔ اور بے لوث خدمت کرنے والے خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ اگر ہر ادارہ اور ہر جماعت ایک ایک خدمت اپنے ذمّے لے تو پاکستان خدا کی اس زمین پر دوسری جنت بن جائے گا۔ پاکستان کو اس وقت مخلص اور بے لوث خدمت گزاروں کی ضرورت ہے۔ اپنے ذوق اور بساط کے مطابق جو خدمت جس سے بن پڑے کرنی چاہئے۔ آپ نے نہایت ضروری اور اچھی خدمت اپنے ذمے لی ہے۔ بلا تامل و تذبذب اس پر عمل شروع کر دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت خیرپور اُردو کانفرنس

(۴ر فروری ۱۹۵۱ء)

اس برّعظیم میں مسلمانوں کی آمد ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس نے ملک کی معاشرت، سیاست، مذہب اور حالات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا اور ایک جدید تہذیب اور تمدن کی بنیاد ڈالی۔ اسلامی حکومت کی برکات اس برّعظیم پر گوناگوں ہیں۔ جب مسلمان یہاں پہنچے تو ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ ہر رجواڑہ خودمختاری کا دعویدار تھا ملک میں اس سرے سے اس سرے تک عجیب انتشار اور بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ آپس کی پھوٹ نے سارے کام درہم برہم کر رکھے تھے کوئی ایک ملک تھا اور نہ کوئی نظام۔ مسلمانوں نے بے ترتیبی اور بدنظمی رفع کی، امن قائم کیا نئے قواعد اور نئے آئین نافذ کیے اور ایک حکومت ایک قانون اور ایک تہذیب کی بنیاد قائم کی۔ اور سینکڑوں طریقوں سے اس ملک کے آداب و اطوار، معیشت اور ذوق کے لطیف بنانے میں مدد دی۔ حکومت کا فن جیسا مسلمان جانتے تھے ہند کے حکمران نہیں جانتے تھے۔ اور انھوں نے اپنی حکومت سے ثابت کر دیا کہ انھیں اس میں کس قدر برتری حاصل ہے۔ جنگ کے فن میں بھی انھیں فضیلت حاصل تھی۔ انھوں نے تیل فوجوں

Marfat.com

سے بڑے کثیر اور جرار لشکروں پر فتح پائی۔ بارود اور توپ وتفنگ کا استعمال مسلمانوں کی بدولت رائج ہوا۔ بہت سی دست کاریوں اور صنائع کو یہاں مروج کیا۔ اور ان میں طرح طرح کی ایجادیں اور جدتیں کیں۔ چنانچہ ان صناعیوں کے نام اور ان کی اصطلاحیں اس امر کی شاہد ہیں کہ یہ غیر ہندی ہیں اور مسلمان انھیں یہاں لائے۔ شمع کاغذ، شیشہ اور گھر کی آرائش و آسائش کے سامان طرح طرح کے خوب صورت اور نفیس کپڑے، پشمینے، قالین اور لباس، لذیذ غذائیں اور خوراک مسلمانوں کے طفیل میں اہل ہند کو نصیب ہوئے۔ یہاں تک کہ زین بھی مسلمانوں ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ انھوں نے موسیقی، طب علم ہیئت میں قابل قدر اضافہ کیا، اور ان کی تقلید میں ہندوؤں نے بھی ان دونوں علوم اور نجوم و کیمیا میں اصلاح و ترقی کی۔ اور تاریخ و جغرافیہ کے علوم سے اہل ہند بالکل ناآشنا تھے۔ مسلمانوں کی بدولت پہلی بار یہ یہاں کے علم و ادب کے شعبے قرار پائے۔ اکبر کے عہد میں جو نظام مالگزاری مرتب ہوا، موجودہ طریق مال گزاری کی بنیاد اب تک اسی پر ہے۔ مسلمانوں نے سڑکیں، پل، نہریں، کارواں سرائیں اور ڈاک خانے بنائے فن باغبانی کو کمال درجہ ترقی دی اور نئے نئے پھولوں اور پھلوں سے اس ملک کی رونق بڑھائی۔ فن تعمیر میں ایسے نمونے پیش کئے کہ اس وقت تک دنیا کے اعلا مبصر اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مسلمان تمام تجارت سمندر کے راستے دور دراز ملکوں سے کرتے تھے۔ انھوں نے اہل ہند کے دلوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ ہندوستان بھی آباد دنیا کا ایک حصہ ہے اور دوسرے

Marfat.com

ممالک سے اس کا بھی تعلق ہے۔ یہ تمام برکات ایسی تھیں جن کا وجود میں آنا دسویں صدی سے قبل ناممکن تھا۔

ہمارے مؤرخوں نے ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی ہیں۔ وہ بادشاہوں کی لڑائیوں اور فتوحات، ان کے درباروں اور جشنوں اور جلوسوں اور ان کی تفریحوں اور سفر و حضر کے حالات بڑے آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔ ذکر نہیں کرتے تو اس چیز کا جو تاریخی، سیاسی، معاشرتی، تہذیبی اعتبار سے ہماری سب سے اہم اور عظیم الشان یادگار ہے۔ یوں تو اس سرزمین پر ہماری بہت سی یادگاریں ہیں لیکن ان میں سے بعض مٹ گئیں یا مٹنے والی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جنھیں لوگ بھول جائیں گے اور کچھ ایسی ہیں جو پرانے آثار کے کھوج لگانے والوں اور قدیم تاریخ کے محققین تک رہیں گی، لیکن اردو ہماری تہذیب کی ایسی یادگار ہے جسے زمانہ کبھی نہیں بھلا سکتا

یوں تو کئی ایسی زبانیں ہیں جو اسلامی زبانیں کہلاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا درجہ عربی زبان کا ہے۔ لیکن اسلام سے پہلے یہ کن کی زبان تھی؟ یہ کفّار عرب کی زبان تھی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فیضانِ عظیم تھا کہ اس نے ان میں سے اپنے پاک بندے کو نبوّت کا شرف بخشا جو رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین ہے اور اپنا پاک کلام زبانِ عربی میں نازل فرمایا۔ اس لئے یہ ہماری مقدّس زبان ہوئی فارسی زبان آتش پرستوں کی زبان تھی۔ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا، اہل ایران نے اسلام قبول کیا، اور ان کی زبان میں اپنے علم و حکمت اور اسلامی علوم کی کتابیں لکھیں تو وہ مسلمانوں

Marfat.com

کی زبان ہو گئی۔ ترکی زبان اس قوم کی زبان تھی جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے، اور جن کے ہاتھوں مسلمانوں کی ایسی ہول ناک تباہی اور خون ریزی ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ تھا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی زبان میں اسلامی علوم کا رواج ہوا تو وہ بھی مسلمانوں سے منسوب ہو گئی۔ اب اگر بہ نظرِ غور دیکھیں تو یہ زبانیں ان لوگوں کی تھیں جنھوں نے ابتدا میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی۔ اور ان کے قبولِ اسلام سے پہلے موجود تھیں۔ اُن سب زبانوں میں جو مسلمانوں سے منسوب کی جاتی ہیں، صرف اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو مسلمانوں کی بدولت وجود میں آئی اس لئے ہماری توجہ اور ہمدردی کی بہت زیادہ مستحق ہے اور اس کی ترقی و اشاعت ہمارا فرض ہے۔

یہ ایک دن کا کام نہ تھا۔ اس میں صدیاں لگیں۔ یہ ہمارے اسلاف کی مسلسل محنت و مشقت کوشش اور جاں کاہیوں، دل سوزیوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ وہ ہمارے لئے بے بہا سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جس کے ہم وارث ہیں۔ کچھ قدرتی صلاحیت، کچھ وقت کا تقاضا اور حالات کی مناسبت اور کچھ ہمارے ادیبوں اور شاعروں کی طباعی اور ذہانت غرض ان تمام اسباب کے ملنے سے اس میں ایسی شیرینی اور لطافت، وسعت و فصاحت پیدا ہو گئی کہ جہاں گئی مقبول ہوئی اور لوگوں نے بڑے شوق اور چاؤ سے اس کا خیر مقدم کیا حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سارے برِعظیم پر چھا گئی۔ اور دوسری

Marfat.com

زبانیں جو قدیم سے اس سرزمین میں مروّج رہی تھیں، اس کے آگے کسمسا کر رہ گئیں۔ اب اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس برعظیم کا ہر علاقہ اس کا مدّعی ہے کہ اس نے اُس کے ہاں جنم لیا۔ سندھ کا دعوا ہے کہ مسلمانوں کے قدم سب سے اوّل یہاں آئے اور ان کی برکت سے یہیں اس کا ظہور ہوا۔ ایک دن یہیں کے کھنڈروں میں اس کی آنول نال گڑی ملے گی۔ پنجاب والوں کا یہ کہنا ہے کہ اوّل اوّل اسلامی حکومت استقلال سے یہیں قائم ہوئی اور اس زبان کی بنا یہیں پڑی۔ اردو سے قریب ترین کوئی زبان ہے تو پنجابی ہے۔ اہل گجرات کا دعوا ہے کہ اردو زبان کو فروغ دینے والا انھیں کا خطہ ہے۔ یہیں سے یہ اپجی اور یہیں اس نے ترقی کی سب سے پرانے ملفوظات اور اردو کی نظمیں یہیں ملتی ہیں۔ اور وَلی جو اردو کا باوا آدم کہلاتا ہے، گجرات ہی کا تو باشندہ تھا۔ اہل دکن اِس دعوے میں سب سے آگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد تغلق کے زمانے سے اردو کے قدم یہاں آئے اور اس کے وقت سے اب تک اس نے مسلسل ترقی کی۔ پرانے اردو ادب کی ہر صنف کی تصانیف جس قدر یہاں ملتی ہیں اور کہیں نہیں ملتیں۔ اور سب سے قدیم اردو کی کتابیں بھی یہیں دست یاب ہوتی ہیں۔
اہل بہار بھی اِس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں وہ وہاں کے بعض بزرگوں اور اولیا اللہ کے ملفوظات پیش کرکے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ اردو کی ابتدا یہاں سے ہوئی۔ غرض ہر صوبہ اردو کی جنم بھومی کا مدّعی ہے۔ یہ سن کر مجھے جو خوشی ہوتی ہے وہ بیان

Marfat.com

نہیں کر سکتا۔ یہ اس کی مقبولیت کی سب سے قوی دلیل ہے۔

بعض بزرگ یہ اعتراض فرماتے ہیں کہ اردو پاکستان کے کسی صوبے کی زبان نہیں اس لئے وہ قومی زبان بھی نہیں ہو سکتی۔ حضرت معترض اعتراض کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کے حق میں یہی تو سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر وہ کوئی صوبائی زبان ہوتی تو اس کی بھی مقامی بولی کی حیثیت ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ مقامی بولی کا رقبہ محدود ہوتا ہے اس لئے اس کا اثر اور اس کی قوت بھی محدود ہوتی ہے۔ اور اس کی آواز ایک حلقہ سے آگے نہیں پہنچتی۔ اگر اس وقت کوئی صاحب آپ کے سامنے یا مغربی پاکستان کے کسی شہر میں بنگالی زبان میں تقریر کریں تو اس کے سمجھنے والے کتنے نکلیں گے؟ اسی طرح اگر کوئی سندھ یا مشرقی پاکستان میں پشتو زبان میں یا پشاور یا چاٹ گام میں سندھی میں تقریر کرے تو کون سمجھے گا۔ سمجھنا تو درکنار کوئی سننا بھی پسند نہ کرے گا لیکن اگر میں یا کوئی اور صاحب اُردو میں تقریر کریں تو اس کے سننے اور سمجھنے اور قدر کرنے والے کثرت سے پاکستان میں ملیں گے اسی سے اُردو کی برتری ثابت ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے ایک نئی تجویز پیش کی ہے کہ عربی کو پاکستان کی عام اور قومی زبان بنایا جائے۔ ہمیں عربی زبان کے احترام اور جامعیت سے انکار نہیں لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ اس مملکت کی کاروباری، دفتری اور تعلیمی اور عام بول چال کی زبان ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ یہ تحریک عربی کی محبت میں نہیں کی گئی بلکہ منشا اُردو کی مخالفت ہے۔ نتیجہ یہ کہ عربی

Marfat.com

ہوگی نہ اُردو اور انگریزی بدستور قائم و دائم رہے گی۔ بظاہر یہی خیال اس تجویز کا محرک معلوم ہوتا ہے۔ وہ صاف صاف تو نہیں کہتے کہ اُردو نہ ہو لیکن ایر پھیر سے ایسی باتیں کہتے ہیں جس سے یہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُردو نہ ہونے پائے۔ انگریزی عہد میں انگریزی زبان خاص مصالح کی بنا پر ہم پر مسلط کی گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ انگریز حکام کو آسانی ہو دوسرے یہ کہ دیسی تعلیم یافتہ کم تنخواہ پر مہیا ہوسکیں گے۔ اور تیسری جو سب سے اہم اور دوررس مصلحت تھی وہ یہ کہ تمام تعلیم انگریزی زبان اور انگریزی کی لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعہ سے دی جائے تاکہ وہ اپنی تہذیب اور روایات اپنی تاریخ اور اپنے اخلاق اور معاشرت سے بیگانہ ہو جائیں۔ اُن کا ذوق، انگریزی ذوق، ان کی تہذیب انگریزی تہذیب، اُن کی معاشرت انگریزی معاشرت ہو جائے تعلیم سے ملکی زبان کو اسی لیے خارج کر دیا گیا تھا کہ قومی تہذیب و روایات کی چھینٹ تک نہ پڑنے پائے۔ اور اس طرح جو نئی جماعت تیار ہو وہ سرکار کی خیر خواہ اور وفادار اور انگریزی کلچر کی مبلغ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انگریزی تعلیم پانے کے بعد اُن کا رہنا سہنا، اُن کا لباس، اُن کے کھیل اور تفریح، ان کے عادات و خصائل سب انگریزی ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی زبان بھی انگریزوں کی طرح توڑ مروڑ کر بولنے لگے، اور اس پر فخر کرتے تھے غرض وہ اپنی قوم اور اپنی تہذیب سے بیگانہ ہو گئے اور اپنی ہر چیز کو حقارت سے دیکھنے لگے۔ عیسائی مشنریوں نے اس منصوبے کی بہت پر زور تائید کی تھی، کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ اس قسم کی تعلیم کے بعد یہ

Marfat.com

لوگ اپنے مذہب سے بدظن اور منحرف ہو جائیں گے اور حضرت عیسیٰ کے گلے میں آلیں گے۔ غرض اِس تعلیم نے ہماری قوم کو جسمانی اور دماغی اعتبار سے مسخ اور مفلوج کر کے رکھدیا۔

اب جو ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنی قومی زبان اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنائیں تو وہ حیرت سے ہمارا منہ تکتے ہیں اور طرح طرح کے عذر پیش کرتے ہیں۔ یہ وہی پامال اور فرسودہ عذر ہیں جو اب سے ایک صدی پہلے سے اب تک پیش کئے جا رہے ہیں جن کی صرف زبانی دلائل ہی سے نہیں بلکہ عمل سے تردید کی جا چکی ہے۔ اب سے سوا سو برس پہلے دہلی کالج میں تمام قدیم و جدید علوم کی تعلیم اُردو کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔ اب بھی یہی کہا جاتا ہے، کتابیں کہاں ہیں، پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے؟۔ اب تو ہیں بھی، اُس وقت تو کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن چونکہ عزم راسخ اور دلوں میں خلوص تھا باوجود کچھ نہ ہونے کے سب کچھ کر دکھایا اور جب ملک کے ماہرانِ تعلیم نے اس نئے طریقہ تعلیم کا معائنہ کیا تو انھوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس کالج کے طالب علم جنھوں نے اُردو کے ذریعۂ تعلیم پائی ہر سب مضامین میں اور خاص کر سائنس میں کسی طرح کلکتہ یونی ورسٹی کے اُن طالب علموں سے کم نہیں جنھوں نے انگریزی زبان کے ذریعۂ تعلیم حاصل کی ہے۔ اسے چھوڑیئے پرانی بات ہو چکی ہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے تقریباً تیس سال تک تمام علوم جدیدہ کی تعلیم اُردو کے ذریعہ سے دی۔ اور بے شمار طالب علموں نے اس سے فیض حاصل کیا اور بعض نے یورپ کی یونی ورسٹیوں میں جا کر نام پیدا کیا۔ جامعہ عثمانیہ نے

Marfat.com

ان علوم پر سینکڑوں کتابیں تالیف و ترجمہ کر ڈالیں۔ اگر ان میں خامی ہے تو اصلاح کیجئے، اگر کچھ کمی ہے تو پورا کیجئے للٰلہ کام تو شروع کیجئے۔ لیکن اگر آپ نے مخالفت ہی کی ٹھان لی ہے اور کام شروع کرنا ہی نہیں چاہتے تو پھر نہ کبھی کتابیں ہوں گی اور نہ پڑھانے والے، اور یہ مہمل عذر سالہا سال تک یوں ہی پیش ہوتے رہیں گے اور ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کا خون ہوتا رہے گا۔

ابھی چند روز ہوئے مصر کے فاضل سفیر ہز اکسی لنسی عبدالوہاب عزام بے نے ہمارے اُردو کالج کا معائنہ فرمایا اور اپنی تقریر میں ایک بات نہایت معقول کہی۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ اُردو ہی ذریعہ تعلیم ہونی چاہئیے۔ کتابیں نہ ہونے کا عذر لنگ ہے۔ ہم نے جب عربی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا قصد کیا تو یہی عذر پیش کیا گیا کہ کتابیں نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے کام شروع کر دیا اور تین سال میں کتابیں بھی مہیا ہوگئیں۔

چنانچہ دہلی کالج میں یہی ہوا اور ثابت کر دیا کہ کام کرنے والے یوں کام کرتے ہیں۔ اب بحث مباحثہ اور دلیل و حجت کا وقت نہیں ہے۔ جو چیز عمل میں آچکی اور کامیاب ثابت ہو چکی ہے اس کے متعلق از سر نو بحث چھیڑنا لا حاصل ہے۔ یہ کام کرنے کے لچھن نہیں، ٹالنے کی باتیں ہیں۔ کتابیں موجود ہیں، اور حسب ضرورت نئی تیار ہو سکتی ہیں پڑھانے والے موجود ہیں اور تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک بار یہ طے ہو گیا کہ اُردو ذریعۂ تعلیم ہو گی تو پھر سب ہو سکتا ہے اور کوئی مشکل سد راہ نہیں ہو سکتی۔ انجمن ترقی اردو پاکستان

Marfat.com

نے اسی اصول پر اپنا اُردو کالج قائم کیا ہے۔ ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ البتہ ایک مشکل کا سامنا ضرور ہوا اور وہ مشکل سرمائے کی ہے۔ اگر ہمارے پاس کافی سرمایہ ہوتا تو ہم اردو کے ذریعہ سائنس کی تعلیم بھی جاری کر کے دکھا دیتے اور منکروں کا منہ بند کر دیتے۔

صاحبو! جو حضرات زبان کے معاملے میں نئی نئی تجویزوں سے خلفشار پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کا یہ فعل دور اندیشی پر مبنی نہیں۔ اس قسم کی بدعتیں کام میں رکاوٹ اور طبائع میں انتشار پیدا کرتی ہیں۔ اور آخر میں بے نتیجہ ثابت ہوتی ہیں۔ ہم انگریزی کے مخالف نہیں اس کا پڑھنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن زبان کی حیثیت سے۔ البتہ یہ ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہماری تہذیب و روایات، ہماری معاشرت، ہمارے دماغ اور خیالات و جذبات پر مُسلّط ہو جائے۔ جب کوئی غیر زبان کسی پر اس طرح مُسلّط ہو جاتی ہے تو اس میں قومی حمیت اور عصبیت نہیں رہتی اور وہ اپنی قوم سے الگ ایک دوسرا شخص ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک خاص وجہ ہے کہ ہم انگریزی کے تسلط کی آزاد ہو کر اپنی قومی زبان کے عام رواج کے لئے کوشاں ہیں اور اس میں اب تک شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ انگریزی کی جگہ اگر کوئی لے سکتی ہے تو وہ اُردو ہے۔ وہ اپنی اہلیت اور صلاحیت کامل طور پر ثابت کر چکی ہے۔

پاکستان میں جتنی زبانیں مروّج ہیں وہ سب ہماری زبانیں ہیں۔ ہر شخص کو اپنی مادری یا صوبائی زبان سے محبت ہوتی ہے اور ہونی چاہئے اور کسی کو اس کی ترقی میں حائل ہونے کا حق نہیں ہے۔

Marfat.com

لیکن صوبائی بولیاں (جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں) محدود ہوتی ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی میل نہیں ہوتا۔ اگر ہر صوبہ اپنی اپنی زبان پر اصرار کرے اور قومی زبان کے رواج کے مانع ہو تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ ایک طرف پشتونستان اور دوسری طرف بنگلستان، ادھر سندستان اور ادھر پنجابستان، پاکستان کہیں نہیں رہے گا اور ڈھونڈے بھی نہیں ملے گا۔

حضرات! اس وقت سب سے مقدم پاکستان کا استحکام ہے اور استحکام کے لئے لازم ہے اتحاد، اور اتحاد کا ایک بڑا ذریعہ قومی زبان ہے، اردو مثل ایک شیرازے کے ہے جو مملکت کے مختلف عناصر کو منتشر ہونے سے بچائے گا اور ان کو مضبوط رکھے گا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس شیرازے کو مضبوط کرنے کی کوشش کیجیے۔ جو لوگ اپنی قومی زبان کے استعمال سے شرماتے ہیں ان میں قومی غیرت نہیں۔ اور جس شخص میں غیرت نہیں وہ مُردہ ہے۔ اور ہم نہیں چاہتے کہ ہماری قوم میں مُردہ دل کی اکثریت ہو۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت

(جو ۱۲ر جولائی ۱۹۵۲ء کو انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں دیا گیا)

ایک پُرانی مثل ہے کہ طفل بہ مکتب نرود دے برندش۔ یعنی بچہ خوشی خوشی مکتب نہیں جاتا اُسے پکڑ دھکڑ کر لیجاتے ہیں یہاں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں چند ترقی پسند لڑکے ایک بُڈھے کو کشاں کشاں لے آئے ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ لوگ کیوں میرے سر ہیں اور کیوں ان کا یہ اصرار ہے کہ میں اس جلسے کی صدارت کر دوں معلوم یہ ہوا کہ اس کوشش کے پیچھے نامعلوم طور پر انسانی فطرت کا ایک عجیب نکتہ پنہاں ہے۔ انسان جس چیز کی مخالفت کرتا ہے یا جس خیال پر دوسرے کو ملامت کرتا ہے وہ کچھ نہ کچھ خود اس میں موجود ہوتا ہے!!

آپ نے مُلاؤں کو دیکھا ہے کہ جب وہ آپس میں بحث کرتے ہیں اور لڑتے ہیں تو ان کی وہی دلیلیں ہوتی ہیں جن کی وہ مخالفت کرتے ہیں مثلاً، ایک شخص ہے جو حدیث کا قائل نہیں وہ ایسے شخص سے بحث کر رہا ہے جو اہل حدیث ہے تو وہ بحث کرتے کرتے خود حدیث پیش کر بیٹھتا ہے حالانکہ حدیث کو نہیں مانتا۔

مثلاً ارسطو جو افلاطون کا سب سے محبوب اور ذہین شاگرد تھا اس نے اپنے اُستاد کے بعض نظریوں پر تنقید کی لیکن وہ تنقید اور نکتہ چینی میں

Marfat.com

ایسی باتیں کہہ گیا جو خود اس کے استاد نے کہی تھیں جس سے اس کی تنقید میں ضعف آگیا۔ اسی طرح ترقی پسند جو دوسرے آدمیوں کو جنھیں وہ رجعت پسند کہتے ہیں برابر بُرا بھلا کہتے آئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ خود ان میں بھی رجعت کے جراثیم موجود تھے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ پچاس سال پیچھے رجعت قہقری کر کے مجھ جیسے بیاسی سال کے بڈھے کو یہاں لا کھڑا کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ میری بجائے کوئی نوجوان ترقی پسند ہوتا جو آپ کو ایسی کھری کھری سناتا کہ آپ مدتوں یاد رکھتے۔

ترقی پسندوں کی انجمن میرے سامنے کا بچہ ہے۔ اگرچہ اس کے جنانے میں میرا ہاتھ نہیں۔ ابتدا میں اس کے بڑے زور شور تھے۔ اس کی خودسری اور خود پسندی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس کی حالت ایک سرکش اَلل بچھیرے کی سی تھی جو دولتیاں جھاڑتا، سر اُچھالتا الف ہو جاتا اور قابو سے نکل نکل جاتا ہے۔ ترقی پسندوں نے دوسرے ادیبوں پر (جنھیں وہ رجعت پسند کہتے ہیں) بڑی لے دے کی نہایت سخت نکتہ چینی کی۔ اُنھوں نے بھی ان کی خوب خبر لی اور بڑے چبھتے ہوئے اعتراض کیے۔ غرض اس جواب، جواب الجواب، رد جواب اور کد جواب، بحثا بحثی اور جھیڑ جھپاڑ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ترقی پسندوں کی خود پسندی اور جوش دھیما پڑ گیا اور مخالف فریق کی بھی آنکھیں کھلیں اور اپنی اصلاح شروع کی۔ ان دونوں میں سے کوئی یہ نہیں مانے گا کہ ایک نے دوسرے کا اثر قبول کیا۔ اس میں ماننے نہ ماننے کی بات نہیں ہے یہ اثر نامعلوم اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں اور میں کیا ان کے مخالف بھی تسلیم کریں گے کہ انھوں نے ہمارے

Marfat.com

ادب کو بلند کیا اس کا وقار بڑھایا، فسانہ نویسی اور نظم میں جدت وسعت پیدا کی اور خاص کر تنقید کے فن پر قابل قدر کام کیا۔ ابتدا میں سخافت اور سفاہت تھی وہ اب نہیں رہی۔ ایک نقص ان میں ضرور تھا جس کی طرف میں نے اپنی ایک تحریر میں اشارہ کیا تھا کہ اپنی ترقی پسندی کی ترنگ میں انھوں نے اپنے گزشتہ ادب کا مطالعہ نہیں کیا۔ اس وقت وہ اسے قابلِ التفات نہیں سمجھتے تھے اس لئے ان کا طرز بیان اُکھڑا اُکھڑا اور اُلجھا اُلجھا تھا۔ اسی قسم کی کچھ اور خامیاں تھیں، مگر اب یہ نقص بھی باقی نہیں رہا۔ انھوں نے اپنے قدیم ادب کا بہت اچھا مطالعہ کیا ہے اور اس پر خوب خوب مضامین لکھے ہیں۔

میں دو تین باتیں خاص طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ غلطی کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے یہ ایک معمولی چیز ہے۔ غلطی سب کرتے ہیں، بڑوں بڑوں نے کی ہے۔ اولیاؤں اور پیغمبروں سے غلطیاں ہوئی ہیں اور غلطی وہی کرتا ہے جو کچھ کرتا بھی ہے، جو کچھ کرتا ہی نہیں وہ غلطی کیا کرے گا۔ اس کے علاوہ غلطیاں بھی ترقی کی ممد ہوتی ہیں۔ مثلاً پچھلوں کی غلطیاں آئندہ والوں کو ہدایت اور رہنمائی کا کام دیتی ہیں اور پکار پکار کے کہتی ہیں کہ خبردار اس طرف نہ آنا۔ اسی طرح ہماری غلطیوں سے آئندہ نسلوں کو فائدہ پہنچے گا۔ کسی کام کے جانچنے کے لئے غلطی سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے بعد کوئی چیز ایسی ہے جو ہمارے دماغ میں روشنی اور ہمارے فکر میں جولانی پیدا کرتی ہے۔ ترقی پسند مصنّفین نے بے شک غلطیاں کی ہیں جیسے اور کرتے ہیں، مگر انھوں نے کام بھی کیا ہے اور سب سے بڑی تعریف

Marfat.com

کی بات یہ ہے جس کی میں دِل سے قدر کرتا ہوں کہ جب اُنھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے اصلاح کی کوشش کی جیسا کہ ان کے جدید منشور سے ظاہر ہے۔ انھوں نے ان چیزوں کو خارج کر دیا ہے جو موجب اختلاف تھیں، لیکن اب بھی خفیف سی ترمیم کی اور اس میں جو تلخی ہے اُسے کم کرنے کی ضرورت ہے۔ سچ بلاشبہ مقدم اور ضروری ہے، لیکن تلخی اور دل آزاری ضروری نہیں۔ اس میں شائبہ بدذوقی آجاتا ہے۔

حکیم کنفوشش کا قول ہے کہ سب انسان کھاتے پیتے ہیں کوئی زیادہ کوئی کم، کوئی اچھا کوئی معمولی، کوئی طرح طرح اور قسم قسم کے کھانے کھاتا ہے، لیکن ان میں کتنے ہیں جو ذائقہ کی صحیح حس رکھتے ہیں۔ یہی حال ادب کا ہے۔ ہم میں سیکڑوں ہزاروں لکھنے پڑھنے والے مترجم، مولف، مصنف شاعر ہیں، لیکن اِن میں کتنے ہیں جن میں ادب کا صحیح ذوق ہے۔ آپ کی انجمن کا یہ بڑا کام ہوگا کہ وہ صحیح ذوق کے پھیلانے میں کوشش کرے۔ صحیح ذوق ادب کی جان ہے، لیکن اس کے گہرے مطالعہ، فکر و غور، محنت اور مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے۔

انسان فطرتاً کاہل معلوم ہوتا ہے۔ محنت کرنا نہیں چاہتا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ سب انسان نیک ہیں سوائے کاہل کے۔ کاہلی جرم ہے، گناہ ہے، عطیۂ الٰہی سے انحراف اور کفرانِ نعمت ہے۔ یاد رکھیے کہ جو اقوام یا افراد کام کرنے سے ہچکچاتی اور محنت سے جی چراتی ہیں انھیں کبھی آزادی نصیب نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ غلام رہیں گی، اگرچہ ان کے ہاتھوں میں آزادی کے منشور کیوں نہ ہوں۔ کام سے انسانیت آتی ہے، سیرت اور اخلاق بنتے ہیں۔ ظاہر و باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ ہم جان دینے کے لئے

Marfat.com

تیار ہو جاتے ہیں مگر کام کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس میں پتّا مارنا پڑتا ہے، عزیز اشغال اور محبوب عادتوں کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ والٹیر دنیا کا بہت بڑا اور عجیب و غریب ادیب گزرا ہے۔ وہ اپنے ایک ڈرامے کی مشق کر رہا تھا اس میں ایک خاتون بھی تھی جسے وہ بتا رہا تھا کہ اُسے یہ کیوں کر ایکٹ کرنا چاہیے اور وہ کیسے ادا کرنا چاہیے۔ اس خاتون نے کہا کہ حضرت آپ جو جذبہ مجھ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ میرے اندر شیطان ہو۔ اس نے کہا بے شک جو شخص بھی کسی آرٹ میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے اندر شیطان ہونا ضرور ہے۔ تو حضرات یہ ترقی پسند جو یہاں بیٹھے ہیں ان کے اندر بلاشبہ شیطان ہے۔ یہ جب کام کرنے پر آتے ہیں تو آندھی ہیں، طوفان ہیں، بھوت ہیں، شیطان ہیں!

آخر میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ جو چاہیں بھول جائیں مگر اپنی قومی زبان کو نہ بھولیں۔ یہ پاکستان کی جان ہے۔ اس میں قوت اور استحکام ہے اور پاکستان کے اتحاد، وحدت و سالمیت کا راز اس میں پنہاں ہے۔ یہ شیرازے کی ہے جس نے اس مملکت کے مختلف اور منتشر عناصر کو آپس میں منسلک کر رکھا ہے۔ پاکستان کی کوئی دوسری زبان اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ ہم اُردو کو پاکستان کی سرکاری یا قومی زبان نہیں قرار دیتے تو ظاہر ہے کہ اس کی جگہ پاکستان کے کسی ایک صوبے کی زبان رکھنی پڑے گی۔ یہ ہوا تو باقی چار صوبوں میں اسے کون سمجھے گا یا بولے گا۔ یہ اردو ہی ہے جو ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ علمی، تعلیمی اور

Marfat.com

ادبی لحاظ سے یہ اتنی پُر مایہ ہے کہ کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی جس قوم کی کوئی زبان نہیں وہ قوم نہیں اور جس ملک کی کوئی ایک زبان نہیں وہ مملکت نہیں۔ قائد اعظم کا یہ فیصلہ بڑی دوراندیشی پر مبنی تھا کہ اردو ہی پاکستان کی زبان ہے اور کوئی دوسری زبان نہیں ہوسکتی اور جو اس شخص میں غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے میں کہتا ہوں کہ یہ دشمنی ہی نہیں غداری ہے۔ ایسا شخص کبھی پاکستان کا دوست نہیں ہوسکتا۔

ابھی کل یا پرسوں کی بات ہے جمعیت علمائے پاکستان نے ایک درخواست جناب وزیراعظم کی خدمت میں پیش کی۔ اس میں انھوں نے کہنے کی اور نہ کہنے کی بہت سی باتیں فرمائی ہیں، مگر زبان کا کہیں ذکر نہیں حالانکہ یہ اس وقت نہایت اہم مسئلہ ہے، کیوں کہ اس میں اختلاف نفاق و افتراق کا موجب ہے۔ میں ان حضرات سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کی کونسی زبان ہے۔ یہ آپس میں کس زبان میں بات چیت کرتے ہیں یہ تقریریں اور وعظ کس زبان میں فرماتے ہیں۔ اور یہ یادداشت انھوں نے کس زبان میں پیش فرمائی ہے؟۔ بعض مقتدر اور بااثر اشخاص اس معاملے میں خاموش ہیں اور سچ کہنے میں پس و پیش کرتے ہیں تو اس کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ آئندہ الیکشن کا ہوا اُن کے سامنے کھڑا ہے اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرنے ہیں۔ لیکن علمائے کرام کو کس بات کا ڈر ہے۔ کیا وہ بھی الیکشن ہی کے ذریعہ انتخاب ہوتے ہیں؟ یا انھیں بھی اپنے لئے ووٹوں کی ضرورت ہے!

حضرات! پاکستان بنانے کے بہت سے مدّعی ہیں۔ لیکن پاکستان کو

Marfat.com

نہ علمائے بنایا نہ مسلم لیگ نے اور نہ کسی اور نے۔ یہ بھی اُردو ہی کی برکت ہے۔ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے تمام سرکاری دفتروں اور عدالتوں سے اُردو کو خارج کرنے اور اس کی بجائے ہندی بھاشا رائج کرنے کی کوشش کی اور اس منصوبے کو عمل میں لانے کے لئے سبھائیں بنائیں اور سرکار میں محضر بھیجے تو سر سید احمد خان نے اس تحریک کی سخت مخالفت کی اور اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"میں اب تک اپنے ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کی کوشش کرتا رہا اور کبھی ہندو مسلمان کا فرق نہ کیا۔ مگر جب سے ہندو صاحبوں نے اُردو کی مخالفت کی اور اسے مٹانا چاہا جو مسلمانوں کی باقی ماندہ نشانی ہے تو اس وقت سے مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان متفق ہو کر ملک کی فلاح و ترقی کا کام نہیں کر سکتے اور میں اپنے تجربہ اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمان میں جو نفاق شروع ہوا ہے اُس کی ابتدا اسی سے ہوئی ہے۔"

یہ بالکل صحیح اور تاریخی واقعہ ہے کہ محض اردو کی مخالفت کی وجہ سے ہندو مسلمان دو الگ الگ قومیں ہو گئیں اور اُس وقت دو قومی نظریے کی بنیا ڈپڑی اور یہی دو قومی نظریہ پاکستان کی بنا کا باعث ہوا یعنی قصرِ پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اُردو نے رکھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ پاکستان پر اُردو کا بہت بڑا حق ہے اور اب پاکستان پر اس حق کا ادا کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

تقریر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

(یہ تقریر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (دسمبر سنہ ۴۸ء) میں کی گئی تھی جمیل احمد صاحب نقوی اسسٹنٹ لائبریرین یونی ورسٹی نے بڑی چابک دستی سے اسے قلم بند کر لیا۔)

جناب صدر اور صاحبو!

میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے یعنی زبان اردو کی اشاعت اور ترقی۔ مجھے یا انجمن ترقی اردو کو کسی سیاسی جماعت سے دور کا بھی تعلق نہیں لیکن باوجود اس کے میں ہر جماعت سے تعاون کے لئے آمادہ ہوں، بہ شرطے کہ اسے ہمارے مقاصد سے ہم دردی ہو۔ میں جب کل یہاں حاضر ہوا تو ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب نے مجھے وہ اشتہار دکھایا، جس میں انھوں نے اپنی طرف سے میری تقریر کے لئے ایک موضوع کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ موضوع ہے "موجودہ سیاست اور اردو زبان"۔ اسے دیکھ کر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جس زمانے میں کہ مسلم یونی ورسٹی نہ تھی اور ایم۔ اے۔ او کالج تھا، اس وقت کالج میں ایک حجام عنایت اللہ نامی تھا۔ مولوی عزیز مرزا مرحوم جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو اسے اپنے ساتھ حیدرآباد لے گئے۔ وہ

Marfat.com

بہت سمجھ دار اور وفادار شخص تھا۔ اس نے حیدرآباد میں خاص حیثیت حاصل کر لی تھی اور ہم سب اسے عزّت سے دیکھتے تھے۔ کچھ دنوں بعد مولوی شبلی حیدرآباد تشریف لے گئے۔ انھیں وہی خیال رہا اور عنایت اللہ کی نئی حیثیت کی خبر نہ تھی۔ انھوں نے عنایت اللہ سے کہا کہ "میاں خلیفہ، ذرا ناخن تو لینا" یہ اسے ناگوار تو ضرور ہوا مگر خیر اُن کے ناخن تو لئے مگر ایک ناخن ذرا گہرا بھی کاٹ ڈالا۔ جس سے مولوی صاحب کو ذرا جھلاہٹ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ اب تم کیا کرتے ہو۔ عنایت اللہ نے کہا کہ، "مولوی صاحب اب میں پولٹیکل ہوں" اس زمانے میں حیدرآباد کی فضا کچھ ایسی ہی تھی۔ میں جب اس زمانے کا خیال کرتا ہوں اور آج کل کے زمانے کو دیکھتا ہوں تو ہر شخص حجّام یعنی پولٹیکل نظر آتا ہے۔

اس زمانے میں ہمارے ملک پر سیاسیات کا ابر چھایا ہوا ہے اور ہماری زندگی کا کوئی شعبہ اس سے نہیں بچا۔ زبان بھی اسی لپیٹ میں آگئی ہے اور آج کل سب سے زیادہ آفت اسی پہ ہے اور آج سے نہیں بلکہ ایک زمانے سے ہماری زبان کو سیاسیات نے گھیر رکھا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سیاسی اختلاف اور نزاع کی ابتدا اسی سے ہوئی اور سلسلہ اب تک جاری ہے۔

غدر سے پہلے اس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ چناں چہ جب سنہ ۱۸۳۷ء میں فارسی کی بجائے دفتروں اور عدالتوں میں اُردو زبان کو رائج کیا گیا تو کسی فردِ بشر نے اس کی مخالفت نہ کی اور

Marfat.com

کہیں سے یہ آواز نہ اٹھی کہ نہیں، ہندی بھاشا ہونی چاہیے۔ اُردو کو سب نے تسلیم کرلیا۔ یہ نہ کرتے تو کیا کرتے، دوسری کوئی زبان تھی ہی نہیں جو اس کے مقابلے میں آتی۔ لیکن سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے رفتہ رفتہ زبان کی چھیڑ شروع ہوتی ہے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط اٹھ گیا اور انگریزی حکومت قائم ہوگئی تو اس وقت ہندوؤں کی ایک جماعت میں قومیت کا ایک نیا احساس پیدا ہوا اور اپنی قدیم تہذیب کو پھر زندہ کرنا چاہا۔ اسی زمانے میں سوامی دیانند سرسوتی نے سنسکرت کے پڑھنے پڑھانے اور بولنے پر زور دیا۔ اور ویدک زمانے کی یاد تازہ کی۔ گروکل قائم کئے اور ان میں ویدک زمانے کی تہذیب اور رسوم کو از سرِ نو رواج دیا۔ اس کے بعد یورپ والوں نے اس خیال کو اور تقویت پہنچائی۔ خاص کر پروفیسر میکسمولر کی تحریروں اور میڈم بلوٹسکوی، اینی بسنٹ اور کرنل اسکاٹ کی تحریروں اور تحریکوں نے اور شہ دی۔ قومیت کے لئے لازم ہے کہ زبان بھی ایک ہو۔ وہ زبان وہ ہے جسے آج کل ہندی کہا جاتا ہے۔ مگر وہ ایسی ہندی ہے کہ جسے نہ شہر والے سمجھتے ہیں نہ دیہات والے

غرض اس طرح زبان بھی الگ کر لینے کی کوشش کی گئی۔ یہیں سے اصل نزاع اور نفاق کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ پہلا قدم تھا جو فرقہ پرستی یعنی کمیونلزم کی طرف اٹھایا گیا۔ اور وہ فرقہ پرستی جس کے مجرم آج ہم قرار دیئے جاتے ہیں اس مناسبت سے اوّل ان حضرات نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ڈالی۔ سب سے پہلے اس کا بیج بہار میں

Marfat.com

بر پا کیا، اس کے بعد اس کے گلے یو۔ پی میں پھوٹے۔ بنارس اور الہ آباد میں سبھائیں قائم ہوئیں اور اس بات کی کوشش شروع ہوئی کہ عدالتوں اور دفتروں میں ہندی کو رواج دیا جائے۔ اس وقت سر سید احمد خان نے اس نامبارک تحریک کی مخالفت کی اور اردو کی تائید میں مضامین لکھے ہیں۔ سر سید نہایت حسرت اور افسوس سے لکھتے ہیں کہ یہ تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، خیال پیدا ہوا اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح میں کوشش کریں، مگر جب سے بعض ہندو صاحبوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشہئ ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے مٹا دیا جائے اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان باہم متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا کام نہیں کر سکتے۔ میں نہایت درستی اور اپنے تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہوا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔

یہ سلسلہ برابر جاری رہا لیکن رفتہ رفتہ اس کا زور کسی قدر کم ہو گیا۔ اس کے بعد جب سر انٹونی میکڈانلڈ اس صوبے کے لفٹننٹ گورنر ہو کر آئے تو یہ شاخ کملاسی گئی تھی پھر ہری ہونی شروع ہوئی وہ بہار سے آئے تھے اور اردو ہندی کے جھگڑے میں بہت کچھ حصہ لے چکے تھے۔ ان کے یہاں پہنچنے پر ہندی والوں نے پھر ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ یہ سر سید کی زندگی کے آخری دن تھے۔ اس موقع

Marfat.com

پر بھی انھوں نے ایک مضمون لکھا، جو غالباً ان کی آخری تحریر تھی اور جس میں انھوں نے اس انجمن کو جو الہ آباد میں اُردو کی حمایت کے لئے قائم ہوئی تھی لکھا کہ میں اس معاملے میں ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں اس کے بعد ہی اُن کا انتقال ہو گیا اور ہندی والوں کی بن آئی جنھیں اپنی کوشش میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور دفتروں اور عدالتوں میں ہندی کا رواج ہو گیا۔

پھر ایک اور دور آتا ہے۔ نواب محسن الملک نے جو سر سید کے جانشین تھے، اُردو کی حمایت پر کمر باندھی۔ لکھنؤ میں ایک بڑا بھاری جلسہ کیا جس میں نواب صاحب نے بہت پُرجوش اور پُر زور تقریر کی۔ اس تقریر کا یہ مصرع اب تک زبان زدِ خاص و عام ہے ع۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

لیکن سر انٹونی میکڈانل اپنے حکم کی تعمیل پر تُلے ہوئے تھے اور اس کی مخالفت کو اپنی ذاتی مخالفت سمجھتے تھے۔ انھوں نے نواب صاحب کو ڈرایا دھمکایا۔ سب سے بڑی دھمکی یہ تھی کہ اگر تم اس تحریک میں حصہ لیتے رہو گے تو کالج کے سکریٹری نہیں رہ سکتے۔ کالج کا نقصان انھیں گوارا نہ ہوا اور وہ اس دھمکی میں آگئے اور صبر کر کے بیٹھ رہے۔ اگر وہ سکریٹری کے عہدے سے مستعفی ہو جاتے اور اپنی ساری ہمت اُردو کی ترقی اور اشاعت میں صرف کر دیتے تو ہماری زبان کو بڑی تقویت پہنچتی اور ہمیں یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔

اس کے بعد یہ معاملہ کچھ دنوں تک دھیما پڑ گیا۔ اُس وقت تک ہندی میں ادب کا ذخیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ چند معمولی کتابیں اور قصّے کہانیاں

Marfat.com

تھیں۔ ان میں بھی اکثر اردو کے قصّے تھے جو ناگری حروف میں چھاپ لئے تھے۔ لیکن جب پنڈت مالویہ نے شدھی اور سنگھٹن کا قضیہ چھیڑا تو اس سلسلے میں ہندی زبان بھی آگئی اور اس مذہبی جوش میں ہندی زبان کو خوب فروغ ہوا۔ اب یہ ادبی چیز نہ رہی بلکہ سیاسی اور مذہبی ہوگئی۔ اور چوں کہ وہ اپنی الگ ایک سیاسی جماعت اور نئی قومیت بنا رہے تھے۔ اس لئے اس پردے میں زبان کی ترقی ضرور ہوگئی۔

اس میں شک نہیں کہ پنڈت جی کی تحریک سے ہندی زبان کو بہت تقویت پہنچی اور خود انھوں نے اور اُن کے ہم خیال اصحاب نے کوشش کرکے یہ نئی زبان بولنی اور لکھنی شروع کردی اور ہندی ادب میں بھی اس کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا لیکن سب سے بڑی قوت اس وقت پہنچی جب گاندھی جی نے ساہتیہ سمیلن کی صدارت قبول کی اور ہندی کو ہندستان کی عام زبان بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے سارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہندی کا غلغلہ مچ گیا۔ اور صوبہ مدراس، پنجاب، اور سرحد جیسے علاقوں میں جہاں کی زبانوں سے ہندی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ہندی تیزی سے پھیلنی شروع ہوگئی۔ اور وہاں کے ہندو اپنی اپنی حکومتوں سے ہندی کی تعلیم کا مطالبہ کرنے لگے جو ناواجب تھا، کیوں کہ ہندی نہ کبھی وہاں کی زبان تھی اور نہ اب ہے۔ یہاں تک کہ اس جوش میں انڈین نیشنل کانگرس کا رزولیشن بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور اس کی اشاعت میں لاکھوں رُپئے صرف کئے جا رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ دعوےٰ ہے کہ ہم ہندستان میں ایک قوم بنانا چاہتے ہیں اور اس قومیت کے دعوے کے ساتھ

Marfat.com

یہ بھی چاہتے ہیں کہ ملک میں بول چال کی ایک زبان ہو اور وہ زبان ایسی ہو جو مشترک ہو اور دوسری طرف اُس زبان کو جو مشترک ہے اور دونوں قوموں کی یک جہتی اور اتحاد سے بنی ہے اسے خارج بھی کرنا چاہتے ہیں۔

ہندُستان میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن وہ زبان جو بہت پہلے سے مشترک چلی آتی ہے یعنی اُردو زبان اس کی حیثیت دوسری زبانوں سے بالکل جُدا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی خاص علاقے، قوم یا ذات میں محدود نہیں۔ ہندستان کے ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ سمجھی اور بولی جاتی ہے اور اکثر علاقوں میں لکھی پڑھی جاتی ہے اس لئے دوسری زبانوں کے مقابلے میں اسے ہر لحاظ سے مشترک ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ حیثیت دوسری زبانوں کو حاصل نہیں۔ یہ اس تمدّن و تہذیب کی یادگار ہے جو ہندو مسلمانوں کے ربط ضبط سے پیدا ہوئی۔ یہ زبان خاص ہندُستان کی ہے اور دو قوموں کی تہذیب کی عظیم الشان یادگار ہے اور اسی لئے اس پر دونوں کو مساوی حق حاصل ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے اس زبان کو رواج دینے میں کوشش کی سراسر بُہتان ہے۔ مسلمان بادشاہوں کو کبھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس طرف توجہ کریں۔ اور ایک بادشاہ ہی نہیں، ہمارے علما اور فضلا، بھی اس کی طرف سے بے پروا رہے بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے تھے۔

یہ زبان نہ کسی بادشاہ کے خبط کا نتیجہ ہے نہ کسی حکیم کی حکمت کا نہ کسی کانگرس یا کانفرنس کے رزولیوشنوں سے پیدا ہوئی نہ کسی مہاتما کی روحانی فیض سے اور نہ کسی مفتی کے فتوے سے، بلکہ اسے قدرتی اور

Marfat.com

معاشرتی ضرورت نے پیدا کیا اور یہ سراسر زمانے کا اقتضا تھا۔ اس لئے کہ جب مسلمان یہاں آتے تو یہاں نہ کوئی ایک حکومت تھی نہ کوئی ایک زبان ہر علاقے میں مختلف بولیاں بولی جاتی تھیں، ہر جگہ انتشار اور ابتری پھیلی ہوی تھی۔ جب مسلمانوں کی حکومت کو ذرا استقلال ہوا تو اس زبان نے بھی فروغ پایا اور جیسے جیسے اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور جہاں جہاں اس کے صوبے دار اور لشکر اور لشکری پہنچے یہ بھی ان کے ساتھ پہنچی۔

اس زبان کا ملک پر بڑا احسان ہے اور وہ یہ کہ اس نے مختلف لوگوں کو ایک کر دیا ... جہاں نفاق و انتشار تھا وہاں اتفاق و نظام پیدا کر دیا اور ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالی جس نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا۔ یہ اس کا کچھ کم احسان نہیں۔ یہ زبان ہر حیثیت سے مشترک ہے اور بہ قول سر تیج بہادر سپرو کے "جائداد مشترکہ ناقابلِ تقسیم ہے۔"

یہ زبان جیسا کہ میں نے عرض کیا مخلوط زبان ہے۔ اور مخلوط زبان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں طرفین کو کچھ نہ کچھ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ جب دو مختلف زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں تو ہر ایک کو اپنی زبان کی بعض ایسی خصوصیتیں ترک کرنی پڑتی ہیں جو اس زبان سے مخصوص ہیں اور جس کے سمجھنے یا قدر کرنے سے غیر زبان والا قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں زبان والے ایک دوسرے کی خاطر اپنی بعض خصوصیتوں اور لفظی نزاکتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک روز سر سید مسٹر بیک سے

Marfat.com

گفتگو کر رہے تھے تو اثنائے گفتگو میں فرمانے لگے مد ہی ڈد وِد ضد ناٹ دو دل (He did with Zid not with Dil) مسٹر بیک بھی اسی طرح کی مخلوط زبان میں اپنی اُردو بگھار رہے تھے۔ میں نے جب یہ گفتگو سنی تو میرا خیال فوراً اُردو زبان کی پیدائش کی طرف گیا۔ جب ہندو مسلمان آپس میں ملے ہوں گے اور انھوں نے آپس میں بات چیت کی ہو گی تو اُن کی گفتگو کا ڈھنگ بھی یہی ہو گا اور اُن کے متواتر میل جول سے رفتہ رفتہ نئی زبان بن گئی ہو گی۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ وہ اس طرح سے وجود میں آئی۔ غرض اُردو زبان دونوں زبانوں (یعنی دیسی اور بدیسی زبانوں) اور دونوں قوموں (یعنی ہندو مسلمانوں) کی قربانی سے پیدا ہوئی ہے۔ جو چیز ایسی قربانی کے بعد حاصل ہوئی ہو وہ کیوں کر عزیز نہ ہو گی؟ ہم ہندو مسلمانوں نے قربانیاں کر کے یہ زبان بنائی ہے، پھر کس کا مُنہ ہے جو اس کی مخالفت کرے؟ جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے ملک اور قوم کی مخالفت کرتا ہے۔

اس کے بنانے، بڑھانے، سنوارنے اور فروغ دینے میں ہندو مسلمان دونوں کی کوشش شریک ہے۔ ہمارے اسلاف نے صدہا سال اس پر محنت کی ہے، تب جا کر اس نے یہ رنگ روپ نکالا ہے۔ اب جو کوئی اس کی مخالفت کرتا ہو وہ کپوت ہی، ناخلف ہی، ناسعادت مند ہے۔

اب اس اختلاف کا یہ سلسلہ جس کی ابتدا سیاسی اختلاف سے ہوئی اور جس میں مذہبی جوش بھی شریک تھا، بڑھتا چلا۔ جب انڈین نیشنل کانگرس نے یہ دیکھا کہ دونوں فریق مخالفت پر تلے ہوتے ہیں تو اس نے کچھ اپنی مصلحت اور کچھ رفع شر کے خیال سے یہ کیا کہ ہندی اور اُردو دونوں

Marfat.com

لفظ ترک کر دیئے اور ان کی جگہ ہندوستانی کا ہندستانی کا لفظ اختیار کیا اور اسی کو ملک کی زبان قرار دیا۔ مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ ہندستانی کسے کہتے ہیں شاید یہ اچھا ہی ہوا ورنہ یہ جھگڑا اور طول پکڑتا۔

لیکن بڑا معرکہ بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس میں ہوا۔ بحث یہ تھی کہ پریشد کی کاروباری زبان کیا ہو۔ گاندھی جی فرماتے تھے ہندی اور میں کہتا تھا ہندوستانی۔ میری دلیل یہ تھی کہ جب انڈین نیشنل کانگرس نے ہندوستانی کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے تو اسے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے گاندھی جی نے فرمایا کہ وہ رزولیوشن بھی تو میرا ہی بنایا ہوا تھا میں نے کہا اس وقت تو اس کا یہ مطلب نہ تھا۔ فرمایا کہ میں اب بتاتا ہوں۔ میں حیرت سے اُن کا منہ تکنے لگا۔ اگر ہر دس بارہ برس بعد مفہوم بدلنے لگے تو پھر کوئی فیصلہ قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد انھوں نے "ہندی ہندستانی" کا نیا لفظ گھڑا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کی ہندی سے کیا مراد ہے۔ کہنے لگے وہ زبان جو کتابوں میں ہے، بول چال میں نہیں اور ہندستانی وہ زبان ہے جو بول چال میں ہے کتابوں میں نہیں۔ اس پر میں نے پوچھا کہ پھر "ہندی ہندستانی" کیا ہوئی؟ فرمایا کہ "وہ ہندی جو آگے چل کر ہندستانی ہو جائے گی"۔ میں نے کہا کہ جب ہندستانی پہلے سے موجود ہے تو اس طول عمل کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب بحث میں لکھ چکا ہوں اور آپ کو معلوم ہے اُسے دُہرانا نہیں چاہتا۔ آخر زچ ہو کر انھوں نے یہ فرمایا کہ میں ہندی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور فیصلہ ووٹ سے کر دیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ جب گاندھی جی ہندی نہیں چھوڑ سکتے تو ہم اُردو

Marfat.com

کیسے چھوڑ دیں۔

اس کے بعد سے ہماری آنکھیں کھلیں۔ ہندی اُردو کی بحث روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے۔ جب ہماری طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہندی یا ہندستانی میں کثرت سے سنسکرت لفظ ملائے جا رہے ہیں تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اردو میں بھی عربی کے الفاظ داخل کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس میں اور اُس میں بہت فرق ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اُردو میں عربی فارسی الفاظ ملائے جائیں۔ برخلاف اس کے گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد، کاکا کالیلکر اور ان کے رفیقوں نے صاف طور پر اپنی اِس پالیسی کا اعلان کیا ہے کہ سنسکرت لفظ زیادہ ملائے جائیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارا منشا اس سے یہ ہے کہ جنوبی ہند والے اس زبان کو سمجھ سکیں۔ کیونکہ ان کی زبان میں زیادہ سنسکرت کے لفظ ہیں۔ اوّل یہ صحیح نہیں کہ ان کی عام زبان میں سنسکرت زیادہ ہے۔ دوسرے بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ جنوبی ہند والے اسی وجہ سے ان سے بدگمان اور ان کے مخالف ہیں کہ ان کو سنسکرت آمیز ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ "یہ لوگ بڑے مکّار ہیں" یہ ہندی کے نام سے ہمارے ملک میں سنسکرت پھیلانا چاہتے ہیں اور ہماری زبان اور کلچر کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ اس حالت میں ان کی یہ دلیل کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند والوں کی بدگمانی کچھ بے جا نہیں۔ جس دلیل سے وہ ہمیں پھسلانا چاہتے ہیں وہ اُن کے مخالف پڑتی ہے۔

Marfat.com

اعتراض صرف یہی نہیں ہے کہ نئے نئے غیر مانوس اور ثقیل سنسکرت لفظ داخل کئے جا رہے ہیں۔ بڑا غضب یہ ہے کہ جو لفظ سالہا سال بلکہ صدہا سال سے زبان میں رائج ہیں انھیں بھی خارج کیا جا رہا ہے اور اس سے بھی بڑا غضب یہ ہے کہ ٹھیٹ عام فہم ہندی لفظ بھی مردود قرار دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ یا تو اصل سنسکرت کا یا کوئی نیا غیر مانوس لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظ جب ایک بار زبان میں آگیا اور رائج ہو گیا تو وہ ہمارا ہو جاتا ہے غیر نہیں رہتا، اسے غیر سمجھ کر نکالنا سخت بیدردی ہے۔ یہ اب جائے تو کہاں جائے۔ اپنے اصل وطن کو جا نہیں سکتا کیوں کہ اس کا رنگ روپ، خصلت سیرت سب بدل گئی ہے، وہاں اسے کوئی نہیں پہچانتا یہ فعل ایسا ہی سفاکانہ ہے جیسا ہٹلر کا بے گناہ یہودیوں کو خارج کرنا مثلاً برس کا لفظ ہے جسے عام و خاص، پڑھا لکھا ان پڑھ دیہاتی شہری بھی بولتے ہیں۔ اب اگر اسے زبان سے نکال باہر کر دیں اور اس کی جگہ اصل سنسکرت 'ورش' استعمال کرنے لگیں تو یہ بے چارہ کہاں جائے، یہ تو ہمارا لفظ ہے اور اس کا ٹھکانہ ہماری ہی زبان میں ہے، ہمیں اس کے نکالنے کا کیا حق ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر برس کے لفظ میں کیا برائی ہے، یہ کیوں مردود قرار دیا گیا ہے اور ورش میں کیا خوبی ہے جو اس کی جگہ لاکر بٹھا یا گیا ہے؟ برس کو ہر اعتبار سے ترجیح ہے۔ ایک تو اس لئے کہ صدہا سال سے رائج ہے اور ہر ایک کی زبان پر ہے۔ دوسرے وہ ہمارا لفظ ہے۔ ورش ہمارا لفظ نہیں بالکل اجنبی اور غیر ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اپنے پر غیر کو ترجیح دی جائے مشترک الفاظ کو خارج کرکے مشترک زبان بنانا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

Marfat.com

لفظ کا معیار رواج ہے اور یہی اس کے مستند ہونے کی سند ہے مثلاً تمغی اور مدعا علیہ ایسے لفظ ہیں جنھیں ایک گنوار سا گنوار بھی سمجھتا ہے اب جو انھیں ہٹا کر "بادی" اور "پرتبادی" کے نامانوس الفاظ کو ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو یہ مشترک زبان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔

اُردو میں سرسید کے زمانے سے آسان زبان لکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مستثنیٰ بھی ہیں۔ اور یہ ہر زبان میں ہوتا ہے۔ یا بعض علمی مضمون ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ادا کرنے میں زبان مشکل ہو جاتی ہے لیکن عام طور پر رجحان سہل زبان لکھنے کی طرف ہے۔ انتہا یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد مشہور "الہلال" کے اڈیٹر جن کی تحریر عربی اور فارسی کے پروں پر پرواز کرتی تھی عامیانہ زبان پر اتر آئے ہیں۔ اب ان کی گفتگو میں "بیٹھک"، "چپاؤ"، جیسے لفظ سن کر حیرت ہوتی ہے۔ اُردو داں طبقے نے کبھی خاص ارادے اور اہتمام سے نامانوس عربی فارسی الفاظ زبان میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بیشک ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ لوگ مقفّی اور مسجع عبارتیں لکھتے تھے جن میں عربی الفاظ کثرت سے آتے تھے لیکن وہ ایک عارضی جنون تھا۔ اب کوئی ایسی عبارت نہیں لکھتا۔ اگر لکھے تو لوگ اس کی ہنسی اڑائیں گے۔

ہمارے ملک میں پڑھے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور جہالت بہت زیادہ ہے۔ انھیں پڑھنا لکھنا سکھا دیجئے اور پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کر دیجئے بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور آج جو چیزیں انھیں مشکل معلوم ہوتی ہیں کل آسان معلوم ہونے لگیں گی۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ یہ نیا زمانہ ہے، حالات بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ اور نئے خیالات کی رَو بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اس لیے نئے الفاظ کا آنا ناگزیر ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایک زندہ زبان کے لیے لازم ہے کہ اس میں نئے الفاظ کا اضافہ ہوتا رہے ورنہ ایک روز مردہ ہو جائے گی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ لغات میں سے بھدّے بے ڈھنگے اور ثقیل الفاظ چن چن کر بھر دیئے جائیں۔ ہر زبان کی ایک فطرت اور ساخت ہوتی ہے اور جب تک لفظ اس کے سانچے میں نہیں ڈھلتا قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ ابھی حال میں آپ کے صوبے کے وزیر تعلیم کی ایک تقریر سرکاری طور پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ انسانوں کی بولی ہے بلکہ یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ شاید راکشسوں کی بولی ہے۔ یہ زبان کا بنانا نہیں بگاڑنا ہے۔

یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ آسان لکھو، یہ ذرا تفصیل طلب ہے ہر زبان میں آسان لکھنے والے بھی ہوتے ہیں اور مشکل لکھنے والے بھی ایک تو اپنا اپنا طرز بیان ہوتا ہے، اور دوسرے مضمون کی نوعیت۔ طرز بیان کے معاملے میں کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ مضمون کی نوعیت کا مسئلہ اور بھی ٹیڑھا ہے۔ سائنس، فلسفہ، شعر وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں اشکال آ ہی جاتا ہے۔ البتہ بچوں، لڑکوں لڑکیوں اور عام لوگوں کے لئے جو کتابیں لکھی جائیں وہ ضرور آسان اور سلیس زبان میں ہونی چاہئیں۔ اس بارے میں لوگ الفاظ پر زور دیتے ہیں کہ غیر مانوس اور ثقیل لفظ نہ ہو۔ اشکال غیر مانوس لفظوں سے اتنا نہیں پیدا ہوتا جتنا پیچیدہ اور مغلق بیان سے۔ اس سے زیادہ زور اس بات پر دینا چاہئے کہ

Marfat.com

بیان سادہ اور سہل ہو۔ رہا لفظ، تو اس کا پرکھنے والا ادیب ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ہر لفظ کی نبض پہچانتا ہے۔ اور خوب سمجھتا ہے کہ کونسا لفظ کہاں آنا چاہئے۔ اس میں موقع اور محل کو پہچاننا بڑی بات ہے یہ انشا پردازی کا بڑا گُر ہے۔ لفظ میں ایک جادو ہوتا ہے جو بے محل استعمال سے پھیکا پڑ جاتا ہے اور اچھا خاصا لفظ بے جان اور بے اثر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری آواز زیادہ سے زیادہ اشخاص تک پہنچے تو ہمیں ایسی زبان میں لکھنا یا بولنا چاہئے جسے زیادہ سے زیادہ اشخاص سمجھ سکیں۔ اور اگر ساتھ ہی آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر و تقریر میں اثر اور دل کشی بھی ہو تو اس کے لئے بڑی محنت، مشق اور مطالعے کی ضرورت ہے ورنہ نری سادہ زبان زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔

میں اس موقع پر دو ایسی غلط فہمیوں کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہم اُردو والوں کو بڑا غرہ ہے کہ اُردو زبان میں آگے بڑھنے اور پھیلنے کی فطری صلاحیت موجود ہے وہ گزشتہ زمانے میں بغیر کسی خاص کوشش کے خود بہ خود پھیلتی چلی گئی اور اسی طرح آئندہ بھی پھیلتی اور ترقی کرتی چلی جائے گی۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اُردو میں یہ فطری صلاحیت موجود ہے لیکن اگر فطرت کو انسانی سعی کی مدد نہ ملے تو فطری صلاحیت بھی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ اور اکثر اوقات ایسی چیزیں خودرو پودوں کی طرح پامال ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور اس لئے فطری صلاحیت کو اُبھارنے اور ترقی دینے کے لئے آپ کی کوشش پیہم اور متواتر جاری رہنی چاہئے۔ دوسرا ایک یہ خیال بارہا سُننے میں

Marfat.com

آیا ہے کہ زبان قدرتی چیز ہے اور بنانے سے نہیں بنتی۔ اس دھوکے میں نہ رہیئے گا۔ انسانی کوشش بڑی بدلا ہے۔ یہ ہر مشکل پر غالب آسکتی ہے اگر وہ لوگ جو نئی سنسکرت آمیز ہندی کے حامی ہیں عزم و استقلال سے کوشش کرتے رہے تو یاد رکھئے کہ وہی زبان جسے آپ حقارت سے دیکھتے ہیں اور جس پر ہنستے ہیں، ایک روز کامیاب ہو کر رہے گی۔

حضرات! علی گڑھ نے اُردو زبان کی بڑی خدمت کی ہے۔ سرسید احمد خان اور ان کے اثر سے اُن کے رفقا نے اسے ادبی اور علمی رتبے تک پہنچانے اور اسے مقبول بنانے میں نہایت قابلِ قدر کام کیا ہے سرسید کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ اب آپ اس کے وارث ہیں۔ یہ زبان ایک بڑی دولت ہے جو اسلاف ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ انھوں نے اس کے لئے بڑی بڑی جاں فشانیاں اور قربانیاں کی ہیں اور اپنے خونِ جگر سے اسے سینچا ہے اب یہ ہم تک پہنچی ہے۔ اور بے مشقت اور مفت ہم تک پہنچی ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے اور یہ ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ ہم موجودہ حالات کی رو سے اسے اور ترقی دیں اور اس دولت میں اضافہ کریں تاکہ جب یہ آیندہ نسلوں تک پہنچے تو آپ کو اسی شکر گزاری سے یاد کریں جیسے اب ہم اپنے اسلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ آئندہ نسلوں کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اگر آپ نے اپنے فرض میں کوتاہی کی تو میرے کہنے کی ضرورت نہیں آپ خود سمجھ جائیے کہ وہ آپ کو کن الفاظ سے یاد کریں گے اور آپ کے حق میں کیا کہیں گے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری طبیعتیں ہنگامہ پسند واقع ہوئی ہیں ہم

Marfat.com

جلسے، مشاعرے، کانفرنسیں بڑی شان سے کرتے ہیں، تجویزیں بھی بڑی آب وتاب سے پیش کرتے ہیں۔ بحثیں بھی بڑے جوش وخروش سے ہوتی ہیں، لیکن عمل کا وقت آتا ہے تو نہ معلوم وہ جوش وخروش کیوں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ مجھے علی گڑھ کے طالب علموں سے یہ توقع ہے کہ وہ دھوم دھام کم اور کام زیادہ کریں گے اور اس یونی ورسٹی کے بانی کی نظیر کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں گے۔ اور جس خلوص، تن دہی اور استقلال سے اُس نے ...... اس زبان کے رستے کو بڑھایا آپ بھی اُسی طرح اس کے بنانے، بڑھانے اور سنوارنے میں کوشش کریں گے کیونکہ اس کی سلامتی میں ہماری سلامتی اور اس کے بگاڑ میں ہمارا بگاڑ ہے۔

Marfat.com

ہندستانی کیا ہے؟[1]

(یہ تقریر ۱۲ر فروری سنہ ۱۹۳۹ء کو آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی سے نشر کی گئی)

ہندستانی کا لفظ آج بھڑوں کا چھتا بنا ہوا ہے۔ اب آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے اس چھتے کو چھیڑا ہے تو اسے ڈنک سہنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

زبان کے معنوں میں ہندستانی کا لفظ ہمارے کسی مستند شاعر یا ادیب یا اہلِ زبان نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ یہ یورپ والوں کی اختراع ہے۔ یورپ کے سیاحوں نے جو سترھویں صدی سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے اس زبان کو جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی جاتی تھی، اندستان، اندستانی اور بعد ازاں ہندستانی کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن اس لفظ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں اس وقت فروغ ہوا جب سنہ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔

عجب بات یہ ہے کہ کالج کے انگریز استاد تو اس زبان کو جس میں میر امن کی "باغ و بہار"، شیر علی افسوس کی "آرائشِ محفل"، حیدری کا "طوطی نامہ"، طپش کی "بہار دانش" وغیرہ لکھی گئی ہیں، ہندستانی کہتے ہیں لیکن ان کتابوں کے لکھنے والے اپنی کتابوں کی زبان کو اردوئے معلّیٰ، ریختہ یا ہندی کہتے ہیں۔ مثلاً میر امن نے اپنی کتاب "باغ و بہار یا قصۂ چہار درویش" کو ایک عرضی کے ساتھ پیش کیا جس میں وہ لکھتے

[1] بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو دہلی

Marfat.com

ہیں کہ "اُردوئے معلّٰی کی زبان میں "باغ و بہار" بنایا" اسی عہد یمنی کے آخر میں یہ شعر ہے ؎

سو اُردو کی آراستہ کر زباں
کیا میر نے بنگالا ہندستاں

اس کتاب کے دیباچے کی زبان کی تاریخ بیان کرتے وقت یہ لکھتے ہیں "حقیقت اُردو زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سُنی"۔

میر شیر علی افسوس "آرائش محفل" میں لکھتے ہیں کہ اس کے تمام مطالب کو اُردو زبان میں لکھنا شروع کیا۔ مرزا طپش "شمس البیان" میں اپنی زبان کو "بزمرہ فصحائے اُردوئے معلّٰی کہتے ہیں اور اپنی بہار دانش ہندی میں اس زبان کو ایک ہی شعر کے مصرع میں تو ہندی زبان اور دوسرے میں اُردو لکھا ہے ؎

شرف اس نے اُردو زباں کو دیا
دیا نظم اُردو کو یہ مرتبا

اور چند اشعار کے بعد اسے ریختہ کہتے ہیں ؎

دقائق میں ہے ریختے کے تمام

حیدر بخش حیدری "قصہ حاتم طائی" کی زبان کو ریختہ کہتا ہے میر امن "گنج خوبی" میں گلکرائسٹ کو "اردو کا قدردان" لکھتا ہے۔ ہر چند کھتری لاہوری اپنی کتاب "نوآئینِ ہندی" میں لکھتا ہے کہ اس نے قصۂ آذر شاہ اور سمن رخ" کو فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر جان گلکرائسٹ اپنی تصانیف میں ہندستانی اور اُردو دونوں لفظ اس ایک زبان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گارساں دتاسی کا بھی یہی حال ہے، لیکن وہ زیادہ تر

Marfat.com

ہندوستانی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بابو شیو پرشاد نے بھی "جامِ جہاں نما" کی زبان کو اُردو بتایا ہے۔ کلکتہ بپٹسٹ مشن نے جو انجیل مقدس کا ترجمہ چھاپا تھا اس میں لکھا "یونانی زبان سے اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا" لیکن اس کے نیچے انگریزی زبان میں (IN THE HINDUSTANI LANGUAGE) لکھا ہے۔ بابو کاشی ناتھ بسواس کرانی اپنی کتاب قصہ سوہن مسمّٰی بہ گل دستہ انجمن کے سرورق پر لکھتے ہیں "انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا" ڈاکٹر اے۔ جے لارنس "راب سن کروسو" کے ترجمے اور مسٹر جیمس کورکورن اپنی "تاریخ چین" اور ڈاکٹر فریڈرک جان اپنی "اصول تشریح" کی زبان کو اُردو ہی کہتے ہیں۔ اسی طرح دہلی کالج علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی، مرزا پور سیریز کی جتنی کتابیں چھپیں اُن سب پر اُردو ہی کا لفظ لکھا ہے۔

غرض وہ تمام کتابیں جن کے نام میں نے لیے ہیں اُسی زبان میں ہیں جسے آج کل اُردو کہتے ہیں۔ انگریز اسے ہندوستانی کہتے تھے۔ ہندوستانی سے مراد وہ صاف اور فصیح زبان تھی جو بول چال میں آتی تھی یعنی ایسی زبان جو مقفّٰی اور پُرتکلف نہ ہو جس کا رواج اس زمانے کی بعض کتابوں میں پایا جاتا تھا۔ اُردو، ریختہ، ہندی اس زمانے میں ہم معنی لفظ تھے۔ چناں چہ مرزا جان طپش نے اپنی کتاب "شمس البیان" میں ہندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "ہندی عبارت از زبانِ موزدوں دہلی است" یعنی ہندی سے مراد دِلّی کی فصیح زبان ہے۔ جدید ہندی جس کی اشاعت کی آج کل کوشش کی جا رہی ہے نئے زمانے کی پیداوار ہے۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جنم لیا۔ دراصل یہ اُردو

Marfat.com

کا بچہ بچہ ہے وہ اس طرح کی عربی فارسی کے لفظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت لفظ بٹھا دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہمارا ادب، ہندستانی کے لفظ سے خالی ہے۔ اُردو کے کسی مستند اہلِ زبان اور خالص بمبئی کے اہلِ زبان نے بھی اس لفظ کو زبان کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں کیا۔

جب اس زمانے میں ہندی اُردو کے جھگڑے نے زور پکڑا اور دونوں فریق ایک دوسرے کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے تو انڈین نیشنل کانگریس نے رفع شر کے خیال سے ہندستانی کا لفظ اختیار کیا اور اس کو ہندستان کی عام زبان قرار دیا لیکن کانگریس نے اس کی کوئی تعریف نہیں کی اور نہ بتایا کہ اس سے کیا مطلب ہے۔ وہ شاید اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی تھی اور یہ اچھا ہوا، کیوں کہ آج کل سیاسی لوگوں نے جہاں اور چیزوں کو سیاست میں سان لیا ہے، غریب زبان بھی ان کی نظرِکرم فرما کا شکار بن گئی ہے۔

اب صرح پکار کے بعد ہندستانی کے یہ معنی قرار پائے ہیں کہ وہ زبان جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی جاتی ہے اور جو ثقیل اور نامانوس سنسکرت اور عربی فارسی الفاظ سے پاک ہے۔ اصل میں ہندستانی کی یہ تعریف ڈاکٹر گریرسن کے بیان سے لی گئی ہے اور اس تعریف کو اکثر ان لوگوں نے قبول کر لیا ہے جو ہندستانی کے حامی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حقیقت میں کوئی زبان ہے بھی؟ اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جسے اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے انگریز ہندوستانی کہتے تھے اور ہمارے اس وقت کے ادیب ریختہ، ہندی اور اُردو سے موسوم کرتے تھے تو بے شک یہ ایک زبان ہے اور اب بھی ہندستان میں بولی اور لکھی

Marfat.com

پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جو آج کل بعض جدّت پسند حضرات نے گھڑ لی اور ڈھالنی شروع کی ہے تو وہ ہمارے ملک کی زبان نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان لی جاتے جو دونوں ہندی اردو بولنے والوں میں مقبول ہو تو وہ ابھی وجود میں نہیں آئی ہے۔ بول چال کی زبان کی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن جہاں ادب کی سرحد آتی ہے تو وہ رہ جاتی ہے۔ گاندھی جی نے ہندی، ہندستانی کا لفظ ایجاد کیا تھا۔ چوں کہ بے جوڑ تھا مقبول نہ ہوا۔ نتیجہ یہ کہ آسان اردو کا نام ہندستانی ہوا۔ آپ فرمائیں گے کہ آسان ہندی کو ہندستانی کیوں نہیں؟ ضرور کہیے کیوں کہ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں، جدید ہندی اردو ہی کا ترجمہ ہے۔ رہی یہ بات کہ زبان سادہ اور آسان ہو تو بول چال میں تو عموماً سادہ ہی ہوتی ہے۔ جب بچوں یا معمولی پڑھے لکھوں کے لئے کوئی کتاب یا قصے کہانیاں لکھی جاتی ہیں تو بھی زبان سادہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ کچھ ہماری عادت پر موقوف نہیں، دنیا کی سب زبانوں کا یہی حال ہے۔ مگر جب کوئی اچھی نظم لکھی ہوتی ہے یا علمی یا ادبی بحث آپڑتی ہے تو سادہ زبان کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ محض زبان کا آسان ہونا کافی نہیں۔ اس میں جان، اثر اور لطف بھی ہونا چاہیے۔ اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ایسی زبان صرف کامل ادیب ہی لکھ سکتے ہیں ورنہ ایسی تحریر سے کیا فائدہ جو سپاٹ، بے مزہ اور بھدی ہو...... دوسرے ہر ایک کا طرز تحریر الگ ہوتا ہے۔ کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کا کوئی ڈھنگ۔ یہ ہر ایک کے مزاج اور افتاد طبیعت پر منحصر ہے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ یوں نہیں یوں لکھو، اگر

Marfat.com

مجبور کریں بھی تو ممکن نہیں۔ وہ نیا ڈھنگ کیا اختیار کرے گا اپنا بھی بھول جائے گا۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ یہ جو آج کل چاروں طرف دو آسان آسان" کا پرچار کیا جا رہا ہے مجھے تو یہ کچھ بے جا سا معلوم ہوتا ہے۔ لفظ کوئی بے جان چیز تو ہے نہیں کہ جہاں چاہا اٹھایا رکھ دیا اس کے گنوں کے پرکھنے والے مشاق ادیب ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی اعلا درجے کے ادیب یا شاعر کا کلام اٹھا کر دیکھئے کہ ہر لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے ایک نگینہ ہے جو اپنی جگہ جڑا ہوا ہے اسے بدل کر کوئی دوسرا لفظ رکھ دیجیے ساری لطافت اور نزاکت خاک میں مل جائے گی۔ علاوہ اس کے آسان اور مشکل اضافی لفظ ہیں یعنی ایک چیز جو مجھے مشکل معلوم ہوتی ہے دوسرا اُسے آسان سمجھتا ہے جسے میں آسان سمجھتا ہوں وہ دوسرے کے نزدیک مشکل ہے۔ اس سے آسان اور مشکل کی کوئی حد مقرر نہیں ہو سکتی۔ یہ ذوق کی بات ہے اور ادب میں یہی منزل کٹھن ہے۔ وہاں آسان اور مشکل کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ لفظ موقع اور محل کے مناسب ہے یا نہیں۔ اگر آسان لفظ بھی بے محل آگیا تو ایسا ہی بُرا ہے جیسا بے موقع مشکل لفظ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بیان پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ ہو سادگی اور آسانی کے یہی ایک معنی ہو سکتے ہیں۔

گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد اور ان کے ساتھیوں نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہندی اور ہندستانی میں سنسکرت لفظ لانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ اُسے بنگال اور جنوبی ہند کے لوگ سمجھ سکیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب بنگال اور جنوبی ہند میں جائیں تو ایسی ہی سنسکرت ملی زبان

Marfat.com

میں بات چیت یا تقریر کریں اور جب صوبۂ سرحد اور پنجاب میں جائیں تو فارسی عربی ملی زبان میں۔ تو ایسی صورت میں ہندوستان کی ایک مشترکہ زبان کہاں رہی جس کے لئے یہ سب جتن کئے جا رہے ہیں؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سنسکرت ملی ہوئی زبان کی وجہ سے جنوبی ہند والے یا ہندی یا ہندستانی کی سخت مخالفت کر رہے ہیں ان کو بدگمانی ہے کہ ہندی کے حیلے سے سنسکرت زبان پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہم ان کی زبان اور کلچر کو مٹانا چاہتے ہیں۔

ہماری زبان اگر زندہ ہے تو اس میں نئے نئے الفاظ آتے ہی رہیں گے خواہ وہ کسی زبان کے ہوں۔ اس سے کوئی زندہ زبان نہیں بچ سکتی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ مدت سے رائج چلے آ رہے ہیں انھیں خارج کر دیں اور ان کی جگہ ڈکشنریوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بے ڈول، بے ڈھنگے اور کرخت الفاظ داخل کر دیں جن کے ادا کرنے میں زبان کئی کئی قلابازیاں کھلائے اور کانوں کے پردے پھٹنے لگیں۔ جو لفظ پہلے سے رائج ہیں اور ہماری زبان میں گھل مل گئے ہیں خواہ کسی زبان کے ہوں وہ اب ہمارے ہیں، غیر نہیں، انھیں غیر سمجھ کر نکالنا سراسر حماقت ہے۔ جو ایسا کرتے ہیں، وہ اپنی زبان کے دوست نہیں، دشمن ہیں۔

نئے لفظوں کے داخلے میں بھی زبان کی فطرت اور ذوق کو بڑا دخل ہے اندھا دھند اور زبردستی لفظ داخل نہیں کئے جاتے۔ جو بندھ گیا سو موتی، جو کھپ گیا وہ ہمارا اور جو نہیں کھپا وہ سو غیروں کا غیر۔

بہار گورنمنٹ نے ایک ہندستانی کمیٹی بنائی ہے اور ہندستانی زبان کی گریمر لغت اور مدرسوں کے لئے ریڈریں لکھوانی تجویز کی ہیں۔ ابتدائی جماعتوں کے لئے ریڈریں اس زبان میں لکھنا تو کچھ مشکل نہ ہوگا لیکن اونچے درجوں کے لئے جہاں

Marfat.com

زبان کی ادبی شان بھی رکھنی ضروری ہوتی ہے، کتابیں لکھنے میں مشکل پڑے گی، اس سے زیادہ مشکل اصطلاحات کے بنانے میں ہوگی۔ اس کا انتظار کرنا چاہیے اگر اس نے بیچ کا کوئی ایسا راستہ نکال لیا جو مقبول ہو سکے تو یہ اس کی بڑی جیت ہوگی، کم سے کم آپس کی بات چیت اور کاروبار کے لیے بہت کارآمد ہوگی۔ اس کے بعد اگر کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ جس زبان میں میں نے آج تقریر کی ہے یہی ہندستانی ہے۔

ہماری تنقید کے لیے دو جملے دیئے گئے ہیں۔ ایک جملہ یہ ہے:۔

"فیڈرل لیجس لیچر کے لیے فہرست رائے دہندگان تیار کرانے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی، اس کے بارے میں سر این سرکار لا ممبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی"۔ اس جملے میں اگرچہ فیڈرل لیجس لیچر لا ممبر اسمبلی کے لیے انگریزی لفظ استعمال کیے گئے ہیں، لیکن جملے کا مطلب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ روشنی ڈالنا انگریزی محاورے کا ترجمہ ہے۔ لیکن اب "روشنی ڈالنا" اور "روشنی پڑنا" اردو میں استعمال ہونے لگے ہیں اور ان کا مفہوم کسی دوسرے لفظ سے اس خوبی سے ادا نہیں ہوتا جس طرح پہلے فارسی محاوروں کے ترجمے داخل ہو گئے تھے۔ اب بعض انگریزی محاوروں کے ترجمے داخل ہو رہے ہیں یہ کوئی عیب کی بات نہیں بشرطیکہ زبان میں کھپ جائیں کیونکہ اس سے زبان میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ ہے کہ:۔

"سنیکت پرانتیہ دیو تھا پکا پریشد میں ایک پرشن کا اُتر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے اُن ادیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی اُنتی کے لئے سرکار نے سہاستا دینا سویکار کیا ہے"

اس جملے میں سنسکرت لفظوں کی بھرمار ہے اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہماری زبان نہیں یہ سراسر بناوٹی زبان ہے۔

Marfat.com

مخلوط زبان

[یہ مقالہ انجمن روحِ ادب الہ آباد کے اجلاس منعقدہ ۲۱ دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء میں پڑھا گیا۔]

جناب صدر و حضرات!

اُردو پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوط زبان ہے۔ یہاں کی خالص زبان نہیں، دوغلی ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ ٹھیٹ ہندوستانی زبان ہے اور سوا ہندُستان کے کسی دُوسرے ملک میں نہیں بولی جاتی۔ اب رہی یہ بات کہ یہ مخلوط ہے۔ تو مخلوط ہونا کوئی عیب نہیں، بلکہ ایک اعتبار سے خوبی ہے۔

یوں تو دُنیا میں کوئی زبان خالص نہیں۔ ہر زبان نے کسی نہ کسی زمانے میں دوسری زبانوں سے کچھ نہ کچھ لفظ لئے ہیں۔ یہاں تک کہ جو زبانیں مقدس کہلاتی ہیں وہ بھی اچھوتی نہیں۔ لیکن جسے ہم مخلوط زبان کہتے ہیں اس کی خاص حیثیت ہوتی ہے۔ مخلوط زبان سے مُراد وہ زبان ہے جو دو زبانوں کے گھل مل جانے سے ایک نئی صورت اختیار کر لے اور اس کا اطلاق ان دو زبانوں میں سے کسی پر بھی نہ ہو سکے جس سے مل کر وہ بنی ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے مواد اجزا کیمیائی طور سے اس طرح ترتیب دیئے جائیں کہ وہ

Marfat.com

اپنی ہیئت، تاثیر اور خاصیت میں ایک نئی چیز بن جائیں۔ اب اس کا اطلاق اُن دو اجزا میں سے کسی پر بھی نہ ہو سکے گا۔ یہی حال اُردو کا ہے جو فارسی اور ہندی کے سنجوگ سے بنی لیکن اب ہم اسے نہ تو ہندی کہہ سکتے ہیں اور نہ فارسی۔ اردو ہی کہیں گے۔

اس قسم کی مخلوط یعنی کھچڑی زبانوں کے وجود میں آنے کے کئی سبب بیان کیے گئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک ملک گیری ہے۔ ایک ملک گیری تو یہ ہوئی کہ حملہ آور آیا اور لوٹ کھسوٹ کے چل دیا۔ دوسری قسم ملک گیری کی یہ ہے کہ فاتح نے کسی ملک کو فتح کر کے اس کا الحاق اپنے ملک سے کر لیا یعنی اُسے اپنی سلطنت کا صوبہ بنا لیا۔ پہلی صورت میں ظاہر ہے کہ فاتح قوم کا کوئی اثر مفتوح قوم پر نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو نہایت خفیف اور عارضی جو قابل اعتبار نہیں۔ دوسری صورت میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ فاتح جبراً اپنی زبان اُس دیس میں جاری کر دیتا ہے یا اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ دونوں صورتوں میں زبان کے زبان کے مخلوط ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

لیکن ملک گیری کی ایک تیسری قسم بھی ہے وہ یہ کہ فاتح مفتوح ملک میں آکر بس جاتا اور اس ملک کی قوم سے مل جل کر زندگی بسر کرنے لگتا ہے اس کا اثر دیرپا اور مستقل ہوتا ہے اور اس صورت میں دو قوموں کے ملنے سے ان دونوں کی زبانوں میں بھی ٹکر ہوتی ہے۔ اگر فاتح میں رواداری ہے اور مفتوح سے برابر کا برتاؤ کرتا ہے تو دونوں کے ملنے سے ایک نئی تہذیب اور نئی زبان پیدا ہو جاتی ہے اسے ہم نہ فاتح کی تہذیب اور زبان کہہ سکتے ہیں اور نہ مفتوح کی۔ بلکہ

Marfat.com

ان میں دونوں کی تہذیبیں اور زبانیں برابر کی شریک ہوتی ہیں اور دونوں قومیں اس کی بانی اور اس کی وارث ہوتی ہیں۔ اگر یہ نہیں تو پھر کسی مخلوط زبان یا تہذیب کے پیدا ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ چنانچہ انگریز اس ملک میں ڈیڑھ دو سو برس سے حکمراں ہیں اور انگریزی کا رواج بھی ملک بھر میں غیر معمولی طور پر پایا جاتا ہے۔ دفتروں، عدالتوں، اسکولوں، کالجوں، اسمبلیوں، کونسلوں اور تجارت خانوں میں اسی کا رواج ہے یہاں تک کہ ذریعۂ تعلیم بھی انگریزی ہے اور باوجودے کہ وہ گھر گھر پہنچ گئی ہے اس پر بھی وہ یہاں اپنا گھر نہ کر سکی۔ اس کا اثر ہماری زبانوں پر ضرور ہوا اور بہت کچھ ہوا لیکن اس نے ہماری کسی زبان سے میل نہ کھایا، اس لئے کہ حکومت کے غرور اور قومی وقار نے انگریزوں کو ہندستانیوں سے الگ الگ رکھا اور وہ یگانگت اور معاشرتی بے تکلفی جو ہم مذاقی اور ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے نہ ہو سکی۔ اور تیل پانی کا ملاپ نہ ہو سکا۔ مولانا حالی کا قول صحیح نکلا ؎

سانپ جس طرح رہتا ہے سپیرا دور دور
حکمراں تیرے یونہیں تجھ سے رہیں برکراں

لیکن مسلمانوں کی حالت جدا تھی۔ انھوں نے ہندستان فتح کیا اور کچھ عرصے کے بعد یہیں بس گئے اور یہیں کے ہو گئے اور جب دلی میں ان کی حکومت کو استقلال ہوا اور ان میں اور اہل ملک میں بھی ربط ضبط بڑھا تو اس کے ساتھ ساتھ فارسی اور مقامی زبان میں بھی ربط ضبط بڑھتا گیا جیسا کہ دستور ہے کاروباری اور ملکی اور معاشرتی ضرورت سے مسلمان بول چال میں ہندی لفظ استعمال کرنے کی

Marfat.com

کوشش کرتے اور ہندو فارسی لفظوں کی۔ ہوتے ہوتے بغیر کسی ارادے اور خیال کے خود بخود ایک نئی زبان کا ڈول پڑنا شروع ہوگیا اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ آئندہ یہ دوغلی بولی جسے اہلِ علم اور اہلِ فکر حقیر سمجھتے تھے ایک دن مسندِ ادب دانشا پر جلوہ گر ہوگی۔

مخلوط زبان میں ہوتا یہ ہے کہ وہ غیر زبان جو کسی قوم کو سیکھنی پڑتی ہے مخلوط نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی غیر زبان کے میل سے مخلوط ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال مسلمانوں کے آنے کے بعد ہوا۔ فارسی مخلوط نہیں ہوئی بلکہ مقامی زبان فارسی سے مخلوط ہو کر ایک نئی زبان بن گئی اور ہندی میں فارسی مخلوط کرنے والے ہندو تھے۔

بات یہ ہے کہ جب کبھی ہم غیر زبان کے سیکھنے یا بولنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ہماری اپنی زبان کا کوئی لفظ نہ آنے پائے۔ ہماری کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو صحیح اور فصیح زبان بولیں اور اس بات کی سخت احتیاط کرتے ہیں کہ ہماری گفتگو یا تحریر میں ہماری زبان کے الفاظ یا طرزِ ادا کا شائبہ نہ پایا جائے۔ غیر زبان کے بولنے یا لکھنے میں ہم جس بات سے اس قدر پرہیز کرتے ہیں اس کا ہم اپنی زبان میں مطلق خیال نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ جب کوئی ہندوستانی انگریزی بولتا یا لکھتا ہے تو تا امکان اپنی گفتگو یا تحریر میں اپنی زبان کا لفظ یا اسلوبِ بیان نہیں آنے دیتا اور جہاں تک ہو سکتا ہے اہلِ زبان کی تقلید کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انگریزی لب و لہجے کی نقل اتارنے کی بھی کوشش کرتا ہے (شروع شروع میں تو بعض ہندوستانی

Marfat.com

جنھیں انگریزی بہت چڑ گئی تھی اپنی زبان بھی انگریزی لہجے میں بولنے لگے تھے) برخلاف اس کے اپنی زبان میں بیسیوں انگریزی لفظ بلا تکلف بول استعمال کر جاتا ہے۔ یا تو اس سے اپنی شیخت یا علمی فضیلت جتانی مقصود ہوتی ہے یا پھر ناواقفیت اور کاہلی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ ناواقفیت اس لیے کہ اپنی زبان سے پوری طرح واقف نہیں اور کاہلی اس معنے میں کہ اُسے اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی زبان میں ان کے مترادف تلاش کرے۔ اس میں وہ کسی قدر مجبور بھی ہے فاتح قوم کی زبان کے مطالعے، لکھنے، بولنے اور سننے سے معمولی اور عام ضروریات کے لفظ بھی اس کی زبان پر اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ بلا ارادہ بھی اپنی زبان میں بول جاتا ہے۔ چناں چہ تیس چالیس برس پہلے سویلزیشن ریفارم، پولٹیکل، سیلف ریسپکٹ وغیرہ الفاظ ہماری زبان میں عام ہو گئے تھے۔

یہ عام اصول ہندُستان کے اسلامی عہد میں بھی حرف بہ حرف عمل میں آیا۔ ملکی تسلّط کے وقت فاتح قوم کی زبان فارسی تھی۔ امراء بادشاہ، دربار اور دفتر میں رسائی کا بڑا ذریعہ یہی زبان تھی اور جیسا کہ ہونا چاہیے اور ہوتا آیا ہے، اہلِ ہند نے فارسی سیکھنی شروع کی اور ایسی سیکھی کہ اُستاد ہو گئے۔ فارسی کا جاننا حُصولِ علم و معاش ہی کی خاطر نہ تھا بلکہ فارسی تہذیب و شائستگی کی علامت سمجھی جاتی تھی اور جیساکہ دستور ہے فیشن میں داخل ہو گئی تھی، متواتر مطالعے، انشاء و شعر و سخن کی مشق سرکاری اور دفتری نوشت و خواند کی وجہ سے اہلِ ملک کی طبائع میں ایسی رچ گئی تھی کہ انھوں نے فارسی لفظ ملکی زبان

Marfat.com

میں بلا تامل داخل کرنے شروع کر دیئے۔

یہ بھی ایک مسلّم اُصول ہے کہ غیر زبان کے لفظ جو کسی زبان میں داخل ہو جاتے ہیں یا کسی زبان کو مخلوط کرتے ہیں تو وہ اصلی زبان کی صرف و نحو کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہی صورت اس مخلوط زبان اُردو میں پیش آئی کہ فارسی کا اثر اسما و صفات تک رہا۔ البتہ بعض حروفِ عطف مثلاً:۔ اگر، مگر، اگرچہ، لیکن وغیرہ آ گئے۔ اصل صرف و نحو بالکل دیسی زبان کی رہی اور جب ضرورت پڑی فارسی، عربی لفظوں کو ہندی قالب میں ڈھال کر اپنا بنالیا۔ مثلاً عربی الفاظ: بدل، کفن، دفن، قبول، بحث سے بدلنا، کفنانا، دفنانا، قبولنا، بحثنا مصدر بنالئے اسی طرح فارسی سے بخشنا، فرمانا، نوازنا، داغنا وغیرہ بنالئے گئے۔ یہ سب اُردو ہو گئے، فارسی عربی نہیں رہے۔

زبان کے خالص ہونے کا خیال درحقیقت سیاسی ہے لسانی نہیں، اس کا باعث قومیت کا بے جا فخر اور سیاسی نفرت ہے۔ جرمنوں نے فرانسیسی لفظوں کے خلاف جہاد کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مدت تک ان کے ملک میں فرانس کا ادبی اور سیاسی تسلط رہا۔ یہ خیال اُن کے دل میں کھٹکتا تھا اور اس غصے میں انھوں نے فرانسیسی لفظ نکالنے شروع کئے۔ اسی طرح اور اسی بنیاد پر ترکوں نے جرمنی لفظوں اور یونانیوں نے ترکی لفظوں کا اخراج شروع کیا۔ سیواجی کے زمانے میں مرہٹی سے فارسی لفظوں کے خارج کرنے کی تحریک ہوئی۔ آئرلینڈ میں محض انگریزوں کی مخالفت میں آئرش زبان کے زندہ کرنے کی جدوجہد جاری ہوئی۔ ترکوں نے عربی فارسی کے لفظوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ ایرانیوں

Marfat.com

نے بھی ایک زمانے میں عربی لفظوں کے نکال دینے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ مگر اب ترکوں کی دیکھا دیکھی عربی لفظوں کے نکال دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اِن سب کی تہ سیاسی غم و غصہ ہے۔ اگر بدگمانی نہ سمجھی جاتے تو غالباً یہی خیال بعض جماعتوں میں ہماری زبان سے عربی فارسی الفاظ کے اخراج کا محرک ہے۔ لفظ جب ایک بار زبان میں آگیا اور رائج ہوگیا تو وہ ہمارا ہو جاتا ہے۔ غیر نہیں رہتا اُسے غیر سمجھ کر نکال دینا سخت بے دردی ہے۔ وہ اب جائے تو کہاں جائے۔ کیوں کہ اب اس کا رنگ روپ بدل گیا ہے۔ بعض وقت اس کا تلفظ اور مفہوم بھی کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ اصلی وطن میں تو اس کا ٹھکانا نہیں رہا اور یہاں سے دیس نکالا مل گیا۔ اس کی حالت یہودیوں کی سی ہو جاتی ہے، یعنی نہ گھر انہ ور۔ زبان میں یہ ہٹلری جائز نہیں مثلاً منصوبے کا لفظ ہے، تو عربی نسل کا مگر ہماری زبان میں اس کے معنی ہی اور رہ گئے ہیں۔ ارادہ، تجویز وغیرہ۔ یہ اس ہیئت اور معنوں میں اُردو لفظ ہے اور اسے نکالنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ یہی حال اور بہت سے لفظوں کا ہے جو ہماری زبان میں آکر ہمارے ہوگئے ہیں۔ مثلاً تماشا، تلاش وغیرہ، جن کے معنے اصل زبان میں کچھ اور ہیں اور ہماری زبان میں کچھ اور۔

ان وطن پرستوں کا یہ خیال ہے کہ بدیسی لفظوں سے ہماری زبان ناپاک اور خراب ہو جائے گی ہمارے قومی احساس کو ٹھیس لگے گی۔ اس سے ہماری زبان کی بے مائگی ظاہر ہو گی۔ نیز غیر زبانوں کے الفاظ سے زبان بوجھل اور بھدی ہو جائے گی۔

Marfat.com

لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بدیسی لفظوں سے زبان خراب نہیں ہوتی بلکہ برخلاف اس کے اس میں وسعت اور قوّت اور شان پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے غیر ضروری الفاظ بھی باہر سے آ کر داخل ہو جاتے ہیں۔ غیر ضروری سے میری مراد ان لفظوں سے ہے کہ جن کے ہم معنی لفظ پہلے سے زبان میں موجود ہیں۔ لیکن مترادف الفاظ سے کوئی نقصان نہیں بلکہ زبان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور زبان کی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ایک مُدّت کے استعمال کے بعد مترادف الفاظ کے مفہوم میں خود بخود ایسے نازک فرق پیدا ہو جاتے ہیں کہ جس سے زبان کی لطافت بڑھ جاتی ہے اور وہ لفظ جو پہلے غیر ضروری سمجھے جاتے تھے ضروری ہو جاتے ہیں۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ بدیسی الفاظ سے زبان بوجھل اور بھدی ہو جاتی ہے۔ وہ لفظ جو غیر زبان سے آ کر داخل ہو جاتے ہیں وہ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ زبان میں پوری طرح کھپ جاتے ہیں اور اُن کی اجنبیت بالکل جاتی رہتی ہے اور اُن میں اور دیسی لفظوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس لئے وہ زبان پر بار نہیں ہوتے بلکہ اس میں آسانی اور وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔

انسانی خیال کی کوئی تھاہ نہیں اور نہ اس کے تنوّع اور وسعت کی کوئی حد ہے۔ زبان کیسی ہی وسیع اور بھرپور ہو، خیال کی گہرائیوں اور باریکیوں اور نازک فرقوں کو صحت کے ساتھ ادا کرنے میں قاصر رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے ادا کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کئے جاتے ہیں۔ مترادف الفاظ ایسے موقعوں پر بہت کام آتے

Marfat.com

ہیں۔ مترادف الفاظ سب ہم معنی نہیں ہوتے، اِن کے مفہوم اور استعمال میں کچھ نہ کچھ ضرور فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اداۓ مطالب میں ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

خاص کر شاعری کے اغراض کے لئے مترادف الفاظ کا کثرت سے ہونا بہت کام آتا ہے۔ شاعراُن کے ذریعے سے لطیف سے لطیف خیال اور نازک سے نازک جذبات کو ادا کر سکتا ہے۔ پھر اسے ردیف و قافیہ کے لئے بہت سہولت ہو جاتی ہے۔

ادیب اور شاعر کے لئے لفظ کا انتخاب بڑی اہمیت اور قدر و قیمت رکھتا ہے۔ ایک برمحل لفظ کا انتخاب کلام میں جان ڈال دیتا ہے۔ مخلوط زبان میں انتخاب کی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ ذوق کا شعر ہے ؎

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

خاصا شعر ہے مگر کوئی خاص بات نہیں۔ میر تقی میر اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں: ؎

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا

یہاں "کھپا جانا" کے لفظ نے کیا کام ہے! کوئی دوسرا لفظ رکھ کر دیکھئے یہ بات نہیں آئے گی۔ اسی شعر میں "لذت" اور "مزہ" دو مترادف لفظ ہیں اگر ایک ہی لفظ دونوں جگہ استعمال ہوتا تو شعر سست اور بے مزہ ہو جاتا:۔

محبت ہی یا کوئی جی کا ہے روگ　　سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا

Marfat.com

ہماری زبان میں مرض، بیماری، روگ عارضہ مترادف۔ لیکن ایک سچا شاعر یا ادیب خوب سمجھتا ہے کہ کون لفظ کہاں استعمال کرنا چاہئے اسی شعر میں جی کے ساتھ "روگ" کی جگہ مرض یا بیماری یہ لطف نہ دے گا۔

غرض فارسی کے میل سے ہماری لغت میں بے بہا اضافہ ہوا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ خیالات بھی آجاتے ہیں صرف لفظوں کا ذخیرہ کوئی چیز نہیں۔ بڑی چیز ان کا استعمال ہے جو خیال کے صحیح طور پر ادا کرنے میں ہے۔ مترادفات کے نازک فرق، خیالات میں صفائی اور صحت بیان پیدا کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ اور یہ نہ بھی ہو تو ایک فائدہ یہ ہے کہ بار بار ایک لفظ کے اعادے سے جو بیان میں بھدا پن آجاتا ہے وہ رفع ہو جاتا ہے اور کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر زبان کی قدر و منزلت ان مقاصد کو پورا کرنے میں ہے جن کے لیے زبان بنی ہے تو ہمیں اس امر کو ماننا پڑے گا کہ غیر زبان کے الفاظ داخل ہونے سے ہماری زبان کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ عوام کی زبان یعنی کھڑی بولی جس پر اردو کی بنیاد ہے اس قدر محدود تھی کہ اگر اس میں فارسی عنصر شریک نہ ہوتا تو وہ کبھی علم و ادب کے کوچے سے آشنا نہ ہوتی اور اس وقت جو اردو میں اظہار خیال کے نئے نئے ڈھنگ پیدا ہو گئے ہیں وہ ان سے محروم رہتی۔

اردو میں ہندی اور فارسی لفظ... رل مل کر شیر و شکر ہو گئے ہیں اور عام بول چال، محاروں اور کہاوتوں میں بے تکلف آ گئے ہیں۔

Marfat.com

مثلاً تم کس باغ کی مولی ہو۔ اِکّے دُکّے کی خیر۔ اشرفیاں لٹیں اور کوئلوں پر مہر۔ ایک آنکھ میں شہد ایک آنکھ میں زہر، لاکھ کا گھر خاک ہوگیا، اللہ کا دیا سر پر، خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ بد اچھا بدنام بُرا، بدن پر نہیں لتّا پان کھائیں البتہ، باہمن مشری بھاٹ خواص، اس راجا ہوئے ناس وغیرہ وغیرہ سیکڑوں کہاوتیں ہیں۔ یہی حال محاوروں کا ہے مثلاً :۔

اللہ بیلی، آنکھوں میں خار لگنا، خدا لگتی کہنا، آنکھوں پر پردہ پڑ جانا، لہو لگا کے شہیدوں میں ملنا۔ اللہ میاں کی گائے۔

مخلوط زبان میں ایک آسانی مرکب الفاظ کے بنانے میں بھی ہوتی ہے دیکھئے ہندی فارسی کے میل سے کیسے اچھے اچھے مرکب لفظ بن گئے ہیں مثلاً دل لگی، نیک چلن، جگت اُستاد، بھتیج داماد، گھر داماد، سمجھدار گنڈے دار، اُگالدان، عجائب گھر، کفن چور، جیب گھڑی، امام باڑہ مونچھ زدہ وغیرہ وغیرہ ہزاروں مرکبات ہیں۔

مخلوط زبان کے بننے کے دوران میں ایک اور بات بھی عمل میں آتی ہے جو قابلِ غور ہے۔ یعنی ان میں سے ہر زبان کو اس خیال سے کہ جانبین کو ایک دوسرے کی بات آسانی سے اور جلد سمجھ میں آ جائے۔ اپنی بعض خصوصیات ترک کرنی پڑتی ہے اور صرف ایسی صورتیں باقی رکھنی پڑتی ہیں جو یا تو مشترک ہوتی ہیں یا جن کا اختیار کرنا دونوں کے لئے سہل ہوتا ہے اور اس طرح دونوں میں ایک توازن سا پیدا ہو جاتا ہے جو فریقین کے لئے سہولت کا باعث ہوتا ہے۔ اُردو کے بننے میں بھی یہی ہوا۔ فریقین یعنی ہندو مسلمان دونوں نے اپنی اپنی زبانوں میں کتر بیونت

Marfat.com

کی۔ اپنی مخصوص خصوصیات ترک کیں اور اس قربانی کے بعد جو نئی زبان بنی اُسے اختیار کرلیا جواب بھی ہماری ہماری مُلکی اور قومی زبان ہے اور ہندستان کی مشترک اور عام زبان ہونے کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ہم نے اسے قربانی کر کے حاصل کیا ہے اور کسی کا مُنہ نہیں ہو سکتا کہ ہم سے چھڑالے۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ غیر اقوام کے لوگوں کو اپنی قوم میں اس طرح جذب کرلینا کہ اپنے اور غیر میں امتیاز نہ رہے بلا شبہ مشکل ہے لیکن غیر زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں اس طرح جذب کرلینا کہ معلوم تک نہ ہو کہ یہ غیر ہیں اُس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔" یہ استعداد اُردو میں بدرجۂ کمال موجود ہے۔ اس میں سیکڑوں ہزاروں لفظ غیر زبانوں کے اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ بولنے اور پڑھنے والوں کو خبر تک نہیں ہوتی کہ دیسی ہیں یا بدیسی، اپنے ہیں یا پرائے:۔

غرض ہماری زبان ایک خوش رنگ اور ہرا بھرا گُل دستہ ہے جس میں رنگ بہ رنگ کے خوبصورت پھول اور نازک پتیاں ہیں۔ کیا ہم اس وہم سے کہ اس میں گلاب بدیسی ہے اور کچھ پھول پتیاں باہر کے پودوں کی ہیں انھیں نوچ کر پھینک دیں گے؟ اگر کوئی ایسا کرے تو سراسر نادانی ہے۔

مجھے سر تیج بہادر سپرو کے اس قول سے حرف بہ حرف اتفاق ہے کہ "یہی زبان جسے ہم اُردو کہتے ہیں تنہا وسیلہ ہے جس سے ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کی تہذیب کو سمجھ سکتے ہیں یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہندو مسلمان میں اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ اس زبان کو مٹانے اور اس رشتے کو توڑنے کی کوشش کی جائے۔

Marfat.com

ہندی اُردو کا جھگڑا

[ایڈیٹر صاحب "وشال بھارت" نے اپنے ایک مضمون کی طرف خاص طور سے ڈاکٹر عبد الحق کی توجہ مبذول کرائی اور انھی کی فرمائش پر یہ مضمون لکھا گیا۔

شری رام شرما صاحب ہندی کے مشہور ماہانہ رسالہ "وشال بھارت" کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ ہندی اُردو دونوں زبانوں میں دست گاہ رکھتے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ "میں نے بھی اُردو پڑھی تھی۔ ہندی تو مجھے ویسے ہی آگئی" ادبی لیاقت کے علاوہ ان میں رواداری بھی بہت ہے۔ ہندو مسلم ملاپ کے بڑے حامی ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں اپنے رسالے میں ایک مضمون زبان رسم خط کے مسئلے پر لکھا ہے۔ مضمون کے شروع میں انھوں نے اپنے پچھلے مہینے کے ایک نوٹ "اصلی اور فروعی مسئلے" سے ایک اقتباس دیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہندو مسلم اختلاف کی جڑ میں بھی بھاشا کا سوال ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کی طرف سے بدگمانی ہے۔ اس لئے ان کی یہ رائے ہے کہ ہندی اردو کا جھگڑا مٹانے کے لئے "ہندستانی" پر زور دیا جائے اور یکساں زبان کے لئے کوشش کی

Marfat.com

جائے تو سب مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ ہم ہندی اُردو کے جھگڑے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اگر دونوں کا ایک رسم خط ہو جائے تو یہ جھگڑا بہت کچھ مٹ جائے گا لیکن ہم بہکے ہوئے دوستوں سے پوچھتے ہیں کہ ڈھاکہ اور احمد آباد میں بھاشا کا کوئی جھگڑا نہ تھا پھر وہاں فرقہ وارانہ جھگڑے کیوں ہو گئے؟ ملک کی غلامی ہماری اصل مصیبت ہے۔ ہماری تقریباً تمام بلاؤں کا سرچشمہ یہی ہے۔ اگر ہمیں اس سے نجات مل گئی تو یہ فروعی جھگڑوں کی سوت سوکھ جائے گی تو زبان کے زہر کا نالہ خود ہی سوکھ جائے گا۔"

اس اقتباس میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زبان کو ہندو مسلمانوں کے اختلاف میں کوئی زیادہ دخل نہیں۔ دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ ڈھاکہ اور احمد آباد میں فساد کیوں ہوئے وہاں تو زبان کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ فساد کی جڑ ملک کی غلامی ہے اگر اس سے نجات مل جائے تو سب جھگڑے مٹ جائیں گے۔ تیسری بات یہ کہ دونوں (یعنی اُردو ہندی) کا ایک رسم خط ہو جائے تو زبان کا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔

پہلی بات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہندو مسلم اختلاف کی جڑ میں زبان کا سوال ہے۔ انھوں نے مُلک کی حالت کا بہت صحیح اندازہ کیا ہے اور وہ ہندو مُسلم اختلاف کی حقیقت سے پورے طور پر واقف ہیں۔ اس کے برخلاف احمد آباد

Marfat.com

اور ڈھاکہ کے جو ثبوت میں پیش کیا گیا ہے وہ ایک بھولے پن کی بات ہے اور کسی بچے کے منہ سے نکلتی تو تعجب نہ ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبوں نے ہندو مسلم نزاع کے اسباب پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ اور نہ کبھی ملک کے مختلف علاقوں میں سفر کر کے وہاں کے حالات کو گہری نظر سے دیکھا ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جن مقامات کی مادری زبان اردو نہیں یا جہاں اردو کا رواج کم ہے وہاں والوں کے دل میں اردو کا جو احترام ہے وہ ان لوگوں میں نہیں پایا جاتا جن کی مادری زبان اردو ہے۔ وہ اسے ایک طرح کی مقدس زبان خیال کرتے ہیں اور جب وہ یہ سنتے اور دیکھتے ہیں کہ اردو زبان کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اس کے مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو ان کے دلوں میں مخالفت اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور صحیح یا غلط وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اردو کے مٹانے کی کوششیں نہیں بلکہ ان کی تہذیب اور مذہب کو مٹانے کی تجویزیں ہیں اور احمد آباد اور ڈھاکہ کی جو مثالیں پیش کی ہیں وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ان مقامات میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور ان سے کہیں زیادہ ایسے ہیں جو اردو جانتے اور بولتے ہیں۔

غلامی کا جوا اتار پھینکنے کا خیال بہت خوب ہے اور کوئی معقول شخص اس سے اختلاف نہیں کر سکتا اور یہ بھی صحیح ہے کہ جب ایک بار غلامی سے نجات مل گئی تو سب فروعی جھگڑے مٹ جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ غلامی سے نجات کیوں کر ملے اور وہ کیا طریقہ ہے

Marfat.com

جو ہمیں اس سے نجات دلا سکتا ہے ؟ کیا اس مقصد کے حاصل کرنے کے یہی ڈھنگ ہیں جو ہم آج کل دیکھ رہے ہیں کہ تقریباً ہر معاملے میں جھگڑا اور ہر مسئلے میں اختلاف اور بجائے اس کے کہ ان جھگڑوں کو کم کیا جائے۔ ان کو بڑھانے اور اکسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر یہی لچھن ہیں تو کوئی توقع نہیں کہ غلامی کا طوق ہماری گردنوں سے اتر جائے۔

یہ سچ ہے کہ ہم فروعی مسائل میں اُلجھے رہتے ہیں اور اصل کی طرف پوری توجہ نہیں کرتے۔ اور یہ قول شرما صاحب کے ہندی اُردو کا جھگڑا بھی فروعی مسائل میں سے ہے۔ اور صحیح بھی ہے کہ جڑ اگر مضبوط رہی تو شاخیں اور تنے اور سارا درخت سرسبز اور شاداب رہے گا۔ لیکن انھیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب فروعی جھگڑے شدت پکڑ جاتے ہیں تو وہی رفتہ رفتہ اصل ہو جاتے ہیں، ہمیشہ یہی نہیں ہوتا کہ جڑ کے کھوکھلے ہونے سے درخت بے کار ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنے کی چھال اتار لینے سے درخت کا پنپنا بند ہو جاتا ہے اور ٹھنٹھ ہو کے رہ جاتا ہے۔ ہماری بدقسمتی سے اور ہمارے رہ نماؤں کی غلطیوں سے اُردو ہندی کا جھگڑا اب فروعی مسائل میں سے نہیں رہا، اصل مسئلہ ہو گیا ہے۔

اس کے بعد "وشال بھارت" کے قابل ایڈیٹر نے اس جھگڑے کی اصل حقیقت پر نظر ڈالی ہے اور یہ سوال کیا ہے کہ ہندی اُردو کا جھگڑا کہاں اور کن صوبوں میں ہے ؟ اس کا جواب انھوں نے کسی قدر تفصیل سے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنگال، آسام، گجرات،

Marfat.com

مدراس، اڑیسہ، سندھ، مہاراشٹر، کرناٹک اور ملیبار میں ہندی اُردو کا کوئی جھگڑا نہیں۔ اب رہے سرحد، پنجاب، یو پی، بہار اور سی پی کے صوبے تو ان میں بھی صرف یو پی اور پنجاب ایسے دو صوبے ہیں جو ہندی اُردو جھگڑے کا کفارہ بنے ہوتے ہیں۔ بہار میں اُردو کی کوئی حیثیت نہیں۔ مختصر یہ کہ یو پی کے صرف چند فی صدی شہری لوگ اُردو بولتے ہیں۔ پنجاب میں پنجابی بولی جاتی ہے اور رسم خط اُردو، ہندی، گورمکھی تینوں رائج ہیں لہٰذا جھگڑا ہے تو انہی دو صوبوں میں۔

کیا اچھا تبصرہ اور فیصلہ ہے۔ بہار کو صرف ایک فقرے میں اڑا دیا کہ وہاں اُردو کی اہمیت کوئی نہیں۔ حال آں کہ ہندی اُردو جھگڑے کی ابتدا یہیں سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ بہار کے شہروں، قصبوں اور دیہات میں ایک کثیر آبادی ایسی ہے جس کی زبان اُردو ہے۔ عظیم آباد و پٹنہ اُردو زبان و ادب کا ایسا ہی مشہور اور بڑا مرکز تھا، جیسے دلی اور لکھنؤ۔ بہار نے اُردو کے ایسے نامور ادیب اور شاعر پیدا کئے ہیں جو اُردو ادب کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ اُردو کو تو خیر سری شرما نے یو پی کے شہروں کے چند ہزار (زیادہ سے زیادہ چند لاکھ) نفوس تک محدود رکھا ہے لیکن ہم ان سے باادب یہ پوچھتے ہیں کہ وہ نئی ہندی جس کے پرچار کے لئے طرح طرح کے جتن کئے جا رہے ہیں وہ کس علاقے، کس شہر اور قصبے اور کس گانو کی بولی ہے؟ اور اس کے بولنے والے کس دیس میں بستے ہیں؟

وہ اُردو کو ہندی یا ہندی کی بعض شاخوں کی طرح مقامی خیال

Marfat.com

کرتے ہیں۔ حال آں کہ یہ بات نہیں ہے۔ اُردو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے ہندستان پر چھائی ہوئی ہے۔ صوبۂ سرحد، سندھ، خاندیس، کرناٹک، دھارواڑ، گجرات، سی پی اور مدراس ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی مادری زبان اُردو ہے اور ان مقامات میں بے شمار لوگ ایسے آباد ہیں جو اُردو جانتے بولتے اور لکھتے ہیں جس کی تفصیل میں اپنے دوروں کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔ ان میں کے بعض مقام اُردو زبان کے مرکز بنے ہیں۔ اور قریب قریب ان میں سے ہر مقام میں اُردو اخبار جاری ہیں اور شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

شرما صاحب نے ہندی اُردو جھگڑے کو صرف یوپی اور پنجاب تک محدود کر دیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اُردو کی وسعت غیر محدود ہے اور وہ ایک طرح سے کُل ہند زبان ہے اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں جن مقامات کے مسلمانوں کی مادری زبان اُردو نہیں، یا جہاں اُردو کا رواج نسبتاً کم ہے وہاں کے مسلمان اُردو کو ہم سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب اُردو کو ذرا سی بھی ٹھیس لگتی ہے تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔

بے شک ایک زمانے میں ہندی اُردو کا جھگڑا مقامی جھگڑا تھا لیکن جب سے گاندھی جی نے اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں اور ہندی کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا یہ اعلان کیا کہ وہ ہندی کو ملک کی مشترکہ زبان بنا کر چھوڑیں گے اسی وقت سے سارے ملک میں ایک آگ سی لگ گئی اور فرقہ داری عناد اور فساد کی مستحکم

Marfat.com

بنیاد پڑ گئی۔ کانگرس گورنمنٹ نے جو اصل میں مہاتما کی حکومت تھی اس جلتی ہوئی آگ پر خوب تیل چھڑکا۔ اس معاملے میں حکومت کے بعض وزرا اور معزز ارکان کانگرس گورنمنٹ کے وزیر یا کانگرس کے ممبر نہیں رہے تھے بلکہ وہ ہندی کے مشنری بن گئے تھے اور کانگرس کے گزشتہ فیصلوں اور قراردادوں اور کانگرس کے آئین کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ کانگرس گورنمنٹ نے اس جھگڑے کو اور بڑھایا اور پھیلایا اور ترقی دی۔ کیوں کہ کانگرس کی آواز مہاتما کی آواز تھی اور مہاتما کی آواز اہل کانگرس اور کروڑوں عوام کے لئے بمنزلۂ الٰہی آواز کے تھی۔ مہاتما گاندھی نے (خدا ان کو نیک ہدایت دے) اس معاملے میں ملک کے حق میں ایسے کانٹے بوئے ہیں اور وہ بس پھیلایا ہے اور مختصر یہ کہ وہ کام کیا ہے جو اس ملک کا بڑے سے بڑا اور سخت سے سخت دشمن بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہم ملک کی ابتری اور آئے دن کے جھگڑوں اور اختلافات کے لیے غیروں کو الزام دیتے ہیں۔ مگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کبھی نہیں دیکھتے۔

ہندو مسلمانوں میں جس چیز نے سب سے زیادہ بدگمانی، نفرت، اور باہمی عناد کو بڑھایا وہ ہندی اُردو کا جھگڑا ہے اور اس جھگڑے کے بانی اعظم ”مہاتما“ گاندھی ہیں۔ میں یہاں پنڈت سندر لال کی تقریر کے دو ایک فقرے نقل کرتا ہوں۔

”اردو ایک ہندستانی زبان رہی ہے جسے ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر بنایا اور ترقی دی اور اب بھی صوبہ متحدہ

Marfat.com

کے بہت سے ضلعوں میں، شہروں اور دیہات ہر جگہ کے ہندو اُردو ہی بولتے ہیں اور موجودہ زمانے کی سنسکرت آمیز ہندی نہیں سمجھ سکتے.......... اس سنسکرت آمیز ہندی کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کی کوشش نہ صرف ہندی کے لیئے بلکہ قومی اتحاد کے لیئے سخت مضر ہے....... اس کوشش نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک خلیج پیدا کرنے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔"

پنڈت جی کا یہ قول حرف بہ حرف درست ہے:۔

اُردو رسم خط کے متعلّق شرما صاحب فرماتے ہیں کہ "علمی اختلافات میں اُردو لپی (رسم خط) خود ہی مرے گی اس کو ختم کرنے کی کوشش کرنا مرے کو مارے شاہ مدار کا حکم رکھتا ہے۔" یہ کلمہ بڑے غرور کا ہے اور ایسے بڑے بول صرف اکثریت کا غرور ہی بلوا سکتا ہے۔ زبان اور تہذیب کے مسائل، تعداد کی کمی بیشی، اوسط اور فی صدی کے حساب سے طے نہیں ہوا کرتے؛ اس کے لیئے کسی قدر رواداری ہمدردی اور انصاف کی بھی ضرورت ہے۔ اُردو کا رسم خط ہندی کی طرح صرف ہندوستان کے ایک آدھ علاقے تک محدود نہیں بلکہ یہ ہندوستان کے باہر بھی بہت سے ملکوں میں رائج ہے۔ کہاں کہاں مٹائیں گے یہاں یہ اُردو کی پیدائش کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ اس کا مٹانا آسان نہیں۔

ہندوستان میں ایک دو رسم خط نہیں بیسیوں ہیں۔ سب سے

Marfat.com

پہلے بنگالی، تامل، تلنگی، کنڑی، ملیالم وغیرہ زبانوں کو یہ مشورہ دینا چاہیئے جن کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سنسکرت سے بہت قریب بلکہ سنسکرت کے بچے ہیں۔ اس کے بعد اُردو کی باری آئے گی۔

خطوں کے بدلنے سے دل نہیں بدلتے۔ اوّل دلوں کے بدلنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس کے لئے جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے رواداری ہمدردی اور انصاف کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں سب سے بڑے شخص نے سب سے زیادہ دلوں کے بدلنے کا پرچار کیا اور اس کے لئے دعائیں مانگیں مگر افسوس کہ اس نے دلوں کو ایسا بدلا ہے کہ فی الحال ان کے ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

زبان کا مسئلہ معمولی نہیں۔ اس پر ہاتھ ڈالنا بہت خطرناک ہے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جہاں کہیں ایسا کیا گیا وہاں صرف ناکامی ہی نہیں اٹھانی پڑی بلکہ اس کے ساتھ بہت سی بلائیں اور آفتیں نازل ہوئیں اور انقلاب رونما ہوئے اور باوجود شدید مظالم اور عذابوں کے زباں بندی اور نظر بندی اور قانونی شکنجوں کے ظالم مظلوموں کی اور زبردست زیردستوں کی زبان کو نہ مٹا سکے۔ برخلاف اس کے یہ ظلم اور عذاب اور سختیاں ان زبانوں کی ترقی کا باعث ہوئیں۔

(ہماری زبان، ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۵۱ء)

Marfat.com

حامیانِ اُردُو

زبانیں کہاں سے آئیں کیسے بنیں؟ ایک طویل اور پیچیدہ بحث ہے اور اس وقت ہمارے مبحث سے خارج۔ البتہ اُردُو کہاں سے آئی اور کہاں سے آئی؟ یہ ہم بتا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی عمر چھے سات، سو سال سے زیادہ نہیں۔ اسے قدرت، انسانی ذوق اور انسانی ضروریات نے بنایا ہے۔

کچھ دیر کے لئے آپ چہل قدمی کو کسی قدیم جنگل میں چلے جایئے وہاں آپ کو تناور اور گرانڈیل درخت، چھوٹے بڑے پودے، طرح طرح کی بیلیں، پھولوں کے تختے۔ قسم قسم کی گھاسیں، جڑی بوٹیاں وغیرہ نظر آئیں گی۔ آپ درختوں میں پھل بھی لگے دیکھیں گے۔ بہت سی ایسی جنھیں ہم جانتے ہیں۔ مثلاً: کیلے۔ انجیر، آم، وغیرہ اور بہت سی ایسی جو ہم نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

اس کے بعد کسی اچھے باغ میں جایئے۔ یہاں بھی سایہ دار اور ثمر دار درخت اور خوش نما پھول اور پھل دیکھنے میں آئیں گے۔ یہ سب چیزیں باغوں اور چمنوں کی زینت ہیں۔ جنگل سے آئی ہیں لیکن انسان نے اپنی عقل اور تمیز سے ان میں حیرت انگیز شگوفہ کاریاں کی ہیں۔ ایک آم ہی کو لیجئے۔ ایک جنگل کا آم ہے دوسرا باغ کا....

Marfat.com

آم، دونوں کے ذائقے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انسان نے اپنی حکمت سے ان میں طرح طرح کی ایجادیں کی ہیں۔ قلم باندھ باندھ کر بے شمار قسمیں بنائیں اور ان میں لطیف خوشبو، ذائقے اور لذتیں پیدا کیں۔ اوّل اوّل ہمیں سب کچھ ذوق کی بدولت میسر آیا۔ پھر تجارت نے اُسے اُبھارا۔ شوق اور تجارت نے مقابلے پر اُکسایا، مقابلے نے کش مکش پیدا کی، یہ کش مکش ہے جو بناتی، سنوارتی اور ابھارتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز کی بقا اس کش مکش پر ہے۔

قریب قریب یہی حال ہماری اُردو زبان کا ہے۔ جس وقت یہ وجود میں آرہی تھی کسی کو اس کا علم تو کیا احساس بھی نہ تھا کہ کوئی نئی زبان بن رہی ہے۔ البتہ قدرت یعنی تقاضائے وقت اپنا کام کر رہا تھا۔ قدرت کے قانون بھی عجیب و غریب اور پُراسرار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کام چپکے چپکے کرتے ہیں۔ خواہ کسی کو خبر ہو یا نہ ہو، انسانی معاملات میں یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز سب سے قریب ہوتی ہے اس پر سب کے بعد نظر پڑتی ہے جب کہ ہم فارسی، عربی سنسکرت پر فریفتہ تھے اور اُن کی تصانیف اور کلام کے مزے لے رہے تھے۔ یہ غریب اور حقیر بولی چپکے چپکے ہمارے گھروں، بازاروں، خانقاہوں اور لشکروں میں گھر کر رہی تھی۔ میں نے اسے غریب اور حقیر اس لئے کہا کہ اس وقت یہ بازاری اور عامیانہ خیال کی جاتی تھی اور اہلِ ادب اور اہلِ ذوق اسے منہ نہیں لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام بھی نہ تھا۔ جب دارالحکومت دہلی کی آس پاس کی بولی پر فارسی کی قلم لگی تو یہ وجود میں آئی۔ کسی نے دانستہ

Marfat.com

قلم نہیں لگائی اور نہ کسی جماعت اور انجمن نے مشورہ دیا۔ یہ قدرت کے کام تھے۔ وقت کی بات تھی، وقت کا تقاضا اٹل ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ جو زمانے کی ضرورت اور حالات کے مناسب ہوتا ہے وہی ہو کے رہتا ہے۔ اس وقت اس کی ضرورت تھی۔ حکومت اور موجود تھیں لیکن یہ سب مقامی اور محدود تھیں حکومت کی وسعت کے ساتھ ایک عام اور وسیع زبان کی ضرورت تھی اور وہ صرف قلم لگانے ہی سے پیدا ہو سکتی تھی اور اس قلم لگانے میں فاتح اور مفتوح دونوں شریک تھے۔ جب اس قلمی زبان کی بو، باس اور رسیلے پن سے لوگوں کے کام و دہن آشنا ہوئے تو اس کا چرچا پھیلا، فقیر اور صوفی، تاجر اور پیشہ ور، لشکری اور بازاری اسے دور دور تک لے گئے اور جہاں گئی مقبول ہو گئی۔ آخر کار جب یہ بے نام اور عوام کی بول چال سے نکل کر مسند ادب و انشا تک پہنچی تو پہلی بار اسے نام کا شرف بخشا گیا یعنی ریختہ کہلائی اور بعد میں اُردو سے موسوم ہوئی جو اب اس کا عام اور مقبول نام ہے۔

اہل ذوق نے اسے سر آنکھوں پر رکھا۔ شعرا نے شعر و سخن کی محفلیں گرم کیں۔ فقرا اور صوفیا کی تلقین، واعظوں کے واعظ، بحث اور مناظرے سب اسی میں ہونے لگے۔ مصنفین اور مولفین نے کتابیں مترجمین نے ترجمے اور افسانہ نویسوں نے افسانے اس میں لکھنے شروع کئے۔ اس وقت فارسی کا بول بالا تھا۔ اس سے اس کا مقابلہ ہوا۔ مقابلے میں فارسی کی ہار اور اُردو کی جیت ہوئی۔ فارسی کو ہٹا کر دفتروں اور عدالتوں میں پہنچی۔ مدارس میں داخل ہوئی۔ ذریعہ تعلیم

Marfat.com

بنی۔ اخبار رسالے جاری ہوئے۔ بہت سی انجمنیں اور ادارے اس کی حمایت اور اشاعت کے لئے قائم ہوئے۔ علم و ادب میں ترقی اور علوم و فنون میں کتابیں لکھی جانے لگیں۔ غرض ہر اعتبار سے سارے ملک پر چھا گئی اور ہندستان کی مشترکہ اور عام زبان مانی جانے لگی اُردو کی یہ جیت ذوق ضرورت اور کش مکش سے حاصل ہوئی اور اب بھی انھی کی بدولت ہو گی۔

ایک دن کا کام نہ تھا۔ اس میں صدیاں لگیں۔ یہ ہمارے بزرگوں کی رجس میں ہر قوم و ملت کے لوگ تھے) مسلسل مشقت اور محنت، دکوشش اور جاں کاہیوں، دل سوزیوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ یہ اُردو کے سچے حامی تھے۔ یہ ہمارے لئے بے بہا سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جس کے ہم وارث ہیں جو لوگ بزرگوں کے ورثے کو قائم رکھتے اور ترقی دیتے ہیں وہ سپوت کہلاتے ہیں، جو اس سے غفلت برتتے اور تلف کرتے ہیں وہ کپوت یعنی ناخلف ہیں ہم اُن بزرگوں کا ذکر خیر سے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے ایسا عظیم الشان کام کیا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا نام بھی نیکی سے یاد کیا جائے تو ان کی مثال اپنے سامنے رکھئے۔ ہم پر بڑی ذمے داری ہے اس لئے کہ وقت نازک اور سخت ہے۔ اُردو یوں ہی ایسی شیریں، وسیع اور علمی و ادبی زبان نہیں بن گئی۔ اس نے بڑی بڑی مصیبتیں اور آفتیں جھیلی ہیں۔ بڑے بڑے مقابلے کئے ہیں اس نے دیسی بولیوں کو نیچا دکھایا اس لئے کہ وہ مقامی اور محدود نہیں۔ اس نے فارسی کو نکالا اس لئے کہ وہ غیر تھی۔ اس نے

Marfat.com

دوسری بولیوں پر فوقیت اور فضیلت حاصل کی اس لئے کہ اس میں ہندو مسلم دونوں کی تہذیبوں اور دونوں کے اتحاد کی جھلک تھی اور اس لئے کہ اس کے حامیوں نے اس کے سنوارنے، بنانے اور ترقی دینے میں دل و جان سے جدوجہد کی اور اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اب پھر وہی چال آپڑی ہے، شہ مات بچنے کے لئے پہلے سے زیادہ جدوجہد اور سعی کی ضرورت ہے۔ اُردو کو جو حیثیت اور اہمیت حاصل ہو چکی ہے اُسے قائم رکھنا حامیان اُردو کا فرض ہے۔ اگر ہم نے اسی ہمت اور حوصلے سے کام لیا جو بزرگوں کا شیوہ تھا تو بلا شبہ جیت ہماری ہے۔ دل میں لگن ہو اور نیت میں خلوص تو آدمی کیا کچھ نہیں کر سکتا:۔

اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اُردو کے لیے کیا کام کریں؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا جو چیز سب سے قریب ہوتی ہے اس پر نظر نہیں پڑتی۔ کام کے لئے بہت وسیع میدان ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں ایک زبان کے علم و ادب میں اضافہ اور ترقی، دوسرا زبان کی اشاعت۔ جن لوگوں کو قدرت نے صلاحیت عطا کی ہے (بہ شرطے کہ ان کا صحیح اندازہ کیا گیا ہو) وہ علمی و ادبی تحقیقی کام کریں جن میں یہ استعداد نہیں وہ اشاعت میں کوشش کریں۔ اُردو کتابیں اور رسالے پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دیں۔ گھروں میں خاص کر لڑکیوں اور عورتوں کو اُردو پڑھائیں۔ اُردو بولیں، لکھیں، خط پتر اُردو میں لکھیں۔ نام کی تختیاں ...... اُردو میں ہوں۔ حساب کتاب اُردو میں لکھا جائے۔ جہاں اُردو کے

Marfat.com

حق میں ناانصافی ہوتی ہو اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ ان پڑھوں کو پڑھائیں، جہاں اُردو کا رواج کم ہو وہاں اسے رواج دیں جو ادارے اُردو کی ترقی و اشاعت کا کام کر رہے ہیں ان سے تعاون کریں، ان کی مدد کریں، غرض اس قسم کے سیکڑوں کام ہیں جو ہر شخص اپنی بساط اور حالات کے مطابق کر سکتا ہے۔ امداد کے متعلق ایک بہت پرانا اور نہایت پامال اور فرسودہ مقولہ ہے۔ تاہم یاد رکھنے کے قابل ہے۔ "دامے، قدمے، سخنے"۔ جس کسی نے یہ مقولہ بنایا تھا وہ بڑا دانش مند تھا۔ اس کی عقل مندی اس ترتیب میں ہے جو اس نے قائم کی ہے۔ سب سے مقدم "دامے" کو رکھا ہے۔ یہ بڑا ٹیڑھا معاملہ ہے۔ کہتے ہیں "دنیا بڑی مشکل ہے لیکن دو لینا" بھی کچھ آسان نہیں۔ اس مشکل کو آسان کیجئے۔ دینے کی عادت ڈالئے اور اتنا دل کھول کر دیجئے کہ مانگنے کی حاجت نہ رہے۔ دوسرا درجہ "قدمے" کا ہے یعنی جو دام نہیں دے سکتے وہ جدوجہد اور سعی کریں۔ آخری درجہ "سخنے" کا ہے۔ لیکن آج کل معاملہ برعکس ہو گیا ہے "سخنے" اوّل ہو گیا ہے اور "دامے" اخیر، ہم باتیں بہت کرتے ہیں اور کام کم۔ زیادہ تقریریں کرنے سے قوّتِ عمل ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے کام ضعیف ہیں۔ جو شخص اور قومیں کام سے جی چراتی ہیں انھیں کبھی آزادی نصیب نہیں ہو سکتی۔ انسان کی نجات استقلال سے محنت اور کام کرنے ہی میں ہے۔ کسی کو باتیں اور تقریریں کرنے کا حق نہیں۔ جس نے کچھ کر کے نہ دکھایا ہو۔ خالی باتیں طبل تہی کی آوازیں ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے

Marfat.com

گھروں، کالجوں اور چائے خانوں میں دفتروں میں جلی قلم سے جگہ جگہ یہ لکھ دیا جائے

"باتیں کم اور کام زیادہ"

فردوسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بزرگی سراسر زگفتار نیست
دو صد گفتہ چوں نیم کردار نیست

Marfat.com

تقریر

(سندھ پراونشل اردو کانفرنس منعقدہ ۸ اپریل ۱۹۴۶ء کی افتتاحی تقریر)

اے صاحبو! آپ نے اس وقت صوبائی اُردو کانفرنس کا انعقاد کر کے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ بڑا انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زمانہ ہے۔ ہمیں اپنے حالات، اپنی ضرورتوں، اپنی خامیوں اور اہلیتوں کا جائزہ لینا اور اس اٹل وقت کے لئے تیار ہونا ہے جو نئے سامان اور ارادوں کے ساتھ آنے والا ہے۔ زمانہ کسی کی رُو رعایت نہیں کرتا۔ جو نئے حالات کے لئے تیار نہیں وہ نااہل سمجھے جائیں گے اور جو نااہل ہیں وہ سب سے زیادہ معتوب اور مغضوب ہوں گے۔ موجودہ زمانے اور حالات ہی میں نہیں بلکہ ہر زمانے میں انسانی زندگی اور تہذیب و تمدّن کی ترقی میں زبان نے بڑا کام کیا ہے۔ بلکہ بہت کچھ اسی پر دارومدار رہا ہے۔ اگر گہری اور باریک نظر سے دیکھا جائے تو زبان کا مسئلہ قومیّت کا مسئلہ ہے۔ اب آپ زبان کو اس نظر سے دیکھئے اور پھر ہماری اپنی کوششوں کو جانچیے اور پرکھیے۔

یہ بات میں خاص طور پر آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کسی زبان یا بولی کے مخالف نہیں اور نہ کسی زبان اور بولی کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ مادری زبان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ اپنے حلقے میں اس کا ایک خاص درجہ ہے اور وہاں اس کے کارآمد ہونے میں شبہ نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور

Marfat.com

زبان بھی ہے جس کا درجہ مادری زبان سے بھی مقدم ہے اور وہ قومی زبان ہے۔

سندھی ہو یا پنجابی یا کوئی اور بولی صرف اپنے اپنے حلقے میں محدود ہیں، اس سے باہر کوئی کام نہیں آتیں۔ سارے ملک ہندستان میں اردو وہی ایک ایسی زبان ہے جو اکثر صوبوں میں تقریباً ملک کے ہر علاقے میں بولی یا سمجھی جاتی ہے اور ملکی اور قومی زبان ہونے کا حق رکھتی ہے۔ کیوں کہ یہ مختلف فرقوں اور قوموں اور تہذیبوں کے میل سے بنی ہے اور ہندو مسلمانوں اور دوسری قوموں نے اس کے بنانے میں اور ترقی دینے میں مل کر کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں ان سب کے خیالات و جذبات اور تہذیبوں کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اس کے رواج سے آپ کا رشتہ اپنے تمام بھائیوں سے اور ملک کی دوسری قوموں سے زیادہ مستحکم اور قوی ہو جائے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ سندھی نہ رہے۔ وہ ضرور رہے گی۔ اور اسے رہنا چاہیے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی قومی زبان کا سیکھنا پڑھنا لازم قرار دیا جائے تاکہ قومیت کی روح افسردہ نہ ہونے پائے۔

مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ مجلس نصاب نے جو آپ کی حکومت نے مقرر کی تھی بالاتفاق یہ فیصلہ کیا ہے کہ پرائمری درجے کے بعد ہندستانی (یعنی اردو) کی تعلیم لازم ہونی چاہیے کیوں کہ ہندو مسلم اتحاد کا صرف یہی ایک حل ہے مجلس کی یہ رائے بہت صحیح، قابلِ وقعت اور دور اندیشی پر مبنی ہے لیکن ساتھ ہی کمیٹی نے اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ پرائمری درجے میں اردو کو داخل کرنا طالب علموں کے لئے بار ہوگا۔ لیکن اس بار کے کم کرنے

Marfat.com

کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پرائمری کی تیسری اور چوتھی جماعت میں چھوٹی چھوٹی دو آسان ریڈریں ایسی داخلِ نصاب کر دی جائیں جن میں زیادہ تر وہ لفظ ہوں جو سندھی اور اردو میں مشترک ہیں تو ان کا پڑھنا طالب علموں کے لئے کچھ زیادہ بار نہ ہوگا۔ خاص کر جب کہ سندھی اور اردو کا رسم خط تقریباً یکساں ہے۔ انٹر پراونشل بورڈ فار اینگلو انڈین اینڈ یوریپین ایجوکیشن نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ ان کے مدارس میں اردو پہلی جماعت سے پڑھائی جائے۔ جب کہ اینگلو انڈین اور یوریپین لڑکوں کے لئے پہلی جماعت سے اردو سیکھنا بار نہیں ہے تو سندھی لڑکوں کے لئے تیسری اور چوتھی جماعت میں اردو کا پڑھنا ہرگز بار نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب کہ ان کے لئے رسم خط کی وہ دشواری نہیں جو اینگلو انڈین اور یوریپین لڑکوں کے لئے ہے۔ میری رائے میں مجلسِ نصاب کے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

ایک دوسری تجویز جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جس طرح حکومت نے سندھی زبان کے لئے ایک بورڈ قائم کیا اسی طرح اور اسی نہج پر اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے بھی ایک بورڈ قائم کیا جائے۔ اس بورڈ کے قائم ہونے سے بہت سے فوائد متصور ہیں۔ اس کے قیام سے قومی اور ملکی زبان کی ترویج و اشاعت ایک اصول کے تحت قابلِ اطمینان طور پر ہوگی۔

ہمیں حکومت سے ایک ضروری درخواست کرنی پڑے گی وہ یہ دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں ایسی درخواستیں جو اردو زبان اور رسم خط میں لکھی ہوں، قبول کر لی جائیں۔ جب یہ امر طے

Marfat.com

پاگیا کہ صوبے کی تعلیم میں ہندوستانی زبان کا داخل کرنا قومی اور ملکی اتحاد کے لئے لازم ہے تو اس درخواست کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیئے۔ یہ امر اس اتحاد کے بڑھانے میں بہت زیادہ ممد اور معاون ہوگا۔ جس مصلحت کی بناء پر اس زبان کا مدارس میں داخل کرنا روا رکھا گیا ہے۔ اسی مصلحت کے پیش نظر ہماری درخواست ہے۔

اگر حکومت نے ہماری ان معمولی درخواستوں کو منظور کرلیا۔ اور قوی اُمید ہے کہ صحیح طریقے پر یہ مسائل پیش کئے گئے تو منظور کر لی جائیں گے، تو آپ یقین جانئے کہ اُردو زبان آپ کی زبان ہو جائے گی۔

یہ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ جب سے پنجاب نے اُردو کو اپنا بنالیا تو ان میں سے ایسے اعلا درجے کے صاحب فکر، شاعر اور ادیب اور انشا پرداز پیدا ہوتے اور ہیں جن پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے۔ اگر وہ اُردو کو اختیار نہ کرتے تو کیا وہ اس قابل رشک درجے تک پہنچ سکتے تھے۔ یہ سب اُردو کا طفیل ہے۔ اگر آپ نے بھی یہ تہیہ کرلیا تو یقین جانئے کہ چند ہی سال میں آپ ایسی ترقی کریں گے کہ لوگوں کو حیرت ہوگی۔ کیوں کہ آپ کی سیرت اور آب و ہوا میں کچھ چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں جنھیں دوسروں پر تفوق حاصل ہے۔ جب پنجاب میں اُردو کی ترقی سے پنجابی مر نہیں گئی تو آپ کو اندیشے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ میرا یقین ہے کہ اُردو کی ترویج سے سندھی کو طرح طرح کے فائدے پہنچیں گے۔

اُردو زبان کا دامن بہت وسیع ہوگیا ہے اور اس نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مذہب، تاریخ

Marfat.com

ادب اور دیگر علوم و فنون پر دیگر کتابوں کی جو بہتات اُردو میں ہے وہ ہاری کسی زبان میں نہیں۔ یہ سارا علمی اور ادبی ذخیرہ بنا بنایا آپ کی ملک ہوجائے گی۔ کسی مقامی بولی کو اس درجے تک پہنچنے یا نہ پہنچنے کے لئے سالہا سال درکار ہوں گے اور پھر بھی شبہ ہے کہ وہاں تک پہنچے یا نہ پہنچے اور اس میں تو مطلق نہیں کہ ہندستان کی کوئی صوبائی بولی بین صوبائی اور بین قومی زبان کبھی نہیں بن سکتی۔

اس زمانے میں جب کہ ہمارے ملک میں اندر اور باہر نفاق و تفرقہ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اس کے ٹھنڈا کرنے کے لئے اُردو ہی کام آسکتی ہے یہ کام اس نے پہلے بھی کیا تھا اور اب بھی یہ صلاحیت اس میں ہے یہ ٹوٹے ہوئے رشتوں اور دلوں کو جوڑے گی بھٹکے ہوئے بھائیوں کو پھر یک دل و یک جان کر دے گی اور قومیت کی روح میں نیا ولولہ اور نئی امنگیں پیدا کر دے گی۔

میں اس کانفرنس کے منتظمین اور سرپرستوں کو تہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے حالات کا صحیح اندازہ کر کے کراچی میں اس کا انعقاد کیا اور مجھے یقین ہے کہ اس کی کوششیں بارآور ہوں گی۔ اور ہماری قومی زبان اُردو کی بنیاد بہ حسن و خوبی قائم ہو جائے گی۔ اس یقین اور وثوق کے ساتھ میں دلی خلوص اور مسرت سے اس کانفرنس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ تحریک آپ کو مبارک ہو۔ اور جن آرزوؤں اور ارادوں سے آپنے اس کام کو شروع کیا ہے وہ آپ کے حسبِ منشا پورے ہوں۔

Marfat.com

تقریرِ اُردو کانفرنس کراچی

(مئی سنہ ۱۹۵۱ء)

(یہ تقریر ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب صدر انجمن ترقیِ اُردو نے کل پاکستان اُردو کانفرنس کے پہلے اجلاس میں کی)

جناب صدرِ محترم و دردمندانِ اُردو!

ہر تحریک خواہ اصلاحی ہو یا انقلابی کسی ایک شخص کے دماغ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پھر چند ہم خیال اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ہم دردوں کا حلقہ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور تنظیم کی بنیاد پڑتی ہے۔ تنظیم کے ساتھ مقصد کی تبلیغ و اشاعت اور عمل کی نوبت آتی ہے۔ تحریک کی کامیابی دو چیزوں پر ہے۔ ایک بات جس پر پوری طرح غور کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جس اصلاح کو پیش کیا گیا ہے اس کی فی الحقیقت ضرورت بھی ہے یا محض ایک شخص کی جولانیٔ طبع یا کاوشِ تخیّل کا نتیجہ ہے۔ اگر فی الواقع ضرورت نہیں اور زمانہ اور لوگ اس کے ساتھ نہیں یا ناقابلِ عمل ہے تو اسے کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ دوسرے جن لوگوں نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے اُن میں خلوص، ایثار اور کام کی دُھن ہونی چاہیئے

Marfat.com

ورنہ بری طرح ناکام رہے گی۔

اس برعظیم کے مسلمانوں کی تمام تر تحریکوں یعنی تعلیمی، معاشرتی، علمی و ادبی، سیاسی کا سرچشمہ سرسید احمد خان کی ذات تھی۔ یوں تو مسلمانوں کا انحطاط و زوال بہت پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ مگر اس کا احساس عام طور پر نہیں ہوا تھا۔ لیکن گزشتہ صدی کے نصف کے چند سال بعد جب ہندوستان کی حکومت میں انقلاب پیدا ہوا تو مسلمان ہی سب سے زیادہ کچلے گئے۔ ایک طرف آقایان ملک کی نظر میں وہ معتوب، مردود و باغی ٹھہرے اور دوسری طرف برادران وطن نے نئی نئی قوت اور آزادی کے زعم میں اور کچھ آقاؤں کی شہ پاکر انھیں ذلیل و برباد کرنا شروع کیا۔ فاتح کے ہاتھوں مفتوح پر اتنا ظلم نہیں ہوتا جتنا قوت پانے کے بعد مفتوح کے ہاتھوں فاتح قوم پر ہوتا ہے۔ یہی حال ہندوستان میں مسلمانوں کا ہوا۔ وہ دونوں طرف سے راندہ تھے اور چکی کے دو پاٹوں میں پسے اور دبے جا رہے تھے اس سے دل بجھ گئے تھے اور مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ دو بڑی قوتوں کا مقابلہ ان کے بس کی بات نہ تھی اور یہ سمجھ چکے تھے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسے میں مولوی سید احمد خان نے غیر معمولی دوراندیشی اور ہمت سے کام لے کر وہ کام کیا جو کسی اور سے نہ ہو سکا اور جس کی کسی کو توقع نہ تھی اور تمام مخالفتوں مزاحمتوں اور مشکلات کو سر کر کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اسی تکمیل تک پہنچا کے رہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے نازک وقتوں میں جب قومیں قعر مذلت تک پہنچ جاتی ہیں تو انھیں میں سے ایسے باہمت

Marfat.com

جہاں مرد ان کھڑے ہوتے ہیں جو ڈوبتے ہوئے بیڑے کو بچا لیتے ہیں، اور تاریخ میں ایک نیا عہد قائم کر جاتے ہیں۔ سرسید بھی انہیں برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے۔ ان کے بعد بھی جتنی اصلاحات، تغیرات اور منصوبے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عمل میں آئے، جب ہم اُن کی ابتدا کا سراغ ڈھونڈتے ہیں تو اسے سرسید احمد خان کی مساعی میں پاتے ہیں۔ انجمنِ ترقیٔ اُردو بھی سرسید ہی کی تحریک کی ایک کڑی ہے۔

ان کا سب سے بڑا کام مدرسۃ العلوم مسلمانانِ ہند کا قیام تھا۔ جب کالج کی جڑیں کسی قدر مضبوط ہو گئیں تو انھوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی جس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تعلیم کی ترغیب دی جائے۔ ان کی یہ قطعی رائے تھی کہ تعلیم سب سے مقدم ہے۔ جب اُن میں تعلیم پھیل جائے اور وہ کافی تعلیم یافتہ ہو جائیں تو اس وقت سیاسی اُمور میں دخل دینے کے اہل ہو سکتے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۲ء میں دلّی میں شاندار شاہی دربار ہوا۔ لارڈ کرزن وائسرائے تھے جو جاہ و جلال اور شان و شکوہ کے بڑے دل دادہ تھے۔ اُن کی کوششوں سے دلّی میں ان دنوں بہار آ گئی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنا سالانہ جلسہ بھی اسی سال دسمبر کے آخری ایّام میں دلی میں کیا جس کے صدر ہز ہائی نس آغا خان تھے۔ کانفرنس نے اپنی ایک قرارداد میں چار ذیلی شعبے قائم کئے۔ ایک مدارس کا، دوسرا اصلاح تمدّن کا، تیسرا تعلیم نسواں کا، اور چوتھا اردو کا جو انجمن ترقی

Marfat.com

اُردو کے نام سے موسوم ہوا۔ اس شعبے کے صدر پروفیسر آرنلڈ اور سکریٹری مولانا شبلی قرار پائے۔ شروع میں دو سال کام مستعدی اور خوش اسلوبی سے چلا، مگر معاملہ پھر ٹھنڈا پڑ گیا اور مولانا شبلی نے بد دل ہو کر استعفا دے دیا۔ ان کی جگہ مولوی حبیب الرحمن خان شروانی کا انتخاب ہوا مگر وہ بھی گھبرا کر الگ ہو گئے۔ ان کے بعد یہ خدمت مولوی عزیز مرزا کے سپرد ہوئی۔ کام کا آغاز کیا ہی تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ کچھ مدت تک یہ شعبہ بالکل معطل رہا۔ آخر حالات نے پلٹا کھایا۔ بعد سنہ ۱۹۱۲ء سے اس میں کچھ جان پڑنی شروع ہوگئی اور مملکت آصفیہ کی فیاضانہ امداد سے اسے بڑی تقویت پہنچی اور اس کا علمی اور عملی کام آگے بڑھنے لگا اور جگہ جگہ شاخیں قائم ہوگئیں۔ یہ کام خاموشی سے ہوتا رہا۔ اُردو کی مخالفت یوں تو ہندی والوں کی طرف سے آج سے ۸۳ برس پہلے شروع ہو گئی تھی لیکن اس کی رفتار کبھی تیز ہو جاتی اور کبھی دھیمی۔ اُردو بڑی سخت جان ہے۔ یہ بھی اس رفتار سے مقابلہ کرتی رہی۔ اُردو والوں کو سرسید احمد خان کا بہت بڑا سہارا تھا۔ وہ اُردو کی حمایت میں آخر دم تک مردانہ وار لڑتے رہے۔ ان کا انتقال ہوتے ہی رنگ بدل گیا اور فرقہ پرست ہندی والوں نے زور باندھا۔ اسی زمانے میں سر انتنی میکڈانل یوپی میں لفٹنٹ گورنر ہو کر آئے تھے جو پہلے سے ہندی کی طرف مائل تھے اس سے ہندی والوں کی ہمت اور بڑھی اور ان کی متفقہ کوشش سے اپریل سنہ ۱۹۰۰ء میں وہ رزولیوشن پاس ہوا جو سر انتنی میکڈانل کے عہد جبروت بہد

Marfat.com

کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔ اس سے مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی۔ نواب محسن الملک نے جو اس وقت علی گڑھ کالج کے سکرٹری تھے۔ اس رزولیشن کی مخالفت اور اردو کی تائید میں ایک بہت بڑا جلسہ لکھنؤ میں کیا جس میں اطراف و جوانب سے اور ہر صوبے کے نمائندے شریک تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی بے چینی اور غیر معمولی جوش و خروش صاف تیار ہا تھا کہ انھیں اپنی قومی زبان اردو سے کیسا عشق ہے نواب محسن الملک بڑے فصیح البیان مقرر تھے۔ اس موقع پر جو تقریر انھوں نے کی وہ نہایت پرجوش اور دل ہلا دینے والی تھی اور جب انھوں نے یہ مصرع پڑھا ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

تو جلسے میں کہرام مچ گیا۔ اس جلسے میں بعض ہندو صاحبان نے بھی اردو کی حمایت میں بہت اچھی تقریریں کیں۔

جب اس جلسے کی کیفیت سرانٹنی میکڈانل کو معلوم ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور اس نے اپنی حاکمانہ اور جابرانہ قوت سے اس تحریک کا خاتمہ کر ڈالا اور نواب صاحب کو بھی اس خوف سے کہ کہیں اس کا زلہ کالج پر نہ گرے دست بردار ہونا پڑا۔

سنہ ۱۹۰۳ء کے سالانہ جلسے میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے انجمن ترقی اردو کا جو شعبہ قائم کیا اس کی شانِ نزول یہی واقعہ تھا۔

حضرات کسی تحریک کو ہم دردوں کی ہم دردی اور مربیوں کی سرپرستی ہی سے تقویت نہیں پہنچتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تقویت کا راز بہت کچھ اس کی مخالفت میں ہے۔ مخالفت بیدار کرتی ہے، عملی

Marfat.com

قوت کو ابھارتی ہے اور انسان کے اُن جوہروں کو جلا دیتی ہے جو پہلے معطّل پڑے تھے۔ مخالفت در پردہ امتحان ہے۔ تحریک اگر حق پر ہے اور کام کرنے والوں میں خلوص اور استقلال ہے تو مخالفت دب جائے گی اور تحریک سولہ سولے کام یاب ہوگی۔ مخالفت ہی نے پاکستان بنایا ورنہ کیا اتنی جلد بن جاتا؟ اور مخالفت ہی کے طفیل میں اردو زبان کو ترقی نصیب ہوتی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ابتدا میں انجمن خاموشی سے کام کرتی رہی، اس کا مقصد اُردو زبان کی اشاعت و ترقی اور اُردو ادب کو پُرمایہ اور وسیع بنانا تھا۔ اس نے کبھی ہندی یا کسی دوسری زبان کی مخالفت نہ کی یہ اس کے اصول اور شعار کے خلاف نہ تھا۔ البتہ جب اس کی مخالفت کی گئی اور اس کے رستے میں روڑے اٹکائے گئے تو اسے مجبوراً مدافعت کرنی پڑی۔ حفاظت اور سلامتی کے لئے مدافعت لازم ہے۔

اس ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جس نے انجمن کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کی مختصر روداد یہ ہے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں مسٹر کنہیالال منشی (جو آب بے غذا کے غذائی منسٹر ہیں) مجھ سے حیدرآباد آکر ملے اور بیان کیا کہ ہم ایک ایسی انجمن بنانا چاہتے ہیں جس میں ہر زبان کے ادیب شریک ہوں تاکہ ہمیں ایک دوسرے کے ادب کے حالات اور معلومات سے واقفیت ہو سکے۔ آپ اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہو جائیے۔ چوں کہ یہ ادبی معاملہ تھا، میں نے منظور کر لیا۔ سنہ ۳۶ء میں اس کا سالانہ جلسہ

Marfat.com

ناگ پور میں گاندھی جی کی صدارت میں ہوا۔ اس انجمن کا نام "اکھل بھارتیہ ساہتیہ پریشد" تھا۔ اس میں ایک مسئلہ یہ پیش ہوا کہ پریشد کی زبان کیا ہونی چاہئے۔ مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا ہندوستانی۔ گاندھی جی نے دریافت کیا کہ میں ہندوستانی کیوں تجویز کرتا ہوں۔ میں نے کہا اس لئے کہ انڈین نیشنل کانگرس کی اور ملک کی زبان ہندوستانی ہوگی نیز کانگرس کے آئین کی دفعہ ۲۱ میں صاف طور سے یہ درج ہے۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہر دس سال کے بعد مطلب بدلتا رہا تو کام کیسے چلے گا۔ گاندھی جی ہندی کے حق میں تھے۔ جب بحث زیادہ بڑھی تو گاندھی جی نے پینترا بدلا اور ایک نئی زبان اور نیا نام تجویز کیا۔ یعنی ہندی ہندستانی میں نے پوچھا ہندی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ فرمایا وہ زبان جو کتابوں میں ہے بول چال میں نہیں پھر میں نے پوچھا ہندستانی سے آپ کا مطلب کیا ہے تو فرمایا وہ زبان جو بول چال میں ہے کتابوں میں نہیں۔ اس پر میں نے دریافت کیا تو پھر ہندی ہندستانی زبان کیا ہوئی۔ فرمایا وہ زبان جو آگے چل کر ہندستانی ہو جائیگی میں نے عرض کیا کہ جب ہندستانی پہلے سے موجود ہے تو پچاس سال اور انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر انھوں نے جھنجھلا کر کہا کہ میں ہندی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے عرض کیا جب آپ ہندی نہیں چھوڑ سکتے تو ہم اُردو کیوں چھوڑیں۔ اس پر انھوں نے ایسا غلط اور عجیب و غریب جواب دیا جس کی ان سے توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ فرمایا کہ مسلمان چاہیں تو اُردو رکھ سکتے ہیں، یہ ان کی مذہبی زبان ہے، قرآن کے حرفوں میں

Marfat.com

لکھی جاتی ہے، مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی۔ اس کے بعد بحث کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور میں نے اکھل بھارتیہ ساہتیہ پریشد کی کمیٹی سے استعفا دے دیا۔ اب ہماری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ زمانے کا رنگ کچھ اور ہے۔

انجمن اب تک خاموشی سے علمی و ادبی کام کر رہی تھی، اب اسے ایک نئی مہم سے سابقہ پڑا۔ چناں چہ اس پر غور کرنے کے لئے اسی سال علی گڑھ میں ایک کل ہند اردو کانفرنس منعقد کی گئی جس میں علاوہ دوسرے مسائل کے ایک مسئلہ قابل غور یہ تھا کہ انجمن کا مستقر کہاں ہو کیوں کہ اب حالات بدلنے سے حیدرآباد میں رہ کر کام حسب منشا انجام نہیں پا سکتا۔ اسی کانفرنس میں یہ طے پایا کہ انجمن کا صدر مقام دلی میں منتقل کر دیا جائے۔ ملک میں اس وقت کانگرس حکومتوں کا راج تھا۔ اس لئے اردو کی طرف سے تشویش پیدا ہو گئی اور انجمن کو ہر علاقے اور مقام پہ نظر رکھنی پڑی۔ بمبئی۔ یوپی، بہار اور خاص کر سی پی کی حکومت سے بڑے معرکے کرنے پڑے۔ جہاں کہیں اردو پہ آنچ آئی اس کی انسداد کی انجمن نے فوراً کارروائی کی جہاں اردو مدرسے بند ہو گئے تھے انھیں کھلوایا۔ جہاں از روئے قواعد اردو تعلیم نہیں ہوتی تھی اسے جاری کرانے کی کوشش کی۔ ودیا مندر کے خلاف بہت جد و جہد کرنی پڑی۔ کئی بار روزرائے حکومت بزرگا ندھی جی سے مراسلت کے ذریعے اور بالمشافہ اس بارے میں کارروائی کی گئی۔ ریاست کشمیر اور جے پور میں ایک مدت سے پہلے فارسی اس کے بعد اردو سرکاری زبان تھی وہاں اردو کو ہٹا کر ہندی رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی

Marfat.com

تھی۔ انجمن نے فوراً اس کے متعلق قدم اٹھایا۔ جے پور میں متوفی مہاراجا کے زمانے میں بھی پنڈت مالویہ بھی دوبار مہاراجا کی خدمت میں وفد لے کر گئے اور درخواست کی کہ اردو کی بجائے ہندی سرکاری زبان کر دی جائے لیکن مہاراجا نے صاف انکار کر دیا۔ مہاراجا کی وفات کے بعد ایک وفد ریاست کے ریجنٹ کلانسی کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن انھوں نے بھی معذرت کر کے ٹال دیا۔ ان کے بعد ایک ہندو صاحب وزیر اعظم ہوئے۔ انھوں نے بھی یہ درخواست منظور نہ کی۔ لیکن جب سر مرزا اسمٰعیل اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے تو انھوں نے بلا تامل اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان بنا دیا۔ اور جو کام خود مہاراجا نہ کر سکے، جو انگریز ریجنٹ سے نہ ہو سکا اور جسے ہندو وزیر اعظم نے رد کر دیا وہ جناب مرزا صاحب کے دست مبارک سے بخیر و خوبی انجام پایا۔ انجمن نے اس پر سخت احتجاج کیا جس سے سر مرزا بہت ناراض ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد بدقسمتی سے وہ ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم ہو گئے۔ جاتے ہی پہلا وار انھوں نے انجمن پر کیا اور اس کی امداد بند کر دی۔

انجمن نے اس کے علاوہ سرکاری اداروں میں اُردو کے حقوق کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ ڈاک خانوں کے فارم اور ریلوے کے ٹکٹوں پر اُردو لکھوائی۔ سی پی کی اسمبلی میں اُردو تقریروں کی اجازت دلوائی۔ اُردو میں اسمبلی کی رپورٹ لکھنے کی منظوری دلوائی اور اُردو سٹنوگرافر کے تقرر کرائے۔ غرض اس قسم کے مختلف کام ہوتے رہے۔

یہ تو مختصر روداد اردو کی مدافعت اور دادرسی کی ہے۔ دوسرا کام

Marfat.com

اشاعت کا تھا۔ اس کے لئے انجمن نے مقدور بھر کوشش کی۔ بلامبالغہ کشمیر سے راس کماری تک اور پشاور سے چاٹگام تک انجمن کی شاخوں کا سلسلہ پھیلایا۔ خاص کر ان علاقوں کی طرف زیادہ توجہ کی جہاں اُردو کا رواج نہ تھا یا بہت کم تھا۔ ملیبار میں تخمیناً آٹھ لاکھ موپلے آباد ہیں وہ اُردو زبان سے ناآشنا تھے وہاں انجمن نے مدرسے قائم کیے۔ انجمن کی شاخیں قائم کیں۔ عربوں سے نسبت ہونے کی وجہ سے وہ عربی دل دادہ ہیں۔ عربی مدرسوں میں اُردو کی تعلیم جاری کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال کے عرصے میں اُردو کا خاصا رواج ہوگیا کالی کٹ میں اُردو کانفرنس بڑی شان سے ہوئی اور مشاعرے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہاں کے سرکاری مدرسوں میں بھی اُردو کی تعلیم ہونے لگی۔

اسی طرح نارتھ ارکاٹ، سوتھ ارکاٹ، ٹراونکور اور کوچین میں انجمن کا قیام کیا اور شاخیں قائم کیں اور راس کماری میں سمندر کے کنارے میں نے خود جا کر اردو پڑھائی۔ ٹری وندرم پہنچ کر ٹراونکور کے دیوان سر سی پی سوامی مدلیار سے ملاقات کی اور ٹراونکور یونی ورسٹی میں عربی اُردو کی مسند (چیئر) قائم کرانے کی کوشش کی لیکن اس سے بھی زیادہ موثر کام انجمن نے چھوٹا ناگ پور میں کیا۔ چھوٹا ناگپور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے رومن کیتھلک مشنریوں کا تسلط تھا اور وہ سارے چھوٹا ناگ پور پر چھائے ہوئے تھے۔ کسی دوسری جماعت کی مجال نہ تھی کہ وہاں قدم رکھ سکے یا کام کر سکے۔ انجمن نے جب وہاں کام کرنے کا ڈول ڈالا تو ان کے کان کھڑے ہوئے اور سمجھے

Marfat.com

کہ انجمن مذہب کی تبلیغ کرنے آئی ہے ہم نے انھیں اطمینان دلایا کہ ہمارا یہ منشا نہیں ہم صرف اُردو کی اشاعت کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اس غرض کے لئے مقتدر پادریوں اور بشپ سے مل کر اپنا مقصد سمجھایا۔ انھوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا اور بشپ صاحب نے تمام پادریوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے مدارس میں اردو کی تعلیم جاری کردیں چنانچہ چھ ہزاروں عیسائی لڑکے اور لڑکیاں لازمی طور پر اُردو پڑھنے لگیں چھوٹا ناگ پور میں اصل باشندے ابھی تک نیم وحشیانہ حالت میں ہیں انجمن نے ان کے لئے مدرسے کھولے اور سیکڑوں لڑکے لڑکیاں اُردو پڑھنے لگیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں انھوں نے اُردو لکھنے اور پڑھنے میں حیرت انگیز ترقی کی۔ رومن کیتھولک ننوں نے اُردو پڑھ کر اُردو مڈل کے امتحان پاس کئے۔ خاص خاص پادری اُردو پڑھ کر تکمیل کے لئے دلی میں آکر میرے ساتھ رہتے تھے۔ چناں چہ ان میں سے ایک پادری نے دِلّی کے کیتھڈرل میں اُردو میں سرمن دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رومن کیتھلک کیتھڈرل میں اُردو میں سرمن دیا گیا لیکن اشاعت کا سب سے اول اور سب سے زیادہ کام سی پی میں کیا گیا کیوں کہ یہیں گاندھی جی سے معرکے کے بعد انجمن کی کارگزاری کا نیا دور شروع ہوا تھا۔ یہاں اتفاق سے کام کرنے والے مل گئے کہ سی پی کی کایا پلٹ کردی۔ ہمارے رضاکاروں اور کارکنوں نے سارے سی پی کا دورہ کیا۔ شہر شہر اور قصبے قصبے میں انجمن کی شاخیں، کتب خانے اور مدرسے قائم ہوئے۔ حکومت کو اُردو تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ یا تو ایک وقت یہ حالت تھی کہ مسلمان اُردو بولنے سے شرماتے تھے اور مرہٹی بولتے تھے

Marfat.com

یا تھوڑے ہی عرصے میں نوبت یہ ہوئی کہ مرہٹے اُردو بولنے لگا ور اُردو میں تقریریں کرنے لگے۔ ناگ پور اُردو کا خاص مرکز ہو گیا۔ ہر ہفتے اور مہینے اُردو کے جلسے ہوتے تھے۔ بڑی شان دار اُردو کانفرنسیں ہوئیں اور مشاعروں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ انجمن نے اچھوتوں کے لیے مدرسے قائم کیے۔ تمام کالجوں میں جن کی تعداد آٹھ تھی اردو لیکچرار مقرر کرائے یہاں تک کہ مرہٹی عورتوں کے کالج میں اُردو لیکچرار کا تقرر کرایا۔ لیجس لیٹو اسمبلی میں اُردو میں تقریریں ہونے لگیں اور ان تقریروں میں اردو فارسی کے شعر پڑھے جانے لگے۔ انجمن کی کوشش سے اُردو سٹنو گرافر (مختصر نویس) کا تقرر ہوا اسمبلی کی رپورٹ اُردو میں بھی لکھی جانے لگی۔ ودیا مندر اسکیم کے ضمن میں حکومت سے بڑے بڑے معرکے رہے۔ مسلمان سی پی میں ڈھائی فی صدی سے زیادہ نہ تھے اور ان کی حالت بہت پست تھی لیکن اردو کی اشاعت سے ان میں عجیب بیداری اور قوت پیدا ہو گئی اور وہ سارے سی پی پر چھا گئے۔ افسوس کہ ہم لوگوں کو اس کا احساس نہیں کہ اردو میں کیسی کیسی قوتیں چھپی ہوئی ہیں، یہ صرف زبان ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ جہاں اس کی اشاعت زیادہ ہے وہیں قومی عصبیت اور حمیت اور روشن خیالی بھی زیادہ اور جہاں اس کا رواج کم ہے وہاں قومی عصبیت اور روشن خیالی بھی کم ہے۔

سنہ ۱۹ء کا ذکر ہے میں اینگلو انڈینز کے لیڈر سر ہنری گڈنی سے ملا اور ان سے کہا کہ اب انگریزی حکومت کچھ دنوں کی مہمان ہے کسی نہ کسی روز یہاں دیسی راج ہوگا۔ خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو آپ

Marfat.com

لوگوں کی بڑی مشکل ہوگی۔ اگرچہ انگریز آپ کو زیادہ منہ نہیں لگاتے مگر آپ ہر چیز میں ان کی نقل کرتے ہیں اور اپنی طرزِ معاشرت اور نظامِ تعلیم انگریزوں جیسا رکھتے ہیں۔ ہندستانیوں سے الگ الگ رہتے ہیں۔ اور ان سے میل جول بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ انگریزی حکومت اٹھ گئی تو آپ کا کیا حال ہوگا۔ آپ کو تو بہرحال اس ملک میں رہنا ہوگا۔ اس پر آپ کو ابھی سے غور کرنا چاہیے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنا طریقہ تعلیم بدل دیں اور اسے ملکی حالات کے مطابق بنائیں۔ خاص کر آپ کے بچوں کو ملک کی زبان لازمی طور پر سیکھنی چاہیئے۔ ہندوستان میں بہت سی زبانیں ہیں لیکن آپ کے لئے اردو زبان سب سے زیادہ مناسب ہوگی۔ کیوں کہ آپ کسی خاص مقام یا صوبے میں آباد نہیں بلکہ سارے ہندستان میں منتشر ہیں اور اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہر جگہ کام آسکتی ہے۔ یہ سننے کے بعد انھوں نے کہا میں نے بارہا اپنی تقریروں میں ان باتوں پر زور دیا ہے اور مجھے آپ سے بالکل اتفاق ہے۔ آپ مجھے یہ سب باتیں لکھ کر بھیجیے۔

میں نے ایک خط میں یہ باتیں لکھ کر بھیجیں اور اس کے ساتھ اردو کی نسبت بعض یورپین علما کی رائیں بھی شامل کر دیں۔ اس کے جواب میں سر ہنری نے بہت اچھا خط لکھا اور اس میں اردو زبان کی خوبی اور شیرینی کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہ خط و کتابت چھاپ دی جائے اور اس کی کچھ نقلیں انہیں بھیج دی جائیں۔ میں نے چھاپ کر کوئی دو سو نقلیں انھیں

Marfat.com

بھیج دیں جو انھوں نے اینگلو انڈین اور یورپین اسکولوں کے پرنسپلوں اور اینگلو انڈین اور یورپین کلبوں کے سکریٹریوں وغیرہ میں تقسیم کیں۔

اس کے کچھ دنوں بعد ان کی تعلیم گاہوں کے ہیڈ ماسٹروں اور پرنسپلوں اور ان کے ایجوکیشن بورڈ کے ممبروں کا ایک جلسہ الہ آباد میں ہوا جس کی صدارت یو پی کے ڈائرکٹر تعلیم نے کی کئی دن کے بحث مباحثے کی بعد یہ قرارداد منظور ہوئی کہ اپنے مدارس میں اردو زبان کی تعلیم لازمی طور پر جاری کریں گے اور اردو کے سوا کسی دوسری ہندوستانی زبان کو نہیں پڑھائیں گے۔ اور ہندی ہرگز نہیں پڑھائیں گے۔

اس کے بعد اینگلو انڈین اور یورپین ایجوکیشن بورڈ نے مجھے اپنی لینگوایج کمیٹی کا ممبر بنایا۔ اس کا ایک جلسہ دلی میں ہوا۔ اس میں ایک بحث یہ تھی کہ اینگلو انڈین اور یورپین بچوں کو اردو کب شروع کرائی جائے۔ سب نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ ہم اردو پہلے ہی سال سے شروع کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا پہلے ہی سال دو زبانیں ایک ساتھ شروع نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ اصولاً درست نہیں۔ لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ جس وقت ہمارے بچے اے بی سی شروع کریں اسی وقت وہ الف بے تے بھی پڑھیں۔ بڑی مشکل سے وہ اس بات پر رضامند ہوئے کہ پہلے چھے ماہ انھیں زبانی اور نقشوں اور سیاہ تختوں کی مدد سے زبان سکھائی جائے اور کوئی کتاب پڑھنے کو نہ دی جائے چھے مہینے کے بعد پرائمری یعنی اردو قاعدہ پڑھنے کو دیا جائے۔ یہ غور کرنے کی بات ہے کہ اینگلو انڈین اور یورپین تو اپنے بچوں کو اردو پہلے ہی سال سے پڑھانا چاہتے ہیں مگر ہمارے بعض علاقے کے بزرگ تیسرے

Marfat.com

چوتھے سال میں بھی اُردو پڑھانے پر آمادہ نہیں۔

میں نے بنگال کا بھی کئی بار دورہ کیا۔ کلکتہ میں انجمن کی شاخ قائم کی لیکن یہ شاخ کبھی سر سبز نہ ہونے پائی۔ مولوی فضل حق اور جناب خواجہ ناظم الدین صاحب کی وزارتوں میں بھی حاضر ہوا۔ اور دونوں حضرات سے اس بارے میں گفتگو ہوئی۔ لیکن ان ملاقاتوں اور گفتگوؤں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ میں ان کی مشکلات کو سمجھتا تھا وہ اس وقت کے حالات اور اپنے منصب کی نزاکت کی وجہ سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے کسی طبقے یا فرقے کو شکایت کا موقع ملے۔ میں بھی یہ نہیں چاہتا تھا اور میری ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ وہ نصاب تعلیم میں کوئی ایسا تغیر و تبدل کریں۔ بات یہ ہے کہ بنگال میں ہزاروں کی تعداد میں مکاتب تھے (اور اب بھی ہیں) جن میں مسلمان بچے تعلیم پاتے تھے۔ ان کے نصاب میں اُردو بھی داخل تھی اور نظام اوقات میں اُردو کے لئے بھی وقت مقرر تھا مگر پڑھائی نہیں جاتی تھی۔ میری درخواست یہ تھی کہ پڑھائی کا انتظام کر دیا جائے۔ ان کا عذر یہ تھا کہ پڑھانے کے لئے استاد نہیں ملتے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کلکتہ ہی میں ایک اسکول قائم کر دوں گا جس میں آپ ہی کے استادوں کو اُردو پڑھانے کے لئے تیار کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں تو گورمنٹ کی سُبکی ہوگی۔ ہم خود ہی اس کا انتظام کریں۔ اس کا میں کیا جواب دے سکتا تھا۔ اور اس وعدے کا جو انجام ہونے والا تھا اسے بھی میں جانتا تھا۔

میں نے اس کے جواب میں یہ کیا کہ دلّی کے عربی مدارس میں

Marfat.com

جتنے بنگالی طالب علم تھے اُن سب کو جمع کیا۔ ان کی تعداد ایک سو پچاس سے کم نہ تھی۔ ان سے میں نے کہا کہ آپ کئی کئی سال تک ان مدارس میں تعلیم پاتے ہیں۔ آپس میں ملتے جلتے ہیں اور دِلّی والوں سے میل جول نہیں رکھتے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ یہاں کے قیام سے آپ کو فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اور کچھ نہیں تو یہاں کی زبان اچھی طرح سیکھ لی جائے۔ اور یہ بہت آسان ہے۔ انھوں نے کہا ہمارے نصاب میں اُردو داخل نہیں اس لئے اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا۔ اگر ہم اُردو پڑھانے کا انتظام کریں تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ انھوں نے کہا بڑی خوشی سے، چناں چہ اس کے بعد ہی میں نے مسجد فتح پوری میں دو کمرے کرایہ لے کر شب کو ان کے پڑھانے کا انتظام کر دیا۔ چند ہی مہینے میں وہ بہت اچھی اُردو پڑھنے لکھنے لگے۔ اسی زمانے میں ڈھاکہ سے حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم دِلّی تشریف لاتے۔ ایک شب میں ان کو ان طالب علموں سے ملانے لے گیا۔ حکیم صاحب نے جب ان کی تقریریں سنیں اور مضامین دیکھے تو بڑی حیرت ہوئی۔ بعض قابل طالب علموں کو انھوں نے انعام تقسیم کئے۔ میں نے استاد تو تیار کر دیئے مگر ان کا تقرر میرے ہاتھ میں نہ تھا۔ یہ تھا مختصر کیفیت اشاعت کی ہے۔

تیسرا مقصد انجمن کا اُردو زبان و ادب کو وسیع اور پُرمایہ بنانا تھا اس میں بھی انجمن کا کارنامہ بہت قابلِ ستائش ہے۔ تقریباً ۲۵۰ کتابیں شائع کیں۔ جن میں ادب، تاریخ، فلسفہ، سائنس، لغات، اصطلاحات۔ صناعت۔ تعلیم۔ سوانح۔ معلوماتِ عامہ، معاشیات

Marfat.com

صرف و نحو، سیاسیات، تنقید وغیرہ کی اعلا پایہ کی تصانیف شامل ہیں اصطلاحاتِ علمیہ کی کئی جلدیں اور اصطلاحاتِ پیشہ وران آٹھ جلدوں میں شائع کیں۔ انگریزی اُردو کی جامع لغات، وضع اصطلاحات، دنیا کے ادبیاتِ عالیہ کے ترجمے شائع کئے۔ اُردو شعراء کے قدیم تذکرے جن کے نام صرف کتابوں میں نظر آتے ہیں تلاش کر کے شائع کئے۔ اُردو کے قدیم مخطوطات کئی ہزار کی تعداد میں بڑی جستجو سے جمع کئے۔ اور ان میں سے بعض طبع کئے اور ان پر مضامین لکھے۔ ان سے اُردو کی تاریخ کی کایا بدل گئی۔ پندرہ روزہ "ہماری زبان"، "اُردو" سہ ماہی، "سائنس" ماہانہ اور "معاشیات" کے رسالے شائع کئے جو اپنی نوعیت کے خاص رسالے تھے۔ اُردو کے قدیم مخطوطات اور مطبوعات کا کتب خانہ قائم کیا۔

یہ سب کچھ کیا، لیکن سنہ ۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات میں اس سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا۔ اس زمانے میں جن وحشیانہ حرکات اور بربریت کا ظہور ہوا انھیں دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بیچارہ خواہ مخواہ بدنام ہے وہ انسان کی قساوتِ قلبی، ظلم و جبر، غارت گری و خون ریزی کو نہیں پہنچتا۔ اس لپیٹ میں انجمن بھی آ گئی۔ اس کا تمام سامان و اسباب تباہ کر دیا گیا۔ اس کا ایک کارکن اور اس کے بال بچے قتل کر دیئے گئے۔ کتب خانے کا بیش تر حصہ جو بچ رہا تھا اس کے لانے کی اجازت نہیں ملی۔ کئی لاکھ کی مطبوعات وہیں چھوڑنی پڑیں اور نقدی سرمایہ بھی ضبط ہو گیا۔ انجمن ایک لٹے پٹے قافلہ کی طرح پاکستان پہنچی اور کراچی آ کر اطمینان کا سانس لیا۔ باوجود بے سروسامانی

Marfat.com

اور ناداری کے اور باوجود طرح طرح کی مشکلات کے ہم ہمت نہیں ہارے اور کچھ دنوں کے بعد انجمن نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنے رسالے پھر دوبارہ نکالے۔ پندرہ روزہ قومی زبان، ماہانہ معاشیات، "اردو" سہ ماہی اور سائنس، اور ان کے علاوہ ایک نیا سہ ماہی "تاریخ و سیاسیات" بھی اس سال سے نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ علاوہ ان کے بیس نئی اعلا پائے کی تصانیف اور چند پُرانی کتابیں شائع کیں۔ اصطلاحاتِ علمیہ کی دو نئی جلدیں فلکیات اور جغرافیہ پر طبع کیں۔ پاکستان کے مختلف مقامات پر انجمن کی نئی شاخیں قائم کیں۔ متعدد سرکاری اداروں اور محکموں کی اصطلاحات کے وضع کرنے میں کافی مدد دی۔ اور یہ کام روز بہ روز بڑھتا جاتا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ کسی محکمے یا ادارے کی طرف سے نئی اصطلاحات اور الفاظ کے ترجمے کی فرمائش نہیں ہوتی۔ انجمن کا دفتر "اردو کا پاور ہاؤس" ہو گیا ہے۔

کراچی میں خدا کے فضل سے زندگی کی آسائش کے سب سامان موجود ہیں لیکن کتابوں کی بڑی کمی ہے اور اچھے کتب خانے بھی نہیں پائے ہیں۔ ادبی اور علمی کام کرنے والوں کو بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ اس لئے انجمن نے ایک عام کتب خانہ قائم کر کے اس کمی کے پورا کرنے کی کوشش کی ہے اس میں اس وقت تخمیناً بارہ ہزار کتابیں مہیا..... ہو گئی ہیں۔ علمی تحقیقات کے لئے بھی ایک خاص کتب خانہ زیرِ ترتیب ہے جس میں کتب استناد اور مخطوطات اور علم و فن کی امہات کتب جمع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان سب کے علاوہ انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ اردو کالج کا قیام

Marfat.com

ہے۔ یہ ڈگری کالج ہے جس میں ایم۔ اے، پی ایچ ڈی تک کی تعلیم ہوتی ہے اور یونیورسٹی کے تمام مضامین کی تعلیم اردو زبان کے ذریعے دی جاتی ہے۔ اس کے الحاق میں ہمیں بڑی مشکل پیش آئی اور اس مشکل کا باعث یہ تھا کہ کالج کا ذریعۂ تعلیم اردو ہے، گویا قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا یونیورسٹی کی نظر میں ایک مجرمانہ فعل تھا۔ ایک سال کی جدوجہد اور لڑائی کے بعد الحاق کی سعادت نصیب ہوئی وہ بھی اُس وقت جب مخالف حضرات کی کمیٹی نے ٹھوک بجا کر دیکھ لیا کہ تعلیم کیسی ہے۔ اساتذہ کس قابلیت کے ہیں۔ کتب خانہ کیسا ہے، جگہ کافی ہے یا نہیں۔ کتابیں جو پڑھائی جاتی ہیں وہ یونیورسٹی کے معیار کی ہیں یا نہیں۔ فنڈ کتنا ہے۔ فیسیں وصول ہوتی ہیں یا نہیں، رجسٹر باقاعدہ ہیں یا نہیں جب کوئی رخنہ نہ ملا تو کمیٹی نے الحاق کی سفارش کی۔ اس میں بھی کئی پخیں لگا دیں۔ یعنی ایم۔ اے کی تعلیم نہ دی جائے جغرافیہ اور تجارت نہ پڑھائی جائے۔ مگر ہم نے ایم۔ اے بھی رکھا جغرافیہ بھی پڑھایا، تجارت بھی پڑھائی۔ یعنی کردم و شد۔ جب ان شعبوں کی تعلیم ہوتی ہی رہی تو یونیورسٹی کو بھی ماننا ہی پڑا۔ اس معاملے میں انجمن آنریبل مسٹر فضل الرحمن کی خاص طور پر شکر گزار ہے کہ انجمن اور کالج کی نیز اردو کی ہر تجویز کی تائید کی۔

اس وقت یہ یہاں کا سب سے بڑا کالج ہے۔ سوا سات سو طلبہ اور طالبات زیر تعلیم ہیں۔ اور تمام برصغیر پاک و ہند میں صرف یہی ایک کالج ہے جس میں اردو کو ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ بعض حضرات جنھوں نے بچپن سے آخر عمر تک انگریزی میں تعلیم پائی۔ انگریزی لکھتے

Marfat.com

پڑھتے رہے تعلیم بھی دی تو انگریزی میں صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں بلکہ ہر انگریزی حرکت کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے اور قبول کرتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی زبان اور ادب کا کبھی مطالعہ نہیں کیا بلکہ اسے نظرِ حقارت سے دیکھا وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اردو تعلیم کا ذریعہ ہو سکتی ہے ان کی رائے سے مرعوب ہو کر دوسرے اصحاب بھی جو اچھی خاصی عقلِ سلیم رکھتے ہیں ہاں میں ملا دیتے ہیں گویا ذریعۂ تعلیم صرف ایک الٰہی اور مقدس زبان انگریزی ہو سکتی ہے۔ غالب کا ایک شعر ہے ؎

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

لیکن افسوس کہ یہ حضرات دنیا بھر کی سیر کرتے ہیں مگر ان کی چشمِ تنگ کثرتِ نظارہ سے بھی وا نہیں ہوتی۔ وہ یورپ کی سیر کو جاتے ہیں۔ ملک ملک پھرتے ہیں۔ کبھی یہ بھی دیکھا کہ انگلستان کے سوا کسی اور کسی ملک میں بھی انگریزی تعلیم ہوتی ہے۔ اس پر غور نہیں کرتے، اس لئے کہ ان کی انگریزیت کو ٹھیس لگتی ہے۔ چند صدی پہلے یورپ کی بعض زبانوں میں اتنی وسعت و قدرت بھی نہیں تھی جتنی اردو زبان میں ہے اور وہ اپنی زبانوں کو علم و حکمت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ خود فرانسیسی اور انگریز یہ کہتے تھے کہ ہماری زبانوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ ان میں علمی اور حکیمانہ مضامین لکھے جائیں، یا علم و حکمت کی تعلیم دی جائے۔ آج وہی زبانیں دنیا پر چھائی ہوئی ہیں اور علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ کیا ان کے لئے اصطلاحات اور الفاظ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یا آسمان سے نازل کئے تھے۔ انہوں نے کوشش کی محنت کی اور اپنی زبان کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ ہماری زبان نے ہم سے کبھی بے وفائی

Marfat.com

نہیں کی، اس نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا اور ہر زمانے میں حالات اور ضروریات کے مطابق ڈھل گئی۔ اگر کوئی کمی ہے تو یہ ہماری زبان کا قصور نہیں۔ یہ ہماری نااہلی غفلت اور تساہل کا نتیجہ ہے۔

حضرات! آنکھوں کے اندھے کو انگلی پکڑ کر رستہ دکھا سکتے ہیں لیکن عقل کے اندھے کے لئے رہ نمائی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص کانا ہے اور ایک آنکھ سے دیکھتا ہے تو وہ قابلِ الزام ہے لیکن اگر کسی کی دونوں آنکھیں صحیح سالم ہیں اور وہ پھر بھی ایک آنکھ سے دیکھتا ہے تو فرمایئے اسے آپ کیا کہیں گے یہی حال ہمارے معترضین کا ہے۔ سوا سو سال پہلے دہلی کالج میں تمام قدیم و جدید علوم کی تعلیم اُردو کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ اس کے دارالترجمہ نے تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں مختلف علوم و فنون پر ترجمہ یا تالیف کر کے شایع کیں اور اصطلاحات علمیہ کے لئے اصول و قواعد بنائے۔ اگر سنہ ۵۷ کا ہنگامہ نہ ہوتا تو یہ اُردو کی پہلی یونیورسٹی ہوتی۔ تقریباً ایک صدی بعد عثمانیہ یونیورسٹی نے تیس سال تک علوم و فنون میں اعلیٰ درجے کی تعلیم دی اور سیکڑوں کتابیں تالیف و ترجمہ کر کے شایع کیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی اپنا یہ مبارک کام اس وقت تک کرتی رہی جب تک کہ بے درد غاصبوں نے اپنے نامبارک قدموں سے اسے ناپاک نہ کیا اور اردو کو مسندِ علم سے اتار کر اس کی جگہ انگریزی کو نہیں لا بٹھایا۔ انگریزی ذریعہ تعلیم بھی صرف اس وقت تک رہے گا جب تک ہندی اس کے لئے تیار نہ ہو جائے اور اس قابل نہ ہو جائے کہ ذریعہ تعلیم بن سکے کیسے غضب کی بات ہے کہ ایک ملکی زبان جو ہندو مسلمان دونوں کی شرکت سے بنی جو اپنی قابلیت اور صلاحیت کا کامل ثبوت دے چکی اُسے خارج کر دیا اور نئی ہندی جو ابھی بنی نہیں اس کا انتظار کیا جا رہا ہے، ٹنڈن جی نے حیدرآباد پہنچ کر اپنی پبلک تقریر میں فرمایا کہ عثمانیہ یونیورسٹی

Marfat.com

کی تمام کتابوں اور کارناموں کو موسیٰ ندی میں بہا دو ایک ٹنڈن کیا اگر ہزار ہزار ٹنڈن بھی ہوں تو عثمانیہ یونی ورسٹی کے کارنامے کو نہیں مٹا سکتے۔ وہ زندہ رہیں گے اور ہم انھیں زندہ رکھیں گے ظالم بے درد غاصبوں نے ہماری تہذیب و روایات ہماری قومی زبان اور یونی ورسٹی کو خاک میں ملایا لیکن ہم یہیں سے اسی خاک سے اپنی قومی زبان کا علم اور اُردو یونی ورسٹی کے مینار بلند کریں گے جو عثمانیہ یونی ورسٹی کی سچی اور بہتر جانشین ہوگی۔

حضرات! انجمن نے اب تک جو کچھ کیا ہو وہ ہمارے ارادوں اور منصوبوں کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ صفر ہے۔ ہمارے بڑے بڑے منصوبے ہیں۔ ہم اُردو کو ایسا پُر مایہ وسیع اور قوی بنانا چاہتے ہیں کہ دنیا کی مُہذب اور علمی زبانوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکے اور بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل کر سکے ہم ہیں انسائیکلوپیڈیا ئیں مختلف اقسام لغات، اصطلاحاتِ علمیہ اور دفتری اور کاروباری اور قانونی زبان کی فرہنگیں اور لغتیں، اُردو زبان و ادب کی جامع تاریخ، اردو زبان کی مستند اور جامع لغات ایسی قدیم کتابوں کو مرتب و شائع کرنا جو ہمارے ادب کے لئے وجہ امتیاز ہیں۔ دنیا کی بہترین کتابوں کے ترجمے۔ مکمل اسلامی تاریخ اور بھارت پاک کے اسلامی عہد کی صحیح اور کامل تاریخ، سائنس اور دیگر علوم و فنون کے ہر شعبے میں کتابوں کے ترجمے یا نئی تالیفات کا انتظام، اردو یونی ورسٹی اور اردو اکیڈمی کا قیام جہاں تک جلد ممکن ہو، اُردو کالج میں سائینس کی تعلیم کا مکمل انتظام غرض یہ ایک وسیع اور طولانی اور صبر آزما منصوبہ ہے۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ کام ہمارے اسلاف کر چکے ہیں۔ اور اس زمانے میں دوسروں نے کئے ہیں۔ وہ انسان ہی تو تھے۔ ہم بھی انسان ہیں۔ اگر دل پر رکھ لیں اور ہمت نہ ہاریں تو ہم بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور ضرور کر کے رہیں گے۔

Marfat.com

حضرات! اس موقع پر ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں جسے ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیئے۔ اردو نے ہر قومی تحریک اور خاص کر پاکستان کے بنانے میں بڑی مدد کی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی ابتدا ہی اردو تحریک سے شروع ہوئی ہے۔ یہ آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ تقسیم ملک کی بنیاد اس نظریئے پر تھی کہ ہندو مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ یہ نظریہ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کسی سیاسی اختلاف کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ یہ اس وقت وقوع میں آیا جب ہندوؤں کی طرف سے اردو کی مخالفت شروع ہوئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ انڈین نیشنل کانگریس کا وجود بھی نہ تھا۔ یعنی کانگریس کے قیام سے ۱۶ سال قبل سنہ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے سرکاری دفتروں اور مدارس سے اُردو کے خارج کرنے کی مہم شروع کی۔ سرسید نے اس کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ اس سے قبل وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور اس وقت تک انھوں نے جتنے کام کیے تھے وہ عام ہندوستانیوں کے تھے۔ جن میں ہندو مسلمان کی مطلق کوئی تفریق نہ تھی۔ سرسید فرماتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ چنانچہ وہ علی گڑھ کی تعلیمی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح کی کوشش کریں۔ مگر جب سے ہندوستان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشیٔ ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے مٹا دیا جائے، اس وقت سے

Marfat.com

مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان باہم متفق ہو کر ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا کام نہیں کر سکتے۔ میں نہایت درستی اور اپنے تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہوا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندو مسلم نزاع اسی مسئلے سے شروع ہوئی اور دو قومی نظریہ کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔ اس قبل ہماری زبان میں قوم کا لفظ ذات کے معنوں میں آتا تھا یعنی سید، مغل، شیخ، پٹھان کے معنوں میں۔ سر سید احمد خاں نے اس کا مفہوم بدل دیا اور پہلی بار لفظ قوم کو "نیشن" کے معنوں میں استعمال کیا، اور قومیت کا خیال پیدا کیا۔ اور یہ سب کچھ اردو کے طفیل میں ہوا ہماری ہر قومی تحریک کی اشاعت اور کامیابی اردو زبان کی زیر بار منت ہے۔ سر سید کا مشن اسی کی بدولت سرخ رو ہوا۔ خلافت کا غلغلہ اور جوش و خروش ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسی نے پیدا کیا۔ پاکستان کا پیغام گھر گھر اسی نے پہنچایا اور سارے برعظیم میں آگ سی لگا دی۔ اگر یہ تحریک کسی علاقائی زبان کے ذریعے کی جاتی تو کیا اس میں یہ غیر معمولی قوت اور گرمی اور یہ حیرت انگیز جوش پیدا ہو سکتا۔ اسی کی بدولت یہ دو قومی نظریہ وجود میں آیا اور اسی کی بدولت میں پاکستان کا پروپیگنڈا اور اس کی جدوجہد ساحل کامیابی تک پہنچی اس لیے اگر میں کہوں تو بالکل بجا ہو گا کہ قصر پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ جس نے رکھی وہ اردو زبان ہی پاکستان پر اُردو کا بہت بڑا حق اور پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اس حق کو ادا کرے۔

عثمانیہ یونی ورسٹی، اس کا دارالترجمہ، اس کا دائرۃ المعارف اس کے کالج شاہانہ فیاضی اور دریا دلی کا نتیجہ تھے۔ بادشاہوں کی فیاضیاں اُن کے من کی موج ہوتی ہیں۔ دینے پر آئے تو اتنا دیدیا کہ خزانے خالی کر دیئے اور مٹانے پر آئے تو اتنا مٹایا کہ خاک کی برابر کر دیا۔ اب بادشاہ نہیں رہے، اور دو جا

Marfat.com

جو بچے کچھے رہ گئے ہیں وہ بادشاہ کیا ہیں بادشاہی کا منہ چڑا رہے ہیں اب حکومتیں جمہوری ہیں۔ اگرچہ دنیا میں کوئی بھی صحیح معنوں میں جمہوری نہیں لیکن پھر بھی جمہور کا بڑا اثر ہے۔ آپ جو دنیا میں بے پایاں ترقی، علم و حکمت اور ایجادات و اختراعات کی فراوانی دیکھتے ہیں، اس میں بلاشبہ حکومتوں کا بھی ہاتھ ہے، لیکن حکومتوں سے زیادہ اہلِ مُلک کی حُبّ وطن اور علم پروری اور ہنر گستری کا جذبہ کارفرما ہے، ہمیں بے شک حکومت سے اعانت طلب کرنے کا حق ہے اور اسے اس کام میں پوری مدد کرنی چاہئے کیونکہ اس پر پاکستان کی بہبودی و فلاح اور اتحاد اور زندگی کا انحصار ہے لیکن حکومت سے زیادہ ہم اپنے بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر انھیں پاکستان سے محبت ہے اور اس کے استحکام اور اتحاد کو ضروری اور لازمی خیال کرتے ہیں تو اپنی قومی زبان کو بچایئے اور بڑھایئے۔ کیونکہ ہماری تہذیب اور تعلیم و تربیت اور قومی روایات کے زندہ رکھنے کا یہی ذریعہ ہے۔ قومی زبان کے معنی ہی قومیت ہیں۔ اس کی قوت میں قوم کی قوت اور اس کی زندگی میں قوم کی زندگی ہے۔ اب زیادہ سوچنے اور بحث مباحثے کا وقت نہیں، جو نصب العین ہمارے پیشِ نظر ہے اس پر فوراً عمل ہونا چاہئے۔ بہ قول ایک شاعر کے، زندگی کا ماحصل کیا ہے؟ عمل اور اس کا نقصان؟ خواب دیکھنا اور انتظار۔ حضرات! خواب دیکھنے اور انتظار کا وقت گیا اب کام کا وقت ہے۔

Marfat.com

آسان اُردو

تقریر نشرگاہ حیدرآباد دکن ۱۹۴۶ء

مرزا غالب کا شعر ہے ؎

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مرزا غالب کی مشکل پسندی مشہور ہے اور جب اس کی شکایت بہت بڑھ چلی تو انھوں نے یہ عذر کیا۔ یہ عذر تو ایک لطیفہ ہے لیکن عام شکایت کا اثر یہ ہوا کہ وہ سچ مچ آسان کہنے لگے اور آسان بھی ایسا کہ اس کا جواب نہیں اُن کی شہرت اور مقبولیت اسی آسان کلام پر ہے۔ آج مجھے بھی آسان لکھنے کی التجا کرنی پڑی ہے۔ خدا کرے اس کا نتیجہ بھی حسب مُراد نکلے۔

یہ واقعہ ہمارے لئے سبق آموز ہے۔ اس کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ اُردو کے اس نئے دور میں پھر ویسے ہی آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ ہماری زبان پر ایک اور وقت بھی ایسا ہی آیا تھا۔ اس بدعت کا آغاز لکھنؤ میں ہوا جدت پسندی کے شوق میں لکھنؤ کے شاعروں اور ادیبوں نے ایسے مشکل اور ثقیل فارسی عربی کے لفظ اپنے کلام میں شامل کرنے شروع کر دیئے تھے کہ عام فہم تو کیا خاص فہم بھی نہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُردو کے بہت سے ٹھیٹھ لفظ اور بول چال کے عام فہم محاورے عامیانہ قرار دے کر متروک کر دیے گئے۔ یہ معیار شرافت و ثقاہت سمجھا جاتا تھا۔ تحریر ہی میں نہیں، بات

Marfat.com

چیت میں بھی شان پیدا ہو گئی تھی۔ اپنی علمیت جتانے کے لئے یہ لوگ عجیب طرح کی بولی بولنے لگے تھے۔ ایک زمانے میں یہاں کی ہائی کورٹ میں لکھنؤ کے ایک صاحب علم ممبر مجلس تھے ایک دن میں یونہی ان سے ملنے گیا مزاج پوچھا تو فرمایا "صدر پر النصاب نوازل ہے" آپ سمجھ گیا کہا؟ غزل جس کی زبان سب سے فصیح اور عام فہم ہوتی ہے۔ وہ بھی اس کی زد سے نہ بچی اور اس میں بھی وہاں کے شاعروں نے ایسے ثقیل اور نامانوس عربی فارسی الفاظ لکھنے شروع کر دیئے جو کسی طرح ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں مثالیں پیش کر کے آپ کی سمع خراشی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا اثر اب بھی کچھ نہ کچھ باقی ہے۔

بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ ایک غریب آدمی حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی کے مطب میں آیا اس کے گھٹنے میں درد تھا۔ حکیم صاحب نے معائنہ کے بعد کہا "حلتبیت کا ضماد کرو" وہ بے چارا ہکا بکا ہو کر ان کا منہ دیکھنے لگا۔ اب کے حکیم صاحب نے ذرا ڈانٹ کر کہا "حلتیت کا ضماد کرو" وہ خاک نہ سمجھا اور اسی طرح سہمے انہیں دیکھتا رہا۔ اس پر حکیم صاحب نے مولوی عبدالحلیم شرر سے جو ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ یہ کیسا جاہل گنوار ہے کہ بات نہیں سمجھتا۔ خیر وہ تو ایک گنوار تھا۔ آپ معاف فرمائیں گے اگر میں اس تقریر سننے والوں سے یہ پوچھوں کہ آپ میں سے کتنے ہیں جو اس کا مطلب سمجھے۔ اگر حکیم صاحب معمولی زبان میں یہ کہہ دیتے کہ بھئی، ہینگ کا لیپ کرو" تو کیا ان کی شان میں بٹہ لگ جاتا اور ان کی حکمت و حذاقت میں فرق آ جاتا؟ مگر نہیں وہ طب کے علمی الفاظ اور اصطلاحات کو عام بول چال میں بیان کرنا اپنے فن کی اور اپنے شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اگر عام بول چال میں یہ باتیں آ گئیں تو شان کہاں رہی؟

Marfat.com

یہی حال مولویوں کا ہے۔ وہ اپنی تقریر، وعظ یا بیان میں موٹے موٹے عربی یا فارسی کے لفظ اور جملے کے جملے مزے لے لے کر بلا تکلیف کہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ سننے والوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نہیں سمجھتے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ گو نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن دل میں سب قائل ہیں کہ یہ بڑا مولوی اور بہت عالم ہے۔ مرعوب کرنے کا یہ بہت اچھا گر ہے۔

سر سید احمد خان نے جہاں اور بہت سی بدعتوں کو توڑا منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے۔ سر سید کی سادہ نویسی مشہور ہے۔ مجھے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہا کرتے تھے۔ میں اپنے خیالات ایسی زبان میں ادا کرنا چاہتا ہوں جسے گھر کی ماما اور سائیس بھی سمجھ لے۔ اور انھوں نے یہ کر دکھایا۔ سنجیدہ اور علمی مضامین بھی انھوں نے بڑی ستھری اور آسان زبان میں لکھے ہیں اور بعض وقت انھیں سادہ الفاظ اور فقروں کے صحیح استعمال نے وہ قوت اور دل کشی پیدا کر دی ہے کہ جو بڑے بڑے الفاظ اور جملوں سے ممکن نہیں۔ جس زمانے میں مولانا شبلی حیدرآباد میں مقیم تھے۔ میں ایک روز ان سے ملنے گیا، دیکھا کہ برآمدے میں ٹہل رہے ہیں، (اس زمانے میں وہ علم الکلام لکھ رہے تھے) میں نے پوچھا مولانا کس فکر میں ہیں۔ فرمایا الہام و وحی کے موضوع پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سر سید نے بھی اس پر لکھا ہے، لکھا کیا ہے مسئلہ کو پانی کر دیا ہے، میں حیران ہوں کہ کیا پیرایہ اختیار کروں۔

ہم کیوں لکھتے ہیں۔ اسی لیے تاکہ ہمارے خیالات دوسروں تک پہنچیں۔ اور لوگ ان سے مستفید ہوں تو جتنی زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ ہماری تحریر کو پڑھیں گے اسی نسبت سے اس کا فائدہ بھی زیادہ ہوگا اور

Marfat.com

یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ تحریر آسان زبان میں ہو۔ اور ایسے پیرائے میں لکھی گئی ہو کہ لوگ اسے شوق سے پڑھ سکیں۔ اگر مشکل زبان میں ہو تو اصل مقصد فوت ہو جائے گا اور اسے مقبولیت حاصل نہ ہو گی۔ اگر آپ دنیا کے ایسے ادیبوں کی فہرست بنائیں، جنھیں قبول عام حاصل ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا میں یہ عزت انھیں کو ملی ہے جنھوں نے اپنے خیالات آسان اور شگفتہ زبان میں ادا کئے ہیں۔

ہم آسان کیوں نہیں لکھتے؟ اور مشکل کیوں لکھتے ہیں!

آسان اس لئے نہیں لکھتے کہ آسان لکھنا آسان نہیں، بہت مشکل ہے، اول تو لکھنے والے کو زبان پر پوری قدرت ہو دوسرے جس خیال کو وہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ہمارے ذہن میں اس قدر صاف اور روشن ہو اور اس کا ہر پہلو اس قدر رچا ہوا ہو کہ جب ہم لکھنے بیٹھیں تو صفحۂ کاغذ پر موتی کی طرح ڈھلکتا نظر آئے۔

جب خیال خود ہمارے ذہن میں سلجھا ہوا نہیں ہوتا تو بیان بھی مبہم اور تاریک ہوتا ہے۔ اور اس وقت مشکل الفاظ اور پیچیدہ طرز بیان کی آڑ لینی پڑتی ہے اس میں لفظ کے صحیح استعمال کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر ادیب کو یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ کون سا لفظ کب اور کہاں استعمال کیا جائے۔ لفظ میں بڑی قوت ہے۔ صحیح لفظ صحیح مقام پر جادو کا اثر کرتا ہے بعض وقت اچھے اچھے ادیبوں کو لکھتے وقت صحیح لفظ نہ ملنے پر بڑی الجھن ہوتی ہے۔ ایک لفظ آتا ہے وہ اسے رد کر دیتا ہے۔ دوسرا آتا ہے اسے بھی ہٹا دیتا ہے۔ تیسرا آتا ہے وہ بھی پسند نہیں آتا ہے۔ آخر اسی رد و بدل میں جب اسے صحیح لفظ مل جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے گھٹائیں سے چاند نکل آیا۔

Marfat.com

جو اس گُر سے واقف نہیں، اور صحیح لفظ کی قوت کو نہیں جانتے وہ اپنا مطلب اینچ پینچ اور ہیر پھیر سے کئی کئی جملوں میں ادا کرتے ہیں پھر بھی اس میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو صحیح لفظ صحیح مقام پر اپنی جادو بیانی سے پیدا کرتا ہے۔

ایک یہ بات بھی دماغوں میں سمائی ہوئی ہے کہ بڑے اور پرشکوہ لفظوں میں زیادہ قوت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خاص خاص موقعوں پر ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ شان وشوکت اور عظمت دکھانے کے لیے پُرشکوہ اور بڑے لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے یا کبھی کبھی رعب ڈالنے اور مشیخت جتانے کے لئے بھی۔ لیکن اثر اور دل نشینی کے لئے آسان اور چھوٹے لفظ ہی کام آتے ہیں۔ بعض اوقات آسان اور چھوٹے لفظوں میں ایٹم بم کی سی قوت ہوتی ہے۔

ایک بار مولانا حالی کے پاس ایسی تقریر آئی جس میں بہت سے مشکل اور ادق دقیق لفظ تھے اور عبارت بھی پیچیدہ تھی۔ فرمانے لگے کہ لوگ جیسے بولتے ہیں ویسے کیوں نہیں لکھتے، میں نے کہا کہ بولنے میں زبان کے سوا آدمی چشم ابرو اور ہاتھ کے اشارے اور چہرے کے تیور سے بھی کام لیتا ہے۔ لکھنے میں یہ میسّر نہیں، اس لئے دقیق الفاظ اور پیچیدہ عبارت سے اس کمی کو پورا کرسکتا ہے۔ لیکن اگر زبان پر قدرت ہو اور لفظ کا صحیح استعمال معلوم ہو تو وہ گفتگو سے زیادہ تحریر میں حسن پیدا کرسکتا ہے۔

مشکل پسندی کا ایک دور لکھنؤ کا تھا جس کا میں اشارتاً ذکر کرچکا ہوں۔ دوسرا دور اس وقت آیا، جب مولانا ابوالکلام آزاد کا "الہلال" اُفقِ صحافت پر نمودار ہوا۔ اور اس کے بعد انھوں نے "البلاغ" جاری فرمایا۔

Marfat.com

حضرت نے صحافت کا رنگ ہی بدل دیا۔ بدل گیا دیا بگاڑ دیا۔ قیمت یا چندے کے لئے "بدل اشتراک" ایڈیٹر کے لئے "مدیر مسئول" اور اسی قسم کے ناہموار اور غیر ضروری ترکیبیں رائج فرمائیں۔ انتہا یہ ہے کہ اپنے اسم شریف کو بھی عربی لباس پہنا دیا۔ یعنی "احمد الگنی بر ابی الکلام الدہلوی" لاحول ولاقوۃ یہ اُردو ہے یا اُردو دشمنی۔ اسے زیادہ سے زیادہ اُردو نما عربی یا عربی نما اُردو کہہ سکتے ہیں۔ نقالی یا تنقید انسان کی فطرت میں ہے، بعض اخبار والے اور دوسرے لکھنے والے اس رنگ کو لے اڑے اور عجیب و غریب واہی تباہی الفاظ اور ترکیبیں لکھنی شروع کر دیں۔ ایک دن ان کے مقلد اخبار کے ایڈیٹر نے اپنا ایک مقالہ اس طرح شروع کیا۔

"بعد از انقضائے دہور و مرور ایام و شہور" اس قسم کی تحریر دل کو پڑھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔ لیکن یہ بہروپیا پن زیادہ دیر تک نہ رہا۔ یہ چیز چلنے والی نہ تھی نہ چلی۔ اور خدا کا شکر ہے نہ چلی۔

اب حال میں مشکل پسندی کے تیسرے دور کا آغاز حیدرآباد میں ہوا ہے۔ یہ اثر غالباً کچھ تو یہاں کی دفتری زبان کا ہے۔ اور کچھ جامعۂ عثمانیہ کی تعلیم کا۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن جو کتابیں یہاں کی تعلیم کے لئے ترجمہ کی گئی ہیں اور جو علمی اصطلاحات اس غرض کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ انھوں نے انداز تحریر کو مشکل کر دیا ہے۔ تحریر تو تحریر بعض اوقات یہاں کے تعلیم یافتہ اصطلاحوں میں باتیں کرنے لگتے ہیں اس کا اثر یہاں کے اخباروں پر بھی پڑا ہے۔ مجھ سے اکثر احباب نے شکایت کی کہ جامعہ کے ترجمے سمجھ میں نہیں آتے۔ سر تیج بہادر سپرو نے بھی اپنے خطبۂ تقسیم اسناد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی

Marfat.com

شکایت تو ایک طرف خود متعلّم اور معلم بھی اکثر سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ بعض اوقات مترجم صاحب بھی نہیں سمجھتے کہ انھوں نے کیا لکھا ہے۔ ترجمہ نہایت ضروری اور کام کی چیز ہے۔ بشرطیکہ اچھا ہو۔ ہر زبان کے محاورے جملوں کی ساخت اور بیان کے پیرائے الگ ہوتے ہیں۔ ترجمے کا کمال یہ ہے کہ مصنف کے مفہوم کو اپنی زبان اور محاورے میں اس طرح ڈھال کر ادا کیا جائے کہ کنجلک پیدا نہ ہو۔ اصل خیال کی قوت میں فرق نہ آئے۔ اور یہ معلوم ہو کہ کتاب ہماری ہی زبان میں لکھی گئی تھی۔ یہ بات ترجموں میں مفقود ہے۔ اچھے ترجمے ادب کا جزو بن جاتے ہیں۔ اور انھیں اصل تصنیف کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بُرے ترجمے زبان و ادب اور پڑھنے والوں کے دماغ اور ان کے طرزِ تحریر پر بہت مضر اثر ڈالتے ہیں۔

علم و فن کے لئے اصطلاح ضروری ہے

لیکن اصطلاحوں کی بھرمار ضروری نہیں۔ اصطلاح کے لئے ضروری نہیں کہ ادق اور مغلق ہو۔ اب زمانہ عام تعلیم کا ہے اس لئے اصطلاحیں ایسی بنانی پڑیں گی جو قریب الفہم ہوں۔ دارالترجمہ کی اصطلاحیں نظر ثانی کی محتاج ہیں بعض بلاشبہ بہت اچھی ہیں اور وہ مقبول بھی ہوتیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سی ایسی ہیں کہ جو نہ زبان پر چڑھتی ہیں نہ سمجھ میں آتی ہیں۔ اور نہ استعمال کی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجز چند مستثنیات کے علم و فن کی جو کتابیں یہاں لکھی گئی ہیں ان میں اصطلاحات غیر مانوس اور مشکل الفاظ کی کثرت اور عبارت اکھڑی اور پیچیدہ ہے اور ترجمے کی ساری شان موجود ہے۔ عام پڑھنے والوں کے لئے سلیس زبان میں وہی لکھ سکتے ہیں

Marfat.com

جو اپنے فن کے پورے ماہر اور زبان پر کافی قدرت رکھتے ہیں۔

آپ کو شاید معلوم ہو کہ نہ ہو کہ اردو پر جو سب سے بڑی آفت آئی اور جس کا خمیازہ ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔ وہ اسی مشکل پسندی کی وجہ سے ہی ہے۔

بہار جب احاطۂ بنگال میں شامل تھا مظفر پور میں سنٹرل کالج کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے احاطۂ بنگال کے لفٹننٹ گورنر مسٹر جی، بی کیمبل کو مدعو کیا گیا۔ ۷ نومبر ۱۸۷۱ء کو انھوں نے مظفر پور پہنچ کر سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر فیلن نے انگریزی میں اور سید امداد علی نے اردو میں تقریر کی آپ جانتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جو تقریر کی جاتی ہے، اور سپاس نامے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں پرشکوہ عربی فارسی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں سید صاحب کی تقریر سن کر لفٹنٹ گورنر نے کہا کہ ــــــ "میں مشکل سے یہ فرق کر سکا کہ ان کی تقریر اُردو زبان میں تھی یا فارسی میں" اس ضمن میں یہ بھی کہا کہ اُردو دیسی زبان نہیں اور تعلیم عامہ میں اسے رواج نہیں دیا جا سکتا۔ واپس جانے کے بعد چند ہی روز بعد اس نے ایک عجیب وغریب سرکاری یادداشت شائع کی جس میں اُردو کے خلاف خوب زہر اُگلا۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ پچھلے دنوں جب مجھے بہار جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ دو غلی زبان پھل پھول رہی ہے۔ اور ہمارے قوانین میں اس کے الفاظ استعمال ہو رہے ہیں اور مدرسوں میں بھی اس کی تعلیم کا انتظام ہے۔ بہار میں جو زبان میں نے سنی وہ نہایت خراب مصنوعی تھی ایسی مصنوعی زبان میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی، مجھے تعجب ہوا کہ اس قسم کی زبان کو ہمارے مدارس میں دیسی زبان کہا جاتا ہے۔ مولوی لوگ

Marfat.com

جو زبان ہمارے مدارس میں سکھاتے ہیں وہ زبان کہلانے کی مستحق نہیں۔ اس زبان کے لئے اُردو کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو نہایت غیر موزوں ہے۔ کتابوں میں اس زبان کے متعلق کوئی کچھ لکھے، لیکن درحقیقت یہ اُردو زبان اہل دربار اور اہل دہلی کی طوائفوں کی زبان ہے۔ میں نے پورا ارادہ کرلیا ہے کہ جہاں تک میرا بس چلے گا مدارس میں اس زبان کی تعلیم کو روکنے کی کوشش کروں گا۔"

"ڈائرکٹر تعلیمات۔ انسپکٹران مدارس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ دیکھیں کہ ہمارے مدارس میں کوئی کتاب اس زبان کی نہ پڑھائی جائے"۔ ہائی کورٹ کو بھی توجہ دلائی کہ وہ اس زبان کے لفظ استعمال نہ کریں۔

میں اس موقع پر اس جاہلانہ اور تعصب آمیز تحریر کی تنقید کی ضرورت نہیں سمجھتا، لیکن یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت سے جو اُردو کی مخالفت شروع ہوئی تو آج تک اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہ یادداشت ہمارے لئے بہت سبق آموز ہے اگر ہمیں اپنی زبان عزیز ہے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی تحریروں اور کتابوں میں جو خاص کر ان تحریروں اور کتابوں میں جو عام لوگوں کے لئے شائع کی جاتی ہیں، غیر ضروری مشکل اور مغلق الفاظ اور ترکیبوں سے پرہیز کریں اور جہاں تک ہو سکے سادہ اور آسان زبان لکھیں۔ اس سے ایک تو علم کی عام اشاعت ہوگی دوسرے ہماری زبان کی اشاعت اور قبولیت دور دور تک ہو جائے گی جس کا کلام جس قدر سادہ الفاظ میں ہوگا اسی قدر زیادہ انسانوں تک پہنچے گا۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن   مصلحت بیں و کار آساں کن

Marfat.com

ملک کے نئے دور میں اُردو کا مقام

تقریر نشرگاہ اورنگ آباد دکن ۱۹۴۷ء

حیوانات میں بولنے اور بات چیت کرنے، زبان کو سمجھنے اور استعمال کی صلاحیت صرف انسان کو عطا کی گئی ہے۔ زبان کی نشو نما اور اس کی ترقی انسان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ زبان کو انسانی تہذیب اور قومی قوام بنانے میں بہت بڑا دخل ہے۔ کم لوگ ہیں جو اس کی اصل قدر و قیمت اور دور رس اثرات کو کما حقہ سمجھتے ہیں اور جو سمجھتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ سمجھتے ہیں اسے عمل میں لاکر زبان کو اس درجے تک پہنچائیں جس کی مستحق ہے۔ ادب کی ترقی بہت قابل قدر ہے۔ لیکن زبان کو تہذیبی اور قومی حیثیت دینا دوسری چیز ہے۔ اگر اس مسئلے کو گہری نظر سے دیکھا جائے اور اس کی تہ تک پہنچا جائے تو معلوم ہو گا کہ زبان اور قومیت جدا نہیں۔ میرے علم میں ہمارے ملک میں دو شخص ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے اس حقیقت کو واضح طور پر سمجھا اور عمل میں لانے کی کوشش کی۔ ایک سرسید احمد خان دوسرے مہاتما گاندھی۔

سرسید احمد خاں نے ملازمت ہی کے زمانے میں قومی کام کرنا شروع کر دیا دیا تھا۔ ان کا کام تعلیمی، علمی اور مجلسی تھا۔ ان کاموں میں مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہ تھی اور نہ کبھی انھیں اس کا خیال آیا۔ انھوں نے مدت سے

Marfat.com

قائم کیے۔ انجمنیں بنائیں ۔ سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ ورنیکلر یونیورسٹی کی تحریک پیش کی ۔ یہ کام سب کے لئے تھے۔ اور ان میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ لیکن جب ہندی والوں نے تعلیم گاہوں اور دفتروں سے اُردو کو خارج کرنے اور اس کی جگہ جدید ہندی اور ناگری رسم خط رائج کرنے کی کوشش کی تو سرسید کو بہت صدمہ ہوا اور انھوں ان کوششوں کے خلاف مدافعانہ کام کرنا شروع کیا۔ اس وقت پہلی بار ان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اب ہم مل کر کام نہیں کرسکتے کیوں کہ اردو کو خارج کرنا ہماری تہذیب قومیت اور روایات کو مٹانا ہے ۔ دو قوموں کا خیال کوئی نیا نہیں ۔ یہ زبان کے اختلاف سے وجود میں آیا۔ سیاسی اختلاف بہت بعد کے ہیں ۔ کاش یہ اس وقت ختم ہوجاتے لیکن آثار کچھ اور کہتے ہیں ۔

گاندھی جی دوسرے شخص ہیں جو اس گر کو خوب سمجھے۔ ان کے کام کے طریقے نرالے ہیں۔ انھوں نے ہندی کا پرچار مدراس سے شروع کیا۔ ایک تو اس لئے کہ ہندی وہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور اگر اس خطے کو رام کرلیا تو دوسرے علاقے خود بخود ہم نوا ہو جائیں گے۔ دوسرے اس لئے کہ یہ کارروائی شمالی ہندوالوں کی نظر سے اوجھل رہے گی جو ایسے معاملوں میں بحث و تکرار اور جھگڑے اور اختلاف کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں ان کی اس کارروائی کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے اپنے ایک اُمتی سے فرمایا کہ میں گجرات میں پیدا ہوا پھر انگلستان چلا گیا۔ اور وہاں سے جنوبی افریقہ جہاں ایک مدت رہا۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد جب میں پھر ہندوستان آیا تو غور کیا کہ ملک کو ایک قوم ہونے کی ضرورت ہے اور ایک قوم کے لئے ایک زبان کا ہونا لازم ہے۔ بہت سوچنے پر معلوم ہوا

Marfat.com

کہ ہندوستان کی قومی زبان ہندی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہیں نے ہندی کی تبلیغ کا بیڑا اٹھایا ؟ اگرچہ میں اس بیان کو صداقت پر مبنی نہیں سمجھتا کیوں کہ گاندھی جی نے یہ کام سے علیحدہ ہونے کے بعد شروع کیا تھا۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس مصنوعی اور فرمائشی جدید ہندی کے علاوہ بھی ایک ایسی زبان ہے جو قومی زبان کہلاتی ہے۔ قومی زبان رہ چکی ہے، اور اب بھی ہے۔ لیکن اس سے کم سے کم یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان کا اصل منشا کیا تھا۔ وہ اس مسئلے کی تہ تک پہنچ گئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قومیت کے بنانے میں زبان کا کیا درجہ ہے۔ ایک مدّت کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ دو قومیں اب شدّت سے الگ الگ ہوگئیں۔

اُردو پر کئی نازک دَور گزر چکے ہیں۔ اب اس نئے عہد میں پہلے سے بھی سخت وقت آیا ہے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہونا تھا کہ انگریز حکومت سے دست بردار ہو کر ہندوستان چلے جائیں گے۔ اور حکومت اہل ہند کے تفویض کر دیں گے کہ اردو پہ ہر طرف سے جہاد ہونا شروع ہو گیا۔ حالاں کہ حکومت ملنے میں ابھی بہت دیر تھی اور یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس قدر جلد مل جائے گی۔ سب سے اوّل پہل کی عزت صوبہ متوسط (سی، پی) کو حاصل ہوئی۔ وہاں کے وزیر اعظم نے صاف صاف کہدیا کہ اس صوبے کی زبان ہندی ہوگی۔ مدارس اور کالجوں میں ذریعہ تعلیم ہندی ہوگا۔ دفتروں اور عدالتوں میں بھی ہندی رہے گی۔ خانگی مدارس جو اس کی تعمیل نہیں کریں گے ان کو امداد نہیں دی جائے گی اس کے علاوہ اور بھی کچھ ارشاد ہوا مگر اس کا تعلق ہماری (اس

Marfat.com

بحث سے نہیں۔ اس کے بعد یوپی نے بھی یہی راگ الاپا اس کا اثر میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں پر بھی پڑا۔ اور انتہا یہ ہے کہ کانگریس پارٹی نے اپنے جلسے میں کثرتِ رائے سے یہ قرارداد منظور کر دی کہ اس ملک کی زبان ہندی بخط ناگری ہوگی۔ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہندوستان کی کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں پیش ہوگا۔ بالفرض محال وہاں اس سے موافقت نہ بھی کی گئی تو بھی صوبوں کے اختیار اس قدر وسیع ہیں کہ وہ اس کے پابند نہیں ہو سکتے۔ کانگریس کے آئین میں درج ہے کہ ملک کی زبان ہندستانی ہوگی، مگر اس پر بھی کانگریس پارٹی کے ارکان نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔ کانگریس کا یہ دعویٰ اور وعدہ کیا ہوا کہ وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرے گی۔ اور ان کی کلچر اور زبان کی حفاظت کرے گی۔ حیرت یہ ہے کہ ان مقامات میں جہاں ہندو مسلمانوں نے مل کر اس زبان کی بنیاد ڈالی اور اس کی ترقی و اشاعت میں برابر کوشش کی۔ اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو تو اس پر مہر ثبت کر چکا جس کے یہ معنے ہیں کہ اُردو دلی اور لکھنؤ کی بھی زبان نہیں۔ جب پہلے سی پی کے وزیر اعظم اور ناگپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے یہ اعلان کیا کہ مدارس اور یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم ہندی ہوگا تو میں نے گاندھی جی کو لکھا کہ آپ جو ہندوستانی کو ملک کی زبان بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشش بھی کر رہے ہیں تو ان صاحبوں کو کیوں یہ ہدایت نہیں کرتے کہ وہ ہندستانی کو ذریعہ تعلیم بنائیں اور طلبہ کو یہ حق ہو کہ وہ امتحانی سوالات کے جوابات ناگری رسم خط میں لکھیں خواہ اُردو خط میں۔ کیوں کہ جب تک مدرسوں اور کالجوں میں ہندستانی ذریعہ تعلیم نہ ہوگی یہ ملک کی زبان نہ ہو سکے گی۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ جو نہ سمجھنا چاہے اسے کون سمجھا سکتا ہے۔

ان حالات میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ان صوبوں میں اردو کے تحفظ کے لئے

Marfat.com

کیا صورت اختیار کی جائے۔ کانگریسی حکومتوں میں صوبہ مدراس نے سب سے زیادہ معقولیت کا ثبوت دیا ہے۔ اہل مدراس زیادہ مصلحت شناس ہوتے ہیں۔ اور وقت کے اقتضا کو سمجھتے ہیں۔ وہاں کے سررشتہ تعلیم اور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے اعلان کر دیا ہے کہ ذریعہ تعلیم مادری زبان ہوگا اور اُردو کو بھی اس صوبے کی زبانوں میں تسلیم کیا ہے چنانچہ سررشتہ تعلیم کی ایک کمیٹی نے اُردو میں اصطلاحات بھی وضع کی ہیں جو اُردو کی درسی کتابوں میں استعمال کی جائیں گی۔ صوبہ بمبئی سے بھی ہمیں یہ توقع ہے کہ وہ کوئی ایسا نازیبا قدم نہیں اٹھائیگی جو تعصب پر مبنی ہو۔ وہاں کے وزیر اعظم اور بعض وزیر اس معاملہ میں بہت معقول پسند ہیں۔

دوسرے کانگریسی صوبوں میں اُردو کے تحفظ کے لئے ہماری سب سے پہلی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ مدراس کی طرح اپنے صوبوں میں بھی ذریعہ تعلیم مادری زبان قرار دیں۔ یہ بالکل منصفانہ تحریک ہے۔ ہمیں ہندی سے بیر نہیں لیکن ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ اُردو کو اس کے وطن سے دیس نکالا دیا جائے۔ اردو صرف مسلمانوں ہی کی زبان نہیں بلکہ بہت سے ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں، پارسیوں کی بھی زبان ہے اور اگر بہ فرضِ محال اسے مسلمان ہی کی زبان مان لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جو اب بھی ہندستان کے علاقوں میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اپنی زبان سے محروم کر دیئے جائیں۔ یہ جھگڑا زیادہ تر سی پی، یوپی اور بہار میں ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ان حکومتوں کی طرف سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ تعلیم کا ذریعہ مادری زبان ہوگی، ان صوبوں میں عام زبانیں دو ہیں، اُردو یا کوئی ہندی۔ اگر یہ حکومتیں اس پر آمادہ نہ ہوں تو پھر اردو کے تحفظ کے لئے اُردو والوں

Marfat.com

کو مناسب تدبیریں اختیار کرنی پڑیں گی۔ ہم کسی حال میں بھی اردو کو مخالفوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ان میں سے ہر صوبے کے حالات مختلف ہیں پہلے ان سے پوری واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ اور جب تمام معلومات حاصل ہو جائیں تو ان صوبوں کے نمائندوں کو یکجا کر کے کانفرنس کی جائے گی اور باہمی مشورے سے جو تدبیر مناسب اور کارگر ہوں ان پر عمل کیا جائے گا۔ ہم کو کچھ دن اور حالات کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مگر اپنے کام سے غافل نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد جیسا موقع ہوگا وقت پر اسی کے مطابق پوری ہمت کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کریں گے۔

اب رہے پاکستانی علاقے۔ ان میں غالباً زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی، اس میں مغربی پنجاب کا صوبہ ایسا ہے جس کی زبان تعلیمی اور دفتری اب بھی اُردو ہے، اور آئندہ بھی اُردو رہے گی۔ البتہ زیادہ توسیع اور استحکام دینے کی ضرورت ہوگی۔ اس معاملہ میں اہلِ پنجاب کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ انھوں نے قومی زبان کو مادری زبان پر ترجیح دی اور اس میں ایسی اچھی استعداد اور قابلیت پیدا کی جو قابلِ رشک ہے اس وقت جتنے اُردو اخبار، رسالے اور کتابیں پنجاب سے شائع ہوتی ہیں کسی دوسرے علاقے سے نہیں ہوتیں۔ اُردو اب پنجاب کی زبان ہو گئی ہے، وہ بلاشبہ قائم رہے گی اور سب سے زیادہ ترقی کرے گی۔

سندھ، سرحد اور بلوچستان میں بھی اُردو کی ترویج میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہ ہوگا۔ سرحد کا علاقہ پہلے صوبہ پنجاب سے ملحق تھا اور وہاں کے مدرسوں میں اردو کی وہی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جو پنجاب میں رائج تھیں۔ اب بھی اردو وہاں کے مدرسوں میں بطور ثانوی زبان کے پڑھائی جاتی ہے، بلوچستان کا

Marfat.com

بھی تقریباً یہی حال ہے۔ سندھ میں اب اُردو کا خوب رواج ہو رہا ہے۔ پرائمری اور پوسٹ پرائمری مدارس میں لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ یونی ورسٹی کے قیام کے بعد اسے فروغ ہوگا۔ جامعہ عثمانیہ کی مثال اِن کے سامنے موجود ہے۔ اس نے رستہ صاف کر دیا ہے اور اعلا تعلیم کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ البتہ مشرقی بنگال میں خاص طور پر جدوجہد اور کوشش کی ضرورت ہوگی۔ ڈھاکہ میں جو اس کا دارالحکومت ہے اُردو عام طور پر بولی سمجھی جاتی ہے اور ایک زمانے میں یہ شہر بھی اُردو کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس کام میں ڈھاکہ یونی ورسٹی بہت کچھ مدد دے سکتی ہے۔ البتہ مغربی بنگال کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ یہاں کلکتہ اور مرشدآباد تو دو شہر ایسے ہیں جہاں اُردو کا رواج ہے۔ باقی خطے میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اس صوبے کے لئے خاص انتظام کرنا پڑے گا۔ جو وہاں کے باخبر اور صاحب رائے اصحاب کے مشورے کے بعد تجویز ہوگا۔

اگر آپ دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ قوموں کو اپنی زبان کے لئے کیسی خوف ناک جنگ و جدل اور کش مکش کرنی پڑتی ہے۔ فاتحوں یا غالبوں نے ہمیشہ سب سے پہلے مفتوحوں یا مغلوبوں کی زبان کو مٹانا چاہا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ زبان کے کچل دینے سے قومیت خود بخود نابود ہو جائے گی۔ لیکن مفتوح اور مغلوب نے ہر قسم کی مصیبت ایذا تعذیب جھیلی مگر اپنی زبان نہ چھوڑی جب حکومت نے اس کا پڑھنا لکھنا بولنا ممنوع قرار دیا تو زبان کے فدائی چھپ چھپ کر دروازے بند کر کے تہ خانوں میں جا جا کے پڑھتے اور لکھتے تھے۔ باوجود ہر قسم کی آفات اور مصائب و آلام کے وہ اپنی زبان بچالے گئے۔ اور وہی زبانیں جو ایک زمانے میں مردود تھیں اب مقبول ہیں۔

ہمیں اگر اپنی قومیت، تہذیب و تمدن و روایات کو بچانا مقصود ہے تو اپنی

Marfat.com

زبان کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ مخالفتوں نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں۔ خدانخواستہ اگر اس دور میں جیسے آثار پائے جاتے ہیں اُردو کی مخالفت ہوئی تو وہ بہت شدید ہوگی، ہم اس کے لئے تیار ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہماری زبان مخالفت کی اس آگ میں سے زیادہ نکھر کر نکلے گی اور پہلے سے زیادہ عروج اور ترقی نصیب ہوگی۔

Marfat.com

حالیؒ اور انسانیت[۱]

محنت اور شوق سے علم و فضل حاصل ہو سکتا ہے۔ شاعر، ادیب، انشا پرداز بن سکتے ہیں۔ اسی طرح محنت فراست اور بعض اوقات سفارش اور جوڑ توڑ سے جاہ و ثروت، مال و دولت، نام وری اور شہرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے قوم کی سرداری اور ملک کی فرماں روائی تک دسترس ہو جاتی ہے۔ تاریخ کے اوراق الٹ جائیے آپ کو ایسے جید عالم و فاضل ادیب و شاعر، حکیم و فلسفی، بہادر سپہ سالار، نام ور فاتح اور سلاطین ملیں گے جن کے کارناموں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، لیکن ان میں کتنے تھے جن میں انسانیت بھی تھی۔

بنی آدم صدہا منزلوں اور دوروں سے گزر کر لاکھوں برس میں موجودہ رتبے کو پہنچا ہے جس پر اسے فخر ہے اور اپنے تئیں اشرف المخلوقات کہتا ہے لیکن ابھی ہزاروں برس درکار ہیں کہ وہ حقیقی معنوں میں انسان کہلا سکے، باوجود لاکھوں برس کی جدائی کے اس نے اپنے اصل اور قدیم بزرگوں اور مورثوں کو نہیں بھلایا۔ اُن کی یاد اس کے دل میں تازہ ہے اور ایسا سعادت مند ہے کہ اب بھی ان کے نقش قدم پہ چلنے میں اسے ذرا حجاب نہیں۔ چوں کہ اسے عقل و دانش بھی عطا ہوئی ہے اس لیے وہ اپنے اوصاف میں ان سے ہزار گنا برتر و اشرف ہے۔ جیلی فش اور سلوتھ سے زیادہ کاہل، لومڑی سے زیادہ مکار

۱؎ یہ مضمون "یومِ حالی" منعقدہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۵۱ء میں پڑھا گیا تھا۔

Marfat.com

شیر اور تیندوے سے زیادہ خوں خوار، سانپ سے زیادہ زہریلا اور ہوشیار ہے۔ لوگ بعض وقت حیران ہوتے ہیں کہ فلاں شخص سے جو ایسا اچھا اور مہذب ہے، ایسی نازیبا اور ناشائستہ حرکت کیسے صادر ہوئی؟ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں، انسان اضداد کا مجموعہ ہے۔ اس میں متضاد صفات پائی جاتی ہیں اور جن کو دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے وہ اس قدیم دور کی یادگار ہیں جب کہ انسان بہیمیت کی گود میں پرورش پا رہا تھا اور باوجود غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کے وہ اب تک اپنے دل و دماغ کو ان آلائشوں سے پاک نہیں کر سکا جو اس زمانے سے اس کے ساتھ لگی چلی آ رہی ہیں۔ ابھی تک وہ پورا انسان نہیں ہے۔ وہ ذی عقل جانور ہے وہ جسقدر بہیمیت اور درندگی کے خصائل کو کم کرتا جائے گا۔ اسی قدر انسانیت کی منزل سے قریب ہوتا جائے گا۔ لیکن کبھی کبھی ایسی ہستیاں، جیسے اولیا اللہ، صوفی منش بزرگ، پاک سیرت، پاک نہاد انسان اس دنیا میں آ جاتی ہیں جو اپنے اخلاق و شمائل اور اپنی بے نفسی اور اپنے عمل سے اندھیری بستی میں اُجالا کر دیتی ہیں، میں مولانا حالی کا شمار بھی انہی بزرگوں میں کرتا ہوں۔

اس پانچ صدی کی مدت میں کسی شخص نے ہماری زبان و ادب پر ایسے گراں قدر احسانات نہیں کئے جتنے مولانا حالی نے۔ وہ ہمارے جدید ادب کے امام و مجتہد ہیں۔ لیکن میرے دل میں ان کی جس بات کی زیادہ قدر ہے وہ ان کی انسانیت ہے جو بہت کم انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ نواب عماد الملک (مولوی سید حسین بلگرامی) جو اپنے علم و فضل اور ادبی ذوق کی وجہ سے بہت ممتاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ سر سید احمد خاں کی جماعت میں کوئی شخص انسانیت کے اعتبار سے حالی کے پایہ کا نہ تھا اور اس خاص

Marfat.com

بات ہیں خود سرسید احمد خان بھی انھیں نہیں پہنچتے تھے۔

لیکن انسانیت ہے کیا؟ اس کی تصریح مولانا نے فرمائی ہے۔

چیست انسانی؟ تپیدن از تب ہمسایگاں — در سموم نجد در باغ عدن پژمان شدن

خواہ دیدن خویش را از خواری ابنای جنس — در شبستان تنگ دل از محنت زنداں شدن

آتش قحطی کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت — بر فراز تخت مصر از تاب آں بریاں شدن

یہ تعریف بالکل مولانا حالی پر صادق آتی ہے۔

میں اس سے پہلے ان کے تذکرے میں اپنا چشم دید واقعہ بیان کر چکا ہوں کہ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت نظام مرحوم کی جوبلی کی تقریب میں مولانا بھی مدعو کیے گئے تھے اور قدیم نظام کلب میں مقیم تھے۔ لوگ صبح سے شام تک ان سے ملنے آتے رہتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک صاحب جو علی گڑھ کالج کے گریجویٹ اور حیدرآباد میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے مولانا سے ملنے آئے۔ ٹم ٹم پر سوار تھے۔ سائیس کی جو شامت آئی تو اس نے گاڑی دو قدم آگے جا کھڑی کی۔ یہ حضرت اس ذرا سی چوک پر آپے سے باہر ہو گئے اور ساڑ ساڑ کئی ہنٹر اس غریب کے رسید کر دیئے۔ مولانا یہ نظارہ اوپر برآمدے میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ یہ صاحب مزاج پرسی وغیرہ کر کے رخصت ہو گئے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مولانا کا چہرہ بالکل متغیر تھا وہ برآمدے میں ٹہلتے جاتے تھے اور کہتے تھے ہائے ظالم نے کیا کیا!" اس روز کھانا بھی اچھی طرح نہ کھا سکے۔ کھانے کے بعد قیلولہ کی عادت تھی وہ بھی نصیب نہ ہوا۔ فرماتے تھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہنٹر کسی نے میری پیٹھ پر مارے ہیں"۔ اس کیفیت سے جو کرب و درد مولانا کو ہوا تھا وہ شاید اس بدنصیب سائیس کو بھی نہ ہوا ہوگا۔

Marfat.com

مولوی صاحب ۱۹۱۱ء میں کچھ دنوں کے لئے بغرض علاج فرید آباد چلے آئے تھے جہاں ان کے ایک عزیز ڈاکٹر تھے قیام مولوی سید ہاشمی صاحب کی مردانہ کوٹھی میں تھا۔ اس کوٹھی کے احاطہ میں ایک بیوہ وزیرن رہتی تھی۔ ایک شب مولانا نے اس کے بچے کے رونے کی آواز سنی تو کمرے سے باہر آکر وزیرن کو آواز دی کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ اس نے کہا اسے نجا ہے اس کی تکلیف سے رو رہا ہے۔ جب کبھی وہ تکلیف سے زیادہ روتا تو باہر آ کر پوچھتے۔ غرض مولوی صاحب کو رات بھر نیند نہ آئی ڈاکٹر صاحب روز صبح کے وقت مزاج پرسی کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس روز علی الصبح مولوی صاحب باہر چبوترہ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب ڈاکٹر صاحب نظر آئے تو وہیں سے پکار کے کہا کہ پہلے وزیرن کے بچے کو دیکھ لو۔ پھر ادھر آنا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر چند کہا کہ بعد میں دیکھ لوں گا۔ مگر وہ نہ مانے بچے کے سیلا نکلی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سے بھی گھبراتے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے بچے کو دیکھ لیا تو کہا اس کے لئے دوا لے کر آئیے۔ غرض جب تک انہوں نے بچے کو اپنے سامنے دوا نہ پلوائی ڈاکٹر صاحب کا پنڈ نہ چھوڑا۔

یہ تو خیر آنکھوں دیکھے واقعات تھے ورنہ ان کے دل کی کیفیت یہی تھی کہ دوسروں کے دکھ درد کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتے تھے۔ سچ ہے ہم میں بڑا وہی ہے جو دوسروں کے لئے دکھ سہتا ہے۔ محلہ میں کوئی بیمار ہو کسی پریشانی میں مبتلا ہو گیا، یا کسی نے اپنی مصیبت کا حال خط میں لکھ بھیجا تو پریشان ہو جاتے تھے۔ خود کچھ نہ ہو سکتا تو دوسروں سے سفارش کر کے کام لیتے۔ اس میں ان کو ایسا انہماک ہو جاتا گویا یہ مصیبت انہی کے سر پر پڑی ہے بعض ایسے شخص جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے بدنام تھے اور جن کی صحبت

Marfat.com

سے لوگ بچتے تھے۔ جب کسی آفت میں پھنس جاتے اور مولوی صاحب سے رجوع کرتے تو ان کی بھی ویسے ہی خلوص سے مدد کرتے یا سفارش کی ضرورت ہوتی تو سفارش کرتے جیسے دوسروں کی اور کبھی ان میں اور دوسروں میں فرق نہ کرتے میں ایسے بعض لوگوں کو جانتا ہوں۔ وہ مولوی صاحب کی نیکی اور احسان کے معترف تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کے برتاؤ نے ان کے خیالات اور اعمال میں کچھ نہ کچھ ضرور اصلاح کی ہے۔ بُرے اتنے بُرے نہیں ہوتے اور نہ اچھے اتنے اچھے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی اپنے برتاؤ سے بعض خوددار شخصوں کو بُرا بنا دیتی ہے، جیسے پولیس بعض شریفوں کو باغی اور ڈاکو بنا دیتی ہے۔ نیک برتاؤ کرنے سے وہ بھی اچھے ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اچھوں سے بھی اچھے۔ کیوں کہ انھیں بدی کا بھی تجربہ ہوتا ہے جو نیکوں کو نہیں ہوتا۔

مولانا نے غریبوں اور مظلوموں کی ہمیشہ حمایت کی۔ جس طرح انھوں نے اپنے مسدس میں محنت اور محنت کشوں مزدوروں اور کمیروں کے کام کی عظمت و رفعت کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے ایسی کوئی چیز آپ ہماری اس وقت کے ادب میں نہ پایئے گا۔ عورتوں کی مظلومی کی حمایت میں جو دو نظمیں "مناجات بیوہ" اور "چپ کی داد" ہیں، ہمارے ادب میں ان کی نظیر نہیں، ایسی نظمیں حالی ہی لکھ سکتے تھے۔ ان کا کلام درد سے بھرا ہوا ہے اور ہر لفظ دلِ دردمند کی آواز ہے۔

دوسرا طبقہ جس سے انھیں بہت ہمدردی تھی وہ طالب علموں کا تھا۔ وہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کے بڑے حامی تھے اور سرسید احمد خان کی طرح ان کا یہ یقین تھا کہ قوم کی اصلاح و فلاح کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ اسی وجہ سے

Marfat.com

انھیں علی گڑھ کالج سے خاص تعلق تھا۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں میں شریک ہوتے۔ کانفرنسوں کے جلسوں میں ان کی پُراثر اور پُردرد نظموں سے ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ عملاً بھی تعلیم کی اشاعت میں بہت کوشش کی یہ انھی کی کوشش کا فیض تھا کہ پانی پت جیسے قصبے میں بہت بڑی تعداد اہل علم اصحاب کی پیدا ہوگئی طالبعلموں کا بڑا پاس کرتے تھے۔ خاص کر غریب طالب علموں کی مدد کرنے میں سعی فرماتے۔ حیدرآباد میں طالب علموں کی امداد کے لئے وہ مجھے، مولوی عزیز مرزا اور نواب عمادالملک کو لکھتے رہتے تھے۔ اسی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور دوسرے اداروں سے غریب طلباء کے وظائف کے لئے کوشش کرتے رہتے تھے۔

ذرا بھی کوئی اچھا کام کرتا یا کسی کی اچھی تحریر یا مضمون نظر پڑجاتا تو اس کی تعریف لکھ کر بھیجتے خاص کر مبتدیوں کی ہمت افزائی کرتے۔ مولانا محمد علی اور مولوی ظفر علی خاں کی کارگزاریوں سے خوش ہوکر ان کی مدح میں نظمیں لکھیں جب پیسہ اخبار جو ہفتہ وار تھا روزانہ ہوا تو سب سے پہلے منشی محبوب عالم کو مبارک باد کا تار بھیجا۔

وہ کبھی کسی کی دل آزاری نہ کرتے۔ اگر کسی سے کوئی لغزش ہوجاتی یا جیسا کہ نوجوانی کا تقاضہ ہے جوش میں آکر حد سے آگے نکل جاتے تو اس کے جوش و ہمت کی تعریف کرتے لیکن جو لغزش نظر آتی اس کے متعلق بڑی نرمی اور ہمدردی سے سمجھاتے۔

وہ زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔ بحث و تکرار سے بہت بچتے تھے کیونکہ اس میں تلخی آجاتی ہے۔ البتہ کسی علمی یا ادبی مسئلے پر گفتگو کرنے میں کبھی

Marfat.com

عذر نہ ہوتا۔ اس قسم کی بحث میں اگر کوئی سخت یا نا واجب بات کہہ بیٹھتا تو اس کا جواب نہ دیتے۔ یہ خاموشی بہت موثر جواب ثابت ہوتی۔ اکثر محلّے کے لوگ یا ملنے والے لوگ آجاتے اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے اور اٹھنے کا نام نہ لیتے اور وقت ضائع کرتے۔ مگر مولوی صاحب کبھی اشارے کنائے سے بھی ناگواری کا اظہار نہ کرتے

ان میں بڑا صبر قوت اور برداشت تھی۔ اس کا اندازہ ان کے نواسے عبدالولی کے برتاؤ سے ہوتا ہے جس نے ان کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ اس لڑکے پر صرع کے دورے پڑتے تھے۔ اس سے وہ بہت چڑچڑا اور بدمزاج ہو گیا تھا۔ بہت تکلیف دیتا اور لڑتا جھگڑتا۔ مولانا اس کی بہت ناز برداری کرتے۔ کیوں کہ باپ اس کا انتقال کر گیا تھا اور بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ خفا ہو کے گھر سے باہر نکل جاتا تو یہ ڈھونڈتے پھرتے بعض اوقات بہت سختی سے پیش آتا۔ ایک بار وہ ایسا بگڑا کہ مولوی صاحب کو دھکا دے کر گرا دیا۔ کہیں مولوی صاحب کے فرزند خواجہ سجّاد حسین نے دیکھ لیا وہ آکر اس پر بہت خفا ہوئے۔ اور ایک تھپڑ مار دیا مولوی صاحب کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور خواجہ سجاد حسین سے ملنا اور بات چیت ترک کر دی اور کہا جب تک یہ عبدالولی سے معافی نہ مانگے گا میں اس کی صورت نہ دیکھوں گا۔ آخر مجبور ہو کر انھیں معافی مانگنی پڑی تب جا کر مولوی صاحب کی ناراضی رفع ہوئی۔

نوکروں سے ان کا سلوک بڑی مہربانی کا تھا۔ ان سے کبھی درشتی یا بدزبانی سے پیش نہیں آتے تھے۔ اگر کبھی خفا ہوتے یا کوئی سخت لفظ زبان سے نکل جاتا تو نادم ہوتے اور معافی مانگ لیتے۔ ان کا ایک ملازم تھا

Marfat.com

بھرا پتھر۔ نیچے کے دھڑ کو فالج مار گیا تھا۔ دیوار کے سہارے چند قدم چل لیتا تھا۔ اس کے بلانے یا بات کہنے میں بہت چیخنا پڑتا تھا۔ ان اوصاف پر بدمزاج بھی تھا۔ بڑبڑاتا رہتا جو جی میں آتا کہہ بیٹھتا۔ ایک صاحب جو ایسے وقت میں حاضر تھے کہنے لگے "یہ بہت گستاخ ہے" مولوی صاحب نے فرمایا "کبھی ہم خفا ہو لیتے ہیں، کبھی یہ خفا ہو لیتا ہے، آج اس کی باری ہے"۔

وہ اپنے کلام یا اپنی تالیف تصنیف کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی ایسا موقع آپڑتا۔ اور کچھ کہنا ہی پڑتا تو بادل ناخواستہ دو ایک جملے کہہ دیتے بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ شاعر کی زبان سے اس کا کلام سنیں۔ مولوی صاحب سے بھی اکثر فرمائش ہوتی وہ ہمیشہ معذرت کر دیتے۔ ورنہ ہمارے شاعر تو ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ اگر کوئی اُن کے کلام کی تعریف کرتا تو بڑی خوبی سے ٹال دیتے، یا کوئی ایسا ذکر چھیڑ دیتے کہ کہنے والے کی توجہ دوسری طرف ہو جاتی۔ ایک صاحب نے اُن کے مسدس کی تعریف کرنی شروع کی۔ میں بھی اس وقت موجود تھا۔ مولانا نے میری طرف اشارہ کرکے کہا یہ اسے نہیں مانتے۔ وہ صاحب میری طرف متوجہ ہو گئے اور لگے مجھ سے بحث کرنے۔

ہماری تہذیب میں فروتنی اور انکسار انسانیت کا جز ہے۔ شیخی اور غرور بدتہذیبی اور بے تمیزی کی علامت نہیں زوال کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھئے، جن قوموں نے اپنی دولت و ثروت اور فتوحات پر غرور کیا اسی وقت ان کا زوال شروع ہو گیا۔ اشخاص کا بھی یہی انجام ہوتا ہے یہ جو مثل ہے غرور کا سر نیچا بالکل صحیح ہے ——— ابلیس بھی اسی غرور کی وجہ سے مارا گیا۔ مولانا حالی کی سیرت میں انکسار کا وصف خصوصیت سے پایا جاتا ہے

Marfat.com

ہم نے ہرا دنا کو اعلا کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

انکسار کی انتہا ہے کہ وہ اپنی اکثر کتابوں پر مُرتّبہ الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔ مؤلفہ یا مصنّفہ نہیں لکھتے۔ ہمارے اکثر ادیبوں اور خاص کر شاعروں میں شیخی کا عارضہ ہوتا ہے اور طرح طرح سے اپنی فضیلت اور کمال اور دوسروں کی تنقیص کا اظہار کرتے ہیں۔ تعلّی تو شاعر کے لئے جائز ہی کر دی گئی ہے۔ حالی نے بھی شعر میں کہیں کہیں تعلّی کی ہے لیکن اس میں بھی خاکساری کا پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہیں
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ

کیجے کیا حالی نہ کیجے سادگی گر اختیار
بولنا آتے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

ہم عصروں کی چشمک مشہور چلی آتی ہے۔ اگرچہ ان کے بعض ہم عصروں نے ان پر طعن و تعریض کی لیکن حالی اس کے مرتکب نہیں ہوتے، بلکہ ان کے کارناموں کی ہمیشہ تعریف کی، اور ان کی کتابوں پر ایسے اچھے تبصرے لکھے کہ ایک نقاد کو یہ لکھنا پڑا کہ تنقید پر مُروّت غالب آ گئی ہے۔ جب مولوی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن چھپ کر شائع ہوا تو مولویوں نے ان

Marfat.com

ترجمے پر بہت اعتراض کیے نکتہ چینیوں کو خوب اچھالا۔ اُسی زمانے میں چند مولویوں کا ایک وفد مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے درخواست کی کہ آپ قرآن پاک کا ترجمہ کیجیے ہم آپ کو ہر قسم کی مدد دیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ نے پہلے کبھی نہ فرمایا اب جو مولوی نذیر احمد کا ترجمہ شائع ہوا ہے تو آپ کو یہ فرمائش کی سوجھی

ان کو ایک مشہور اور بڑا شخص سمجھ کر سفارش کرنے والے گھیرے رہتے تھے۔ اپنے ایک عزیز۔۔۔۔ کو کسی ایسی ہی فرمائش کی نسبت لکھتے ہیں :۔

"شاید تم اور اور لوگ خیال کرتے ہو گے کہ مجھے ہندستان کی اطراف و جوانب میں ہزاروں آدمی جانتے ہیں۔ اکثر معززا ور ذی اختیار لوگوں سے بھی مجھے تعارف ہے اور اکثر بزرگ میری عزت کرتے ہیں۔ پس میں جس کی جہاں سفارش کردوں گا وہ ضرور کام یاب ہوگا لیکن اے عزیز یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دُنیا دارالمعاوضہ اور دارالمکافات ہے۔ جو شخص کسی کے ساتھ کچھ سلوک کرتا ہے کسی نہ کسی عوض اور بدلے کی توقع رکھتا ہے میں تمہاری ایک سفارش اس لئے منظور کرتا ہوں کہ مجھے تم سے دس فرمائشیں کرنے کا موقع ملے۔ پس ایسے شخص کی سفارش جس سے کسی طرح کے عوض کی توقع نہ ہو، کیوں کر کارگر ہو سکتی ہے؟ جب میں زمانے کی نگاہ میں اپنی قدر و منزلت کا اندازہ کرتا ہوں تو اس سے زیادہ نہیں پاتا کہ ایک مشہور گویا جہاں کہیں جاتا ہے، امرا اس کی خاطر کرتے ہیں اور اگر وہ خود نوکری چاہتا ہے تو تھوڑی بہت نوکری بھی اسے ہر جگہ مل جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ

Marfat.com

گھر بیٹھے بیٹھے دوستوں اور عزیزوں کی سفارشیں کرنی اختیار کریں تو
کوئی اس کی طرف اصلا التفات نہ کرے گا۔"

ان میں مُروّت بہت تھی لیکن اس مُروّت میں بھی انھوں نے صداقت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مثلاً اپنے بعض ہم عصروں کی کتابوں کے تبصروں میں اگرچہ بہت کچھ تعریف کی ہے لیکن ان کی بعض خامیوں کی طرف بھی لطیف پیرائے میں اشارے کر دیئے ہیں۔ "خم خانۂ جاوید" کے تبصرے میں اس بات کی شکایت ہے کہ مسلمان ہندستان میں کئی صدی سے آباد ہیں لیکن انھوں نے سنسکرت اور ہندی کی طرف اتنی توجہ نہیں کی جتنی کرنی چاہئے تھی۔ یا مقدمۂ شعر و شاعری ہیں جو ہماری شاعری کی حقیقت کھولی ہے اور اس سے اس کی بے راہ روی غیر فطری پر تصنع بے اثر شعر گوئی پر جو ضرب لگی اس پر لوگوں نے بڑا ہنگامہ کیا اور لعن طعن کی بوچھاڑ ہونے لگی آخر مولانا کی صداقت غالب آئی۔

غل تو بہت یاروں نے مچایا پر گئے اکثر مان ہمیں

اُنھوں نے کبھی فرماں رنا یا رئیس کی مدح میں کچھ نہیں لکھا۔ البتہ ان کی مدح ضرور کی جنھوں نے مسلمانوں کی تعلیم و فلاح کے لئے کچھ کیا۔ جب عثمان علی خان آصف جاہ سابع تخت نشین ہوئے تو ہندوستان کے شعراء نے مبارک باد اور تہنیت کے بڑے بڑے قصیدے لکھے۔ مولانا کو حیدرآباد سے وظیفہ ملتا تھا، بعض احباب نے ان سے بھی کہا کہ کچھ لکھیں۔ ایک قطعہ لکھا۔ اس میں اتنی مدح نہیں جتنی نصیحت اور نصیحت کے پردے میں تنبیہ ہے یا دعا ہے۔ چند شعر عرض کرتا ہوں:۔

فلک مرتبہ میر عثمان علی خاں   مُبارک تمھیں مسندِ شہر یاری

Marfat.com

مبارک اب وجد کی تم کو خلافت — مبارک دکن کی تمہیں تاج داری
مبارک تمہیں ملک کی گلہ رانی — مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل — جہاں چپے چپے پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جن کو ملا وہ — ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو — جنھوں نے کہ جھیلی ہیں کڑیاں ساری
ارادوں سے جرأت سے ہمت سے جن کی — زمانے نے ہے بارہا شرط ہاری
ہمیں سے ہے جن کی تاریخ رنگیں — زبانوں پہ ہے ذکر خیر ان کا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرائض — ہے اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب ان کی جگہ آپ کو ہے اٹھانا — خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہے ان کو سہارا — جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکمے ہیں جو ان کو کامی بنانا — بڑھانا دل ان کا جو ہیں کارباری
جگانا انھیں نیند کے ہیں جو ماتے — پڑھانا انھیں علم سے جو ہیں عاری
جو سرزدہ ہیں ان کی ہو گوشمالی — جو مظلوم ہیں ان کی ہو غم گساری
سمجھنا ہے ہر قوم و ملت کو یکساں — کہ خصلت ہے یہ زیور شہریاری

مبارک یہ بار گراں تم کو شاہا
اٹھانے سے ہیں جن کے افلاک عاری

ان کے ہر کام میں اور ان کے کلام میں صداقت اور خلوص پایا جاتا ہے ہمارے ادیبوں اور شاعروں میں صرف یہی ایک ایسی ہستی ہیں جن کے قول اور عمل میں تطابق پایا جاتا ہے۔ جو کہا وہی کیا۔ اُن کا کلام ان کی سیرت اور ان کی سیرت ان کا کلام ہے۔

ہم اپنا زیادہ وقت اور اپنی کمائی کا زیادہ حصہ حیوانیت اور بہیمیت میں

Marfat.com

صرف کرتے ہیں۔ ہم کپڑے تن ڈھکنے اور سردی گرمی سے بچنے کے لئے نہیں پہنتے بلکہ فیشن اور فیشن کے لیے اور اپنے کو معزز جتانے کے لئے بھی، ہم کھانا صرف زندہ رہنے اور صحت کی خاطر نہیں کھاتے بلکہ زیادہ تر مزے کی خاطر کھاتے ہیں جس سے صحت اور زندگی دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔ ہم میں کتنے ہیں جو انسانیت کی خاطر کام کرتے ہیں۔ ایسا کام جس سے نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے اور جسے ہم شوق اور محبت سے کریں ہم کام اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں رہنے سہنے کھانے پینے وغیرہ کا سامان ملتا رہے اگر یہ مجبوری اُٹھ جائے تو شاید ہزار میں سے ایک بھی کام کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ حیوان بھی یہی کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کم ہوتی جاتی اور حیوانیت بڑھتی جاتی ہے۔ یا شاید انسانیت کا معیار بدلتا جارہا ہے۔

ڈاکٹر اقبال ایک زمانے میں انارکلی میں رہتے تھے۔ اُس بازار میں رہنے کے مکان اوپر تھے اور نیچے دُکانیں تھیں۔ جہاں ڈاکٹر اقبال رہتے تھے اس کے عین نیچے ایک درزی کی دُکان تھی جس نے نہایت جلی حروف میں خوش خط لکھ کر ایک چوکھٹے میں غالب کا یہ مصرع لکھ رکھا تھا۔ "آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا" اس درزی کی فراست کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ وقت کے تقاضے کو کیا خوب سمجھا اور اس نے اس مصرع سے کیا خوب کام لیا۔ اس نے ہماری ایک مشکل حل کردی۔ یعنی انسان اب درزی کی دُکانوں، ہیرکٹنگ سیلونوں اور بیوٹی کلچر ایوانوں میں بنتے ہیں۔

ہمیں حالی کی زندگی سے کئی بیش بہا سبق ملتے ہیں۔ سب سے پہلی بات صحیح ذوق ہے جو ادب کی جان ہے۔ نہ صرف ادب کی بلکہ انسانی تمدن کی جان ہے حالی نے تمام عمر صحیح ذوق کی تعلیم و تلقین کی۔ دوسرے جس کام کو کیلا سے

Marfat.com

اس شغف اور انہماک سے انجام دیا گویا ان کی زندگی کا دار و مدار اسی پہ ہے۔ وہ صاحبِ ثروت نہ تھے وہ لیڈر نہ تھے۔ وہ غریب شخص تھے۔ ان کے وسائل و ذرائع بہت محدود تھے، تاہم انہوں نے تنہا خاموشی سے وہ کام کیا جو انجمنیں اور ادارے بلکہ حکومتیں بھی انجام نہیں دے سکتیں۔ تیسرے انہوں نے اپنی ہمدردی خلوص و صداقت سے انسانیت کی مثال پیش کی۔

میں اپنے دوستوں، رفیقوں اور عزیزوں سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر وہ دنیا میں انسانیت اور خودداری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، اگر ان کے دل میں اپنی قوم کی، اپنے پاکستان کی، بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی آرزو ہے تو خود غرضی، ہوسناکی اور اسی قسم کی ادنا خواہشوں اور عادتوں توہمات و تعصبات کو ترک کر دیں اور محنت و مشقت اور برداشت کی عادت ڈالیں یاد رکھو کوئی بڑا کام محنت و مشقت اور تکلیف اٹھائے بغیر سخت ریاضت اور ایثار کے نہیں ہو سکتا۔ اگر کچھ کرنا ہے تو یہی روش اختیار کرنی ہوگی۔ ورنہ قدرت کا قانون تادیبی کارروائی کے لئے سر پہ کھڑا ہے۔

ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

Marfat.com

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس بنگلور

(۴ جون ۱۹۴۷ء)

میں یہاں گورنمنٹ آف انڈیا کی ایک کمیٹی میں شریک ہونے آیا تھا جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندستان کی زبانوں کے لئے سائنس کی اصطلاحات کن اصول پر بنائی جائیں۔ میرا ارادہ نہ کسی جلسے میں شریک ہونے کا تھا نہ تقریر کرنے کا، اور نہ کسی کانفرنس کا خیال تھا۔ حکیم امامیؔ صاحب کو نہ معلوم کس طرح میرے یہاں آنے کی خبر لگ گئی۔ یہ اطلاع پاتے ہی انہوں نے کانفرنس کے انعقاد کے لئے مجھے بار بار لکھا اور میں نے بار بار انکار کر دیا، اور سمجھا کہ بات آئی گئی ہوگئی، لیکن امامی صاحب شاعر ہیں اور جذباتی آدمی، آپ جانتے ہیں ان میں کچھ ہے آن ہیں کچھ ہے۔ باوجود اس کے ان میں ایک بڑی خوبی یا بڑا عیب یہ ہے کہ جس بات کو دل پر رکھ لیتے ہیں اسے کر کے اور منوا کے چھوڑتے ہیں۔ چناں چہ جب میں دلی سے روانہ ہونے کو تھا تو اس سے ایک روز پہلے ایک بڑا سرخ رنگ کا اشتہار جلی قلم سے لکھا ہوا۔ جلی بھی کیسا "قلم لٹھ" سے لکھا ہوا مجھے ملا جسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس میں اس کانفرنس کا ذکر تھا۔ سوا اس کے کہ میں دل ہی دل میں گھٹتا اور اس مرد معقول کو برا بھلا کہتا اور کیا کر سکتا تھا۔ یہاں پہنچنے پر جو رنگ میں نے دیکھا تو اقرار کرتے ہی بنا نہ انکار کرتے۔ ان کی اس چال سے میں ان کے جال میں خود بخود پھنس گیا۔ جب دیکھا کہ شکار پھنس گیا تو یہ فرمائش ہوئی کہ تقریر لکھ کر پڑھو تاکہ اس

لہ معتمد انجمن ترقی اُردو بنگلور (بھارت)

Marfat.com

کانفرنس کی یادگار رہے۔ باوجود میرے انکار کے وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور میں نے ہار کر ان کی یہ فرمائش بھی پوری کی۔

مجھ سے تقریر امامی نے یہ لکھوائی ہے
ایک بیداد گرِ جور و جفا اور سہی

حضرات! جب سے انجمن ترقی اُردو کا بار میں نے اپنے سر لیا ہے سینکڑوں ہی تقریریں کی ہیں لیکن اب اس سے بیزار ہوں۔ سالہا سال کے تجربے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس قسم کے جلسوں اور تقریروں کا مقصد ہنگامہ آرائی ہوتا ہے اگر ہم ان تمام تقریروں کو جو کہ اس عرصے میں ہوئی ہیں اور تمام تجویزوں اور قراردادوں کو جو ہزارہا جلسوں میں منظور کی گئی ہیں ایک جگہ جمع کریں تو اس سے اچھی خاصی ایک پہاڑی آپ کی نندی پہاڑی کے برابر بن جائے گی، اور اگر ان میں سے صرف وہ تجویزیں چھانٹ کر نکالی جائیں جن پر عمل ہوا ہے تو وہ مٹھی بھر سے زیادہ نہ نکلیں گی۔ آخر یہ ہنگامہ آرائیاں کب تک؟ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ہنگاموں جلسوں اور تقریروں سے بالکل دست بردار ہو جائیے زندہ دلی انسان کی زندگی اور خصوصاً کامیاب زندگی کے لئے لازم ہے، لیکن کام کو تفریح اور کھیل نہ بنا لیجئے۔ کام کو تو کام کی حیثیت سے کرنا پڑے گا۔

جو اشتہار مجھے ملا تھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ اس ناچیز کے خیر مقدم کے لئے کیا گیا ہے، میں آپ کے خلوص اور ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن یہ کوئی کام تو نہ ہوا، آپ نے مجھے سراہا اور میں نے آپ کی مدح و ثنا کی تو اس سے حاصل؟ یہاں سے خیر مقدم کے کچھ اشتہار اور سپاسنامے اگر میں اپنے ساتھ لے کر گیا تو ہماری قومی انجمن کو کیا ملا؟ میں اہل انجمن کو کیا منھ دکھاؤں گا؟ کاغذ کے پرچوں سے تو ان کی تشفی نہ ہوگی۔ خاص کر اس زمانے میں جبکہ انجمن پر

Marfat.com

ایک ناگہانی آفت نازل ہوگئی ہے اس میں جو خسارا ہوا اس کی تلافی کی ذمہ داری اداروں سے زیادہ آپ پر ہے۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں کیوں ؟ تو میں اس کا جواب نہ دوں گا۔ آپ اپنے دلوں سے پوچھئے۔ اس کا صحیح جواب وہیں ملے گا۔ جو بات آپ کے دلوں میں ہے وہ میں اپنی زبان سے کیوں کہوں، دل کی زبان زیادہ بلیغ اور پراثر ہوتی ہے۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کا صرف ایک ہی مقصد ہے یعنی زبانِ اردو کی اشاعت و ترقی۔ مادری زبان یا قومی زبان کو اکثر لوگ سرسری نظر سے دیکھتے ہیں، کیونکہ یہ ماں باپ سے مفت ملتی ہے اور مفت چیز کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اسے گہری نظر سے دیکھا جائے اور اس نظریئے کی تہہ تک پہنچا جائے تو معلوم ہوگا کہ زبان اور قومیت ایک ہیں۔ جدا جدا نہیں۔ زبان میں جو اتحاد اور یک جہتی کی حیرت انگیز قوت ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہیں آپ کو ایک نہایت قدیم قصہ سناتا ہوں۔

طوفان نوحؑ کے بعد جو لوگ بچ رہے تھے وہ شام کے ایک میدان شنار میں جا کر بس گئے۔ ایک مدت کے بعد وہ خوب پھولے پھلے۔ زراعت، تجارت، علم و ہنر، تہذیب و تمدن غرض زندگی کے ہر شعبے میں بڑی ترقی کی آس پاس جتنے ممالک تھے ان سب کو مسخر کرلیا۔ اب انہیں یہ شوق چرایا کہ دنیا کے سب ممالک تو فتح کرلئے اب آسمانوں کو مسخر کرنا چاہیئے۔ اس غرض کے لئے ایک بہت بڑا مینار بنانا شروع کیا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمانوں پر دھاوا کریں۔ یہ وہی مینار ہے جو دنیا کی تاریخ اور دنیا کی زبانوں میں مینار بابل کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ تعالےٰ کو ان کا یہ غرور بہت ناگوار گزرا اور ان کو اس غرور کی سزا دینی چاہی، وہ سزا کیا تھی ؟ ان میں بیماریاں بھیج کر انہیں

Marfat.com

ہلاک نہیں کیا، ان پر آگ نہیں برسائی۔ دریا میں طغیانی پیدا کر کے ڈبویا نہیں بلکہ اس سے کہیں سخت اور خطرناک سزا دی۔ وہ سزا یہ تھی کہ ان کی زبانیں بدل دیں اور منتشر کر دیا۔ اب ان کی زبان ایک نہ رہی ان میں افتراق و اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کی قوت کا شیرازہ بکھر گیا۔ آپ نے دیکھا کہ زبان کا ایک نہ ہونا ہلاکت سے بدتر ہے زبان کے ایک ہونے میں خدائی قوت ہے اور اتحاد کا سب سے بڑا قوی طریقہ ہے۔ کوئی قوم، قوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی زبان ایک نہ ہو۔

ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ باوجود اس کے کہ ہم پر ایک زمانے تک ادبار و تنزل کا دور رہا۔ بہت سی آفتیں نازل ہوئیں بہت کچھ پیسے اور دلے گئے لیکن ہم نے اپنی زبان کو کبھی نہیں بھلایا۔ اردو کی کیسی کیسی مخالفتیں ہوئیں اس کے مٹانے کے کیسے کیسے جتن کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اسے زک دینے کے لئے اجتماعی اور انفرادی طور پر بڑی زبردست کوششیں کی گئیں، اور اردو کو ایسے مقامات سے جہاں یہ زمانہ دراز سے رائج تھی، دیس نکالا دیا گیا۔ ان کوشش کرنے والوں میں مادر ہند کی ایسی بڑی بڑی ہستیاں ہیں، جن پر ملک کو بجا طور پر فخر و ناز ہے۔ افسوس ہے کہ یہ نامبارک سعی اب تک جاری ہے یہ بات غور کرنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندو مسلم اختلاف کا پہلا بیج اسی اردو کی مخالفت نے بویا۔ حال آنکہ اردو اس دیس کی زبان ہے یہیں پیدا ہوئی، پلی بڑھی اور پروان چڑھی اور ہندوستانی تمدن کی سب سے اہم اور مبارک یادگار ہے۔ اردو والوں نے ہر دور میں جہاں تک ان سے بن پڑا اپنی زبان کی حفاظت اور حمایت کی اور بے جا اور شدید مخالفتوں کا مقابلہ کرتے رہے یہ سب اردو کے محسن ہیں ان میں سب سے ممتاز نام سر سید احمد خان کا ہے جو آخر دم

Marfat.com

تک اس کی حمایت میں مردانہ وار لڑتے رہے۔

اردو ہندی کا جھگڑا تو چلا آہی رہا تھا۔ حال میں ان کی حریف ایک تیسری زبان "ہندستانی" میدان میں اتری جو بقول سرتیج بہادر سپرو ایک مجہول النسب زبان ہے ہمارے ادیبوں نے ہندستانی کا لفظ کبھی زبان کے لئے استعمال نہیں کیا تھا بعض دوسرے تحفوں کی طرح یہ بھی انگریزوں کا عطیہ ہے۔ اور اب اس نام کی آڑ میں ہماری زبان کے حق میں طرح طرح کی زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔ اور اس کی صورت اور سیرت بگاڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی ہے۔ اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو گاندھی جی کا اخبار "ہریجن سیوک" ملاحظہ ہو، یا آل انڈیا ریڈیو کی زبان جس میں آج کل عجیب عجیب اصطلاحیں اور جدتیں کی جا رہی ہیں وہ وہ لفظ سننے میں آ رہے ہیں جو کبھی کانوں نے سنے تھے نہ آنکھوں نے پڑھے تھے۔ آل انڈیا ریڈیو کو اگر "بھاشا بگاڑ" کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب اور موزوں ہوگا۔ اگر میں اس کی زبان کے متعلق کچھ کہوں تو شاید آپ یہ خیال کریں کہ میں اردو کی طرف داری کی وجہ سے ایسا کہتا ہوں۔ لہٰذا میں آپ کے سامنے ایک سچی اور بے لاگ رائے پیش کرتا ہوں جو "ریاست" کے بے باک اور صاف گو اڈیٹر دیوان سنگھ مفتون نے اپنے ۲۶ مئی کے اخبار میں ظاہر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک خبروں کا سوال ہے، بنگال، گجرات مہاراشٹر اور مدراس وغیرہ صوبجات میں ان کی اپنی زبان میں خبریں نشر کرنے کا انتظام ہے اور دہلی میں خبریں نشر ہوتی ہیں تو صرف شمالی ہندستان کے لئے چنانچہ پہلے تو یہ خبریں خالص اور سادہ اردو زبان میں نشر کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد ان کو ہندستانی ٹکسال میں ڈھالنے کی کوشش

Marfat.com

کی گئی اور اب حالت یہ ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ ایسی ہندی میں منتقل کیا جا رہا ہے جس کو ہندوؤں کا کافی طبقہ بھی نہ سمجھنے کے لئے مجبور ہے چنانچہ اس نئی زبان کے صرف دو الفاظ کو لیجیے جو ابھی حال میں رائج کئے گئے ہیں۔ آئین یا قانون کی جگہ "ودھان" اور وقت کی جگہ "سمے" یعنی جب کانسٹی ٹیوشن یا آئین کے متعلق کچھ کہنا ہو تو "ودھان" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور صبح کے وقت جہاں پہلے کہا جاتا تھا "اس وقت صبح کے سات بجے ہیں" اب کہا جاتا ہے "اب صبح کے سات بجے کا سمے ہے"

اگر غور کیا جائے تو دہلی ریڈیو کی خبریں دہلی، پنجاب، یو پی، سرحد، راجپوتانہ سی پی اور بہار کے لئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان تمام صوبجات میں کونسا انسان ہے جو وقت کو نہیں سمجھتا۔ اور کیا مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا ہے جو "سمے" کے معنی جانتا ہے یہی حالت "ودھان" کے متعلق ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا سرحد، پنجاب، دہلی کے ہندوؤں میں بھی کوئی ایک ایسا شخص ہے جو ودھان کے معنی سمجھتا ہو۔ چنانچہ اڈیٹر "ریاست" بطور گواہ کہہ سکتا ہے کہ باوجود ہندی جاننے اور "جذبات مشرق" کے کالم کے لئے سالہا سال تک لٹریری ہندی کا ترجمہ کرنے کے بعد "ودھان" کے معنی سے ناواقف تھا۔ اس حالت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دہلی ریڈیو اسٹیشن کی خبریں کیونکہ اردو یا ہندستانی کی گردن پر چھری چلاتے جا رہی ہیں۔ اور لوگوں میں اس محکمے کے لئے دن بدن کیوں نفرت پیدا نہ ہو۔

ہم ہندی کے مخالفین میں سے نہیں بلکہ ہندی کے بھی اسی طرح پرستار ہیں جس طرح اردو کے، ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے ساتھ محبت اور مساوات کے جذبات رکھتے ہوئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ محکمہ ریڈیو کی غلط

Marfat.com

اور لیجر پالیسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ ہماری رائے ہے کہ دونوں زبانوں کو ریڈیائی چھری سے ذبح کرنے کی جگہ اگر دونوں زبانوں میں علیحدٰہ خبریں نشر کی جائیں تو زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ہم پہلے مطالبہ کر چکے ہیں؟

یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو بالکل ناطرفدار اور صاف گو ہے اور جسے ہندوستان کے حالات اور زبانوں کا کافی تجربہ ہے۔ یہ زبان جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتی ہے۔ نہ اردو ہے نہ ہندوستانی اور نہ عام ہندی۔ اس کا نام "پٹیلی" رکھا جائے تو زیادہ موزون ہوگا۔ کیونکہ سردار پٹیل کے عہد کی یادگار ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور مخالفت کی آگ بھڑکتی ہے ایسے وقت میں جبکہ ملک میں ہر جگہ اختلاف وافتراق کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اس قسم کی خفیف حرکتیں کرنا دہکتی ہوئی آگ پر تیل چھڑکنا ہے اور یہ کام ان لوگوں کا ہے جو ہندوستان میں صلح وآشتی پھیلانے کے مدعی اور ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ ہندوستان کی بدقسمتی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔

زبان کے لئے دنیا میں بڑی بڑی جنگیں ہوئی ہیں، خونریزیاں اور بربادیاں عمل میں آئیں۔ قوموں کو برے دن دیکھنے پڑے اور سخت عذاب اور صعوبتیں جھیلنی پڑیں لیکن جن قوموں کو اپنی زبان عزیز تھی انہوں نے جانیں دیں، اپنے خون بہائے، پامال ورسوا ہوئے، مگر اپنی زبان کو نہیں مٹنے دیا کیوں؟ اس لئے کہ قومی زبان میں قومی تاریخ، قومی روایات واداب، قومی تہذیب وتمدن اور تمام دنیاوی سرمایہ محفوظ ہے کسی قوم سے اس کی زبان چھین لینا ایسا ہی ہے جیسے بدن سے خون کھینچ لینا یا جسم سے روح نکالنا۔ جسد بے روح ٹھکرا دینے اور پھینک دینے کے قابل ہے۔

Marfat.com

چند سال ہوئے میں نے اینگلو انڈین جماعت کے لیڈر سر ہنری گڈنی سے مل کر یہ کہا کہ یوریشین تو آپ کو منہ نہیں لگاتے اور ہندوستانیوں سے آپ ملتے نہیں اور الگ الگ رہتے ہیں۔ انگریزی حکومت ہندوستان میں تھوڑے دنوں کی مہمان ہے۔ انگریز چلے گئے تو آپ کہیں کے بھی نہ رہیں گے اس لئے آپ کے لئے لازم ہے کہ علاوہ اور تدبیروں کے سب سے پہلے اپنی تعلیم کا نظام بدلئے اور اس میں سب سے مقدم یہ ہے کہ اردو زبان کی تعلیم اپنے تمام مدارس میں رائج کیجئے۔ کیونکہ آپ کی جماعت ہندوستان کے کسی ایک مقام پر نہیں بلکہ سارے ملک میں منتشر ہے اس لئے آپ کو ایسی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے جو ہر جگہ کام آسکے۔ اور ایسی زبان صرف اردو ہے، انہوں نے میری اس رائے سے پورا اتفاق کیا اور کہا کہ یہ سب مجھے لکھکر بھیجو۔ میں نے انہیں اس مضمون کا ایک خط لکھا اور اس کے ساتھ بعض یوریپین علماء اور ماہرین السنہ کی وہ رائیں لکھ کر پیش کیں جو انہوں نے اردو زبان کی خوبیوں اور ہندوستان میں اسے عام اور مشترکہ زبان بنانے کے متعلق ظاہر کی تھیں اس کے جواب میں سر ہنری نے مجھے بہت ہی اچھا خط لکھا اور اردو زبان کی تعریف میں ایسے جملے لکھے جنھیں پڑھ کر بے حد مسرت ہوتی ہے یہ خط وکتابت چھپوا کر سر ہنری نے اپنے کالجوں کے پرنسپلوں اور مدارس کے ہیڈ ماسٹروں اور اپنی انجمن کے سکریٹریوں کو بھیجی۔ اس وقت سے اینگلو انڈین اور یوریپین اسکولوں میں اردو کا شوق زیادہ بڑھنا شروع ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ آل انڈیا بورڈ فار یوریپین اینڈ اینگلو انڈین ایجوکیشن نے مجھے اپنی لینگوایج کمیٹی کا ممبر بنا لیا۔ میں اس کمیٹی کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ آخر انہوں نے اپنے مدارس کے لئے اردو کتابوں کے مرتب کرنے

Marfat.com

کا کام میرے سپرد کیا چناں چہ وہ کتابیں تیار ہو گئی ہیں اور عنقریب کمیٹی میں پیش کر دی جائیں گی۔ ۱۹۴۵ء میں اس کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا۔ میں نے کمیٹی کے ممبروں کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ ان ممبروں میں ایک بڑے مشنری کالج کے پرنسپل بھی تھے۔ وہ وقت سے ذرا پہلے آ گئے اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ یہ صاحب آئرستان کے رہنے والے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، اسے کبھی نہ بھولنا، اور وہ یہ کہ جہاں تک ہو سکے اور جس طرح بن سکے اپنی زبان کی حفاظت کرنا۔ یہ اگر تمہارے ہاتھ سے نکل گئی تو تم کہیں کے نہ رہو گے۔ انہوں نے کہا کہ جب ایک قوم کسی دوسری قوم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مفتوح قوم کی زبان کو مٹا دے اور اس کے لئے وہ طرح طرح کی تدبیریں کرتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اگر زبان زندہ ہے تو قوم بھی زندہ ہے اور اگر زبان مر گئی تو قوم بھی مردہ ہو جائے گی۔ چناں چہ انگریزوں نے جب ہمارے ملک آئرستان کو فتح کیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہماری زبان کو دبانا اور مٹانا شروع کیا۔ ہمارے لوگ اور خاص کر نوجوان لوگ انگریزی زبان و ادب کو پڑھ کر اپنی روایات و آداب اور تہذیب و تاریخ سے بے خبر رہنے لگے اور قومی روح ٹھٹھر کے رہ گئی۔ کئی صدی کی جدوجہد اور جانبازی کے بعد جب ہمیں آزادی نصیب ہوئی تو ہم نے اپنی قومی زبان کو از سر نو رواج دیا جس سے قوم میں ایک نئی روح نمودار ہوئی۔ دنیا کی تاریخ میں اس کے بیسیوں شواہد موجود ہیں، لیکن اس کا سب سے دردانگیز اور عبرتناک منظر پولستان کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ روسی اور جرمن فاتحوں نے پولی زبان کا لکھنا پڑھنا اور بولنا قانوناً جرم قرار دے دیا تھا

Marfat.com

اور اس کی بڑی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ بازاروں یا شارع عام میں اپنی زبان بولنے کی کیا مجال تھی! پولیس کے ڈر کے مارے لوگ گھروں میں بھی نہیں بول سکتے تھے کچھ لکھنا اور چھاپ کر شائع کرنا تو کسی کی مجال میں ممکن نہ تھا۔ اس لئے قومی نظمیں وغیرہ اپنے ہاتھ سے لکھتے اور چوری چھپے ایک دوسرے سے نقل کر لیتے اور راتوں کو کمرے کے دروازے مقفل کرکے یا تہہ خانوں میں بیٹھ کر پڑھتے۔ چند دوست باہر گلی میں پہرا دیتے رہتے تاکہ اگر پولیس آجائے تو خبردار کردیں۔ ایسی حالت میں وہ جھٹ پٹ اپنے مسودے دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیتے تاکہ وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ اگر بے خبری میں پولیس نے چھاپہ مارا تو انہیں سخت سزائیں دی جاتیں۔ مائیں اپنے بچوں کو رات کے وقت بستر میں چپکے چپکے اپنی زبان میں مذہبی دعائیں یا احکام سناتیں اور یاد کراتیں۔ پولستانیوں نے مظالم سہے۔ سختیاں برداشت کیں قیدیں بھگتیں۔ کوڑے کھائے، جلاوطن ہوئے لیکن اپنی زبان کو نہ چھوڑا۔ وہ اسے اپنے سینہ سے لگائے رہے اور جان سے زیادہ عزیز رکھا اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ پولی زبان زندہ ہے اور ترقی کر رہی ہے اور اس کے بولنے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔

اردو کو کچلنے اور دبانے کے لئے بعض اوقات بڑی گہری تدبیریں کی گئیں جو بظاہر بڑی معصوم معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کی تہہ میں ایک ہی چیز تھی یعنی اردو کی جڑ کھوکھلی کرنا۔ بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک انجمن بنائی گئی جس میں ہندوستان کے چوٹی کے لیڈر اور نامور لوگ شامل و شریک اس کا نام وَن لینگوایج اینڈ وَن اسکرپٹ —

(ONE LANGUAGE AND ONE SCRIPT)

Marfat.com

یعنی ایک زبان اور ایک رسم خط ۔ وہ ایک زبان اور ایک رسم خط کیا تھا جسے تمام ہندوستان میں رائج کرنا چاہتے تھے وہ زبان ہندی تھی اور رسم خط ناگری ۔ اگرچہ صاف صاف نہیں کہتے تھے لیکن غرض یہی تھی ۔ اس انجمن کے دو چار جلسے ہوئے اور پھر رہ گئی ۔ اب اس کی صرف یاد باقی ہے ۔

ایک دوسری تجویز جو کئی سال سے چکر لگا رہی ہے اور جس کا ذکر بار بار آچکا ہے اور جسے گاندھی جی اور کانگریس کے ممتاز لیڈروں کی سرپرستی اور تائید حاصل ہے بہت خطرناک ہے ۔ یہ ہندستان کی تقسیم لسانی اعتبار سے ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنوب میں تامل ۔ تلنگی ، کنڑی ، ملیالم گجرات میں گجراتی ۔ مہاراشٹر میں مرہٹی ۔ بنگال میں بنگالی پنجاب میں پنجابی ۔ یوپی اور بہار میں ہندی ۔ کشمیر میں کشمیری ۔ سندھ میں سندھی ۔ سرحد میں پشتو ۔ بلوچستان میں بلوچی ۔ اب اردو کہاں رہی ۔ اگرچہ اردو سارے ہندوستان میں بولی یا سمجھی جاتی ہے ، اور بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے لیکن اس تجویز کی رو سے سارے ملک میں اس کا کوئی مقام نہیں رہتا ۔ یہ بے گھری ہو جاتی ہے ۔ گویا یہ اسے دیس نکالے کا پیغام ہے ۔

میں نے کہیں کہیں یہ کہتے سنا ہے کہ ہم اردو کی خاطر اپنی مادری زبان کیوں چھوڑیں ؟ بیشک مادری زبان کا بڑا درجہ ہے ۔ مادری زبان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے اور اس کی ترقی میں حائل ہونا سراسر ناانصافی ہے لیکن مادری زبان سے بھی بڑھ کر اور مقدم ایک اور زبان ہے ۔ یہ قومی زبان ہے ، جو قوم کے شیرازے کو مضبوط رکھتی ہے ۔ اگر ہم مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولتے رہے تو ہم میں قومی اتحاد مفقود ہو جائے گا اور ہم قوم کہلانے کے مستحق نہ رہیں گے ۔ قومی زبان ہی کی بدولت یک دلی

Marfat.com

دیک جہتی قائم رہتی ہے اور اسی کی بدولت قومی روح کی نشوونما اور بالیدگی ہوتی ہے۔ قومی زبان سے غفلت کرنا قومی انتشار اور افتراق کو دعوت دینا ہے۔

حضرات ہندستان میں ایک نیا دور آ رہا ہے اور اس کے جلو میں نئے نئے تغیرات اور انقلابات آنے والے ہیں۔ یہ آپ کی سعی وجدوجہد کا آخری موقع ہے۔ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔ خبردار! یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اگر اس کو اپنی روایات، اپنی تاریخ، اپنی تہذیب اور اپنا تمدن عزیز ہے تو اپنی قومی زبان کی حفاظت اور حمایت کے لئے ہر قسم کی سختیاں اور صعوبتیں کرنے اور ہر قسم کی جدوجہد اور ایثار کرنے اور ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے یہ انفرادی اور منتشر کوششوں کا وقت نہیں۔ ایک مرکز پر جمع ہو جائیے اور اس مرکز کو مضبوط کیجئے اور ایک دل و جان اور متحد ہوکر اپنے مقصد کے حصول میں پوری ہمت و قوت سے کام کیجئے۔ اگر آج آپ نے سچے دل سے یہ عزم کرلیا کہ ہم زندہ رہیں گے، ہماری زبان زندہ رہے گی اور ہم کسی حال میں بھی اس پر آنچ نہ آنے دیں گے تو آپ کے لئے دنیا میں سرخروئی اور کامیابی ہے۔ اور اگر آپ مایوس اور ہراساں ہو کر بیٹھ رہے تو دنیا کی کوئی حکومت اور قوت آپ کو نہیں بچا سکتی۔ آزادی انہیں کا حق ہے جو صبر اور محنت و استقلال سے لگاتار کام کئے جاتے ہیں۔ جو قومیں کام سے جی چراتی ہیں اور محنت سے بھاگتی ہیں ان کی قسمت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلامی لکھی ہے۔ اب آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا آپ آزادی چاہتے ہیں یا غلامی مستقبل انہیں کے ہاتھ میں ہے جو قوم کی بے لوث خدمت کرتے ہیں۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت مغربی پاکستان اُردو کانفرنس

۲۲ فروری ۱۹۵۹ء

آپ نے اس کانفرنس میں جو اپنی نوعیت اور خصوصیت کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتی ہے مجھے دعوت شرکت دیکر میری بڑی عزت افزائی کی ہے میں اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اعزاز خیال کرتا ہوں اس لئے کہ ایمان کے بعد مجھے جو چیز سب سے زیادہ عزیز ہے وہ اردو زبان کی ترقی اور ترویج ہے اور اس ترقی و فروغ میں اول درجہ ذریعہ تعلیم کا ہے میں سالہا سال سے یہ کہتا اور لکھتا چلا آرہا ہوں کہ موجودہ ذریعہ تعلیم نے جو ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مروج ہے ہمارے جسمانی ذہنی اور روحانی اور اخلاقی تہذیبی نظام کو درہم کرکے جو زیان عظیم پہنچایا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم اب تک سمجھے ہیں اس نے ہم میں عارضہ کمتری پیدا کر دیا۔ ہماری نظروں میں خود ہماری زبان ہماری تہذیب و اخلاق اور روایات و تصورات کو حقیر بنا دیا۔ اس نے نہ صرف ہمارا طرز فکر بدل دیا بلکہ ہمارے دماغوں کی ساخت بھی بدل دی جس کے نمونے آپ کو ہر جگہ ملیں گے میں آپ کو لاہور ہی کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔

میں اُردو کی دھن میں بار بار کراچی سے لاہور اس لئے آتا تھا کہ یہ اب اپنی حکومت ہے اور یہاں اردو کے پنپنے کی زیادہ توقع ہے یہی غلط فہمی مجھے بھارت سے آتے وقت پاکستان کے متعلق ہوئی تھی، ایک بار میں

Marfat.com

وزیرِ تعلیم کی خدمت میں حاضر ہوا یہ بہت قابل شخص تھے اور وکالت میں انہوں نے بڑا نام پایا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ میٹریکولیشن کے درجوں میں ذریعہ تعلیم اردو کر دیں تو پھر چند سال بعد یونیورسٹی میں بھی اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے میں آسانی ہو گی۔ کچھ دیر تو وہ میرا معروضہ خاموشی سے سنتے رہے، اور اس سے پہلے کہ میں اپنی بات ختم کروں وہ جوش میں آکر فرمانے لگے "مولوی صاحب آپ اس زمانے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جبکہ لوگ پتلون پہنتے اور پاٹ پر بیٹھتے ہیں" اور پھر فرمایا کہ انگریزی سے ہماری کوئی زبان مقابلہ نہیں کر سکتی میرا بس چلے تو کشمیر سے راس کماری تک انگریزی ہی انگریزی کر دوں"۔ اللہ اللہ کیا وفاداری ہے انگریز کے اقبال کی قسم کھانی چاہئے کہ اسے ایسے وفادار جان نثار خادم میسر ہیں۔ اس منصب پر اگر کوئی انگریز ہوتا تو کیا وہ ایسا کلمہ اپنی زبان سے نکال سکتا تھا۔

اس کے مقابلے میں آپ کو دوسرا واقعہ سناتا ہوں۔ سابق مرحوم ریاست حیدر آباد دکن میں بھی انگریزی عملداری کی طرح ایک زمانہ میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھا۔ میری تجویز پر ایک کمیٹی ذریعہ تعلیم پر بحث کے لئے منعقد کی گئی اس میں ہائی اسکولوں اور کالجوں کے پرنسپل اور بعض افسران تعلیم بھی شریک تھے، ان میں سوا ایک انگریز کے باقی سب "نیٹو" تھے۔ ہمارے بھائی انگریزی کے حق میں تھے۔ یہ انگریز پرنسپل جن کا نام شو کراس تھا بیٹھا سب بحث سنتا رہا آخر اس سے نہ رہا گیا اور ایک دم بھڑک اٹھا اور میز پر زور سے مکا مار کر کہنے لگا۔ آپ یہ کیا فضول بحث کر رہے ہیں، ہم بھی ایک زمانہ میں یہی کہتے تھے کہ انگریزی زبان اس قابل نہیں کہ اس میں علم و حکمت کی تعلیم دی جا سکے آج

Marfat.com

وہی زبان ہے جو دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور اس کی مدح و ثنا کرتے کرتے آپکا منہ خشک ہو جاتا ہے۔ مسٹر شو کراس نے بڑی سچی بات کہی یہ الفاظ اصطلاحات اور علم و فنون حضرت عیسیٰؑ نے چوتھے آسمان سے نازل نہیں کئے تھے، اہل زبان کے دل میں اپنی زبان کی قدر و محبت تھی انہوں نے اپنی کوشش اور محنت سے اسے بام عروج پر پہنچا دیا۔

یہ کس قدر عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ ہم سوا سو سال سے ابھی اسی بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ اردو ذریعہ تعلیم ہو سکتی ہے یا نہیں، حالانکہ دو بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے اور دونوں بار کامیاب رہا۔ ایک مرحوم دلی کالج میں اور دوسرا نیم بسمل عثمانیہ یونیورسٹی میں، دونوں اداروں کا معائنہ اہل الرائے اور ماہران تعلیم نے کیا اور اس امر کی تصدیق کی کہ ان کے طالب علم لیاقت میں ان طلبہ سے کسی طرح کم نہیں جن کی تعلیم انگریزی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ایک ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی نذر ہو گیا اور دوسرا پولیس ایکشن کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی اب بھی موجود ہے مگر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ وہ اس امتیازی خصوصیت سے جس کے لئے وہ قائم کی گئی تھی محروم کر دی گئی یہ سابق نظام حکومت کا عظیم الشان کارنامہ تھا جس پر اس نے بے دریغ روپیہ صرف کیا تھا اور جس کے بنانے میں ملک کے بہترین دماغوں نے کام کیا تھا۔ بھارت کا کیا بگڑتا اگر اس کی وسیع اقلیم میں ایک یونیورسٹی ایسی بھی ہوتی جس میں ذریعہ تعلیم ایک ملکی زبان ہوتی مگر چونکہ وہ زبان اردو تھی اس لئے یہ گوارا نہ ہوا۔ ٹنڈن جی نے حیدر آباد کے ایک عام جلسے میں ارشاد فرمایا کہ دارالترجمہ نے جو کچھ کیا ہے اسے موسیٰ ندی میں بہا دو۔ موسیٰ ندی میں تو نہ بہا سکے البتہ اسے آگ لگا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا

Marfat.com

کر لیا۔ حیدر آباد میں جس بے دردی سے ہماری زبان و تہذیب کو مٹانے کی کوشش کی گئی، اس کا صدمہ ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

پاکستان میں اس بارے میں جو کچھ ہوا اس کا بیان بھی اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے، پاکستان کو بنے ابھی کچھ اوپر تین مہینے ہوئے تھے کہ مسٹر فضل الرحمٰن نے جو اس وقت وزیر تعلیم تھے ایک پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا ڈول ڈالا جس کے اجلاس دارالحکومت کراچی میں ۲۷ راکتوبر ۱۹۴۷ء سے پہلی نومبر ۴۷ء تک ہوتے رہے، اس کانفرنس میں پاکستان کے صوبوں اور ریاستوں کے وزراء، نظماء اور ماہرین تعلیم مدعو کئے گئے تھے یہ پہلی کانفرنس تھی جس میں تمام تعلیمی اہم بنیادی مسائل پر غور کیا گیا۔ زبان کا مسئلہ خاص طور پر زیر بحث آیا۔ صدر کانفرنس مسٹر فضل الرحمٰن نے اپنے خطبہ صدارت میں اردو زبان کی تائید میں اپنا خیال ذیل کے مدلل اور پر زور الفاظ میں اس طرح ادا فرمایا۔

"ہمیں اپنی صوبائی زبانوں کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھنی چاہیئے، نہ صرف ذریعہ تعلیم کے لئے بلکہ اس تہذیب کی اشاعت کے لئے بھی جو ان زبانوں میں پائی جاتی ہے لیکن صرف اس حد تک کہ اس مشترک تہذیب و کلچر کی وحدت کو کوئی آسیب نہ پہنچے اس وحدت کے تیقن کے لئے ہمیں ایک بین صوبائی زبان کی ضرورت ہے اس بارے میں اردو زبان کے حقوق ہماری توجہ کے محتاج ہیں یہ مسلمانان ہند کی خاص تخلیق ہے اور اس نے مقابلۃً کم مدت میں اداۓ مافی الضمیر، خیال کے نازک سے نازک فرق اور تخیل کی بلند ترین پرواز کے اظہار کی غیر معمولی قوت اور نزاکت احساس حاصل کر لی ہے غیر زبانوں کے الفاظ مستعار لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی صلاحیت، فارسی، عربی اور

Marfat.com

انگریزی سے اس کے تاریخی تعلقات اور نظم و نثر میں اس کا اعلیٰ تخلیقی سرمایہ یہ سب میری نظر میں اسے پاکستان کی "لنگوا فرینکا" کا مرتبہ دینے کے حق میں ناقابل تردید دلائل ہیں" خطبۂ صدارت کے بعد کانفرنس مختلف کمیٹیوں میں مروجہ تعلیم کے مسائل پر غور کرنے کے لئے بٹ گئی۔ ۲۹ نومبر کو ابتدائی ثانوی اور یونی ورسٹی کی جملہ کمیٹیوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کے صدر میاں افضل حسین تھے۔ اس میں جملہ کمیٹیوں نے سفارش کی کہ تمام اسکولوں میں اردو بطور لازمی زبان پڑھائی جائے اور یہ امر ملحوظ رہے کہ صوبائی حکومتیں اسکول ہی کے دوران تعلیم میں ذریعہ یا ذرائع تعلیم کا فیصلہ کریں مگر پاکستان کے نظام تعلیم میں ترقی کی رفتار کے ساتھ بتدریج اردو کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کیا جائے" اگرچہ کانفرنس میں مختلف اصول و عقاید اور مختلف زبانوں کے زبان دان شریک تھے لیکن وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ اردو کو ہر شعبہ تعلیم میں لازمی زبان قرار دیا جائے اور تعلیمی ترقی کی رفتار کے ساتھ بتدریج اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے کانفرنس کے آخری اجلاس میں جو تمام مندوبین اور جملہ کمیٹیوں کا مجموعی اجلاس تھا اردو کو پاکستان کی لنگوا فرینکا تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی۔

اس کے بعد حکومت پاکستان کی وزارت تعلیمات کے ایڈوائزری بورڈ کے اجلاس منعقدہ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء میں اردو کمیٹی کے قیام کی تجویز منظور ہوئی اور اس کا صدر مجھے منتخب کیا گیا اس کمیٹی کے دوسرے اجلاس میں جو ۳۱ جولائی ۵۰ء میں منعقد ہوا اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مسئلہ پیش ہوا اور یہ طے پایا کہ:

۱:- اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا آغاز پاکستان کے ایسے علاقوں سے ہو جہاں اردو پہلے ہی سے سیکنڈری اسکول کے درجے تک ذریعہ تعلیم ہے

Marfat.com

ایسے علاقوں میں پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور کراچی شامل ہیں۔

۲:۔ ان علاقوں میں انٹرمیڈیٹ تک اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے اور اس پر ۱۹۵۳ء کے تعلیمی سال سے عمل شروع ہو اور اس دوران میں مناسب نصابات تیار کرلئے جائیں۔

۳:۔ کمیٹی کی رائے میں انگریزی زبان کو بطور ایک لازمی مضمون کے باقی رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۴:۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ ان علاقوں میں مشترکہ نصاب اور مشترکہ نصابی کتب رائج کرے تاکہ کام میں سہولت ہو۔ اسی اردو کمیٹی میں مسٹر فضل الرحمٰن نے اردو اکیڈمی کی تجویز پیش کی اور ان کی فرمائش پر میں نے اس کا آئین تیار کر کے پیش کیا اردو اکیڈمی کے اور بھی کئی اجلاس ہوئے لیکن مسٹر فضل الرحمٰن کے وزارت تعلیم سے سبکدوش ہونے کے بعد یہ منصوبے سرپرستی سے محروم ہوگئے۔

تقسیم ملک کے بعد جب بھارت میں سرے سے کام کرانے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو میں ہجرت کر کے کراچی آیا اور اپنے کتب خانہ کا بڑا حصہ اپنے ساتھ لے آیا یہاں آکر میں نے کل پاکستان انجمن ترقی اردو قائم کی اور سنہ ۱۹۴۹ء میں ایک کالج قائم کیا جس کا ذریعہ تعلیم یونی ورسٹی کے تمام مضامین میں اردو ہے اس کا قیام اچھی نظر سے نہ دیکھا گیا۔ اور اس وقت کے گورنر جنرل اور گورنر سندھ دونوں نے اس کے افتتاح کی رسم ادا کرنے سے انکار کر دیا اس وقت کراچی میں سندھ یونی ورسٹی تھی الحاق کے معاملے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ یہ دشواری اس لئے پیش آئی کہ اس کا ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ یونی ورسٹی کی نظر میں یہ ایسی بدعت

Marfat.com

تھی جو معاف نہیں ہوسکتی تھی آخر بڑی کشمکش اور جدوجہد کے بعد الحاق منظور ہوا ہم نے اردو ذریعہ تعلیم کامیاب کر کے دکھایا اس وقت بھارت اور پاکستان میں صرف یہی ایک کالج ہے جس کا ذریعہ تعلیم یونی ورسٹی کے تمام مضامین میں اردو ہے، لیکن اس کے بعد سے اب تک کسی کالج کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اردو کو ذریعہ تعلیم بناتا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہم نے اب تک اپنی زبان کا صحیح مقام نہیں سمجھا اور نہ اس کی وہ قدر کی جو ہونی چاہئے تھی سچ پوچھئے تو اس کی قدر واحترام ان لوگوں میں کہیں زیادہ ہے جن کی یہ زبان نہیں یا جہاں یہ کم مروج ہے۔ مشرقی پاکستان میں جیسا کہ ڈاکٹر دینی کمار چیٹر جی نے لکھا ہے یہ زبان "نبی جی کی بھاشا" کہلاتی ہے اور اسے تقدس کا درجہ حاصل ہے اُردو داں اصحاب کا بڑا احترام کیا جاتا ہے، یاد رہے ان کے نکاح نامے اور میلاد اردو میں پڑھے جاتے ہیں خط اردو میں ہوتے ہیں، عربی مدارس میں ذریعہ تعلیم اردو ہے، جنوبی ہند کے علاقے میسور۔ مدراس۔ ممالک متوسط چھوٹا ناگپور وغیرہ میں اردو کا بھی احترام ہے۔ اردو کے ارتقاء کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اردو زبان کی ترقی کی تقریباً تمام تحریکیں ان لوگوں کی رہین منت ہیں جن کی زبان اردو نہ تھی یہ ایسٹ انڈیا کے ڈائرکٹر اور حکام تھے جن کی تحریک سے فارسی کی بجائے اردو سرکاری زبان قرار پائی۔ قدیم دہلی کالج میں ڈاکٹر سپرنگر نے تمام قدیم وجدید علوم کا ذریعہ تعلیم اردو کردیا اور ان کے جانشین مسٹر بٹروس نے اسے اور ترقی دی۔ کرنل ہالرائڈ نے پنجاب میں اردو کی جو خدمت کی آپ پر روشن ہے، سر اکبر حیدری کی مادری زبان گجراتی تھی انہوں نے عثمانیہ یونی ورسٹی قائم کرنے میں جو عظیم الشان

Marfat.com

کام کیا وہ تعریف سے بالا ہے، مسٹر فضل الرحمن نے اردو کی حمایت اور ترقی میں جو مدد دی وہ پاکستان میں کسی سے نہ ملی۔ قائداعظم کی زبان اردو نہ تھی لیکن محض اردو کے بچانے کے لئے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ایک پرانے ڈیکوٹے میں بہت سا تیل بھروا کر سیدھے ڈھاکہ پہنچے اور مسلمانوں کے بھرے جلسے میں وہ یادگار زمانہ اعلان کیا "پاکستان کی زبان اردو ہوگی اور کوئی دوسری زبان نہیں ہوسکتی اور جو کوئی اس بارے میں غلط فہمی پھیلانا چاہتا ہے وہ صریحاً پاکستان کا دشمن ہے"۔ قائد اعظم کی دور اندیشی سیاسی بصیرت اور اصابت رائے کا قائل ہونا پڑتا ہے کیونکہ اردو ہی پاکستان کی سالمیت و وحدت کی اصلی ضمانت ہے، ہمارے لیڈر اور حکام والاشان قائداعظم کے اقوال اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑی شان اور فخر سے نقل کرتے ہیں لیکن اس اہم تاریخی قول کو بھول جاتے ہیں اور کوئی دوسرا نقل کرتا ہے تو برا مانتے ہیں۔ اس مرحوم کو وفات پائے ابھی دس سال تو ہوئے ہیں، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا، اب میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس برعظیم میں اردو کی کیا اہمیت تھی۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی صدارت مسٹر محمد علی جناح کو پیش کی گئی اس زمانے میں مسلم لیگ کا صدر ساری قوم کا سردار سمجھا جاتا تھا، آپ نے مولوی رفیع الدین مرحوم کا نام سنا ہوگا یہ بہت قابل شخص تھے اور بڑے اچھے مقرر تھے صوبہ بمبئی کی حکومت میں مسلسل کئی سال تک وزیر تعلیم رہے انہوں نے اپنے اثر سے وہاں کی حکومت سے یہ بات منوالی کہ اردو بھی مرہٹی گجراتی کی طرح صوبہ بمبئی کی ایک زبان ہے اور اپنی زمانۂ وزارت میں اردو کی ترقی اور اردو مدارس کھلوانے میں بڑا کام کیا،

Marfat.com

انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ مسٹر محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب کئے گئے ہیں تو وہ پونا سے بمبئی آئے اور قائداعظم سے ملے اور ان سے کہا کہ آپ مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہوسکتے انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو مولوی رفیع الدین نے کہا "اس لئے کہ تم اردو نہیں جانتے" یہ بات لکھنؤ دلی حیدرآباد یا لاہور کے کسی شخص نے نہیں کہی تھی یہ اس شخص نے کہی جو بمبئی صوبے کا رہنے والا تھا، یہ تھا اردو کا احترام! کیا اب بھی کوئی ایسی بات اس پایہ کے کسی لیڈر سے کہہ سکتا ہے۔

یورپ کے مستشرقین بھی اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلامی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کے لئے اردو زبان کا جاننا بھی ضروری ہے گزشتہ سال پروفیسر حطی نے اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ اسلام کی ایک اور عظیم زبان اردو ہے جس کی طرف کہیں بھی کافی توجہ نہیں کی گئی لیکن باوجود اس کے وہ ایشیا، افریقہ، یورپ امریکہ میں گھر کر رہی ہے اور اس کے بولنے اور سمجھنے والے اور لکھنے پڑھنے والے عدن، جدہ، مکہ، مدینہ، کربلا، نجف، طہران، بغداد، قاہرہ، سیلون، انڈمان، فجی، برٹش گی آنا، ٹرنی ڈاڈ، ویسٹ انڈیز، جنوب اور مشرقی افریقہ، ماریشش ملایا، بخارا، انڈونیشیا وغیرہ میں موجود ہیں اور دنیا کی متعدد یونی ورسٹیوں مثلاً جاپان، ماسکو، لینن گراڈ، مصر، ترکی، ایران، ملایا، اٹلی وغیرہ میں اس کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے اور سمرقند، تاشقند اور بخارا میں لازمی طور سے پڑھائی جاتی ہے، اور روز بروز اس کا دائرہ اثر بڑھتا چلا جارہا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت نے انگریزی زبان کو اس لئے رواج دیا تھا کہ وہ سستے کرانی پیدا کرسکے، صحیح ہے اگر انگریزی زبان پڑھا

Marfat.com

وہ ملکی اغراض کے لئے اپنے ڈھب کے آدمی تیار کرنا چاہتی تھی تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی لیکن قابل ضرر بات یہ ہے کہ اس نے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم کیوں بنایا۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے بغیر بھی اسے اپنے دفتروں کے لئے کارآمد کرانی مل سکتے تھے انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دینے میں انگریز کی بہت بڑی حکمت پنہاں تھی اس کی نظر دوربین وہاں پہنچی جہاں اسوقت ہمارا طائر خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا وہ جانتا تھا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ اسے اس برعظیم کی شہنشاہیت سے دست کش ہونا پڑے گا اس لئے اس نے ابتدا ہی سے ایسا ڈول ڈالا کہ خارجی تسلّط نہ بھی رہے تو بھی اہل ہند پر ذہنی اور باطنی تسلط برقرار رہے' اس نے صدیوں کی ٹھان رکھی تھی اسے کیا خبر تھی کہ اسے اس قدر جلد رخصت ہونا پڑے گا۔ پھر بھی اس کی دور اندیشی کام آئی اور گو وہ ظاہر میں یہاں سے رخصت ہو چکا ہے لیکن باطن میں اس کی فرماں روائی ویسی ہی باقی ہے شاید کچھ زیادہ ہی ہوگی، اس نے ہم سے ہماری حکومت اور ہماری دولت تو چھینی ہی تھی ظالم نے ہماری زبان بھی چھین لی، ہمارا دماغ بھی چھین لیا اور باوجود تعلیم یافتہ کہلانے کے ہم جاہل کے جاہل ہی رہے انگریز کے اقبال اور اس کے جبروت وقہر نے وہ کام نہیں کیا جو چپکے چپکے انگریزی ذریعہ تعلیم انگریز قوم کے حق میں کر گزرا۔ کہنے کو یہ ذراسی بات ہے لیکن یہ ذراسی "فتنی" قوموں کو ڈبونے کے لئے کافی ہے، قوموں کے زوال کے متعدد اسباب بتائے گئے ہیں اور مورخوں نے اس پر بڑی دل چسپ اور عالمانہ بحثیں کی ہیں لیکن آئندہ کے مؤرخ کو ان اسباب پر ایک اور سبب کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا اسے لکھنا پڑے گا کہ فلاں قوم اس لئے زوال پذیر ہوگئی کہ اسے

Marfat.com

ایک اجنبی غیر زبان کے ذریعہ تعلیم دی گئی تھی۔ بعض اوقات یہ فاسد خیال دل میں آتا ہے کہ ایسی تعلیم سے تو جاہل رہنا بہتر ہے کہ اس میں اپنی حالت اصلی اور فطری سادگی تو باقی رہتی ہے، سر سید احمد خاں جو انگریزی تعلیم کے بہت بڑے حامی تھے اور جنھوں نے اپنی قوم میں جدید مغربی تعلیم کے رواج دینے کے لئے کیسی کیسی رسوائیاں اور مصیبتیں جھیلیں تجربہ کے بعد انہیں بھی یہ کہنا پڑا کہ "یونی ورسٹیوں کی مثال اور ہمارے لڑکوں کی مثال آقا اور غلام کی سی ہے ہم یونی ورسٹی کے تابع ہیں اور اسی کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں جو ٹکڑا علم کا دیتی ہے اس کو کھا کر پیٹ بھر لیتے ہیں، اور اسی پر قناعت کرتے ہیں، اے دوستو ہماری پوری پوری تعلیم اسی وقت ہو گی جب ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔ یونی ورسٹیوں کی غلامی سے آزادی ہو گی۔ ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہوں گے بغیر یونی ورسٹیوں کی غلامی کے ہم آپ اپنی قوم میں تعلیم پھیلائیں گے یونی ورسٹی کی تعلیم ہمیں صرف خچر بناتی ہے ہم آدمی جب ہی ہونگے جب تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو گی"، اب ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہے مگر اس سے کیا فرق پڑا وہ غلامی جس کی شکایت سر سید نے کی ہے اب بھی ہم پر مسلط ہے آدمی ہم اب بھی نہ بنے جب تک ذریعہ تعلیم انگریزی رہے گا ہمیں نہ کبھی آزادی نصیب ہو گی اور نہ علم۔

ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو ہماری زبان نے دیس اس وقت ادب سے بحث نہیں کر رہا ہوں) ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقت سے کچھ تنزل ہی کیا ہے۔ ۱۸۳۵ء کے بعد سے جب اردو فارسی کی جانشین قرار پائی تو اس زبان کا رواج دفتروں، عدالتوں اور مدرسوں میں ہونے لگا۔ عدالتوں میں وکیل اردو میں بحث کرتے تھے۔ جج یا منصف فیصلے اردو میں لکھتے تھے

Marfat.com

عملہ سارا کاروبار اردو میں کرتا تھا یہی حال دوسرے دفتروں کا تھا۔ انجینئرنگ کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی اور ڈاکٹری اردو کے ذریعہ کھائی جاتی تھی یہاں تک کہ انگریزی فوج کی کمان بھی اردو میں کی جاتی تھی۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا اور شاید آپ کو یقین نہ آئے اس لئے میں اس قول کی تصدیق میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ لارڈ کارنوالس کے عہد میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج سلطان شہید (ٹیپو سلطان) کے لشکر کے مقابلے میں لڑ رہی تھی تو ایک نازک موقع پر انگریزی فوج کے کمانڈر نے حکم دیا "ٹھہرو" مگر معًا اسے خیال آیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اس نے فورًا حکم دیا "دبو" اگر پہلے حکم کی تعمیل کی جاتی تو ساری فوج اور کمانڈر کا صفایا ہو جاتا... اگر آپ کی مصلحت اندیشی کو ٹھیس نہ لگے تو میں بڑے ادب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ملک کی سرکاری یا قومی زبانیں دو یا زیادہ ہوں تو فوج کی کمان کس زبان میں کی جائے گی؟ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ انگریزی کا راج اور سہاگ دائم و قائم رہے گا۔ رہے نام اللہ کا اور انگریزی زبان کا۔

فوج کی کمان تو رہی ایک طرف، ہم اکثر بات چیت انگریزی میں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو خط بھی انگریزی میں لکھتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

کوئی دو سال ہوئے مولانا عبدالحلیم شرر کی نواسی نے جو لندن میں اپنے میاں کے ساتھ مقیم ہیں مجھے ایک خط میں لکھا کہ چند روز ہوئے ایک انگریز دوست ہمارے میاں سے ملنے آئے اتنے میں ڈاک آئی تو ہمارے میاں ایک خط کھول کر پڑھنے لگے خط انگریزی میں تھا۔ انگریز دوست نے

Marfat.com

جوان کے قریب بیٹھا تھا پوچھا خط کسی انگریز کا ہے ہمارے میاں نے کہا نہیں ایک پاکستانی دوست کا ہے۔ اس پر اس انگریز نے کہا سچ ہے ہم جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا اور تہذیب سکھاتے ہیں اور انسان بنا دیتے ہیں یہ سن کر ہمارے میاں کو بڑا طیش آیا اور جھٹ دوسرے کمرے سے تاریخ کی ایک دو کتابیں لے کر آئے اور اسے بتایا کہ جب ہماری تہذیب اور علم و فضل عروج پر تھا تو تم جاہل تھے ہم نے یورپ کی جہالت کو مٹایا اور علم کی شمع روشن کی اور تم کو انسان بنایا۔ انگریز دوست بہت جھینپا اور معذرت کرنے لگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی صاحب کا یہ جواب بے محل تھا اس نے انگریزی خط دیکھ کر بالکل یہی خیال کیا کہ پاکستانیوں کی کوئی زبان نہیں انگریز نے اپنے تسلط کے زمانے میں انگریزی زبان سکھائی اور پڑھائی اگر ان کی اپنی کوئی زبان ہوتی تو وہ غیر زبان میں خط و کتابت کیوں کرتے وہ ایک آزاد قوم کا فرد تھا اسے کیا معلوم کہ غلامی کیسی بری لعنت ہوتی ہے اور اس کے اثر کیسے انسانیت کش اور غیرت سوز ہوتے ہیں مجھ سے کئی اردو داں یورپینوں نے شکایت کی کہ ہم جب کبھی کسی پاکستانی سے اردو میں بات کرتے ہیں تو وہ جواب انگریزی میں دیتے ہیں یہ شکایت صحیح ہے جو لوگ اپنی قومی زبان کے استعمال سے شرماتے ہیں ان میں قومی غیرت کا احساس نہیں وہ قائداعظم کی توہین کرتے ہیں وہ اپنے اسلاف کی اور خاص کر ان بزرگوں کی توہین کرتے ہیں جنھوں نے اپنی مادی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی مساعی سے اس زبان کو عروج تک پہنچایا وہ ساری قوم کی توہین کرتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے ۱۸۶۴ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی بنا ڈالی،

Marfat.com

جس کا مقصد یہ تھا کہ علمی اور تاریخی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرائی جائیں بقول مولانا حالی انہوں نے اس بات کو انگریزی تعلیم پھیلانے سے زیادہ ضروری اور مقدم سمجھا اسی سال انہوں نے ایک عرضداشت دربارہ قیام ورنیکلر یعنی اردو یونی ورسٹی گورنر جنرل باجلاس کونسل کی خدمت میں بھیجی یہ اہم دور رس اور اصلاحی بلکہ انقلابی تحریک تھی اس عرضداشت میں مروجہ طریقۂ تعلیم کو ناقص اور غیر کافی بتایا جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے اور ایک ایسی غیر اور اجنبی زبان کے ذریعہ تعلیم دینے سے جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کی صراحت کی ہے یہ عجیب بات ہے کہ اسی زمانے میں ایک سال بعد ۱۸۶۸ء میں جاپان کے شہنشاہ (مت شی ہٹو) نے اپنے ملک میں اصلاحات کا بیڑا اٹھایا اور یہ غور کیا کہ علم کو روئے زمین سے حاصل کر کے اپنے ملک میں پھیلائیں گے، سرسید کو اور شہنشاہ جاپان دونوں کو جدید تعلیم کی اشاعت کا خیال ایک ہی وقت میں آیا لیکن وہ اس عرصے میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور ہم ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر سکے کہ ذریعہ تعلیم کیا ہو وجہ یہ ہے کہ جاپان نے تمام علوم و فنون کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا اور اپنے مدرسوں اور کالجوں میں ہر علم و فن کو اپنی زبان کے ذریعہ پڑھایا یہاں تک کہ وہ انگریزی زبان بھی جاپانی زبان کے ذریعے پڑھاتے تھے وہ بھی ہمارے ہی جیسا ایشیائی ملک ہے اس کی زبان بھی ایسی ہی ہے جیسی ہماری زبان، اس کی حیرت انگیز ترقی اس وجہ سے ہے کہ اس نے اپنی تعلیم کا ذریعہ کسی غیر زبان کو نہیں بنایا۔ ہم پس ماندہ اس وجہ سے رہے کہ ہم پر ڈبل غلامی سوار تھی، ایک انگریزی حکومت کی دوسری انگریزی زبان کی، انگریزی تعلیم اس

Marfat.com

برعظیم پرسو برس سے جاری ہے، اگر ہمیں تمام علوم و فنون اپنی زبان کے ذریعے پڑھائے جاتے اور انگریزی زبان اور اس کے ادب کی تعلیم ہمیں اپنی ہی زبان کے ذریعہ دی جاتی تو یہ سارے علوم و فنون ہمارے اپنے ہو جاتے اور مغربی ادیبوں، شاعروں، فلسفیوں، سائنس دانوں اور مفکرین کے افکار و خیالات سب ہماری زبان میں آجاتے خیال کیجئے کہ ہماری زبان کس قدر وسیع اور پرمایہ ہوجاتی اور اس کا مرتبہ کتنا بلند ہو جاتا۔

ہمارے سرداران قوم، ماہران تعلیم، ارباب حکومت اور سیاست دانوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں ہمارے موجودہ نظام تعلیم کو مقتضائے وقت اور ہماری تہذیب و تصورات کے خلاف اور انگریزی عہد کی سیاسی پالیسی پر مبنی بتایا ہے اور اس کی اصلاح اور تبدیلی پر بار بار زور دیا ہے لیکن اس بنیادی نقص پر کسی کی نظر نہیں جاتی جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے اگر ہم دل سے اصلاح کے خواہاں اور ملک میں تعلیم عام ہونے کے متمنی ہیں تو سب سے مقدم اصلاح ذریعہ تعلیم کی ہونی چاہیئے ورنہ اگر ہم اسی طرح صدہا سال تک بھی تعلیم پاتے رہے تو بھی علم سے محروم رہیں گے۔

جب ہم نے عثمانیہ یونی ورسٹی کا منصوبہ اکابر ملک اور ماہرین تعلیم کی خدمت میں بھیجا اور ان سے رائے طلب کی تو ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا کہ آپ نے جو اپنے منصوبے کو تجربے کے نام سے موسوم کیا ہے یہ صحیح نہیں اصلی اور فطری طریقہ تعلیم وہی ہے جو آپ نے تجویز کیا ہے، سرتیج بہادر سپرو مجھ سے کہتے تھے کہ میں کئی یونی ورسٹیوں کا ممتحن ہوں عثمانیہ یونی ورسٹی کے طلبہ کے پرچے دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ جو کچھ لکھتے ہیں سمجھ کر لکھتے ہیں اور انھیں اپنے مضمون پر کافی عبور ہے بخلاف ان طلبہ کے جن کا ذریعہ تعلیم انگریزی ہے

Marfat.com

ان کے جوابات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں رٹ کر لکھتے ہیں اس فرق کی میں ایک معمولی سی مثال پیش کرتا ہوں ہمارے قدیم عربی مدارس کے طلبہ کو لیجئے، اسے چھوڑئیے کہ ان کے علمی نصاب کا بیشتر حصہ ایسے نظریات اور اصولوں پر مبنی ہے جو باطل قرار پا چکے ہیں لیکن انہوں نے جو کچھ بھی پڑھا ہے اس پر انہیں کافی قدرت ہوتی ہے اور ان کا علم پختہ ہوتا ہے وہ ان مسائل پر پورے اعتماد کے ساتھ گفتگو اور بحث کر سکتے ہیں ہمارے انگریزی مدارس کے طلبہ میں یہ اعتماد نہیں ہوتا ان کا علم خام ادھورا اور ناقص ہوتا ہے عربی مدارس میں اپنی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے اور ان کے سارے بحث مباحثے اپنی زبان میں ہوتے ہیں اس لئے ان کے طلبہ جو کچھ پڑھتے ہیں اسے اچھی طرح جذب کر لیتے ہیں۔

جب کبھی ہم ذریعہ تعلیم بدلنے اور اپنی زبان میں تعلیم دینے کی تجویز کرتے ہیں تو وہی فرسودہ اور پامال دلائل پیش کی جاتی ہیں جو سو سال سے بار بار پیش کی جاتی رہی ہیں نہ صرف ان کے نہایت معقول جواب دئیے جا چکے ہیں بلکہ ان دلیلوں کی قطعی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنا کر اپنے دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچایا گیا لیکن سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی "میں نہ مانوں" کی رٹ برابر لگی رہی سوتے کو جگانا آسان ہے، جاگتے کو جگانا محال ہے، اب اس بارے میں مذاکرے مباحثے سوال و جواب اور ردو کد بیکار ہے اس کا واحد علاج صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کا نام لے کر اردو یونی ورسٹی قائم کر دیں جسے نہ غدر کی غداری مٹا سکے نہ پولیس ایکشن کی قہاری۔ یہ کام ایسا مشکل نہیں جیسا سمجھ لیا گیا ہے اگر ہم ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہوں اور سچے عزم اور خلوص سے اس کا تہیہ کر لیں

Marfat.com

تو کوئی بڑی بات نہیں یہ یونی ورسٹی بن کے رہے گی آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، اس کی بنا پڑکے رہے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ آج ہی سے اس کا ڈول پڑنا شروع ہو جائے۔ اردو زبان کی صلاحیتیں بے پایاں ہیں اس میں ترقی و توسیع کی بے حد گنجائش ہے اور بین الاقوامی بننے کی اہلیت رکھتی ہے یہ یونی ورسٹی ان تمام امکانات اور صلاحیتوں کو روشنی میں لائیگی اور ہماری قومی زبان و تہذیب اور ہمارے تصورات کی صحیح ترجمانی اور نمایندگی کرے گی یہ مقام علم و تحقیق کا مرکز ہوگا اس وقت ہم یہ کہنے کے قابل ہو سکیں گے کہ آج ہم نے حلقہ غلامی سے نکل کر آزادی کی سرحد میں قدم رکھا ہے،

اُردو زندہ باد

پاکستان پایندہ باد!

Marfat.com

خطبۂ صدارت

جو مرکزِ علم و ادب (وادیٔ مہران) کے کنونشن (میرپور خاص) میں

بتاریخ ۱۹ ؍ دسمبر ۱۹۵۹ء پڑھا گیا

دوستو! ایک فقیر کی صدا تھی "ایک ہو اور نیک ہو" یہ وہی آواز ہے جواب سے چودہ سو برس پہلے پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہلِ عالم کو سنائی تھی اور یہی آواز اسلام کی روح کا مظہر، اس کی تعلیم کا نچوڑ اور حقیقت میں اس کی بنیاد ہے یہی کلمۂ توحید ہے۔ توحید کے صرف یہ معنی نہیں کہ ہم زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہ دیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم سب کا مسلک ایک اور نصب العین ایک ہو اور ہم سب ہم خیال و ہم رائے ہو کر ایک راستے پر چلیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اسی مسلک اور نصب العین کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا"

یعنی "تم سب مل جل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور منتشر نہ ہو"۔ اس لئے میں جناب اختر انصاری اکبرآبادی اور ان کے رفقائے کار کو مبارکباد دیتا ہوں جنھوں نے سندھی ادب اور اردو ادب، اور سندھی ادیبوں اور اردو ادیبوں کو ایک جا لاکر کھڑا کر دیا اور اس دوری کو مٹا دیا جو ہمارے پاک مذہب میں کفر ہے۔ میرے لئے یہ امر موجب مسرت ہے کہ مرکز علم و ادب جس کے روحِ رواں اختر انصاری اکبرآبادی ہیں، پچھلے تین سال سے وادیٔ مہران میں اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے لئے قابل قدر کام کر رہا ہے

Marfat.com

اور اس ادارے کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سندھی اور اردو ادیبوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کیا ہے۔

پاکستان کی ساری زبانیں ہماری اپنی زبانیں ہیں اور وہ سب ہمیں یکساں عزیز ہیں اور ان کی ترقی پاکستان کی ترقی ہے۔ ہر شخص کو اپنی مادری زبان عزیز ہوتی ہے اور عزیز ہونی چاہیئے اسے ترقی کا پورا حق حاصل ہے اور اس کی راہ میں کسی رکاوٹ کو حائل نہ ہونا چاہئے لیکن ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ ایک علاقائی زبان خواہ کیسی ہی جان دار اور پُرمایہ ہو بہرحال علاقائی زبان ہے اور اس کے نفوذ و اثر کا دائرہ ایک ہی علاقے تک محدود رہتا ہے لیکن ہر ملک میں ایک ایسی زبان بھی ہوتی ہے جو ہر علاقے میں بولی، سمجھی، پڑھی یا لکھی جاتی ہے یہی زبان پورے ملک کی قومی زبان کہلاتی ہے اور یہی زبان بلا اختلاف مذہب و ملت سارے باشندگان ملک کی تہذیب تمدن اور ان کے نظریات، تصورات، خیالات اور رجحانات کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں اردو زبان کو یہی حیثیت حاصل ہے اور اس لئے یہی ہماری قومی زبان ہے۔ ہمارے اسلاف نے اس زبان کی ترقی اور فروغ میں اپنی مادی، ذہنی اور روحانی قوتیں صرف کی ہیں اور اسے اس رتبے تک پہنچا دیا ہے کہ ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور اس کا سرمایہ اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ وہ بھارت اور پاکستان سے نکل کر دور دور تک جا پہنچی ہے۔ ہم یہ تمام سرمایہ علاقائی زبانوں کی نذر کرتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ جب علاقائی زبانیں قومی زبان اردو سے مل کر اپنے ادب کے فروغ و ترقی کے لئے کوشش کریں گی تو وہ بہت بڑی قوت بن جائیں گی۔

Marfat.com

ہم سندھ میں یہی پیغام لے کر حاضر ہوئے ہیں اور اس یقین اور اعتماد کے ساتھ کہ اہل سندھ اپنی روایتی مہماں نوازی کے ساتھ اس پیغام کا خیر مقدم کریں گے ہمیں سندھ اس لئے عزیز ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے اسی سرزمین پر اسلام کی روشنی پہنچی اور پھر یہیں سے توحید کی صدائیں بلند ہو کر ایک طرف تو ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں سے ٹکرائیں اور دوسری جانب جنوب کی معطر فضاؤں اور مشرق کے سبزہ زاروں میں گونجیں ہمیں سندھ اس لئے عزیز ہے کہ یہیں حجازی تہذیب اور عربی ثقافت، ہندِ قدیم کی تعلیم و روحانیت سے ہم کنار ہوئی اور پھر اس اشتراک و اتحاد سے ایک نئی تہذیب و ثقافت وجود میں آئی اور ہماری یہ قومی زبان اردو اسی تہذیب و ثقافت کا شاہکار اور اس کی زندہ جاوید یادگار ہے۔

ہمیں سندھ اس لئے عزیز ہے کہ یہیں سے اسلامی علوم و فنون کی اشاعت ہوئی اور یہیں کے محدثین، فقہا، علما، فضلا، اولیا اور صوفیا نے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ، پراثر اور انسانیت نواز تعلیمات کو ملک کے دوسرے گوشوں تک پہنچایا۔ ہمیں سندھ اس لئے عزیز ہے کہ اسی سرزمین سے شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی اور حضرت جلال الدین بخاری ایسے صاف باطن اور پاک مشرب بزرگوں کے روحانی فیوض و برکات کے چشمے پھوٹے۔ اور سندھ ہمیں اس لئے بھی عزیز ہے کہ اس کی خاک کا ذرہ ذرہ لعل شہباز قلندر، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست ایسے خدا رسیدہ بزرگوں کے سرمدی نغموں سے سرشار اور ان کے وجدان و عرفان کا آئینہ دار ہے۔

Marfat.com

اے اہل سندھ آپ کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہے اور آپ کے بزرگوں نے تہذیب و شائستگی میں جو عروج حاصل کیا تھا آج بھی موہن جو ڈارو کے کھنڈر زبان حال سے اس کی عظمت کی داستانیں سُنا رہے ہیں اور یہ بات بھی آپ کے لئے کچھ کم باعث فخر نہیں کہ جب آریوں کے قدم اس سرزمین پر آئے تو پہلے پہل یہیں سے رگ وید کے روح پرور نغمے بلند ہوئے پھر جب محمد بن قاسم نے یہاں عربوں کی شوکت و سطوت کا پرچم بلند کیا تو اس مردم خیز خطّے نے ایسے ایسے جوہر قابل پیدا کئے کہ خود اہل عرب نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔ اگر میں سندھ کے ان تمام بزرگوں اور دانش وروں کا تذکرہ کروں جنھوں نے شام اور عراق میں سندھ کے نام کو چار چاند لگائے تو اس کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہوں گے شاید آپ کو سن کر حیرت اور تعجب ہو کہ اس دَور میں یہاں سے ایک صاحب جن کا نام ابو معشر سندھی تھا جنگی قیدیوں کے زمرے میں حجاز پہنچے تو انہوں نے وہاں علم حدیث میں اس درجہ کمال حاصل کیا کہ ائمہ حدیث میں شمار ہونے لگے اور امام شافعیؒ کے استاد امام وکیعؒ، امام ثوریؒ اور واقدیؒ جیسے مشاہیر وقت نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ حافظ ابو محمد خلف بن سالم اور ابو نصر سندھی بھی اسی دور کے مشہور محدثین میں ہیں جن کی روایتوں کو امام نسائیؒ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے علم حدیث میں سندھ کے اگلے بزرگوں نے جو امتیاز حاصل کیا تھا وہ صدیوں برقرار رہا۔ چناں چہ دہلی، کڑا، جون پور اور برہان پور جیسے بڑے علمی اور تہذیبی مرکزوں کے اہل علم حتیٰ کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی یہاں کے باکمالوں سے علم حدیث

Marfat.com

حاصل کیا۔ عربی ادب اور شعر میں بھی اس مردم خیز خطے نے ابوالعطا سندھی اور ابوضلع سندھی ایسے خوش گفتار اور سخن سنج پیدا کئے کہ اہل زبان کو بھی ان کا لوہا ماننا پڑا۔ غرض کہ صدیوں سندھ کی علمی مرکزیت اور ادبی اہمیت پورے برعظیم کے لئے قابل رشک رہی اور آخر وہ وقت بھی آ پہنچا کہ یہاں کی ساری علمی روایات داستان پارینہ بن کر رہ گئیں۔ اور وہی سندھ جو کبھی علمی و ادبی حیثیت سے میر کارواں کی حیثیت رکھتا تھا پستی و پس ماندگی کا شکار ہوگیا، اور انگریز حکومت کے دور میں تو یہ زوال اپنی آخری حد کو پہنچ گیا۔

زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا ثبات وقرار اس کی فطرت میں نہیں اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ سندھ کی سابقہ زبوں حالی سلامت رہے۔ اب نہ انگریزوں کا استبداد ہے اور نہ برادران وطن کی معاشی بالادستی جو کسی نہ کسی حد تک آپ کی ترقی کی راہ میں حائل تھی۔ اب آپ آزاد ہیں، اپنی تقدیر کا سنوارنا اور بگاڑنا اب آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ عزم راسخ اور سعی پیہم سے کیا نہیں ہوسکتا۔ یاد رہے کہ توفیق خداوندی بھی انہیں لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو خلوص اور سنجیدگی سے اپنی حالت کو درست کرنا چاہتے ہیں۔

عزیزو! تقسیم سے پہلے بھی کئی بار سندھ آچکا ہوں اور تقسیم کے بعد یہیں کا ہو کر رہ گیا ہوں مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں کسی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ اردو ان کے بس کی بات نہیں اور وہ خواہ کتنی ہی کوشش کریں لیکن وہ اس میں کمال حاصل نہیں کرسکتے۔ جب اہل پنجاب اور اہلِ سرحد باوجودے کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں، اردو پر ایسی ہی قدرت حاصل کرلیتے ہیں جیسی خود اہلِ زبان کو ہوتی ہے

Marfat.com

توکوئی وجہ نہیں کہ اہلِ سندھ کو بھی اردو پر وہی ملکہ اور عبور نہ حاصل ہو سکے۔ سندھی اور اردو کا رسم خط ایک ہے، دونوں کا ذخیرہ الفاظ بھی بڑی حد تک مشترک ہے اور دونوں کی صرف و نحو بھی ملتی جلتی ہے۔ ان آسانیوں کے باوجود بھی اگر اہل سندھ اردو کو ایک مشکل زبان سمجھ بیٹھیں تو یہ اُن کی بہت بڑی بھول ہوگی۔ اردو زبان سندھ کے لئے اجنبی اور نامانوس نہیں اور بعض محققین کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اردو زبان کا مولد و منشا بھی آپ کی وادیٔ مہران ہے۔ ان کے دعوے کی بنیاد یہ ہے کہ اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کے میل جول اور ان کے تہذیبی وادبی اختلاط سے پیدا ہوئی ہے اور چوں کہ پہلے پہل یہیں عربوں کی حکومت قائم ہوئی، اس لئے لامحالہ اردو نے بھی یہیں جنم لیا ہوگا۔ اردو سندھ میں پیدا ہوئی یا گجرات اور دکن میں۔ یہ موقع اس سوال کے چھیڑنے کے لئے مناسب اور موزوں نہیں لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ صدیوں پہلے بھی یہاں اردو کے استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ چناں چہ جب محمد تغلق نے ٹھٹھہ کی تسخیر کے لئے سندھ پر فوج کشی کی اور پھر یہیں کی خاک کا پیوند ہو کر رہ گیا اور دس برس بعد دوبارہ پھر فیروز تغلق نے ٹھٹھہ پر چڑھائی کی اور رسد کی عدم فراہمی کی وجہ سے اسے جب اپنا ارادہ منسوخ کرنا پڑا تو یہاں کے لوگوں نے اسے اپنے یہاں کے ایک پیر کی کرامت قرار دیا اور یہ جملہ ضرب المثل کی طرح ان کی زبانوں پر رواں ہوگیا:۔

"برکت شیخ پٹھا، ایک موا ایک ہٹا"

انگریزوں کی علداری سے بہت پہلے سندھ کے صاحبان فہم اور یہاں کے شرفا فارسی اور سندھی زبانوں میں شعر کہنے کے ساتھ اردو میں بھی فکر سخن

Marfat.com

کرتے تھے۔ چناں چہ مقالات الشعرا کے مصنف میر شیر علی قانع ٹھٹھوی نے جو کبھی کبھی خود بھی اردو میں شعر کہتے تھے اپنے تذکرے میں شیخ دُر عبدالسبحان فائز ٹھٹھوی۔ سید حیدرالدین کامل، میر حفیظ الدین علی منشی پرسرام مشتری اور دیگر سندھ نژاد اردو شعراء کا ذکر کیا ہے تو پھر اے دوستو! جب آپ کے اسلاف اب سے بہت پہلے زبان دانوں کی طرح اردو شعر کہنے پر قادر تھے تو پھر یہ غلط خیال کیوں کر آپ کے ذہنوں میں پیدا ہوا کہ آپ جو ان کے جانشین اور یادگار ہیں اردو زبان و ادب کے میدان میں کسی سے پیچھے رہ جائیں گے۔ جس اردو زبان کو آپ کے بزرگوں نے اپنا کر اس میں امتیازی مقام حاصل کیا آپ بھی آج ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی اہمیت ثابت کر سکتے ہیں علاوہ بریں اگر آپ اپنے گرد و پیش پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اب مغربی پاکستان کی وحدت ایک مسلّمہ حقیقت بن چکی ہے اسی طرح یہ بھی طے شدہ ہے کہ اس حصّہ ملک کی سرکاری اور مشترک زبان اردو ہوگی۔ اس لئے میں سندھ کے اہل فکر اور صاحب نظر بزرگوں سے مخلصانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس حقیقت کی روشنی میں جہاں تک زباں کے مسئلے کا تعلق ہے اپنے موقف پر بار بار غور کریں، اپنے علاقے کے عوام کی بہبود و فلاح کے سلسلے میں ان پر بڑی ذمہ داریاں ہیں، اگر ان کی غفلت اور غیر حقیقت پسندانہ روے سے اہل سندھ کو نقصان پہنچ گیا تو اس کی تلافی آسان نہ ہوگی۔

اردو کو سندھی ہو یا کوئی دوسری علاقائی زبان، کسی سے بیر نہیں، اس کے مزاج میں بڑی رواداری اور اس کی فطرت میں بڑی لچک ہے پہلے بھی وہ سندھ میں غیر متعارف نہ تھی اور اب تو شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جہاں

Marfat.com

اس کے قدم نہ پہنچے ہوں اور چوں کہ اس کا مشرب ہی صلح کل ہے اس لئے اس نے سندھی کو گلے سے لگایا۔ اس کے درد کو اپنا درد جانا اور اس کے مفاد کو اپنا مفاد سمجھا۔ ایسی نیک طبیعت اور مرنجان مرنج زبان محبت کے قابل ہے اور مجھے یقین ہے کہ اہل سندھ اسے اپنے دلوں میں جگہ دیں گے اور اسے اس طرح نوازیں گے کہ غیریت اور اجنبیت کے سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ یہ دور جذبات کا نہیں بلکہ حقیقت پسندی کا دور ہے اور اس دور میں فیصلے دل سے نہیں بلکہ دماغ سے ہوتے ہیں، اس لئے ایک بار میں پھر آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ کے دلوں میں اردو کی طرف سے کچھ شکوک اور بدگمانیاں ہیں تو انہیں دور کر دیں۔ یہ آپ کی مادری زبان کو بے دخل اور بے اثر نہیں کرنا چاہتی۔ یہ اس کے مذہب کے خلاف اور اس کے آئین کے منافی ہے وہ محبت کی بھوکی ہے اور آپ سے صرف آپ کی محبت چاہتی ہے کیوں کہ اس میں آپ کا اپنا فائدہ ہے، آپکے ملک کا فائدہ ہے اور آپ کی قوم کا فائدہ ہے۔ یہ آپ کی قومی زبان ہے اور کوئی غیور و خود دار قوم اپنی قومی زبان کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ مادری زبان کا بھی درجہ ہے اور قومی زبان کا بھی مقام ہے اور ان کی اپنی اپنی حدیں اور اپنے اپنے دائرے ہیں لیکن اس میں اختلاف اور تضاد نہیں جیسا کہ بعض نادان دوستوں نے سمجھ لیا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو مادری زبان اور قومی زبان کی صحیح قدروں کو سمجھتے ہیں اور انہیں کی روشنی میں اپنے طرز عمل کو متعین کرتے ہیں۔

صاحبو!

یہ بات ہم سب کے لئے بڑی تشویشناک اور تکلیف دہ ہے کہ ہمارے

Marfat.com

ملک میں ابھی بچوں کی تعلیم کی طرف وہ توجہ نہیں کی گئی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی لیکن حال ہی میں امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی ہے۔ کئی مہینے ہوئے ہماری انقلابی حکومت نے ملک کے تعلیمی حالات کا جائزہ لینے اور مناسب اصلاحات کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک تعلیمی کمیشن مقرر کیا ہے، ابھی کمیشن کی رپورٹ شائع نہیں ہوئی لیکن ہمارے وزیر تعلیم کے بیانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ابتدائی تعلیم کو مفت عام اور لازمی قرار دینے کے لئے موثر اور عملی تجاویز ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں بڑی عمر کے لوگوں کی ناخواندگی بھی کچھ کم پریشان کن نہیں اس لئے اب یہ آپ کا کام ہے کہ اپنے اپنے علاقے میں بالغوں کی تعلیم کے مرکز قائم کریں اگر ہم بڑی عمر کے لوگوں کی تعلیم کا انتظام نہ کرسکے تو آپ یقین کریں کہ وہ بنیادی جمہوریتوں سے صحیح استفادہ نہ کرسکیں گے، وہ بنیادی جمہوریتیں جو ہمارے حسب حال اور ہمارے مزاج کے مطابق ہیں۔ دس سال تک ہم نے مغربی طرز کی جمہوریت کا تجربہ کیا اور قدم قدم پر ناکامیاں ہوئیں، اور اب ہماری مملکت کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے بنیادی جمہوریتوں کی اسکیم نافذ کی ہے، جو اگرچہ ہمارے لئے بالکل نئی ہے تاہم ہماری افتاد و مزاج اور رنگ طبیعت سے ہم آہنگ ہے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے جب تک تعلیم بالغان کی مہم نہ چلائی جائے گی، بنیادی جمہوریتوں کا صحیح مقصد بھی نہ حاصل ہوسکے گا۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ بڑی عمر کے لوگوں میں بھی تعلیم کو عام کرنے کی جدوجہد شروع کی جائے۔ اس موقع پر مجھے سید احمد خان مرحوم یاد آتے ہیں جنھوں نے اب سے بہت پہلے کہا تھا کہ پارلیمانی طرز جمہوریت ہمارے ملک کے لئے سازگار نہیں اس وقت سید احمد خان مرحوم کے اس خیال کو کانگریس دشمنی پر محمول کیا گیا۔

Marfat.com

لیکن بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ ان کا اندیشہ کس قدر صحیح اور درست تھا اور اس لئے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان قابل صد تبریک ہیں کہ انہوں نے قوم کو مغربی طرز جمہوریت کے طلسم سے نکال کر ایسی مشرقی جمہوریت کا جلوہ دکھایا جس کے ہر ہر مرحلے پر ہمارے مخصوص حالات رجحانات اور روایات کو ملحوظ رکھنے کی ایماندارانہ کوشش کی گئی ہے۔

مجھے آپ سے ایک اور ضروری بات کہنی ہے جس پر نہ صرف ہماری بلکہ ہمارے بعد آنے والی نسلوں کی فلاح و بہبود کا بھی انحصار ہے۔ ہماری یونی ورسٹیاں انگریز فرماں رواؤں کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان کا نظام تعلیم خاص سیاسی مصلحت پر مبنی تھا جس کا مقصد ان کی حکومت کا استحکام اور ہماری ذہنی غلامی تھا۔ اب انگریز چلا گیا اور ہم آزاد ہو گئے، مگر ہمارا نظام تعلیم وہی ہے جو انگریز نے تجویز کیا تھا۔ ہمیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ ہم اس کے نیک و بد پر غور کرتے اور اس زہریلے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کرتے جو اس تمام نظام تعلیم میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ زہر ذریعہ تعلیم کا ہے جو اب تک بدستور قائم ہے۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انگریز کے جانے کے بعد بھی انگریزی زبان کی فرماں روائی قائم ہے۔ کاروبار میں اسی کا چلن ہے، اور تعلیم گاہوں میں بھی اسی کا راج ہے۔ خاص طور سے کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں تو یہ بلا شرکت غیرے ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے مقبول و سرفراز ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلبہ کی ذہنی نشو و نما ادھوری رہ جاتی ہے اور ہم سوا سو سال سے اسی قضیے میں الجھے ہوئے ہیں کہ اردو میں ذریعۂ تعلیم بننے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ زوال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ حقائق اور مسلمات پر بحث و مباحثہ

Marfat.com

کو روا رکھا جائے۔ پاکستان کے قیام کو بارہ سال ہو چکے ، ہم اب تک اپنی قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سیدھے سادے سوال پر متفق نہیں ہو سکے۔ مرحوم دہلی کالج اور سابق عثمانیہ یونی ورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم کا کامیاب تجربہ ہو چکا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ یہاں بھی کامیاب ثابت نہ ہو۔ اب میں زندگی کی اس منزل میں داخل ہو چکا ہوں جہاں کام یا دہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے لیکن میں نے کام پر اپنے آرام کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اور اب میری زندگی کا صرف ایک مقصد رہ گیا ہے کہ پاکستان میں اردو یونی ورسٹی قائم ہو۔ کراچی میں میں نے اردو کالج بھی اسی لئے قائم کیا تھا کہ اس سے اردو یونی ورسٹی کے قیام میں آسانیاں پیدا ہوں لیکن اب تک مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر میں اپنی اس ناکامی سے مایوس نہیں اور مجھے یقین ہے کہ اردو یونی ورسٹی آج نہیں تو کل ضرور قائم ہو کے رہے گی۔ اس عمر میں اور ایسے ناخوش گوار موسم میں گھر سے نکلنا آسان نہیں لیکن میں نے کسی چیز کا خیال نہ کیا اور یہاں آپ کے بلاوے پر حاضر ہو گیا کہ اردو یونی ورسٹی کے قیام کا وہ خواب جو میں مسلسل بارہ سال سے دیکھ رہا ہوں، شاید آپ ہی کے اشتراک و اعانت سے شرمندۂ تعبیر ہو جائے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب آپ کی باری ہے۔ آپ جواں سال جواں بخت اور صاحب عزم و ایثار ہیں خدا کا نام لے کر اٹھئے اور اردو یونیورسٹی کے قیام میں مجھے سہارا دیجئے۔ بظاہر یہ کام مشکل نظر آتا ہے' لیکن کوئی مشکل ایسی نہیں جو حل نہ ہو سکے۔ حسن نیت، عزم راسخ اور جوش عمل سے کیا کیا نہیں ہوا، اور کیا کیا نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر خاص طور سے مجھے ان تعلیم یافتہ اور زمانہ شناس سندھی

Marfat.com

نوجوانوں سے جن کی مادری زبان سندھی ہے، یہ کہنا ہے کہ آپ کے ہاں کے پرانے سیاست کاروں نے عوام کو ہمیشہ حقیقت سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اب ان کی ناؤ ڈوب چکی ہے اس لئے اب آپ سامنے آئیں اور سندھی عوام میں ذہنی انقلاب کی تحریک چلائیں : تاکہ آئندہ پھر وہ خود غرض اور مفاد پرست رہنماؤں کے دام میں نہ اسیر ہو سکیں۔ آپ یقین رکھیں کہ اس نیک مشن کی تکمیل میں آپ کو اردو زبان سے بڑی مدد ملے گی، جو آپ کی قومی زبان ہے اور جس کا وسیع لٹریچر صحیح معنوں میں انقلاب آفریں ہے۔

آخر میں میں ایک بار پھر جناب اختر انصاری اکبرآبادی اور ان کے معاونین خصوصاً جناب اشتیاق حسین اظہر، میجر ساز علی رونق مولانا غلام محمد گرامی اور جناب سیف سلطان پوری کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے سندھی اردو ادبی کنونشن کا انعقاد کر کے ایک بڑی اچھی مثال قائم کی ہے مجھے توقع ہے کہ سندھ کے دوسرے جواں ہمت اور ہمدرد قوم افراد بھی اس نیک مثال کی پیروی کریں گے اور خیر سگالی اور خوش اعتمادی کے اس پیغام کو سندھ کے دور دراز گوشوں تک پہنچا کر دم لیں گے۔

Marfat.com

خطبۂ صدارت

پاکستان رائٹرز کنونشن۔ کراچی

۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء

محترم صدر پاکستان و معزز حاضرین!

میں آپ صاحبوں کو، سارے ملک کے اہل قلم کو ایک مرکز پر جمع دیکھ کر جو مسرت محسوس کرتا ہوں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں ان باہمت دوستوں کو مبارک باد دیتا ہوں جن کی کوششوں سے یہ مبارک موقع آیا۔ اس نادر اجتماع پر نظر ڈالتا ہوں تو اس میں ایسے ایسے فاضل ادیب دیکھتا ہوں جو جدید عہد کے تقاضوں، ادبی نکات و رموز اور ادیبوں کے حقوق و فرائض پر زیادہ بصیرت، گہرائی اور دقتِ نظر سے بحث کر سکتے ہیں۔ یہ نوجوان ادیب زیادہ مستعد اور باخبر ہیں۔ میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں یہ بہت آگے بڑھ گئے۔ بنظر انصاف دیکھا جائے ان کے ہوتے ہوئے میں اس منصب کا مستحق نہیں جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ غور کرتا ہوں تو اس کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ بڑے بوڑھوں کا ادب ہماری قدیم تہذیب میں داخل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمرے میں کچھ دقیانوسی خیالات کے حضرات شریک ہیں جو اپنی آبائی سنت پر قائم ہیں انھوں نے اہلیت سے زیادہ سفید بالوں کا لحاظ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بُری سے بُری چیز میں بھی خوبی کا کوئی نہ کوئی پہلو نکل آتا ہے۔ طوالتِ عمر جسے میں اس زمانہ میں ایک عذاب سمجھتا ہوں اور جس سے میں سخت بیزار ہوں آج آخر وہی

Marfat.com

عیب میرے حق میں ہنر ثابت ہوا۔ اور مجھے اس کی بدولت اپنے اہل قلم دوستوں سے ملنے باتیں کرنے اور ان سے بہت کچھ جاننے اور سیکھنے کا موقع ملا اس کے لئے مجھ پر آپ کا شکر واجب ہے یہ شکر رسمی نہیں صدق دل سے ہے

جب ہم حسن اتفاق سے ایک جا جمع ہیں تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم اپنے ادب کا سرسری جائزہ لیں مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے ادب کو شعر و سخن، غزل سرائی، فسانہ گوئی، مشاعرہ بازی، معمولی کتابوں کی تالیف و ترجمہ تک محدود کر رکھا ہے۔ ہم نے قیام پاکستان کے بعد سے کسی ایسی تالیف یا تصنیف کا اضافہ نہیں کیا جسے دنیا کے سامنے نہ سہی پاکستان ہی کے اہل فکر کے سامنے یہ کہہ کر پیش کرسکیں کہ یہ ہمارے ادب کی قابل قدر تخلیق ہے۔ جب تک ہم علوم و فنون کو اپنی زبان میں منتقل کر کے اعلا پایہ کی کتابیں تالیف و تصنیف نہیں کریں گے ہمارے ادب کی بنیادیں مضبوط نہیں ہوں گی اور نہ وہ کسی مہذب اور ترقی یافتہ ملک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا ہمیں بہت سے کھانچے بھرنے ہوں گے، بہت سی خامیاں رفع کرنی ہوں گی، اور بہت سی کمیوں کو پورا کرنا ہوگا۔ ہمیں مستند جامع لغات اور انسائی کلوپیڈیائیں لکھنی ہوں گی، استناد کی کتابیں تالیف کرنی ہوں گی، فلسفہ و سائنس، تاریخ و معاشیات وغیرہ کی تالیفات کے انبار لگانے ہوں گے اس کے علاوہ ہمیں دنیا کی امہات کتب کے ترجمے کرنے ہوں گے۔ یہ انقلابی اور عہد آفریں کتابیں ہمارے خیالات میں روشنی پیدا کریں گی اور رہ نمائی کا کام دیں گی۔ انجمن ترقی اردو نے یہ کام شروع کیا تھا اور بہت کچھ کیا بھی لیکن پاکستان میں آکر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ میں بڑی خوشی سے اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ حال میں سید محمد تقی

Marfat.com

صاحبان نے بعض ایسی امہات کتب کا ترجمہ شروع کیا ہے جو نہایت مشکل اور دقیق علمی مسائل پر مبنی ہیں یہ کام آسان نہیں۔ اس کے لئے لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے اور اگر ہمیں اپنے ادب کی ترقی مدنظر ہے تو یہ چنے چبانے ہی پڑیں گے۔ یہ کام ہماری یونی ورسٹیوں اور کالجوں کے پروفیسروں کا تھا جو ان مضامین میں اعلیٰ ڈگریاں رکھتے ہیں مگر وہ اس سے قاصر رہے اس میں ان کا قصور نہیں جتنا ہمارے نظامِ تعلیم کا ہے، پروفیسر صاحب نے جو کچھ پڑھا تھا انگریزی زبان کے ذریعہ سے پڑھا تھا۔ اب جو انھیں پڑھانے کا منصب ملا تو اپنے شاگردوں کو بھی انگریزی کے ذریعہ پڑھایا معلم اور متعلم دونوں اس علم کو جو انھوں نے حاصل کیا ہے اپنے اہلِ وطن تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔ ان کا علم گونگے کا گڑ ہے اگر یہ نظامِ تعلیم نہ بدلا تو صدیوں ہم انگریزی کے محتاج رہیں گے۔ اور علم کی اشاعت ملک میں عام نہ ہونے پائے گی۔ آج کل صدیوں کی منزلیں برسوں بلکہ مہینوں میں طے ہونے لگی ہیں جو نظامِ حکومت تین مہینے میں انقلابی قسم کی زرعی اصلاحات نافذ کرسکتا ہے وہ ایک مہینے میں اپنی زبانوں کو ان کا چھنا ہوا مقام بھی واپس دلا سکتا ہے۔ انگریزی زبان ایک علمی زبان کے طور پر باقی رہنی چاہئے اور رہے گی لیکن ہماری درس گاہوں میں ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے فوراً ختم ہونی چاہئے۔ اور آج ہی ابھی غروب آفتاب سے قبل ختم ہونی چاہئے اگر یہ مشکل ہے تو زرعی اصلاحات بھی مشکل تھیں اور آج سے چند روز قبل کسی کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایسی انقلاب انگیز اصلاحیں جن کا نام سنتے ہی ہمارے مصلحین اور سیاست داں کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے اس طرح آناً فاناً عمل میں آجائیں گی مشکل اسی وقت تک مشکل ہے جب تک ہم

Marfat.com

اسے مشکل سمجھتے ہیں انسان دل پر رکھ لے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

ہمارے ادب میں جو جمود پایا جاتا ہے وہ بہت غور طلب ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس موضوع پر اور اس کے اسباب پر ہمارے ادیبوں نے بہت کچھ بحث کی ہے لیکن اصل سبب کی تلاش کے لئے ہمیں کسی قدر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب کسی ملک یا قوم پر سیاست کاری مسلط ہو جاتی ہے اور اس کا تسلط جس قدر قوت کے ساتھ ہوتا ہے اسی قدر اس ملک کی ثقافتی زندگی مفلوج ہو جاتی ہے اور اس کی ذہنی اور اخلاقی قوتیں زوال پذیر ہونے لگتی ہیں اقتدار کی ہوس اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ توجہ مفاد عامہ سے ہٹ کر اپنی ذات اپنے عزیز و اقارب اور اپنی پارٹی کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ سیاست میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ زندہ بنیادی اصولوں کی جگہ مردہ وقتی مصالح کارفرما ہو جاتے ہیں سیاست کار حکومت کی مشین کو اپنی ہوس کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور اس ہوس کے زیر سایہ سازشیں اور تخریبی کارروائیاں پھلنے پھولنے لگتی ہیں۔ خیانت، بد دیانتی، جعل سازی، رشوت، مکر و فریب، غارت گری اور ہر قسم کی بداخلاقیاں عام ہو جاتی ہیں۔ ہماری حکومت کے پچھلے چند سال اسی لعنت میں مبتلا تھے اگر کچھ دن اور یہی حال رہتا تو حکومت کی کل پاش پاش ہو جاتی، ایسی حالت میں انقلاب کا آنا لازمی تھا انقلاب آیا، مگر وقت آیا یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس طرح آیا کہ کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔

اب سیاست کاری کی لعنت اٹھ گئی ہے اور وہ ماحول جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں جمود پیدا کر دیا تھا باقی نہیں رہا۔ آپ نے

Marfat.com

وقت پر اپنی انجمن قائم کی ہے کیوں کہ انفرادی کوششیں زیادہ کارگر نہیں ہو سکتیں، اجتماعی قوت بہت بڑی قوت ہے اسی کے بل پر آپ اپنے مقاصد پورے کر سکتے ہیں۔

اس وقت جو فضا ملک میں پیدا ہو گئی ہے اسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ ذہنی اور ادبی جمود کو توڑنے کے لئے ہمیں ایک اور انقلاب لانا ہو گا جس کے لئے ہمیں وہی کرنا ہو گا جو اٹھارویں صدی میں فرانس میں ان سائیکلو پیڈسٹ (ENCYCLOPAEDISTS) نے کیا تھا۔ اس عالی ہمت، جرات مند مفکروں کی مختصر جماعت نے علم و حکمت کی شمع روشن کی اور اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا قلع قمع کرنا شروع کیا۔ سائنس اور فلسفہ کے مسائل اور موضوعات کو نئے پیرائے اور عام فہم زبان میں پیش کیا۔ کائنات اور انسان، ریاست (اسٹیٹ) اور معاشرہ، مذہب اور اخلاق کے قدیم نظریات اور روایات کو بڑی جرات اور آزادی سے عقل و حکمت کی کسوٹی پر کسا اور جملہ علوم انسانی کو از سر نو نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش کی اس ان سائیکلو پیڈیا نے خیالات میں تغیر عظیم پیدا کر دیا۔ اور ملک میں بیداری کی نئی لہر دوڑا دی۔ مگر حکومت اور کلیسا دو بڑی قوتیں درپے آزار ہو گئیں، طرح طرح کی سختیاں کی گئیں، تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ حکومت کی طرف سے کتاب کے چھپنے کی ممانعت کر دی گئی۔ مطبع میں چھپتے وقت مضامین میں تحریف کر کے کتاب مسخ کر دی گئی لیکن باوجود ان تمام موانعات اور مصائب کے ان علم و ادب کے شیدائیوں نے کام جاری رکھا۔ آخر پولیس کی مسلسل ایذا رسانی، بے آبروئی اور تعذیب سے تنگ آ کر بعض رفیق رفاقت ترک کر کے الگ ہو گئے مگر ان کا بہادر سرخیل اور رہنما ڈڈرو باوجود ان

Marfat.com

عقوبتوں کے اپنے عزم پر قائم رہا اور شب و روز جن کی طرح کام کرتا رہا، راتوں کو پروف پڑھتے پڑھتے اور مضامین نگاروں کے مسودوں کی اصلاح کرتے کرتے اس کی بصارت میں فرق آگیا۔ مگر اس نے اپنا کام پورا کرکے چھوڑا!

اس ان سائی کلوپیڈیا کی مجلدات اب آپ کو اپنے کسی کتب خانے میں نظر نہ آئیں گی اور شاید ہی اب کسی نے اس کی کوئی کتاب یا اس کے مضامین پڑھے ہوں لیکن ان ہی معتوب اور ستم رسیدہ ادیبوں کے افکار و خیالات نے اس عظیم انقلاب کی راہ ہموار کی جو "انقلاب فرانس" کے نام سے مشہور ہے، جس نے سارے یورپ کو ہلا دیا تھا اور جس کا اثر دور دور تک پہنچا۔ اس پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور اب بھی ہر زبان میں اس کی داستان دہرائی جاتی ہے۔

ہماری قوم میں بھی ہماری زندگی میں ایک ایسا ذہنی انقلاب واقع ہو چکا ہے۔ یہ انقلاب سر سید احمد خان کی پرخلوص سرفروشانہ مساعی سے عمل میں آیا۔ میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے قوم کے اس مصلح اعظم کو قریب سے دیکھنے اور کام کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے، سر سید علیہ الرحمتہ نے ایک شکستہ دل افسردہ اور مایوس قوم میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جمود توڑا، جدید مغربی تعلیم کا ڈول ڈالا، توہمات، تعصبات اوہام باطلہ کی بیخ کنی کی اور عقلیت کی طرف مائل کیا اپنی تحریروں اور مقالوں سے اردو ادب کا درجہ بلند کر دیا اور سنجیدہ اور حکیمانہ مضامین لکھنے کا ڈھنگ ڈالا۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ ہم اس وقت ان مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے جو سر سید کو پیش آئیں۔ سر سید نے جس وقت اس منزل میں قدم رکھا تو مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔ لعن وطعن سب وشتم کی بوچھار ہونے لگی کفر کے فتوے

Marfat.com

صادر ہوئے، اس نے سب کچھ سہا اور اپنے عزم پر قائم رہا اور آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور قوم کو ورطۂ غفلت و محرومی سے نکال کر ساحل مراد پر پہنچا دیا۔

میں نے ذہنی جمود توڑنے کی دو مثالیں پیش کی ہیں، ایک فرانس کے ان سائی کلوپی ڈسٹوں کی، دوسری سر سید احمد خاں کی۔ آپ نے دیکھا ان عالی ہمت مجاہدوں نے کیسی کیسی سخت مصیبتیں اور عقوبتیں رسوائیاں اور ایذائیں برداشت کیں مگر اپنے مقصد سے منہ نہ موڑا۔ یہ بنی نوع انسان کے محسن ہیں اور زندہ جاوید ہیں ہمیں ان سے سبق حاصل کرنا چاہئے صرف انجمن بنا دینا، قرار دادیں منظور کر دینا یا حکومت سے امداد حاصل کر لینا کافی نہ ہوگا ہمیں کام کرنا ہوگا۔ کام سے مراد یہ نہیں جو سرکاری دفتروں میں ہوتا ہے کہ ۹ بجے آئے اور ۴ بجے چلتے بنے یہ کام جو ہمیں کرنا ہے پوری قوت اور استقلال سے کرنا ہوگا۔ دن رات، گرمی سردی، بارش سے بے نیاز ہو کر، کام سے عشق ہونا چاہئے۔ عشق نہیں تو وہ کام نہیں بیگار ہے۔

جو لوگ کسی بڑے مقصد کو لے کر خلوص اور صداقت سے والہانہ کام کرتے ہیں اور اپنی جان تک کھپا دینے کی پروا نہیں کرتے وہ کبھی نہیں مرتے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور جو اپنی جان عزیز رکھ کر محنت سے جی چراتے ہیں وہ مردہ ہیں۔

سلطنتوں کے تخت اُلٹ جاتے ہیں، قومیں فنا ہو جاتی ہیں، تہذیبیں مٹ جاتی ہیں لیکن ان کے ادیبوں اور مفکروں کے کارنامے زندہ رہتے ہیں۔ قدیم یونان کو ایران کی جرار فوجوں نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا مگر اس کے حکماء ادبا اور مفکرین زندہ ہیں ان کا کلام بڑے احترام سے پڑھا جاتا ہے اور ان کا

Marfat.com

کلام بڑے احترام سے پڑھا جاتا ہے اور ان کا روحانی فیض بدستور قائم ہے۔ اب بھی جب کبھی سائنس یا فلسفہ میں کوئی نیا نظریہ یا ایجاد ہوتی ہے تو اس کا سراغ کسی نہ کسی صورت سے قدیم یونان میں لگتا ہے اس کے فلسفیوں صناعوں اور ادیبوں کے نام ہر ملک اور ہر زبان میں زبان زد خاص و عام ہیں حتیٰ کہ ہمارے گھروں میں ہماری عورتیں بچے افلاطون، ارسطو، سقراط و بقراط کا نام اس طرح لیتے ہیں گویا وہ ہم ہی میں سے تھے۔

ادیب قوموں کی اصل پونجی ہیں اس پونجی کی حفاظت اور نگہداشت قوم کا مقدس فرض ہے۔ ہمارے ادیبوں کا طبقہ کس مپرسی کی حالت میں ہے ان کی محنت رائگاں جاتی ہے اس کی جیسی چاہئے ویسی قدر نہیں ہوتی بہت سے ایسے نوخیز ادیب ہیں کہ ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملتا بعض ایسی تصانیف گمنامی کی نذر ہو جاتی ہیں جو قابل قدر ہوتی ہیں۔ ایک ادیب شب و روز کی محنت اور دماغ سوزی سے اور بعض اوقات فاقے کر کے اپنی بساط کے مطابق کوئی چیز تخلیق کرتا ہے اور بہ ہزار دقت اس کی اشاعت کی سبیل نکالتا ہے یہ دیکھ اسے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرا شخص یا ناشر بغیر اجازت اسے چھاپ کر فائدہ اٹھا رہا ہے غریب ادیب کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ عدالت سے رجوع کرے لیکن انصاف اتنا مہنگا ہے کہ اس کے مصارف اس کی استطاعت سے باہر ہیں پھر عدالت کا چکر بے ڈھب ہوتا ہے۔ کئی کئی مہینے بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں بھارت اور پاکستان کے تعلقات بھی بہت تکلیف دہ ہیں بھارت والے پاکستانیوں کی ادبی

Marfat.com

پاکستانی بھارت والوں کی کتابیں بلاتکلف شائع کرتے ہیں یہاں قانونی چارہ جوئی بھی نہیں ہوسکتی۔ غرض ادیبوں کا مال بے ادبوں کی نذر ہوجاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں اور بدعنوانیاں ہیں جن کی اصلاح صرف آپ ہی کی انجمن کرسکتی ہے۔

اب آپ نے جب انجمن بنائی ہے تو اس کے ذریعہ ادب کی ترقی کے مختلف منصوبے عمل میں لاسکتے ہیں ادب اور ادیبوں کے حقوق، ادیبوں اور ناشروں کے تعلقات سے متعلق تجویزوں پر غور کرکے ضروری اور مناسب انتظام کرسکتے ہیں غرض ادب ادیبوں سے متعلق اس قسم کے تمام معاملات اسی انجمن کے ذریعہ طے ہوسکتے ہیں۔

ادب ایک شریف پیشہ ہے اس کی شرافت پر آنچ نہ آنے دیجئے۔ راستی اور خلوص آپ کا شعار ہونا چاہئے۔ آپ ادب کے ذریعہ قوم کے اخلاق اور کردار بنانے، روشن خیالی پھیلانے اور باطل خیالات اور اوہام کی تاریکی مٹانے میں بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں اپنے پیچھے ایسی یادگار چھوڑ جائیے کہ آئندہ نسلیں اس سے فیض حاصل کرتی رہیں۔

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

مل کر کام کرنے میں بڑی برکت ہوتی ہے خدا کرے آپ کی یہ انجمن ادیبوں کے لئے بابرکت اور قوم کے حق میں مفید ثابت ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

اشاریہ

الف

ابراہیم رحمت اللہ (سر) :- ۳۳۹
ابوالعطا سندھی :- ۶۰۳
ابوالفضل :- ۳۸۹
ابوضلع سندھی :- ۶۰۳
ابومحمد حافظ ابن سالم :- ۶۰۲
ابومعشر سندھی :- ۶۰۲
ابونصر سندھی :- ۶۰۲
اٹلی :- ۵۹۰
اجمل خاں (حکیم) :- ۶۹
اختر انصاری اکبرآبادی :- ۵۹۹
اخلاق ہندی :- ۱۰۳
ادب :- ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۷
۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۲۱۶
ادب جدید :- ۵۴، ۵۵
ادب قدیم :- ۳۱، ۳۳
آرائش محفل :- ۴۷۳، ۴۷۴
اردو :- ۱۸، ۴۷، ۹۲، ۹۸، ۹۹،
۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۷، ۱۲۰،
۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱،
۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸،
۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵،
۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴،
۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸،
۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶،
۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۵، ۱۹۶،
۲۰۰، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۸،
۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۵۱، ۲۵۳،
۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۷،
۲۷۱، ۲۷۹، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۶،
۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱،

Marfat.com

۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۲۱-۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۹، ۴۵۵، ۴۶۲، ۴۷۰، ۴۷۶، ۴۷۷۔

اردو اکیڈمی :- ۵۸۷

اُردو مخلوط زبان :- ۱۸، ۴۷، ۹۲، ۱۴۹، ۱۵۰، ۲۳۷، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۹۱۔

اُردو اور ہندی :- ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۴۵۹، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۶

۴۹۹

اُردو یونی ورسٹی :- ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳

آرنلڈ :- ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۳

آزاد، ابوالکلام :- ۱۶۴

آزاد، محمد حسین :- ۲۴، ۲۱۴، ۲۹۰، ۳۶۲، ۳۶۳۔

اسپرنگر :- ۴۸

اسٹائینس، سر آرل :- ۳۶۴

اسلام :- ۵۹۰، ۶۰۱

اسلوب :- ۸۷

اسمٰعیل شہید ۳۰۴

اصطلاحات :- ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱

افریقہ :- ۵۹۰

افسوس، شیر علی :- ۴۷۳، ۴۷۴

افضل حسین میاں :- ۵۸۶

اقبال، پروفیسر شیخ :- ۵۰، ۳۶۴

اقبال، علامہ سر محمد :- ۲۱۷، ۳۵۸، ۴۴

اکبر :- ۴۳۹

اکبر حیدری، سر :- ۴۲۷، ۴۲۸، ۸۸

آل انڈیا ریڈیو :- ۵۷۴، ۵۷۶

الفریڈ تھنیٹر :- ۳۳۵

Marfat.com

امام ثوری :- ۶۰۲

امام شافعی :- ۶۰۲

امام نسائیؒ :- ۶۰۲

امام وکیع :- ۶۰۲

امامی حکیم :- ۵۷۱

امداد علی، سیّد :- ۲۰۷، ۳۰۸، ۵۴۶

امریکہ :- ۵۹۰

انجمن ترقیٔ اُردو :- ۳۳، ۳۵، ۴۱، ۵۳، ۵۴، ۶۲، ۷۵، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۱۸، ۲۴۴، ۲۵۱، ۲۷۹، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۳۱، ۳۴۳، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۹۸، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۵۶، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۸۷-

انجمن ترقی پسند مصنفین :- ۷۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱-

انجمن پنجاب :- ۵۰، ۳۶۳، ۳۶۹، ۴۳۰

انجمن حمایت اسلام :- ۵۹، ۶۰، ۷۵

انڈمان :- ۵۹۰

انڈونیشیا :- ۵۹۰

انڈین ایجوکیشن کمیشن :- ۳۳۷، ۳۹۴

ایران :- ۵۹۰

افشا :- ۳۰۰

انوری :- ۱۲۹

اودھی :- ۲۵۷

اورنٹیل کالج :- ۴۴، ۵۰، ۲۱۵، ۲۴۷، ۳۶۳

اورنگ زیب :- ۲۱۲، ۲۳۶

آئرستان :- ۵۷۸

آئین اکبری :- ۳۸۹

ایچیسن، سرچارلس :- ۳۵۷

ایسٹ انڈیا کمپنی :- ۴۵، ۲۱۳، ۲۴۶، ۲۴۷، ۳۵۳، ۳۸۶، ۴۲۱، ۵۹۲، ۵۹۳-

ایسٹ انڈیا گائڈ :- ۱۱۳

ایشیا :- ۵۹۰

ب

باجن، شیخ بہاؤالدین :- ۲۰۲، ۳۸۹

Marfat.com

باغ وبہار:- ۱۱۹

بٹروس:- ۵۸۸

بخارا:- ۵۹۰

بختیار خلجی:- ۲۹۶

برج بھاشا:- ۱۳۲، ۲۵۷

برق خاطف:- ۳۳۴

برہان پور:- ۶۰۲

بسواس، کاشی ناتھ:- ۴۲۵

بغداد:- ۵۹۰

بگھیلی:- ۱۳۲، ۲۵۷

بلگرامی، سید حسین:- ۳۶۸

بلوٹسکی، میڈم:- ۴۵۸

بلوچستان:- ۵۸۰، ۵۸۷

بلوچی زبان:- ۵۸۰

بمبئی:- ۵۸۹، ۵۹۰

بنگال:- ۵۷۴، ۵۸۰

بنگالی:- ۵۸۰

بوس، سبھاش:- ۷۳

بہار:- ۵۷۵، ۵۸۰

بھارت:- ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۷، ۵۸۸، ۶۰۰

بھارتیہ ساہتیہ پرشد:- ۶۸، ۱۰۰، ۱۳۴، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۸۷، ۴۶۵۔

بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ الاسلام:- ۶۰۱

بیک، مسٹر:- ۴۶۳، ۴۶۴

بیلی، ڈبلو، بی:- ۱۷۶، ۱۷۷

پ

پاکستان:- ۵۸۲، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۹، ۶۰۰

پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس:- ۵۸۲

پائنیر:- ۲۴۱

پدماوت:- ۲۹۸

پراکرت:- ۱۸

پرسرام مشتری منشی:- ۶۰۵

پریم چند:- ۳۰، ۶۸

پریم گوپال پرکاش:- ۳۳۴

پستن جی فرام جی:- ۳۲۵

پشتو:- ۵۸۰

پنجاب:- ۵۷۵، ۵۸۰، ۵۸۲،

Marfat.com

۵۸۸ -

پنجابی اخبار:- ۳۶۱

پولستان:- ۵۷۸

پولی (زبان):- ۵۷۸، ۵۷۹

پولیس ایکشن:- ۵۹۷

پونا:- ۵۹۰

پیارے لال، ماسٹر:- ۳۶۲

پیسہ اخبار:- ۳۶۱

ت

تاراچند:- ۱۹۷

تاشقند:- ۵۹۰

تالیف وترجمہ:- ۳۲، ۳۴

تامل:- ۵۸۰

تذکرۂ ہندی:- ۹۷

تذکرۂ ہندی گویاں:- ۹۷

تذکرے:- ۳۳

ترکی:- ۵۹۰

تعلیمی کمیشن:- ۶۰۷

تلنگی:- ۵۸۰

تمیزالدین خاں:- ۳۶۸

تنقید:- ۱۴، ۳۰

تہذیب الاخلاق:- ۲۱۵، ۲۶۸

تھیٹر، اردو:- ۳۳۵، ۳۳۶

ٹ

ٹرنی ڈاڈ:- ۵۹۰

ٹنڈن جی:- ۵۸۴

ٹوڈرمل:- ۱۶۳

ٹھٹھ:- ۶۰۴

ٹیپو سلطان:- ۱۱۳

ٹیگور، رابندر ناتھ:- ۷۵

ٹیلر، کرنل:- ۳۵۵

ج

جاپان:- ۵۹۰

جام جہاں نما:- ۴۷۴

جامعہ عثمانیہ:- ۲۰۰، ۲۱۸، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۶۹، ۴۳۲، ۴۲۵، ۵۳۴، ۵۳۵-

جانم، برہان الدین:- ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶

جائسی، ملک محمد:- ۲۹۸

جدّہ :- ۵۹۰

جدید ہندی :- ۱۴۹، ۱۵۰

جرمن :- ۵۷۸

جلال الدین بخاری، حضرت :- ۶۰۱

جمعیتہ علمائے پاکستان :- ۴۵۴

جون پور ۶۰۲

چ

چارلس، ریورنڈ: ۳۶۸

چکبست: ۲۱۷

چھوٹا ناگپور :- ۵۸۸

چہار درویش، قصہ :- ۱۰۲

ح

حاتم طائی :- ۷۹

حالی :- ۲۴، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۴۵، ۱۰۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۲۵۸، ۲۸۳، ۲۸۷، ۳۶۲، ۳۸۷، ۵۹۵-

حجاز :- ۶۰۴

حطی، پروفیسر :- ۵۹۰

حفیظ الدین علی، میر :- ۶۰۵

حکمۃ الحقائق :- ۲۰۴

حکم چند : ۱۲۸

حیات جاوید :- ۳۸۳

حیدر آباد دکن : ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۹۰

حیدری حیدر بخش :- ۴۷۴

خ

خاقانی :- ۱۲۹

خسرو :- ۱۹۹، ۳۸۹

خلافت : ۴۳۳

خیام :- ۳۷۳

د

دار الترجمہ : ۳۴، ۳۵

دارمی ۶۰۲

دار المصنفین :- ۳۴

داریوش : ۳۵۱

داغ :- ۲۴، ۲۶۲

Marfat.com

دریائی قاضی محمود:- ۲۰۴، ۲۰۶

دکن:- ۶۰۴

دلّی:- ۵۸۴، ۵۸۸

دھرم نرائن، پنڈت:- ۲۱۵

دہلی:- ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۷، ۶۰۲

دہلی ریڈیو:- ۴۷۵، ۵۲۴، ۵۸۷، ۵۸۸

دہلی کالج:- ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۱۲۸، ۲۰۰، ۲۱۴، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۷۶

دہلی یونی ورسٹی:- ۲۱۴

دینی کمار چٹرجی (ڈاکٹر):- ۵۸۸

ڈ

ڈھاکہ:- ۵۸۹

ڈیوک آف اڈنبرا:- ۱۲۹

ذ

ذاکر حسین خاں، ڈاکٹر:- ۱۶۶

ذکاء اللہ:- ۲۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۱۴، ۲۱۵

ذوق:- ۱۰۳، ۴۸۹

ر

رابندر ناتھ ٹیگور، ڈاکٹر:- ۵۹۶

راجا اپرواکش:- ۱۲۰، ۳۰۶

راجپوتانہ:- ۵۷۵

راجستھانی:- ۱۳۲

راجندر پرشاد:- ۴۷۸

رادھاکانت، راجا: ۳۰۵

راس کماری:- ۵۸۳

راس مسعود:- ۴۷۷

رام چند، ماسٹر:- ۲۱۴

رامن، سر:- ۳۷۱

رانا ڈے:- ۱۹۱، ۱۹۴

رسم الخط:- ۲۵، ۲۸، ۵۷، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۱۲۸، ۲۱۹، ۳۱۴۔

رشید احمد صدیقی:- ۱۳۱

رعد، رحمت اللہ:- ۲۷۸

رفیع الدین:- ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۹۵،

Marfat.com

۵۸۹، ۵۹۰

رگ وید :- ۶۰۲

رنجیت سنگھ :- ۲۴۷، ۳۵۲

روسی (زبان) ۵۷۸

روضۃ الاخبار :- ۴۳۳

روما :- ۸۰

روہیلا، غلام قادر :- ۲۳۶

ریاست (اخبار) :- ۵۷۴، ۵۷۵

ریختہ :- ۱۸، ۹۷، ۱۰۲، ۳۵۵،
۴۷۳، ۵۰۰

ز

زبان :- ۹۲

زبان اور سیاست : ۶۹

زبان، ایک معاشرتی ضرورت :- ۶۶

زمورن :- ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۲۳، ۳۲۴

زلیویر، فرانسس :- ۳۲۶

س

سائینٹفک سوسائٹی :- ۴۴، ۴۹، ۲۱۵،
۲۶۸، ۳۶۹، ۴۷۵،

۵۹۲-

سپرنگر، ڈاکٹر :- ۵۸۸

سپرو، تیج بہادر :- ۱۴۴، ۱۷۱، ۲۲۸،
۲۴۹، ۲۹۱، ۲۹۲،
۴۹۳، ۵۷۴، ۵۹۶

سچل سرمست :- ۶۰۱

سرحد (صوبہ) :- ۵۷۵، ۵۸۰، ۵۸۷

سردار پٹیل :- ۵۷۶

سرسید :- ۲۹، ۵۵، ۶۴، ۱۰۲،
۱۲۱، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۵،
۱۳۶، ۱۳۹، ۱۶۴، ۲۱۵،
۲۱۷، ۲۳۳،
۲۶۷، ۲۷۲، ۲۸۳،
۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۳،
۳۶۵، ۳۷۹، ۳۸۵
۳۸۷، ۴۳۲، ۴۳۳
۴۳۴، ۴۶۰، ۴۶۳،
۴۶۸-

سکندر حیات :- ۴۲۷

سلطان شہید (ٹیپو سلطان) :- ۵۹۳

سلطان مسعود سعد :- ۳۵۱

Marfat.com

سلیم، وحیدالدین:۔ ۳۷۰

سمپورنانند:۔ ۱۸۰، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۰، ۲۵۹،

۲۶۰

سمرقند:۔ ۵۹۰

سندرلال پنڈت:۔ ۴۹۹

سنڈیپال:۔ سرودا پرشا دبالو:۔ ۲۶۹، ۲۸۵

سندھ:۔ ۵۸۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵

سندھی (زبان) ۵۸۰، ۵۹۹، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶،

سندھ یونی ورسٹی:۔ ۵۸۰

سیانی:۔ ۳۹۴

سیداحمد بریلوی:۔ ۳۰۴

سید سلیمان ندوی: ۱۶۴

سیف الملوک بدیع الجمال:۔ ۲۹۸

سیلون:۔ ۵۹۰

سین، دینش چندر:۔ ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۲۔

سیواجی:۔ ۱۲۴

ش

شارپ مسٹر:۔ ۳۳۸

شاستری، سری نواس:۔ ۲۹۱

شام:۔ ۵۷۲، ۶۰۲

شاہ جہاں:۔ ۲۱۲

شاہ عالم:۔ ۲۳۶، ۳۰۵، ۳۲۶

شاہ ناصر:۔ ۱۲۹

شاہ ولی محدث دہلوی:۔ ۶۰۲

شائق، محمد:۔ ۳۶۹

شبلی: ۳۹، ۱۳۵، ۲۶۹،

۲۷۳

شدھی اور سنگھٹن:۔ ۷۰، ۱۳۱، ۲۸۹

شرر، عبد الحلیم:۔ ۵۴۰، ۵۹۳

شرما، پدم سنگھ:۔ ۲۵۸

شفیع، پروفیسر محمد:۔ ۵۰، ۳۶۴

شکلا، روی شنکر:۔ ۳۷۸، ۳۸۱،

۳۸۴

شمس البیان:۔ ۴۷۴

شوکراس، پرنسپل:۔ ۵۸۳، ۵۸۴

شہاب الدین، قاضی:۔ ۳۳۷، ۳۹۴

Marfat.com

شیخ داد :- ۶۰۵

شیخ شرف الدین یحیٰی منیری :- ۹۵

شیرانی، محمود خاں حافظ :- ۱۴، ۳۴، ۲۲۸

شیر علی علی قانع ٹھٹوی میر :- ۶۰۵

شیکسپیر، مسٹر :- ۲۸۱، ۳۸۸

شیو پرشاد، بابو :- ۱۳۰، ۴۷۴

ض

ضلع جگت :- ۱۳۵

ط

طپش مرزا :- ۴۷۴

طرابلس :- ۳۲۰

طوفان نوح :- ۵۷۲

طہران :- ۵۹۰

طیب جی، بدرالدین جسٹس :- ۳۳۳، ۳۳۷، ۳۹۴

ظ

ظفر، بہادر شاہ :- ۳۴۶

ع

عبدالحق، ڈاکٹر :- ۳۱۹

عبدالحق خیر آبادی، مولانا :- ۴۱۲

عبدالحق محدث دہلوی (شاہ) :- ۶۰۲

عبدالسبحان فائز ٹھٹوی :- ۶۰۵

عبدالقادر، شیخ :- ۳۵۰

عبدالقادر، مولانا :- ۳۱۸

عبداللطیف بھٹائی شاہ :- ۶۰۱

عثمانیہ یونی ورسٹی :- ۳۴، ۵۸۴، ۵۸۸، ۵۹۶

عدن :- ۵۹۰

عراق :- ۶۰۲

علی گڑھ اسکول :- ۱۳۶

علی گڈھ تحریک :- ۵۴، ۴۷۱

عمر حیات ملک، ڈاکٹر :- ۳۵۰

عیسٰی، حضرت :- ۵۸۴

غ

غالب :- ۴۰

غرناطہ :- ۲۹۷

Marfat.com

غیاث الدین :- ۲۹۷

ف

فارسی :- ۶۰۴
فتح نرائن سنگھ بابو :- ۱۲۱
فجی :- ۵۹۰
فردوسی :- ۱۲۹
فریڈرک :- ۱۲۲
فسانۂ عجائب :- ۱۰۲
فضل الرحمٰن :- ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۸۹
فورٹ ولیم کالج :- ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۱۱۰، ۱۳۲، ۲۱۴، ۳۰۳، ۴۷۳
فیروز تغلق :- ۶۰۴
فیض الحسن :- ۳۶۴، ۴۱۲
فیلن :- ۳۰۷، ۵۴۴

ق

قاہرہ :- ۵۹۰
قائداعظم :- ۴۳۴، ۴۵۴، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۴
قلی قطب شاہ :- ۲۰۷
قنوجی :- ۲۵۷

ک

کارنوالس، لارڈ :- ۵۹۳
کالی کشن بہادر، راجہ :- ۱۲۰، ۱۳۰، ۲۵۵
کامل، سید حیدرالدین :- ۶۰۵
کانگریس :- ۷۶، ۱۰۷، ۱۲۱، ۱۲۷، ۲۵۸، ۳۸۳، ۳۹۰، ۵۸۰
کراچی :- ۵۸۲، ۵۸۵، ۵۸۷
کربلا :- ۵۹۰
کڑا :- ۶۰۲
کرامت حسین :- ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۹
کشف الاخبار :- ۳۳۴
کشمیر :- ۵۸۰، ۵۸۳، ۶۰۷
کشمیری (زبان) :- ۵۸۰
کلاڑ :- ۳۲۵
کلکتہ ریویو :- ۲۹۹
کنٹری :- ۵۸۰

Marfat.com

کیمپبل :- ۳۰۷، ۳۱۰، ۵۴۶

کنفوشس :- ۴۵۲

کول بروک :- ۱۱۵

کوہِ نور :- ۳۶۱

کھرے، ڈاکٹر :- ۱۷۳

کھیر :- ۳۴۰، ۳۵۸، ۳۹۳

گ

گارساں دتاسی :- ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۳۰۵، ۴۷۴

گاندھی، مہاتما :- ۶۸، ۹۶، ۷۰، ۷۷، ۹۹، ۱۰۰، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۷، ۲۲۹، ۲۵۰، ۲۵۷، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۵۹، ۳۸۲، ۳۸۴، ۵۷۴، ۵۸۰

گجرات :- ۵۸۰، ۶۰۴

گجری، گجراتی :- ۵۸۰، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۸۹

گڈنی، سرہنڈی :- ۵۲۵

گرانٹ، جے بی :- ۱۱۹، ۱۲۰، ۳۰۵، ۳۰۶

گروس :- ۱۷۷

گریرسن :- ۱۷۷، ۱۸۳

گلشن سعد اللہ :- ۲۰۸

گل کرسٹ، ڈاکٹر جان :- ۴۷، ۱۱۰، ۱۱۵

گورنر جنرل :- ۵۸۷

گی آنا :- ۵۹۰

ل

لارنس، سرجان :- ۳۵۴

لارنس، وی، جے :- ۴۷۵

لاہور :- ۵۸۷، ۵۹۰

لائٹنر، ڈاکٹر :- ۵۰، ۲۱۵، ۳۶۴

لعل شہباز، قلندر :- ۶۰۱

لغات :- ۳۵

لکشمن سروپ :- ۴۶۴

م

ماریشس :- ۵۹۰

ماسکو :- ۵۹۰

Marfat.com

مالویہ، مدن موہن:- ۱۵۳، ۱۶۵، ۲۸۹
متر، بابو راجندر لال:- ۳۶۸
مت شی ہٹو (شہنشاہ جاپان):- ۵۹۵
مشکات: ۱۱۵
محسن الملک:- ۲۸۸، ۴۶۰
محمد ایوب خان فیلڈ مارشل:- ۶۰۷، ۶۰۸،
محمد بن قاسم:- ۲۰۲
محمد تغلق:- ۲۰۸، ۶۰۴
محمد علی:- ۳۱۸
محی الدین، سید:- ۳۱۸
مدراس:- ۵۸۴، ۵۸۸
مدرسہ عالیہ کلکتہ:- ۳۰۳، ۳۱۲
مدینہ: ۵۹۰
مراد:- ۳۵۳
مراکش:- ۳۲۰، ۳۶۳
مرہٹے:- ۵۸۰، ۵۸۹
مسدس:- ۴۰
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس:- ۲۸۳
مسلم لیگ:- ۵۸۹، ۵۹۰
مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ:- ۲۷۴

۳۰۴
مشرقی پاکستان:- ۵۸۸
مصحفی:- ۹۷
مصر:- ۵۹۰
مطبع کریمی:- ۳۳۴
مطبع نول کشور:- ۳۳۴
مغربی پاکستان:- ۶۰۵
مفتون، دیوان سنگھ:- ۵۷۴
مکالمے:- ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴
مکہ:- ۵۹۰
مقالات الشعراء:- ۶۰۵
ملایا:- ۵۹۰
ملیالم:- ۳۲۶، ۵۸۰
منٹگمری:- ۱۲۰، ۳۵۵
منشی، کنہیا لال:- ۶۸
موسیٰ ندی:- ۵۸۴
موسیو دلیوپان:- ۱۱۷
مولیئر:- ۲۰۷
موہن جوڈارو:- ۶۰۲
مہابھارت:- ۲۹۷
مہاراشٹر:- ۵۸۰
مہرچند کھتری، لاہوری:- ۴۷۴

Marfat.com

میٹرکیولیشن :- ۵۸۳
میدان شمار :- ۵۷۲
میراں من :- ۴۷۴
میراں جی :- ۲۰۵
میسور :- ۵۸۸
میکڈانلڈ، اینٹونی :- ۱۳۱، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۱، ۴۵۹، ۴۶۰۔
میکس ملر :- ۱۲۵، ۴۵۸
میمن، عبدالعزیز :- ۳۶۴
مینا رابل :- ۵۷۲
میور، سر ولیم :- ۱۲۱

ن

ناگری :- ۵۸۰
نٹ رابجن :- ۳۳۸، ۳۹۵
نجف :- ۵۹۰
نذیر احمد :- ۲۴، ۲۹، ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۷۶، ۲۷۷، ۳۳۳
نصرتی :- ۲۰۷
نصیر شاہ :- ۲۹۷
نظام الملک :- ۲۱۲
نظیر :- ۲۰۳
نندی شری کرن :- ۲۹۷
نہرو، جواہر لال :- ۱۵۴، ۱۷۳
نیٹو :- ۵۸۳

و

وادی مہران :- ۵۹۹، ۶۰۴
واسکو ڈی گاما :- ۳۲۱
واقدی :- ۶۰۲
والتیر :- ۴۵۳
وجہی :- ۹۸
وڈیا مندر اسکیم :- ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۰
ولز :- ۳۶۴
ولنگڈن :- ۳۳۹
ولی :- ۲۰۸
وندسمش، پروفیسر :- ۱۹
ون لینگوئج اینڈ ون اسکرپٹ (انجمن) :- ۵۷۹
ولیسٹ انڈیز :- ۵۹۰
ویلزلی :- ۴۶

❊ ❊ ❊

Marfat.com

ہ

ہالرائیڈ، کرنل:- ۵۸۸
ہال، سرایڈورڈ:- ۱۳۲
ہاورڈ:- ۳۳۶
ہجویری، شیخ علی:- ۳۵۱
ہرنجن سیوک:- ۵۷۴
ہری گودل، مسٹر:- ۷۳
ہمالیہ:- ۶۰۱
ہمایوں:- ۳۶۲
ہنٹر، ڈاکٹر:- ۲۸۷، ۳۳۷، ۳۹۴
ہندوستان:- ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۸۰،
۵۸۱
ہندوستانی:- ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰،
۷۱، ۷۲، ۹۳، ۹۷،
۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳،
۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۰،
۱۳۶، ۱۴۵، ۱۴۶،
۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۴،
۱۵۵، ۱۶۳، ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۶،
۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴،
۱۹۶، ۲۴۴، ۲۵۰،
۳۰۲، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۲،
۳۸۲، ۴۶۵، ۴۷۳،
۴۷۶، ۵۷۴، ۵۷۵
ہندوستانی اکاڈمی:- ۳۴، ۵۷، ۵۸
ہندوستانی کمیٹی:- ۴۷۹
ہندی:- ۷۰، ۷۱، ۹۴، ۹۷، ۱۲۸،
۱۳۲، ۱۴۸، ۱۴۹،
۱۵۲، ۱۵۵، ۱۶۴،
۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۴،
۱۸۴، ۱۹۴، ۲۱۰،
۲۱۶، ۲۳۹، ۲۴۷،
۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۰،
۲۶۳، ۲۸۹، ۲۹۰،
۳۰۵، ۳۸۳، ۳۸۸،
۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲،
۴۵۵، ۴۵۸، ۴۷۳، ۴۷۶،
۴۷۷، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۸۰
ہنری گرڈنی (سر):- ۵۷۷

Marfat.com

ہندی اور اردو: ۹۸، ۱۰۱، ۱۲۱، ۱۲۶، ۱۷۱۔

ہندی ہندوستانی: ۹۹، ۱۷۴

ہنس: ۶۷، ۶۸

ی

یو۔پی: ۵۷۵، ۵۸۰

یورپ: ۵۹۰، ۵۹۴

یونی ورسٹی: ۳۷، ۳۸، ۳۹

×~×~×~×~

ذخیرہ

Marfat.com

Marfat.com

واحد تقسیم کنندگان

گلڈ۔ انجمن کتاب گھر

نمبر۳ صدر کو آپریٹو مارکیٹ، وکٹوریہ روڈ،
کراچی۔

Marfat.com